شہید المحراب

عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ

سید عمر تلمسانی

ترجمہ

حافظ محمد ادریس

DATA ENTERED

البدر پبلی کیشنز
۲۳ راحت مارکیٹ اردو بازار لاہور۔ فون: 7225030

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

☆ نام کتاب — شہید المحراب عمر بن الخطابؓ

☆ مصنف — سیّد عمر تلمسانی

☆ مترجم — حافظ محمد ادریس

☆ ناشر — عبدالحفیظ احمد

☆ اشاعت — جنوری 2010ء

☆ مطبع — علی اعجاز پرنٹرز لاہور

☆ ہدیہ — -/300 روپے

Marfat.com

۱۵-۱۰-۱۱-۹۵

فہرست مضامین

دیباچہ از مترجم 7

تعارف طالب ہاشمی 12

فاتحہ الکتاب 19

پہلا باب

عمرؓ ــــــ قبولِ اسلام سے پہلے 59

دوسرا باب

عمرؓ اور اُن کے ساتھی 85

تیسرا باب

سیّدنا عمرؓ اور قرآن مجید 145

Marfat.com

چوتھا باب

عمرؓ بطور خلیفۂ راشد 172

پانچواں باب

اسلام میں عورتوں کے حقوق و مراتب 286

چھٹا باپ

جہاد 346

ساتواں باب

حضرت عمرؓ اور حضرت خالدؓ بن ولید 399

آٹھواں باب

حضرت عمرؓ اور خراجی زمینیں 417

Marfat.com

دیباچہ از مترجم

شیخ عمر تلمسانی ــــ اخوان المسلمون کے تیسرے مرشدِ عام تھے۔ پیشے کے لحاظ سے وکیل ہونے کے باوجود آپ کا تشخص اسلامی علوم و معارف کے حوالے سے زیادہ ممتاز اور نمایاں ہے۔ آپ نے اپنے دور کے دو عظیم مصلحین حسن البناء شہیدؒ اور حسن الہضیبی ــــ کی رفاقت اور قربت میں طویل عرصہ گزارا۔ اخوان کے مکتبِ ارشاد کے رکن ہونیکی وجہ سے شروع ہی سے تنظیمی و اجتماعی امور سے متعلق رہے۔

شیخ عمر تلمسانی ؒ نے کئی کتابیں لکھی ہیں۔ حالاتِ حاضرہ ' سیاست ' تاریخ ' عمرانیات اور دینی علوم پر آپ کی نگارشات پوری عرب دنیا سے خراجِ تحسین وصول کر چکی ہیں۔ آپ صاحبِ طرز ادیب تھے اور ہر بات لکھنے سے قبل اس کی تحقیق کر لیا کرتے تھے ' ہم نے اس سے قبل مرحوم کی ذاتی یادداشتوں کو " یادوں کی امانت " کے نام سے اردو میں منتقل کر کے نذرِ قارئین کیا تھا ' قارئین نے ہماری اس کاوش کو جو پذیرائی بخشی وہ خاصی حوصلہ افزا تھی۔

شیخ تلمسانی ؒ کی کتاب "شہید المحراب عمر بن خطاب " کے بارے میں بہت سے دوستوں کی آرا سنی تھیں پہلی بار اس کتاب کو دیکھنے کا اتفاق مارچ ۱۹۸۷ء میں دبئی میں ہوا۔ کتاب کے عنوان ہی نے دامنِ دل کھینچ لیا۔ دبئی میں یہ کتاب ایک اخوانی دوست کے ہاں دیکھی تھی۔ ان کی لائبریری میں ایک ہی نسخہ تھا۔ پڑھنے کا بہت شوق تھا۔ امارات اور پھر سعودی عرب کے مکتبوں میں اسے تلاش کیا مگر کتاب نہ مل سکی۔ ریاض میں انہی دنوں ایک عرب بزرگ سے ملاقات ہوئی جو اخوان اور جماعت سے شاکی تھے۔ انہوں نے جماعت اور اخوان پر دیگر اعتراضات کے علاوہ عمر تلمسانی مرحوم کی اس کتاب کا خاص طور پر حوالہ دیا اور اسے عقائد سلفیہ سے روگردانی کے مترادف قرار دیا۔ مجھے کتاب پڑھنے کا شوق تو پہلے ہی سے تھا اب اس میں تجسّس کا اور اضافہ ہوا۔ کتاب کی تلاش جاری رہی مگر وہ دستیاب نہ ہو سکی۔

Marfat.com

آغاز جون ۱۹۸۷ء میں تین ماہ کے طویل غیر ملکی دورے کے بعد لاہور آیا تو حسنِ اتفاق سے اس کتاب کا ایک قدیم نسخہ برادرِ محترم حفیظ احمد (البدر پبلی کیشنز) نے پیش کیا۔ انہوں نے بھی اس کتاب کا تذکرہ میری زبانی کئی مرتبہ سنا تھا۔ انہوں نے اس کتاب کو اردو میں منتقل کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ مجھے کتاب کی دستیابی کی مسرت ہوئی مگر ترجمہ کرنے کی ہمت نہ پڑی کیونکہ ترجمہ کے لئے توجہ، فرصت اور قابلیت کی ضرورت تھی، اور میں ان میں سے کسی چیز سے بھی بہرہ ور نہ تھا۔ اس دوران میں میں نے کتاب کی ورق گردانی شروع کر دی۔ کتاب کھولی تو پتہ چلا کہ اس کے شروع کے ۴۴ صفحات غائب ہیں۔ حفیظ صاحب سے استفسار کیا تو انہوں نے بتایا کہ حافظ محمد حنیف صاحب (رکن جماعت اسلامی لاہور، مالک مکتبہ چراغ اسلام) نے ترجمے کا آغاز کیا تھا مگر بعد میں انہوں نے معذرت کر دی۔ شروع کے صفحات انہی کے پاس ہیں۔ حفیظ صاحب کے اصرار پر میں نے ترجمہ کرنے کی ہامی بھر لی مگر اپنی کمزوریوں کی وجہ سے کافی مہینوں تک کام شروع نہ کر سکا۔ ترجمے کا آغاز ستمبر ۱۹۸۷ء کے اواخر میں ہوا۔ ہفت روزہ "ایشیا" لاہور میں ترجمے کی پہلی قسط ۱۱ اکتوبر ۱۹۸۷ء کے شمارے میں شائع ہوئی۔ شروع کے صفحات چونکہ موجود نہ تھے اس لئے ترجمہ صفحہ ۴۵ سے شروع ہوا۔ ابتدائی صفحات بعد میں ملے اور ان کا ترجمہ بعد میں ہوا ایشیا میں چھپنے والی پہلی قسط صفحہ ۴۶ سے شروع ہوئی تھی۔

میں اپنی مشغولیت کی وجہ سے یہ کام مسلسل نہ کر سکتا تھا مگر مدیر ایشیا محترم چوہدری غلام جیلانی صاحب اور حفیظ احمد صاحب کا اصرار مہمیز کا کام کرتا رہا۔ میں تھوڑا بہت ترجمہ کبھی کبھار کر لیتا تھا جو ایشیا کے صفحات میں قسط وار شائع ہوتا رہا۔ ملک میں دوروں کے دوران قارئین ایشیا بھی ہمت افزائی اور ترغیب دلاتے رہے۔ ترجمے کے بعض حصے اب تک ایشیا میں چھپ چکے ہیں۔ قارئین ایشیا اور تحریکی احباب اکثر پوچھتے رہتے ہیں کہ ترجمہ مکمل کتابی صورت میں کب آئے گا۔ اس سے ان کے اشتیاق کا کچھ اندازہ ہوتا رہتا ہے۔

خدا خدا کر کے آج یہ ترجمہ مکمل ہوا ہے اور میں یہ سطور لکھ رہا ہوں۔

ترجمہ جیسا کیسا بھی ہے نذرِ قارئین ہے۔ خدا کرے کہ یہ کاوش مفید ثابت ہو۔ اس میں جہاں کہیں خامیاں رہ گئی ہیں وہ میری ذاتی کمزوری اور کم علمی کی وجہ سے ہیں۔ اہلِ علم و نظر سے درخواست ہے کہ ایسی خامیوں کی نشان دھی کر کے عنداللہ ماجور ہوں اور احقر کی اصلاح فرما کے مشکور فرمائیں۔

"شہید المحراب" عام روایتی انداز میں تاریخ و سوانح کی کتاب نہیں۔ حقیقت میں یہ تاریخ نہیں تحریک ہے، عمر تلمسانی نے اسے ایک تحریکی کارکن اور رہنما کی حیثیت سے لکھا ہے۔ ان کا اپنا ایک انداز اور ذوق ہے۔ وہ ہر موضوع پر تحریکی نقطہ نظر سے قلم اٹھاتے ہیں۔ اس کتاب میں جگہ جگہ انہوں نے خود بھی اس کا تذکرہ کیا ہے۔

عام طور پر تاریخ کے موضوعات پر لکھنے والے حضرات واقعات کو تفصیل سے اور تاریخ وار لکھتے ہیں۔ تاریخ نگاری کا یہی مسلمہ طریقہ ہے اور اسی سے قاری کی تسلی ہوتی ہے۔ سیرتِ عمر فاروق پر بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ مثلاً ایک اہم اور قابل مطالعہ کتاب مولانا شبلی نعمانی کی "الفاروق" ہے۔ اس میں اور دیگر کتابوں میں سوانح نگاری کے اسلوب کے مطابق حضرت عمر کا نام و نسب، خاندان، بچپن، جوانی، اسلام دشمنی، قبول اسلام، اسلامی خدمات، ہجرت، جہاد میں شمولیت، حضور کے ساتھ مدینہ کی اسلامی ریاست کے قیام میں حصہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت ابو بکرؓ میں ان کے کردار، ابو بکرؓ کے بعد ان کا بطور خلیفہ انتخاب، فتوحات، اصلاحات، مناقب، شہادت وغیرہ سارے واقعات پوری جزرسی اور تاریخی تفصیلات کے ساتھ ترتیب وار لکھے گئے ہیں۔ سید عمر تلمسانی مرحوم کا اپنا انداز اور اسلوب ہے۔

انہوں نے حضرت عمرؓ کی سیرت پر اچھوتے انداز میں قلم اٹھایا ہے۔ ممکن ہے یہ انداز بعض قارئین کو غیر مانوس لگے مگر جیسا کہ مصنف مرحوم نے جگہ جگہ وضاحت کی ہے وہ واقعات کی نقشہ کشی سے دلچسپی نہ رکھتے تھے۔ ان کے مدِ نظر یہ تھا کہ سیرت عمرؓ سے تربیتِ افراد اور تنظیم معاشرہ کا کام لیا جائے۔ ان کے اپنے الفاظ میں یہ کتاب سیرت عمرؓ کے خوب صورت و معطر پھولوں سے ترتیب دیا ہوا ایک گل دستہ ہے۔ گلدستے میں مختلف و متنوع پھول ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے ہیں۔

Marfat.com

اسلام نے زندگی کے ہر شعبے میں انسان کو رہنمائی دی ہے۔ حضرت عمرؓ اسلامی طرزِ زندگی کا بہترین نمونہ تھے۔ شمع رسالت سے روشنی پانے کے بعد وہ خود بھی منبع نور و ہدایت بن گئے تھے۔ ان کی سیرت کے فضائل و مناقب کے چیدہ چیدہ واقعات لیکر مصنف مرحوم نے امت کے سامنے یوں پیش کئے ہیں کہ وہ اخلاق و کردار کے لئے مربیانہ دروس بن گئے ہیں۔ فتوحات کے ایمان پرور تذکروں سے بھی خوشہ چینی کی ہے اور ان سے کچھ نتائج اخذ کر کے دعوت فکر و عمل کا اہتمام کیا ہے۔ شادی بیاہ اور معاشرتی معاملات' احساس ذمہ داری اور رعایا کی خبر گیری' غلاموں سے حسنِ سلوک اور ان کے حقوق کی نگہداشت' غیر مسلم رعایا کے حقوق کی ضمانت' عورتوں کے مسائل و مشکلات سے باخبری اور ان کے حل میں مدد و تعاون' بچوں سے گھل مل جانا اور اپنے ساتھ مانوس کر لینا' بیت المال کا نظام اور محاسبے کا انتظام' قرآن و سنت کی تعلیمات اور ان کی ترویج' سختی کے وقت ایسی شدت کہ دریاؤں کے دل دہل جائیں اور پہاڑ کانپ اٹھیں اور نرمی کے وقت ایسی نرمی کہ بریشم بھی شرمسار ہو جائے' کمزوروں اور بیکسوں کے سامنے عاجزی و انکساری اور زبردستوں کے مقابلے پر صلابت' اہل علم و تقویٰ کی عزت و توقیر اور اہل شر و فساد کی بیخ کنی' مشورہ دینے میں جرأت و صراحت اور اجتماعی فیصلہ قبول کرنے میں کامل اطاعت و خود سپردگی' اللہ کی رحمت سے پر امید اور اسکے عذاب سے لرزاں اور ترساں' شہری و مدنی اور بین الاقوامی قانون سازی کے بیک وقت ماہر و استاذ' غرض ہر موضوع پر سیرت عمر ایک حسین مرقع ہے اور مصنف مرحوم نے اس میں سے خوبصورت تصاویر جمع کر کے ایک البم سجادی ہے۔ قاری کو اس کتاب کا مطالعہ اسی نقطہ نظر سے کرنا چاہئے۔

بعض مقامات پر مصنف مرحوم نے کسی موضوع کو اپنی پسند اور ذوق کے مطابق بہت مفصل کر دیا ہے جس میں تکرار بھی ہو گئی ہے ہم نے ترجمے میں کہیں کہیں یہ کوشش کی ہے کہ ایسے مقامات تکرار سے بچ کر نفسِ مضمون کا خلاصہ پیش کر دیا جائے۔ تحریکی کارکنوں اور رہنماؤں کے لئے یہ کتاب بہترین گائڈ بک کا کام دے سکتی ہے۔ اس میں درج شدہ سیرت کے واقعات

Marfat.com

مختلف موضوعات پر تحریروں اور تقریروں میں بطور حوالہ پیش کئے جاسکتے ہیں۔ یہ حوالے یقیناً بات میں وزن اور تاثیر پیدا کر دیں گے' ان واقعات کے مستند حوالے بھی مصنف نے کتاب و سنت اور تاریخ کے مآخذ سے دیئے ہیں۔ مصنف مرحوم خود تحریکی کارکن اور رہنما تھے اس لئے تحریک کے مسائل و مشاکل اور ضروریات و ترجیحات سے بخوبی واقف تھے۔ انہوں نے واقعتاً تاریخ کو تحریک بنا دیا ہے۔

اس کتاب کے ترجمے کے دوران میں ایک دوسری کتاب "معجزاتِ سرورِ عالم" بھی زیر ترجمہ رہی۔ وہ نسبتاً مختصر تھی اس لئے جلدی مکمل بھی ہو گئی تھی۔ اللہ کا شکر ہے کہ آج یہ کام بھی پایۂ تکمیل کو پہنچا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اسے شرفِ قبولیت بخشے اور ہماری لغزشوں سے درگزر فرمائے۔

حافظ محمد ادریس
(منصورہ)
۲۶ ستمبر ۱۹۸۸ء
۱۴ صفر ۱۴۰۹ء

Marfat.com

تعارف

خاتم الانبیاء والرسل فخر موجودات سرور کائنات جناب محمّد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین وہ نفوس قدسی ہیں جن کو' آپ کے جمال جہاں آرا سے اپنی آنکھیں روشن کرنے اور آپ کی رفاقت وصحبت کالازوال شرف حاصل ہوا ان کی سیرت و کردار اور دین حق کو پھیلانے اور سر بلند کرنے کے لئے ان کے مہتم بالشان کارنامے قوت ایمانی کے ایسے روشن چراغ ہیں جو قرن اول سے لے کر آج تک امت کو فوز و فلاح کا راستہ دکھاتے رہے ہیں-

دین حق کے ان فدائیوں نے راہ حق میں جو مصائب و آلام برداشت کئے ان کا حال پڑھ کر جسم پر کپکپی طاری ہو جاتی ہے -دین حنیف کی سربلندی کے لیے انہوں نے زندگی کے ہر میدان میں ایسی بے مثال قربانیاں دیں کہ ان کا اجتماعی وانفرادی کردار ابد تک تمام فرزندان توحید کے لیے منارہ نور بن گیا- بلا شبہ یہ نفوس قدسی امت اسلامیہ کے محسنین ہیں انہوں نے سر دھڑ کی بازی لگا کر نخل اسلام کو اپنے خون سے سینچا - آج دنیا میں کروڑوں مسلمانوں کا وجود انہی محسنین امت کے جوش ایمان' عزم و استقامت اور ایثار و قربانی کا مرہون منت ہے -ہر مسلمان کا ایمان ہے کہ کتاب اللہ کے بعد ہدایت کا سر چشمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا اسوہ حسنہ ہے جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوا ہے

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اسوہ حسنہ اپنی تمام جزئیات کے ساتھ ہم تک صرف اور صرف صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین کے ذریعے پہنچا-

Marfat.com

انہوں نے نہ صرف حضور کے ارشادات مقدسہ ہم تک پہنچائے بلکہ ہمیں یہ بھی بتایا کہ آپ نے فلاں موقع اور فلاں معاملے میں یہ طرز عمل اختیار فرمایا، یا یوں رہنمائی فرمائی۔

جہاں تک صحابیت کا تعلق ہے تو یہ شرف تمام صحابہ کرام میں مشترک تھا اور اللہ تعالیٰ نے ان سب کو اپنے راضی ہونے کی بشارت دی ہے جیساکہ سورہ توبہ میں ارشاد ہوا ہے

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ۔

وہ مہاجر و انصار، جنہوں نے سب سے پہلے دعوت ایمان پر لبیک کہنے میں سبقت کی نیز وہ جو بعد میں راستبازی کے ساتھ ان کے پیچھے آئے۔ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ اللہ نے ان کے لیے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے یہی وہ عظیم الشان کامیابی ہے۔

شرف صحابیت مشترک ہونے کے باوصف صحابہ کرام کے مراتب میں فرق ہے۔ یہ فرق ان کے زمانہ قبول اسلام، بارگاہِ نبوی میں تقرب اور بعض دوسرے خصائص و فضائل کی بناء پر ہے۔ جمہور علماء اہل سنت کے نزدیک خلفاء راشدین دوسرے تمام صحابہ و صحابیات سے افضل ہیں اور خلفاء راشدین میں بھی مدارج فضیلت بہ ترتیب خلافت قائم ہوئے ہیں۔ گویا سیدنا حضرت ابوبکر صدیق اور سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما

دونوں انبیاء علیہم السلام کے بعد افضل البشر ہیں۔

آج سے چند سال پہلے اخوان المسلمون کے تیسرے مرشد عام شیخ عمر تلمسانی رحمتہ اللہ علیہ کے دل میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات ڈالی کہ وہ سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیرت و کردار کے بارے میں کچھ لکھیں چنانچہ ان کا رہوار قلم اس راہ پر منزلوں پر منزلیں مارنے لگا یہاں تک کہ "شہید المحراب عمر بن خطاب" کے نام سے ایک معرکہ آرا کتاب عربی زبان میں تیار ہو گئی۔ ہمارے فاضل دوست جناب حافظ محمد ادریس کو حسن اتفاق سے اس کتاب کو دیکھنے کا موقع ملا تو وہ اس کے اسلوب نگارش اور حسن بیان سے بے حد متاثر ہوئے اور ان کے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ اردو دان طبقہ کو اس بلند پایہ کتاب کے مطالعہ سے محروم نہیں رہنا چاہیئے چنانچہ انہوں نے اسے اردو کے قالب میں ڈھالنا شروع کر دیا اور اسی وقت دم لیا جب یہ کام پایہ تکمیل تک پہنچ گیا۔

فاضل مترجم نے دیباچہ کتاب میں لکھا ہے کہ ۔۔

"شہید المحراب عام روایتی انداز میں تاریخ و سوانح کی کتاب نہیں، حقیقت میں یہ تاریخ نہیں تحریک ہے۔ عمر تلمسانی نے اسے ایک تحریکی کارکن اور رہنما کی حیثیت سے لکھا۔ ان کا اپنا ایک انداز اور ذوق ہے۔ وہ ہر موضوع پر تحریکی نظر سے قلم اٹھاتے ہیں اس کتاب میں جگہ جگہ انہوں نے اس کا تذکرہ بھی کیا ہے"۔

بلاشبہ سیدنا فاروق اعظم کی یہ کتاب سیرہ عام روایتی انداز میں نہیں لکھی گئی لیکن فاضل مصنف نے ان کے تمام خصائص و فضائل کی، جن میں سے ایک ایک تاج افتخار کا گوہر شاہوار کہے جانے کا مستحق ہے، ایسی خوبی سے عکاسی کی ہے کہ قاری کے دل پر نہ صرف فاروق اعظم کی عظمت نقش ہو جاتی ہے بلکہ اس کا ایمان بھی تازہ ہو جاتا ہے

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ مراد رسول تھے۔ ان کا قلب روشن انوار الٰہی کا

Marfat.com

محیط تھا- ان کی بصیرت و دانش جہانِ عقل و خرد کو نئی شادابی اور تازگی عطا کرتی تھی - ان کا فہم رسا ان حقائق کا بھی ادراک کر لیتا تھا جو مستقبل کے اندھیروں میں مستور ہوتے تھے - ان کی حق گوئی و بے باکی' شجاعت و ہمت' پامردی و استقامت' دیانت و امانت' ذہانت و طباعی اور انابت و خشیت کی مثالیں تاریخ کے صفحات پر اس طرح چمک رہی ہیں کہ ان کو دیکھ کر آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں - ان کے بارے میں صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی وفات سے پہلے یہ شہادت دی کہ "الٰہی میں نے تیری مخلوق پر روئے زمین کے سب سے بہتر انسان کو امیر بنایا ہے"-

(خلیفہ کی حیثیت سے انہوں نے اپنے عدل و انصاف' زہد و تقویٰ' مردم شناسی' تواضع' سادگی' ارباب کمال کی قدردانی' خیر خواہی خلق' اصابت رائے' مجاہدین اور عامہ المسلمین کی محیر العقول قیادت و رہنمائی کی ایسی مثال قائم کی کہ آج بھی مسلم ممالک کے حکمران ان سے سبق سیکھ کر عروج اور کامرانی کی راہ پر گامزن ہو سکتے ہیں) فی الحقیقت وہ ایک ایسی جامع کمالات و صفات شخصیت تھے جن کی سیرت و کردار کی عکاسی کا حق وہی شخص ادا کر سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے قلب تپاں سے نوازا ہو - اس کے ساتھ ہی وہ علم و فضل کی دولت سے بھی بہرہ ور ہو اور راہ حق میں مصائب و آلام کے دشت بلا سے بھی گزر چکا ہو - شیخ عمر تلمسانی' اللہ ان پر اپنی لاکھوں رحمتیں نازل فرمائے' ایک ایسی ہی جامع صفات شخصیت تھے قربانی' ایثار اور عمل کے پیکر جمیل' انہوں نے اچھوتے اور البیلے اسلوب میں سیدنا فاروق اعظمؓ کی مثالی سیرت کے بہت سے ایمان افروز وقائع اور حقائق کو صفحہ قرطاس کی زینت بنایا ہے - اس اسلوب بیان میں سادگی بھی ہے اور پرکاری بھی' شگفتگی بھی ہے اور شستگی بھی' تحریک بھی ہے اور تاثیر بھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کتاب لکھتے وقت ان کے لب پر یہ دعا تھی--

یارب دل مسلم کو وہ زندہ تمنا دے
جو قلب کو گرما دے، جو روح کو تڑپا دے

Marfat.com

ایسی ایمان افروز کتاب کے ترجمہ کا اہل بھی وہی شخص ہو سکتا تھا جس کے نہاں خانہ سینہ میں وہی شمع روشن ہوتی جو شیخ عمر تلمسانی کے سینۂ صافی میں فروزاں تھی - الحمد للہ کہ اس مقصد کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک ایسے ہی مرد مومن --- جناب حافظ محمد ادریس کو تیار کر دیا اللہ تعالی نے ان کو نہ صرف علم و فضل کی نعمت سے نوازا ہے بلکہ قلب گداز اور عزم و ہمت کی نعمتیں بھی ارزانی فرمائی ہیں - وہ اللہ ، اس کے رسول اور سلف صالحین سے والہانہ عقیدت و محبت رکھتے ہیں اور اس منزل کے راہی ہیں جس کے بارے میں کہا گیا ہے ---

یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تعلیمی زندگی اور دینی خدمات کے خدوخال اختصار کے ساتھ یہاں پیش کر دیے جائیں -

حافظ محمد ادریس صاحب چک میانہ ضلع گجرات میں ۱۹۴۵ء میں پیدا ہوئے نو سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کر لیا - ۱۹۶۳ء میں میٹرک کا امتحان بڑے امتیاز کے ساتھ پاس کیا - بورڈ میں دوسری پوزیشن پر آئے - ٹیلنٹ سکالرشپ اور سلور میڈل حاصل کیا - ۱۹۶۷ء میں اسلامی جمعیت طلبہ کی راہ اختیار کی - ۱۹۶۷ء تا ۱۹۷۰ء اسلامی جمعیت طلبہ لاہور کے ناظم رہے - مرکزی شوریٰ کے بھی غیر علاقائی بنیادوں پر رکن رہے - ۱۹۶۷ء میں گورنمنٹ کالج لاہور سے امتیاز کے ساتھ بی اے پاس کیا اور گولڈ میڈل حاصل کیا - ۱۹۶۷ء میں پنجاب یونیورسٹی میں ایم اے شعبہ عربی میں داخلہ لیا ۱۹۶۹ء میں عبد المالک شہید مشرقی پاکستان کی شہادت کے سلسلے میں تقریر کرنے پر مارشل لاء ریگولیشن ۱۶-اے کے تحت گرفتار کر لیے گئے - جیل ہی میں ایم اے عربی گولڈ میڈل کے ساتھ پاس کیا - ۱۹۷۰ء کے آغاز میں ایم اے اسلامیات پنجاب یونیورسٹی میں داخلہ لیا - اسی زمانے میں پنجاب یونیورسٹی سٹوڈنٹس یونین کے صدر منتخب ہوئے - انتخاب کے فوراً بعد دوبارہ مارشل لاء ریگولیشنز

کے تحت گرفتار کر لئے گئے اور ایک سال تک مارشل لاء کے اسیر رہے۔
اسیری کے دوران میں مضامین تحریر کرنے کا سلسلہ شروع کیا بعد میں ان مضامین کا مجموعہ کتابی صورت میں "روشنی کے مینار" اور "رحمان کے سائے میں" کے نام سے شائع ہوئے۔
جیل سے نکلنے کے بعد ۱۹۷۱ء میں باقاعدہ جماعت اسلامی کی رکنیت اختیار کی۔
ان کو یہ اعزاز بھی حاصل ہوا کہ مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی مرحوم کی شہرہ آفاق تصنیف تفہیم القرآن جلد پنجم کا انڈکس خود مولانا مرحوم کی ہدایت اور رہنمائی میں تیار کیا۔ مولانا مرحوم نے اسے بہت پسند فرمایا۔
۱۹۷۲ء میں گجرات سے شائع ہونے والے ہفت روزہ "الحدید" کے ایڈیٹر رہے۔

۱۹۷۳ء کے آخر میں مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی کی ہدایت پر نیروبی چلے گئے اور وہاں اسلامک فاونڈیشن کے ڈائریکٹر کے طور پر نومبر ۱۹۸۵ء تک کام کیا۔ نیروبی سے شائع ہونے والے سہ ماہی انگریزی پرچے "الاسلام" کے ادارتی بورڈ میں بھی شامل رہے۔ کینیا کے دوران قیام میں انہوں نے شیخ عمر تلمسانی کی ایک معرکہ آرا کتاب کا عربی سے اردو میں ترجمہ کیا جو بعد میں "یادوں کی امانت" کے نام سے شائع ہوا۔ دسمبر ۱۹۸۵ء میں حافظ صاحب مرکز جماعت اسلامی منصورہ میں منتقل ہو گئے اور جماعت اسلامی پاکستان کے نائب قیم مقرر ہوئے۔ حافظ صاحب کو اردو زبان کا کوئی بہت بڑا ادیب ہونے کا دعویٰ نہیں ہے لیکن جب ہم اس ترجمہ کو دیکھتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ انہوں نے ترجمہ کرتے ہوئے اصل کتاب کے معیار کو برقرار رکھنے کی پوری کوشش کی ہے۔ یہ بہت عمدہ ترجمہ ہے اور فاضل مترجم کا اپنا جوش ایمان اور اخلاص فی الدین بھی اس میں جھلک رہا ہے ترجمہ کی خاص خوبی یہ ہے کہ اس میں بڑی سادگی اور روانی ہے، نہ کوئی گنجلک ہے اور نہ کسی قسم کا ابہام۔ اس بلند پایہ کتاب کو ایسی چابک دستی سے اردو کا لباس پہنانے پر وہ ہدیہ تحسین کے مستحق ہیں۔

Marfat.com

فاضل مصنف کے "فاتحہ الکتاب" اور فاضل مترجم کے دیباچہ کے ہوتے ہوئے اس تعارف کی چنداں ضرورت نہیں تھی لیکن برادر محترم عبد الحفیظ احمد صاحب ناشر کے ارشاد کی تعمیل میں چند سطور لکھ دی ہیں شاید امتثال امر کے علاوہ اس تحریر کی محرک یہ خواہش بھی ہو کہ اس طرح قارئین کرام سے مصنف اور مترجم کے ساتھ اپنے لیے بھی دعائے خیر کی درخواست کرنے کا موقع مل جائے گا۔

بیان قامت آن یار دلنواز کنیم
باین بہانہ مگر عمر خود دراز کنیم

والسلام
راجیٔ غفران و شفاعت
طالب الہاشمی
۱۱۸۔ ڈی / رضوان بلاک / اعوان ٹاؤن لاہور

Marfat.com

فاتحۃ الکتاب

ان الحمد لله نحمده نستعينه [ونعوذ بالله من شرور انفسنا و سيئات اعمالنا [من يهده الله فلا مضل له ومن يضلل فلا هادی له. اشهدان لااله الا الله وحده لا شريک له واشهد ان محمداً عبده ورسوله

اما بعد

حضرت عمرؓ کی بیان کردہ روایت " **انما الاعمال بالنيات. الخ** »

ترجمہ۔ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کو ویسا ہی بدلہ ملے گا جیسی اس نے نیت کی ہے۔ جس نے اللہ اور اس کے رسولؐ کی جانب ہجرت کی تو اس کی ہجرت اللہ اور رسول کے راستے میں شمار ہو گی اور جس کسی نے دنیا کمانے یا کسی خاتون سے شادی کرنے کے لئے ہجرت کی تو اس کا سفر اس کام کے لئے شمار ہو گا جس کے لئے اس نے رخت سفر باندھا تھا۔

امام شافعیؒ اور بعض دیگر اہلِ علم اسلاف اس حدیث پاک کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ یہ اسلام کا ۱/۳ حصہ ہے۔ کئی اہلِ علم اسے اسلام کا ۱/۴ حصہ قرار دیتے تھے۔ اے اللہ! تو ہر بات سے واقف ہے۔ زمین و آسمان کی کوئی چیز تجھ سے پوشیدہ نہیں۔ ہمارے ظاہر و باطن تیرے سامنے عیاں ہیں۔ اے مولائے کریم ہمارے دلوں کو ان صفات سے مزین کر دے جو تجھے پسندیدہ اور محبوب ہیں اور ان صفات سے ہمارے دلوں کو پاک کر دے جو تجھے ناپسند ہیں۔ ہماری زبانوں کو ہمیشہ اپنے ذکرِ عالی سے تر رہنے کی توفیق دے اور ہمیں اپنی حمد و ثنا کا حق ادا کرنے کے قابل بنا۔

تیری نعمتیں مسلسل نازل ہوتی رہتی ہیں اور تیری آیات ظاہر و باہر ہیں۔

توہی اس بات کا مستحق ہے کہ تجھ سے محبت کی جائے' تیری عبادت کی جائے اور تیرے ذکر کا غلغلہ بلند ہو۔ توہر عیب سے پاک ہے۔ شہنشاہِ عادل ہے۔

مقصدِ تصنیف

یا اللہ! میں جس کام کے لئے کمرِ ہمت باندھ رہا ہوں اسے تو خالصتاً اپنی ذات کے لئے قبول فرمالے۔ میری التجا ہے کہ تیری رضا کے علاوہ نہ کوئی دوسرا خیال میرے دل میں گزرے اور نہ میری نیت میں تیرے سوا کوئی دوسرا مقصد کار فرما ہو۔ توہی اول ہے اور توہی آخر' توہی ظاہر ہے اور توہی باطن۔ نہ تجھ سے پہلے کچھ تھا۔ نہ تیری ذات کی کوئی انتہا ہے۔ توہر چیز پر قادر ہے۔ علیم و خبیر ہے اور سمیع و بصیر۔

میں نے کئی مرتبہ ارادہ باندھا کہ اسلام کے بارے میں کچھ لکھوں۔ اور ایسا کیوں نہ ہوتا۔ کیا اسلام میرا نظامِ حیات نہیں؟ یہ میرا دین ہے جس کے لئے میں زندہ ہوں' جس کے مطابق میں عمل کرتا ہوں' جس کی راہ میں میں مقدور بھر جہاد کرتا ہوں اور جس کے بارے میں میری آرزو ہے کہ انشاءاللہ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھوں گا تو اسی دین کے سائے اور اسی ملت کی آغوش میں ہوں گا۔

یہ دین روشنی کا منبع ہے جس نے کرۂ ارض کو منور کیا۔ انسانیت کو خیرو بھلائی اور برکات و انعامات سے مالا مال کیا۔ اس نے انسانیت کو اس کے اعلیٰ مقام سے روشناس کرایا اور قابلِ رشک مثالوں کے ذریعے روشنی کے مینار تعمیر کئے۔ جن و انس' حیوانات و نباتات جمادات و مخلوقات سب کے حق میں یہ دین رحمت ہے۔ شر اور برائی کا خاتمہ نیکی کی نشوونما اس دین کا طرہ امتیاز ہے۔ پاکیزگی' محبت اور پاک دامنی اس کے ثمرات ہیں۔ پس ہر مسلمان کے لئے واجب ہے کہ اپنے دین کی قدر پہچانے' اس پر فخر کرے اور اس کے دشمنوں کے مقابلے پر اس کا دفاع کرے۔

یہ دینِ حق زندگی کے روحانی اور جسمانی دونوں پہلوؤں کو ملحوظ رکھتا ہے۔ یہ انسان کو مکمل روشنی اور شفا بخشتا ہے۔ دنیا کی زینت اور لطف کو حرام قرار نہیں دیتا لیکن اس کے لئے حدود متعین کرتا ہے تاکہ ہر شخص کی آزادی اور

Marfat.com

حقوق کی حفاظت کی جا سکے۔ یہ وہ دین ہے جو اپنے پیرو کاروں کو محرومی اور گمراہی کی وادیوں میں نہیں دھکیلتا بلکہ انہیں باوقار اور پرُلطف انداز سے اپنے رب سے ملاتا ہے۔ پھر کیا اتنی بڑی نعمت کا اظہار نہ کیا جائے؟ اور اس کی تعریف کا حق ادا نہ کیا جائے؟ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "جس کسی نے عدل کی تعریف نہ کی اور جور و ستم کی مذمت نہ کی اس نے گویا اللہ کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا"

ہر مسلمان کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنے دین کی دعوت و تبلیغ کے لئے سرگرم عمل رہے۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہمارے سامنے رہنی چاہئے۔ «بلغوا عني ولو آية» یعنی مجھ سے اگر تم تک ایک آیت بھی پہنچے تو اسے دوسروں تک پہنچاؤ۔ ربیع بن انس فرمایا کرتے تھے۔ "رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر امتی پر فرض ہے کہ وہ اسی طرح لوگوں کو دعوتِ حق پیش کرے جس طرح رسول اللہ پیش کیا کرتے تھے اور اسی طرح لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈراؤ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ڈرایا کرتے تھے"۔

یہ سارے حقائق میرے سامنے تھے مگر موضوع کی وسعت اور اس کام کی عظمت و جلال نیز اپنی کمزوری اور بے سروسامانی کو دیکھتا تو قلم رکھ دیتا۔ دل میں رغبت تھی اور اللہ تعالیٰ کی نصرت و مدد کی امید تھی چنانچہ بالآخر اللہ کا نام لے کر کام کا آغاز کر دیا اور یہ کاوش پیشِ خدمت ہے۔ اگر میں اپنی کوشش میں کامیاب ہوا ہوں تو یہ محض اللہ کا فضل و احسان ہے جس نے میری یہ آرزو پوری کی۔ اگر اس میں مجھ سے کوئی لغزش و کوتاہی سرزد ہوئی ہے تو یہ میری بشری کمزوری کے سبب ہے جس کے لئے میں اللہ سے معافی مانگتا ہوں۔ وہ جانتا ہے کہ میری نیت اس کام میں خلوص پر مبنی تھی۔

عقل یا عشق

میں آغاز ہی میں اس بات کا اظہار کر دوں کہ میں عقل و خرد کے مقابلے میں قلب و نظر کو ترجیح دیتا ہوں میرے نزدیک جذبات و احساسات، فلسفے و منطق کے مقابلے میں زیادہ قابلِ قبول اور لائقِ التفات ہیں، عقل قربانی پیش

Marfat.com

کرنے سے قبل مطالبہ پیش کرتی ہے کہ اسے حاصل کیا ہو گا۔ جبکہ عشق ان بحثوں سے ماوراء ہوتا ہے۔

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

پہلے میں نے خیال کیا کہ ابو بکر صدیقؓ کے بارے میں لکھوں پھر مجھے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا یہ قول یاد آیا "قیامت کے دن سب سے پہلے جس شخص کو دائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال دیا جائے گا وہ عمرؓ بن خطّاب ہوں گے اور ان کا چہرہ یوں چمک رہا ہو گا جیسے سورج کی شعاعیں"۔

جب عبداللہ بن عباسؓ سے پوچھا گیا "اے رسول اللہؐ کے چچا زاد بھائی ابو بکرؓ کہاں ہوں گے؟" تو...... انہوں نے فرمایا "ان کے بارے میں کیا پوچھتے ہو وہ تو ایسا خوش قسمت انسان ہے جسے فرشتے بغیر حساب کے جنت میں لے جا چکے ہوں گے"

استخارہ

میں نے استخارہ کیا تو اللہ نے میری رہنمائی کی کہ عمرؓ پر لکھوں۔ میں نے لکھنا شروع کیا مگر مورخ کے قلم سے نہیں بلکہ ایک طالب کی حیثیت سے۔ عمرؓ ولی اللہ تھے۔ ظاہر و باطن میں یکساں! خشیتِ الٰہی سے مالا مال!! مجھے اولیاء اللہ سے محبت و عقیدت ہے اور میں اس تحریر سے اپنی تربیت اور اللہ کا تقرب حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ شاید میں اللہ کے سامنے اپنی یہ حقیر کوشش پیش کر کے سرخرو ہو سکوں۔ میں خود تو نیکی و تقویٰ سے دور ہوں مگر نیک لوگوں سے محبت ضرور کرتا ہوں شاید اللہ تعالیٰ میری اس محبت کے صدقے مجھے بھی ان کے زمرے میں شامل فرما دے۔ صحیح مسلم اور ترمذی میں حضرت انسؓ بن مالک کی ایک حدیث نقل ہوئی ہے کہ ایک شخص آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا "یا رسول اللہؐ! اس شخص کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں جو (نیک) لوگوں سے محبت رکھتا ہے مگر نیکی میں ان کے مقام کو نہیں پہنچتا؟" آپؐ نے جواب دیا "المرء مع من احب» یعنی جو شخص

Marfat.com

جس سے محبت کرتا ہے وہ اسی کے ساتھ ہو گا۔

حضرت عمرؓ کے اعلیٰ اخلاق و کردار نے میرا دامن کھینچ لیا۔ آپ کا ایثار و قربانی ' زہد و تقویٰ ' عدل و انصاف ' صدق و صفا' مردانگی و شجاعت عاجلہ سے بے رخی اور آجلہ کی طلبِ صادق میرے لئے ایسی صفات ہیں جس سے صرفِ نظر نہیں کیا جا سکتا۔ دنیا کے پیچھے کیا بھاگنا۔ اس کی کیا حیثیت اور وقعت ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اسے اتنا حقیر جانا ہے کہ اس میں نہ تو مومن کو اس کا ثواب دیا نہ کافر کو اس کی سزا۔ اصل اور دائمی ٹھکانہ تو آخرت کی حیاتِ جاوداں ہے۔ حضرت عمرؓ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اس حقیقت کی نشان دہی کرتا ہے۔ اسی چیز نے آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو عظمت و بلندی کے آسمان پر بٹھا دیا تھا۔

تزکیہ و تربیت

دنیا و آخرت کے بارے میں اگر ہمارا شعور درست ہو جائے تو اس ذلت و پستی سے نکل سکتے ہیں جو ہمارا مقدر بن چکی ہے۔ میرے نزدیک اب بھی سنبھلنے کا وقت اور فرصت موجود ہے۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ گاڑی نکل چکی ہے وہ یہ نہیں سوچتے کہ گاڑی نکل جائے تو اس پر کفِ افسوس ملتے رہنے کے بجائے دوسری گاڑی پکڑنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ ایک فرصت کھو جائے تو دوسرا موقع ضائع نہ کرنا چاہئے۔ مادّہ فنا کے گھاٹ اترتا ہے مگر روح کبھی فنا نہیں ہوتی۔ روحانی قوت مضبوط قلعہ ہے جو مایوسی کے لشکروں کو شکست دیتا ہے۔ جو اس کا انکار کرتا ہے اسے اس کے حال پر چھوڑ دو جو اسے مانتا ہے اسے دعوت دو کہ اسی لمحے اپنے آپ کو خوابِ غفلت سے نکالے اور کمرِ ہمت باندھ لے۔ یہ سچ ہے کہ آج مسلمان بدترین حالت کا شکار ہیں مگر اللہ تعالیٰ شر میں سے بھی خیر نکال سکتا ہے اس لئے مایوسی کی کوئی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

"ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں ناگوار ہو اور وہی تمہارے لئے بہتر ہو اور ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں پسند ہو اور وہی تمہارے لئے بُری ہو۔ اللہ جانتا"

Marfat.com

تم نہیں جانتے۔"

میری آرزو ہے کہ ہم سیرتِ عمرؓ سے تربیت و تزکیہ حاصل کریں۔ یہ ہماری نجات اور کامیابی کی ضامن بن سکتی ہے اور ہمیں پستی سے نکلنے کا راستہ دکھا سکتی ہے۔ حضرت عمرؓ نے سید عباسؓ بن عبدالمطلب کا ہاتھ پکڑ کر آسمان کی طرف اٹھایا تھا اور اللہ تعالیٰ سے درخواست کی تھی کہ "اے مولا کریم اس قحط اور خشک سالی نے ہمیں بد حال کر دیا ہے ہم تیرے پیارے نبیؐ کے محبوب چچا کا واسطہ دیتے ہیں کہ ہم 'پر بارانِ رحمت برسا۔"

اس موقع پر بارش نازل ہوئی تو لوگ حضرت عباسؓ کے ہاتھ چومنے لگے اور ان کا نام "ساقی الحرمین" پڑ گیا۔ حقیقت میں عباسؓ نے تو پانی نہیں برسایا تھا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نازل ہوا تھا مگر انہوں نے دعا کی تھی۔ اس لئے صحابہ نے انہیں یہ لقب دیا۔ اس پر نہ تو کسی صحابی نے نکیر کی نہ بحث و مجادلہ ہوا۔ نیک لوگوں کی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ حضرت امیر معاویہؓ کے دور میں بھی لوگوں کو خشک سالی کا سامنا کرنا پڑا۔ انہوں نے نماز استسقیٰ کا اہتمام کیا تو حضرت یزیدؓ بن اسود الجرمشیؒ سے دعا کرائی۔

کرامات من جانب اللہ ہوتی ہیں

اللہ کے نیک بندوں سے کرامات کا ظہور ہوتا رہتا ہے۔ یہ کرامات نیک بندوں کی قوت سے نہیں بلکہ اللہ کی خصوصی رحمت سے ظاہر ہوتی ہیں۔ حضرت امام احمد ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں "اہل سنت والجماعت کے نزدیک یہ امر مسلم ہے کہ اہل اللہ کے ہاتھوں مختلف امور میں خرقِ عادت واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں۔" ابنِ کثیرؒ نے بھی اپنی تفسیر میں اس موضوع پر بہت کچھ لکھا ہے۔

میرے دوست و دشمن سب ہی جان لیں کہ میں کوئی مصنف نہیں ہوں نہ میرے اندر اتنی قابلیت ہے کہ تصنیف کا حق ادا کر سکوں۔ میں ایک عام آدمی ہوں۔ ہاں میری فطرت میں حبِ جمال کی حس بڑی مضبوط ہے۔ میں کائنات میں حسن کا متلاشی رہتا ہوں۔ خلق اور خالق، علم اور فن، سوچ اور

فکر، حکم اور عمل شجر اور حجر، پرند اور چرند، عبادت اور دین غرض ہر معاملے میں مجھے حسن و جمال کی جستجو رہتی ہے۔ میں اس کا عاشق اور دیوانہ ہوں۔

اللہ تعالیٰ خود جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے، میں نے لکھنے کا ارادہ کیا ہے تو یہ میری روح کی غذا اور میرے سینے کے انشراح کا باعث ہو گا۔ اس سے میرا ذہن بالیدگی پائے گا اور میرا دل اطمینان و سکون سے مالا مال ہو گا۔ مجھے اس سے علم کا اظہار یا قلم کا زور دکھانا ہرگز مقصود نہیں۔ میں تو اپنی تربیت کے لئے فکر مند ہوں اور اس میں میرے لئے بہت بھلائی اور خیر ہے۔

سیرتِ عمرؓ کا گل دستہ

حضرت عمرؓ کی شخصیت سے کون بے خبر ہے؟ میں آپ جنابؓ کے بارے میں کوئی نئی چیز تو پیش نہیں کر سکتا۔ پہلے ہی سب کچھ لکھا جا چکا ہے۔ میں تاریخ کے اوراق سے وہی واقعات چنوں گا جو مورخین نے صدیوں پہلے مرتب کر دیئے تھے اور جن کی بار بار تکرار ہوتی رہتی ہے۔ البتہ میرا اپنا ایک ذوق ہے اور میں اسی ذوق کے مطابق واقعات کو ترتیب دوں گا اور ان سے درس و عبرت کے نتائج اخذ کرنے کی سعی کروں گا۔ گل ہائے رنگارنگ تو پہلے ہی موجود ہیں۔ میں تو محض اپنے ذوق کی تسکین کے لئے ایک گلدستہ بنانا چاہتا ہوں۔ میری آرزو ہے کہ یہ گل دستہ نہایت خوب صورتی سے سجا سکوں۔ اگر کامیاب ہو گیا تو اللہ کا فضل سمجھوں گا اور اگر ناکام رہا تو یہ میری کوتاہی ہو گی۔

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ قاری کے لئے صرف وہی کتابیں یا مضامین مفید ہوتے ہیں جو نئی معلومات اس تک پہنچائیں۔ نہیں میں ایسا نہیں سمجھتا۔ میرے نزدیک وہی مطالعہ قاری کو فائدہ پہنچا سکتا ہے جس سے وہ درس و عبرت حاصل کرے اگرچہ وہ باتیں اس کے لئے نئی ہوں یا پہلے سے معلوم۔ جو مطالعہ دعوتِ عمل نہ دے اور خیر و بھلائی کی رغبت عطا نہ کرے وہ کب نفع بخش ہو سکتا ہے؟ محض وقت کاٹنے کے لئے لایعنی چیزوں کی ورق گردانی مضر ہے۔ مومن کا تصورِ حیات غیر مسلموں سے بالکل مختلف ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ ہم سے عمر کے ایک ایک لمحے کا حساب لیا جائے گا کہ کن مشاغل میں گزارا۔ پھر ہم کیسے

Marfat.com

فضول اور لغو تحریروں کے مطالعہ میں وقت ضائع کر سکتے ہیں؟ ہم گھوارے سے لے کر لحد تک اس بات کے مکلّف بنائے گئے ہیں کہ علم حاصل کرتے رہیں...... وہ علم جو نافع ہو...... میں نے تاریخ کے مستند ذخیرے سے کچھ واقعات چنے ہیں اور ان سے میں خود بہت متاثر ہوا ہوں۔ یہی میرا گل دستہ ہے اور میں یہ گل دستہ ابنائے ملت کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔ اللہ کرے کہ اس سے لوگ اپنی زندگی میں سعادت وفلاح پا سکیں۔

دعوتِ فکر و تدبّر

میں نے یہ کتاب لکھتے وقت اس بات کو اپنے سامنے رکھا کہ غور و فکر سے کام لوں۔ یہ دور غور و فکر اور ترقی و ایجاد کا دور ہے مگر لوگوں کی حالت یہ ہے کہ وہ اپنی سوچ اور دوڑ دھوپ کو اس عارضی زندگی تک محدود کر دیتے ہیں۔ میں اس سوچ کو صحیح نہیں سمجھتا جو اس قدر محدود اور بچگانہ ہو۔ میرے نزدیک غور و فکر کا مقصد یہ ہے کہ دائمی زندگی کے بارے میں سوچا جائے۔ جس چیز پر غور کریں اس کی مادی تعبیرات اور ظاہری بھول بھلیوں میں کھو کر نہ رہ جائیں بلکہ اس کی غایت پر نظر رکھیں اور عبرت و درس کے موتی دامن میں سمیٹیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں زمین و آسمان اور ان کے درمیان پائی جانے والی مخلوقات و کائنات پر غور و تدبر کی بار بار دعوت دی ہے۔ یہ دعوت ان کی مادی ترکیب یا ہیئت کذائی پر فلسفیانہ موشگافیوں کے لئے نہیں بلکہ ان کے حوالے سے ان کے خالق و مالک تک پہنچنے اور اسے پہچاننے کے لئے دی گئی ہے۔

سورہ اعراف آیت ۱۸۴ میں ارشادِ ربانی ہے ”اور کیا ان لوگوں نے کبھی سوچا نہیں، ان کے رفیق (محمد عربیؐ) پر جنون کا کوئی اثر نہیں ہے۔“ قرآن مجید کی آیات کے آخر میں کہا گیا ہے «ان فی ذلک لایات لقوم یتفکرون» گویا ہر معاملے میں غور و فکر کی دعوت ہے۔

ذرا ملاحظہ فرمایئے ”زمین اور آسمانوں کی پیدائش میں اور رات اور دن کے باری باری سے آنے میں ہوش مند لوگوں کے لئے بہت نشانیاں ہیں، جو

اٹھتے بیٹھتے اور لیٹتے ہر حال میں خدا کو یاد کرتے ہیں اور آسمان و زمین کی ساخت میں غور و فکر کرتے ہیں۔ (وہ بے اختیار بول اٹھتے ہیں) "پروردگار یہ سب کچھ تو نے فضول اور بے مقصد نہیں بنایا ہے۔ تو پاک ہے اس سے کہ عبث کام کرے۔ پس۔ اے مولائے کریم، ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا لے۔"
(آل عمران آیات ۱۹۰ تا ۱۹۲)

"اور اس نے زمین و آسمان کی ساری ہی
چیزوں کو تمہارے لئے مسخر کر دیا۔ سب کچھ اپنے
پاس سے۔ اس میں بڑی نشانیاں ہیں ان لوگوں
کے لئے جو غور و فکر کرنے والے ہیں۔"
جاثیہ ۱۳)

اس طرح قرآن مجید ہمیں اندھے بہرے بن کر رہنے کی اجازت نہیں دیتا بلکہ ہوش مندی سے اپنے گردونواح کا جائزہ لینے اور گہری سوچ و فکر کا حکم دیتا ہے۔ یہ تفکر و تدبر ہی حقیقت تک پہنچنے کا راستہ ہے۔ جب ہم اس حقیقت کو پالیں تو پھر ہماری ہر حرکت خلقِ خدا کے لئے نفع بخش ثابت ہو گی اور ہمارا مطمح نظر رضائے الٰہی کا حصول بن جائے گا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر چیز پر عبرت کی نگاہ ڈالا کرتے تھے اور اسی کی صحابہ کو تلقین فرماتے۔ ہمیں بھی حضورِ اکرمؐ کے اتباع میں ہوش و بصیرت سے کام لے کر کائنات کی ایک ایک چیز کا مشاہدہ اس انداز سے کرنا چاہئے کہ اس سے ہمیں مفید درس حاصل ہو سکے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا «لا عبادۃ کتفکر» یعنی تفکر و تدبر جیسی کوئی عبادت نہیں۔ نیز فرمایا «تفکر ساعۃ خیر من عبادۃ سنۃ» یعنی ایک گھڑی کا تفکر بے سوچے سمجھے سال بھر عبادت کرنے سے بہتر ہے۔

بشرؒ بن حارث فرمایا کرتے تھے "اگر لوگ اللہ تعالیٰ کی عظمت پر غور و فکر کریں اور اس کا شعور حاصل کر لیں تو کبھی اللہ کی نافرمانی کی جرأت نہ کریں۔" ابن ابی الدنیا نے اپنی کتاب "التفکر والاعتبار" میں ایک واقعہ

Marfat.com

نقل کیا ہے۔ یہ واقعہ اسرائیلی روایات میں سے ہے مگر اسے ابنِ کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے۔ (چونکہ اس سے کوئی حکم مستنبط نہیں بلکہ ترغیب و ترہیب کی نوعیت کا واقعہ ہے اس لئے اسرائیلیات میں سے ہونے کے باوجود اس کے نقل کرنے میں حرج نہیں ہے) "بنی اسرائیل میں سے ایک شخص نے تیس سال عبادت کی۔ تیس سال کی پر خلوص عبادت کے بعد بنی اسرائیل کے عابدین کو کوئی نہ کوئی نشانی عطا کر دی جاتی تھی مثلاً یہ کہ دھوپ میں بادل اس پر سایہ کر دے مگر اس شخص کو کوئی نشانی نہ ملی۔ اس نے اپنی والدہ سے اس کا تذکرہ کیا۔ اس کی والدہ نے کہا " اے بیٹے ہو سکتا ہے کہ اس عرصے میں تجھ سے گناہ سرزد ہو گئے ہوں؟" اس نے کہا "بخدا مجھے نہیں یاد کہ میں نے کوئی گناہ کیا ہو۔" ماں نے کہا" ممکن ہے تو نے گناہ کا ارادہ کیا ہو؟" اس نے کہا "پھر ہو سکتا ہے کہ تو نے آسمان کی جانب نظر اٹھائی ہو۔ پھر بغیر تفکر کے نظر اٹھا لی ہو؟" اس نے کہا "ہاں ایسا تو بارہا ہوا ہے۔" ماں نے کہا "ہاں تو یہی بات ہے۔"

امام ابنِ کثیرؒ نے قرآن مجید کی سورۂ انعام کی آیت ٦ کے زمرے میں جو تفسیر لکھی ہے وہ بڑی فکر انگیز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔"

"کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ ان سے پہلے کتنی ایسی قوموں کو ہم ہلاک کر چکے ہیں جن کا اپنے اپنے زمانے میں دور دورہ رہا ہے۔ ان کو ہم نے زمین میں وہ اقتدار بخشا تھا جو تمہیں نہیں بخشا ہے۔ ان پر ہم نے آسمان سے خوب بارشیں برسائیں اور ان کے نیچے نہریں بہادیں (مگر جب انہوں نے کفرانِ نعمت کیا تو) آخر کار ہم نے ان کے گناہوں کی پاداش میں انہیں تباہ کر دیا اور ان کی جگہ دوسروں کو اٹھایا"

ابنِ کثیرؒ لکھتے ہیں " دیکھئے قرآن مجید اس امت کی کس طرح رہنمائی

فرماتا ہے۔ انہیں دعوتِ فکر دیتا ہے کہ انسانی تاریخ میں گزری ہوئی مختلف قوموں اور معاشروں کا مطالعہ کرو، ان کی قوت و ضعف کا راز معلوم کرو۔ گویا مطالعے و مشاہدے کی یہ دعوت عبرت و موعظمت کے لئے ہے۔ قرآن مجید نے اس معاملے میں حدود متعین کئے ہیں اور حصولِ مقصد کے لئے بنیادی اصول اور جادہ و منزل کا تعین کیا ہے۔ اس کا مرکزی نکتہ تفکیر اور غور و خوض ہے۔

داعی کا عظیم مقام

دعوت الی اللہ کے کٹھن کام میں جو شخص رہنمائی کا طلبگار ہو اسے حضرت عمرؓ کی زندگی سے روشنی حاصل کرنی چاہئے اور جسے اللہ تعالیٰ دعوت کے کام کے لئے چن لے اسے اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی خلعتِ فاخرہ ہے۔ اسے اتار پھینکنے کے بارے میں بندۂ مومن کو کبھی سوچنا بھی نہیں چاہئے۔ اس کا کوئی نعم البدل دنیا میں نہیں ہو سکتا۔ داعی کو جان لینا چاہئے کہ اس نے اللہ تعالیٰ سے ایک معاہدہ کر لیا ہے۔ اگر اس نے معاہدے کا حق ادا کیا تو اس کا بدلہ جنت ہو گا اور اگر اس میں بد عہدی کا جرم سرزد ہو گیا تو اس کی سزا جہنم ہے۔

میں حضرت عمرؓ کے بارے میں پڑھتا ہوں تو دل جھوم اٹھتا ہے۔ اس مطالعے سے جذبات کو مہمیز لگتی ہے اور ہمت کو جولانی ملتی ہے۔ یہ انسان کتنا عظیم تھا! دل کی بہادری اور طبیعت کی سختی کے ساتھ رقتِ قلب اور رحمدلی بھی انتہا درجے کی! یہ کیسا حسین امتزاج تھا! سختی میں صلابت تھی مگر سنگدلی نہیں۔ نرمی میں رحم و محبت تھی مگر ضعف و بزدلی کا شائبہ بھی نہ تھا۔ حکمت تھی تو ایسی کہ اسے خدا کی طرف سے خصوصی عطا ہی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ بصیرت و ذہانت کا یہ درجہ تھا کہ حالات کو دیکھ کر ٹھیک ٹھیک نتائج اخذ کر لیتے تھے۔ نہ تعریف سے ریشہ خطمی ہوتے نہ تنقید سے مشتعل! حق کا ساتھ دیتے اور اس کے سامنے سر جھکا دیتے۔ انسان کی قدر و منزلت کیسے بلند ہوتی ہے اور اس کی شان کیونکر پست ہو جاتی ہے؟ اس سوال کا جواب حضرت عمرؓ بخوبی جانتے تھے۔ انسانیت کو سربلند کرنے کے لئے ہر کام کیا اور انسانوں کی ذلت کا ہر راستہ بند

Marfat.com

کر دیا۔

ملتِ اسلامیہ کی موجودہ نسل مغرب اور اس کی تہذیب سے بہت متاثر ہے۔ وہ ان کے ماحول و معاشرے کو دیکھتے ہیں تو حیرت سے ان کا منہ کھلے کا کھلا رہ جاتا ہے۔ اپنے نظریات سے نابلد اور اپنے ماضی سے ناآشنا یہ نوجوان بغیر کسی ہدف کے اندھیروں میں ٹامک ٹوئیاں مارتے پھرتے ہیں۔ وہ مغرب کو مثالی معاشرہ سمجھتے ہیں اور عالمِ اسلام کو جہالت و پس ماندگی کا گڑھ! عالمِ اسلام کی یہ حالت ہے ناگفتہ بہ مگر سوال یہ ہے کہ اس کا ذمہ دار کون ہے؟ کیا اسلام کی وجہ سے یہ حالت ہے؟ حاشا و کلا۔ یہ تو اسلام سے دوری کا نتیجہ ہے مگر اسلام پر شب خون مارنے والے بڑی چالاکی سے اس صورتِ حال کو اسلام کے کھاتے میں ڈال دیتے ہیں۔ آج اسلام غریب الدیار ہے! آج عمرؓ کی ضرورت ہے۔ اسلام کے غلبے کے لئے کردار کی اعلیٰ مثالیں درکار ہیں۔ مسلمان اپنے نفس کے غلام بن گئے ہیں اور خدا کو بھول گئے ہیں۔ نجات کا راستہ یہی ہے کہ اپنے نفس کی غلامی سے نکل کر یادِ الٰہی سے دلوں کو آباد کر لیں اور ذکر اللہ سے تقویت حاصل کریں۔

ذکر اللہ کیا ہے

مسلمان تو زبان سے اللہ کا نام جپتے رہتے ہیں مگر میرے نزدیک ذکر اللہ کا تصور یہ ہے کہ بندۂ مومن دل کی حضوری کے ساتھ تقرب الی اللہ کی کوشش کرے اور تجلیاتِ الٰہی سے مستفید ہو۔ اگر نورِ الٰہی کی کوئی کرن نظر آئے تو مومن برف کی سل بن کر نہ پڑا رہے۔ دنیا کے کروڑوں مسلمان ایک قوت ہیں مگر غفلت نے ان کو بے اثر و بے جان مخلوق بنا دیا ہے۔ اگر وہ نورِ ربانی کا جلوہ دیکھ لیں تو جذبات سے کھول اٹھیں۔ مسلمان اور بے حس؟ یہ دونوں باتیں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ مسلمان کے لئے تو اس کے ایمان کا تقاضا ہے کہ اسلام اور ملتِ اسلامیہ کے بارے میں پوری سنجیدگی اور گرم جوشی سے سوچ بچار کرے اور اپنا فرض ادا کرنے کے لئے کمربستہ ہو جائے۔

میں بار بار تکرار نہیں کرنا چاہتا کہ اس سیرت نگاری کو میں محض تصنیف

Marfat.com

وتالیف نہیں بلکہ عبادت سمجھتا ہوں۔ آپ اس بیان پر تعجب نہ کریں اس لئے کہ عبادتِ الٰہی کا مفہوم محدود نہیں بلکہ وسیع ہے۔ امام ابنِ تیمیہؒ فرماتے ہیں "ہر وہ قول و عمل خواہ ظاہر ہو یا باطن جس سے اللہ خوش اور راضی ہو عبادت ہے"۔ یہ بڑی پُر مغز تعریف ہے جس سے عبادت کا مفہوم سمجھ میں آ جاتا ہے۔ اس جامع و وسیع تعریف کو سامنے رکھ کر اس آیتِ قرآنی کا مفہوم متعین کیجئے۔

"اور میں نے جنّوں اور انسانوں کو نہیں
پیدا کیا مگر اس لئے کہ وہ میری عبادت
کریں۔" (سورہ ذاریات ۵۶)

عبادت شرعی اصطلاح ہے جس کا معنی اعلیٰ درجے کی محبت، کامل اطاعت اور بے پناہ خوف و خشیت ہے۔

طبیعتِ انسانی کے عجوبوں میں سے سب سے زیادہ حیران کُن اس کی فطرت کا یہ حصہ ہے کہ جس بات کا اسے علم نہ ہو اس کے مقابلے میں اسی بات کو ترجیح دیتا ہے جسے وہ جانتا ہو۔ البتہ جسے اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرما دے اور وہ اللہ پر ایمان بالغیب کا مفہوم اچھی طرح سمجھ لے نیز قضا و قدر کی حقیقت کو پا لے تو اس کا معاملہ دوسرا ہوتا ہے۔ شیطان انسان کی گھات میں لگا رہتا ہے۔ کوئی مصیبت آ جائے تو دل میں مختلف نوعیت کے وسوسے ڈالتا ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک ایمان کا مزا نہیں چکھ سکتا جب تک یہ یقین نہ کر لے کہ جو مصیبت اس پر آئی ہے وہ کسی صورت ٹلنے والی نہ تھی اور جو کچھ ٹل گیا ہے وہ اس تک پہنچنے والا نہ تھا۔" ص ۱۶

"الاصابہ" میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ایک واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ شیطان ان سے انسانی صورت میں ملا اور پوچھا "کیا تم اس بات پر ایمان رکھتے ہو کہ تمہیں وہی کچھ ملے گا جو تمہارا مقدر ہے؟" انہوں نے جواب دیا "ہاں"۔ شیطان نے کہا "اچھا تو پھر سامنے والے پہاڑ کی چوٹی سے نیچے

Marfat.com

چھلانگ لگادو" حضرت عیسیٰ نے فرمایا" اللہ تعالیٰ تو اپنے بندے کو آزماتا ہے بندہ اللہ تعالیٰ کو آزمانے کی قدرت نہیں رکھتا (الاصابہ جلد سوم ص ۵۳)

ایمان بالقدر

اس ایمان کے دو پہلو ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ کی طرف سے جو فیصلہ ہو جائے اس پر انسان جزع فزع کرنے کی بجائے صبر کرے کہ وہ فیصلہ ٹلنے والا نہ تھا دوسرے یہ کہ اپنی استطاعت کی حد تک نیکی کی کوشش اور بدی سے اجتناب کرے اور گڑھے میں بے سوچے سمجھے نہ کود پڑے۔ ربیعؒ بن صالح کہتے ہیں کہ جب حجاج کے حکم سے سعیدؒ بن جبیرؒ کو پکڑا گیا تو میں رونے لگا۔ حضرت سعیدؒ نے پوچھا "تم کیوں روتے ہو؟" میں نے کہا "جس مصیبت میں آپ گرفتار ہو گئے ہیں اس کی سختی کو جان کر رو رہا ہوں۔" فرمایا "ہرگز نہیں۔ مت روؤ۔ اللہ تعالیٰ نے فرما دیا ہے "کوئی مصیبت ایسی نہیں ہے جو زمین میں یا تمہارے اپنے نفس پر نازل ہوتی ہو اور ہم نے اُس کو پیدا کرنے سے پہلے ایک کتاب میں لکھ نہ رکھا ہو" (الحدید ۲۲)

یہ بہت بڑی غلطی ہوگی اگر ہم مصائب کا تجزیہ اور ناپ تول اپنے ناقص علم اور محدود عقل سے کرنے لگیں اللہ تعالیٰ کے وسیع علم اور لامحدود حکمتوں کو بھلا ہم کیسے ناپ تول سکتے ہیں۔ ہم اگر اس پر ایمان لے آئیں جیسا اس پر ایمان لانے کا حق ہے اور اپنی منطق اور علم کا پندار چھوڑ دیں تو ہماری بہت سی مشکلات اور پیچیدگیاں ختم ہو جائیں۔ ہمارا علم ہے کیا؟ «وما اوتیتم من العلم الا قلیلاً۔»

ہم رزق کی تلاش میں مارے مارے پھرتے ہیں۔ نہ دن کو چین نہ رات کو سکون اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ رزق کی تلاش میں سستی اور کوتاہی جرم ہے۔ نیکی کے کاموں کا معاملہ ہو تو کہتے ہیں اللہ غفور ورحیم ہے۔ رزق بھی اللہ ہی دیتا ہے اور اتنا ہی دیتا ہے جتنا مقدّر ہے مگر ہم خوب جدوجہد کرتے ہیں۔ جزا و سزا بھی اللہ کے اختیار میں ہے مگر اس میں ہم ہاتھ دھرے بیٹھے رہتے ہیں، عطاء اللہ سکندری عابد و زاہد بزرگ تھے۔ انہوں نے فرمایا" جس چیز کی تجھے ضمانت دی گئی ہے یعنی رزق اس کے لئے پوری کوشش اور دوڑ دھوپ کرنا اور

جن کاموں کو فرض قرار دے کر تجھ سے جدوجہد کا مطالبہ کیا گیا ہے ان میں سستی کرنا تیری کم نظری کی دلیل نہیں تو اور کیا ہے؟"

اللہ کی طرف سے ابتلا آ جائے یا وہ اپنی رحمت سے ہمیں ڈھانپ لے ' ہم تو ہر حال میں اس کی عبادت کے مکلف ہیں۔ حضرت انسؓ بن مالک کے چچا انسؓ بن نضر ـــــ نے یوم احد میں ایک اعلیٰ مثال پیش کی تھی۔ جب یہ خبر پھیل گئی کہ حضورؐ کو شہید کر دیا گیا ہے تو منافقین نے کہا " اگر وہ اللہ کے نبی ہوتے تو قتل نہ کئے جاتے۔ " دوسروں نے کہا " کاش کوئی ہمیں ابو سفیان سے امان لے دے۔ " حضرت انسؓ نے سنا تو کہا " محمدؐ اللہ کے رسول تھے۔ اگر وہ شہید ہو گئے ہیں تو اے لوگو اللہ تعالیٰ زندہ و قائم ہے۔ وہ کبھی نہیں مرے گا۔ اگر رسولِ خدا نے اپنی جان راہِ خدا میں قربان کر دی ہے تو تمہیں اب زندگی سے کیا محبت ہے۔ آؤ اور لڑ کر شہادت پا جاؤ۔ " پھر اللہ تعالیٰ سے عرض کیا " یا اللہ ان لوگوں نے جو کچھ کہا ہے میں اس سے بری ہوں۔ " اس کے بعد حضرت انسؓ دیوانہ وار لڑے اور جامِ شہادت نوش فرمایا۔

یوں وہ شمعِ حق کے پروانے حق پر جانیں نچھاور کیا کرتے تھے۔ ہر حال میں اللہ کی اطاعت پر کاربند رہا کرتے۔ کامیابی ہو یا ناکامی ان کو اللہ سے کوئی شکایت نہ ہوتی تھی۔ ہوا و ہوس کے بندوں کا معاملہ اس سے مختلف ہوتا ہے۔ ان کے علم و فہم میں کجی ہوتی ہے اور وہ گمراہی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ارشاد باری ہے " پھر تم (حقیقت کے خلاف چلنے سے) پرہیز نہیں کرتے؟ جان لو کہ یہی اللہ تمہارا حقیقی رب ہے۔ پھر حق کے بعد گمراہی کے سوا اور کیا باقی رہ گیا؟ آخر یہ تم کدھر پھرائے جا رہے ہو؟ " (یونس ۳۲)

اسلام کا بنیادی اصول ہی یہ ہے کہ بندۂ مومن سرِ تسلیم خم کر دے۔ حکم کی حکمت تک عقل پہنچ سکے یا اس سے قاصر رہے اتنا ثابت ہو جائے کہ حکم اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ہے ' پھر سرتابی کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اسلام کا کوئی حکم حکمت سے خالی بھی ہو سکتا ہے نہیں بلکہ خلق کی محدود سمجھ اس حکمت تک پہنچنے سے معذور ہو سکتی ہے۔ پردۂ غیب کے پیچھے ہم نہیں جھانک سکتے۔ اس سلسلہ میں اللہ رب العزت نے

Marfat.com

سورۂ کہف میں قصہ خضر و موسیٰ علیہم السلام ہمارے سامنے پیش کیا ہے اور تین بظاہر نامناسب اعمال کی تعبیر بھی پیش فرمائی ہے۔ نہ خوشی اس دنیا میں دائمی ہو سکتی ہے نہ حزن و غم کو دوام حاصل ہے۔ اللہ کے ساتھ قریبی تعلق وہ دولت ہے جو نہ زائل ہو سکتی ہے نہ کوئی چھین سکتا ہے اس دولت کے مل جانے کے بعد انسان راضی برضاء اللہ ہو جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ عطا کر دے 'تو شاکر' وہ روک دے تو صابر!

تلاشِ حق

تسلیم و رضا عبادت کی اساس ہے۔ اگر ہم اس کے حکم پر راضی نہیں تو ہماری عبادت روایتی ٹکروں اور وظیفوں کے سوا کیا ہے؟ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث قدسی میں ارشاد فرمایا "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' اے ابن آدم تو میری عبادت کے لئے یک سوئی اختیار کر لے۔ میں تیرے سینے کو ہر شخص سے بے نیاز کر دوں گا اور تجھے فقر کے حوالے نہیں کروں گا۔ اور اگر تو نے یہ کام نہ کیا تو جان لے کہ میں تیرے دل کو پریشانیوں کا مسکن بنا دوں گا اور تجھے فقر و غربت (کے احساس) میں مبتلا کر دوں گا"۔

ایک دوسری حدیثِ قدسی میں ارشاد ہے "اے ابنِ آدم میں نے تجھے اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے پس لہو و لعب میں زندگی مت گنوا۔ میں نے تیرے رزق کی ذمہ داری خود لی ہے اس لئے اس کی فکر میں اپنے آپ کو ہلاک نہ کر۔ میری تلاش میں نکل تو مجھے پالے گا۔ اور جب تو نے مجھے پالیا تو گویا سب کچھ پالیا اور اگر تو نے مجھے کھو دیا تو گویا سب کچھ کھو دیا۔ مجھے تو پالے گا تو میں تیرے نزدیک ہر چیز سے زیادہ محبوب ہو جاؤں گا۔"

پہلی حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ نے ہم سے یک سوئی اور عبادت کے لئے فراغ کا مطالبہ کیا ہے۔ یعنی ہمارا نصب العین ہی اللہ کی ذات ہونی چاہئے۔ زندگی کی ہر چیز سے ہمیں ذاتِ باری اپنے دل و جان کے قریب نظر آئے۔ اس سے ہمارا سینہ اور غنی ہو جائے گا۔ دل کا غنی ہونا ہاتھ کی دولت سے بالکل مختلف ہے۔ جس کا دل غنی ہے وہ تہی دست رہ کر بھی سعادت مند ہے اور جس کا دل فقیر ہے وہ مال و دولت کی کثرت کے باوجود بد نصیب و بد بخت ہے۔ اسے سونے

کے دو پہاڑ دے دیئے جائیں تو اس کا دل مطمئن نہیں ہو گا بلکہ وہ تیسرے پہاڑ کی آرزو کرے گا۔ دوسری حدیثِ قدسی کا نفسِ مضمون بھی وہی ہے جو پہلی حدیث کا ہے مگر اس میں بندۂ مومن کو مزید اطمینان و سکون عطا کیا گیا ہے کہ اس کے وجود کا راز ہی عبادتِ الٰہی ہے۔ وہ دیکھتا ہے تو عبادت کی نگاہ سے، سنتا ہے تو عبادت کے کانوں سے غرض اس کی ہر حرکت اللہ کی عبادت کی خاطر ہوتی ہے۔ اور جو کہا گیا کہ "لہو و لعب میں زندگی مت گنوا" تو اس سے مراد یہ ہے کہ اس دین میں غیر سنجیدہ حرکت کا کوئی تصور ہی نہیں۔ ارشادِ باری ہے

"یہ ایک جچی تلی بات ہے، ہنسی مذاق نہیں ہے۔" الطارق آیات ۱۳۔ ۱۴

انسان دنیا میں دو باتوں کی بڑی فکر کرتا ہے۔ ایک رزق کی اور دوسری زندگی کی۔ حالانکہ خدا تعالیٰ نے رزق کی ذمہ داری لے رکھی ہے اور موت کا وقت متعین کر دیا ہے۔ رزق جتنا قسمت میں ہے وہ ضرور مل کر رہے گا اور موت جس لمحے آنی ہے آ کر رہے گی۔ نہ ایک لمحہ آگے ہو سکتی ہے نہ پیچھے۔ دنیا میں کتنے ہی مالدار لوگ ہیں کہ جن کو بے چینی و بے اطمینانی کے سوا کچھ حاصل نہیں اور کتنے ہی فقیر ہیں جو اطمینانِ قلب سے مالا مال ہیں!

انسان نے دنیا میں جتنی بھی ایجادات کی ہیں ان میں اس نے کوئی چیز بھی تخلیق نہیں کی۔ اللہ نے ہر چیز پیدا کی اور انسان کو ذہنی و جسمانی صلاحیتیں بخشیں۔ جس اللہ نے یہ سب کچھ دیا ہے وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ ایک کلمے سے یہ سارا کچھ فنا کر دے۔ انسان کو حیران کن مصنوعات میں کھو کر اللہ تعالیٰ کو فراموش نہیں کرنا چاہئے۔ اس کے سامنے دین کو اسی کے لئے خالص کرتے ہوئے جھک جانا عین سعادت ہے۔

مسلمان ایک مدت مدید خوابِ غفلت میں پڑے رہے۔ اب بیداری کے کچھ اثرات نظر آئے ہیں تو شرق و غرب اس سے خائف ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ یہ بیداری حقیقی طور پر اسلام کی نشأۃِ ثانیہ بن جائے۔ اللہ کے لئے یہ کچھ مشکل تو نہیں۔ وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ اگر ہمارے ذہن میں

Marfat.com

حقیقی اسلام کا نقش ثبت ہو جائے تو ہم پوری دنیا میں اپنے اخلاق و کردار کی عظمت کی وجہ سے نمایاں اور ممتاز مقام پا سکتے ہیں۔ اسلام ایک اللہ وحدہ لا شریک لہ کی عبادت پر قائم ہے۔ جو اللہ کی عبادت میں لگ جائے وہ خود ہی سعادت مند نہیں ہوتا بلکہ اس کے وجود سے پوری خلقِ خدا کی قسمت جاگ اٹھتی ہے۔ جو بھی اسلام کے دامن سے وابستہ ہو جائے عزت و شرف اس کا نصیب بن جاتا ہے۔

بندگانِ خدا کی صفات

بندوں سے خدا تعالیٰ کا مطالبہ ہی یہ ہے کہ وہ بندگی اختیار کر لیں۔ جہاں تک تہذیب و تمدن ترقی و خوشحالی 'ایجادات و اختراع اور عزت و طاقت کا تعلق ہے یہ تو بندگی رب کا لازمی نتیجہ ہے۔ ہمارے اسلاف مسلمان ہونے کی وجہ سے دنیا میں معزز و غالب تھے اور ہم اسلام سے دور ہو جانے کی بنا پر خوار و خستہ حال ہیں۔ قرآن مجید ہم سے مطالبہ کرتا ہے کہ بندگیٔ رب کا ایسا نمونہ پیش کریں جس میں کوئی جھول اور کھوٹ نہ ہو۔ اللہ کی عبادت کرنے والا اپنے آپ کو صدق کا نمونہ بنا لیتا ہے اور کبھی اس سے روگردانی نہیں کرتا۔ جو یہ صفت اختیار نہ کرے اس کی بندگی کا کیا اعتبار؟ ارشادِ ربانی ہے۔

"کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو حالانکہ تم کتاب کی تلاوت بھی کرتے ہو 'کیا تم عقل سے بالکل کورے ہو؟"
(سورہ بقرہ آیت ۴۴)

بندۂ خدا' بندگی میں صبر و استقامت کا مظاہرہ کرتا ہے۔

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو صبر اور نماز سے مدد لو۔ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔" (البقرہ ۱۵۳)

بندگی کرنے والا تدبر و تفکر کا شعار اپناتا ہے۔

"جو لوگ عقل سے کام لیتے ہیں ان کے لئے

Marfat.com

آسمانوں اور زمین کی ساخت میں رات اور دن کے
بہ پہم ایک دوسرے کے بعد آنے میں' ان
کشتیوں میں جو انسان کے نفع کا سامان لئے
ہوئے دریاؤں اور سمندروں میں چلتی پھرتی ہیں'
بارش کے اس پانی میں جسے اللہ اوپر سے
برساتا ہے' پھر اس کے ذریعے زمین کو زندگی بخشتا
ہے اور اپنے اسی انتظام کی بدولت زمین میں ہر قسم
کی جاندار مخلوق کو پھیلاتا ہے' ہواؤں کی گردش میں
اور ان بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان
تابع فرمان بنا کر رکھے گئے ہیں' بے شمار نشانیاں
ہیں۔" (البقرہ آیت ۱۶۴)

بندہ خدا بندگئ رب کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے احتیاط اور ہوش
سے کام لیتا ہے۔"

اور اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو
۔" (البقرہ ۱۹۵)

اللہ کی عبادت کرنے والا منافقت اور دھوکے بازی سے پاک صاف
ہوتا ہے۔"

اور انسانوں میں کوئی تو ایسا ہے جس کی باتیں دنیا کی
زندگی میں تمہیں بہت بھلی معلوم ہوتی ہیں اور اپنی
نیک نیتی پر وہ بار بار خدا کو گواہ ٹھہراتا ہے مگر حقیقت
میں وہ بد ترین دشمنِ حق ہوتا ہے۔" (البقرہ
آیت ۲۰۴)

اللہ کی عبادت سے اپنی زندگی کو مزین کرنے والا دنیا سے نہ قطع تعلقی
کرتا ہے نہ کسی سے صلہ وستائش کا طلب گار ہوتا ہے

"دوسری طرف انسانوں ہی میں کوئی ایسا بھی ہے جو
رضائے الٰہی کی طلب میں اپنی جان کھپا دیتا ہے اور

Marfat.com

ایسے بندوں پر اللہ بہت مہربان ہے۔" (البقرہ ۲۰۷)

اللہ کی عبادت کرنے والا عالی صفت ہوتا ہے۔ وہ کمینگی اختیار نہیں کرتا۔

"اب دنیا میں بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت واصلاح کے لئے میدان میں لایا گیا ہے۔" (العمران ۱۱۰)

اللہ کی بندگی کرنے والا سخی ہوتا ہے کنجوس نہیں
"جن لوگوں کو اللہ نے اپنے فضل سے نوازا ہے اور پھر وہ بخل سے کام لیتے ہیں وہ اس خیال میں نہ رہیں کہ یہ بخیلی ان کے لئے اچھی ہے۔ نہیں یہ ان کے حق میں نہایت بری ہے۔" (ال عمران ۱۸۰)

بندۂ خدا سختی کے مقابلے میں کمزوری دکھا کر اپنا راستہ نہیں بدل لیا کرتے۔

"جن لوگوں نے میری خاطر وطن چھوڑا اور جو میری راہ میں اپنے گھروں سے نکالے گئے اور ستائے گئے اور میرے لئے لڑے اور مارے گئے' ان کے سب قصور میں معاف کر دوں گا اور انہیں ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ یہ ان کی جزا ہے اللہ کے ہاں اور بہترین جزا اللہ ہی کے پاس ہے۔" (العمران ۱۹۵)

اس کی صفات قرآن مجید میں تفصیل سے بیان کی گئی ہیں' دوسروں کی کاہلی وسستی کو دیکھ کر وہ بھی کاہل بن کر نہیں بیٹھ جاتا۔ "پس اللہ کی راہ میں

قتال کرتا رہ، تو اپنی ذات کے سوا کسی اور کے لئے
ذمہ دار نہیں ہے۔" (النساء ۸۴)

خیر و بھلائی کے لئے کوشاں اور شر کے خاتمے کے لئے کمربستہ رہتا ہے۔

"جو بھلائی کی سفارش کرے گا وہ اس میں سے
حصہ پائے گا اور جو برائی کی سفارش کرے گا وہ اس
میں سے حصہ پائے گا" (النساء ۸۵)

بندگیٔ رب ایک عظیم ذمہ داری اور اعلیٰ ترین مقام ہے۔ بندگیٔ رب کے تقاضوں کو پورا کرنے والوں کی صفات سے پورا قرآن بھرا پڑا ہے (مصنف مرحوم نے یہاں قرآن مجید کی بہت سی آیات کے حوالے دیئے ہیں۔ ہم یہاں وہ آیات لکھنے کی بجائے اختصار کے پیشِ نظر صرف ان کا حوالہ نذرِ قارئین کر رہے ہیں۔)

سورہ نساء آیت ۸۳۔ ۔ سورہ المائدہ آیت ۱۔ ۲۳ سورہ انعام آیت ۱۰۸۔ ۱۶۲ سورہ اعراف ۳۲ سورہ انفال ۱۵۔ ۴۵۔ ۶۰۔ ۶۱ سورہ التوبہ ۳۹۔ ۴۵۔ ۵۲۔ ۴۷ سورہ یونس ۳۹۔ سورہ ھود ۷۔ ۸۸ سورہ یوسف ۸۷ سورہ الرعد۔ ۲۰۔ ۲۱۔ ۲۸ سورہ الاسراء ۳۶۔ ۳۷۔ ۸۱ سورہ الکھف ۶۶۔ سورہ الحج ۳۸ سورہ العنکبوت ۱۰ سورہ الروم ۶۰۔ سورہ المومنون ۵۲۔ سورہ النور ۲۷۔ ۳۰ سورہ الفرقان ۶۷۔ ۷۲ سورہ لقمان ۱۶۔ سورہ الاحزاب ۲۲۔ ۴۲۔ ۵۳ سورہ الزمر ۹۔ ۵۳۔ سورہ حم السجدہ ۳۰۔ ۳۴۔ سورہ احقاف ۱۱ سورہ الحجرات ۶۔ ۱۰۔ ۱۱۔ ۱۳۔ سورہ الحشر ۹۔ سورہ الممتحنہ ۱۔ ۸۔ سورہ المنافقون ۸ سورہ الحدید ۱۶۔ ۱۷ (ان میں سے بعض آیات میں ایجابی صفات بیان کی گئی ہیں اور بعض میں سلبی کہ جن سے بندۂ مومن منزّہ اور پاک ہوتا ہے۔)

Marfat.com

شکست کیا ہوتی ہے؟

اللہ تبارک وتعالیٰ مردہ دلوں کو زندگی اور غفلت میں ڈوبے ہوئے انسانوں کو ہوش وبے داری عطا کرنے کی پوری قدرت رکھتا ہے۔ وہ گمراہ لوگوں کو جب چاہے راستہ دکھا سکتا ہے۔ ہم بحیثیت امت ہر بیماری میں مبتلا ہیں۔ مگر مایوسی کی بجائے امید کا سہارا لے کر ہم تاریکی کے اس غار سے نکل سکتے ہیں۔ شکست میدان میں ہار جانے کا نام نہیں ہے۔ بلکہ شکست مایوس ہو جانے اور اپنی قوتِ بازو پر اعتماد کھو دینے کا نام ہے۔ فتح وشکست ہر فرد اور ہر قوم کی زندگی میں آتی رہتی ہے۔ نہ فتح دائمی ہوتی ہے اور نہ شکست۔ شکست کو فتح میں بدلا جا سکتا ہے بشرطیکہ امید کی کرن روشن رہے اور ہمت ومردانگی کے جذبات قائم ودائم رہیں۔

مسلمان تابناک ماضی کا سرمایہ رکھنے کے باوجود بدترین حال سے گزر رہے ہیں۔ مستقبل کی کامیابیوں کیلئے ضروری ہے کہ ماضی سے اپنا رشتہ جوڑا جائے۔ ہم غیروں کے بارے میں تو بہت کچھ جانتے ہیں مگر اپنے اسلاف کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ ہمارے مرض کا علاج یہی ہے کہ ہم اسلام کی طرف رجوع کریں اور ماضی سے اپنا رشتہ مضبوط کریں۔

اپنے ماضی سے رشتہ جوڑنے کے لئے ہم نے سیدنا عمرؓ کی سیرت کا انتخاب کیا۔ کوئی شخص یہ پوچھ سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ ہی کو کیوں منتخب کیا گیا ہے۔ میں اس کا جواب پورے اطمینان اور یقین کے ساتھ دے سکتا ہوں کہ آج ہم جس صورتِ حال سے دوچار ہیں اس کیلئے سیرتِ فاروقی اکسیر کی حیثیت رکھتی ہے۔ حضرت عمرؓ نے زندگی کے ہر معاملے میں تربیت کا حکیمانہ اسلوب اور دلنشین انداز اختیار کیا تھا۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا تھا

"میرے بعد ابو بکرؓ اور عمرؓ کی اقتدا کرنا"

حضرت عمرؓ کے مناقب حدیث کی کتابوں میں تفصیل سے ملتے ہیں۔ نبی اکرم صلی علیہ وسلم کا یہ قول حضرت عمرؓ کی رفعتِ شان کی زندہ علامت ہے۔

"میری امت میں دین کے معاملات میں عمرؓ کی رائے سب سے قوی ہے"

Marfat.com

اسی طرح رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے شیخین سے یہ بھی فرمایا "اگر کسی مشورے میں تم دونوں کی رائے ایک ہو تو میں اسکی مخالفت نہیں کروں گا"۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "عمرؓ کی رضامندی اللہ کی رحمت ہے"

سیدنا ابو بکرؓ اور عمرؓ کو آتے ہوئے دیکھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "یہ دونوں میرے سمع وبصر ہیں" (ترمذی والحاکم۔ عن انس وعلی۔ اسد الغابہ جلد سوم)

میں نے حضرت عمرؓ کے بارے میں جو کچھ پڑھا ہے وہ آپؓ کی سیرت کی وسعت کے مقابلے میں بہت کم ہے۔ میں اسے پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہوں اور میرا مطمعِ نظر یہ ہے کہ دعوتِ اسلامی کے میدان میں یہ ایک بیج کا کام دے۔ جس سے اخلاق وکردار اور تعلیم وتربیت کا تناور درخت وجود میں آجائے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ جب چاہے اپنے نور کو مکمل کر سکتا ہے۔ اس نور کو بجھانے والے پھونکیں مارتے رہیں گے مگر انہیں کامیابی نہ ہوگی۔ ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ مسلمان اپنے دین کو مضبوطی سے پکڑلیں اور اس کے دفاع کیلئے معذرت کے بجائے مردانگی کا رویہ اختیار کریں۔

عمرؓ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب تھے۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب بندوں سے محبت کرنا خیر وبرکت کا باعث ہوتا ہے۔

اصحاب کہف اللہ اور اس کے دین کی محبت میں گھر سے نکلے تو ان کا کتا بھی ساتھ چل دیا۔ جہاں اصحاب کہف کا ذکر کیا گیا ہے وہاں ان کے کتے کا تذکرہ بھی قرآن مجید میں موجود ہے۔ کتا تو بہرحال کتا ہی تھا لیکن اللہ کے بندوں کا ساتھ دینے کی وجہ سے اس کا ذکر وحی ربانی میں زندہ جاوید ہو گیا۔ حضرت عمرؓ کے ساتھ تعلق خاطر کی برکت سے شاید اللہ تعالیٰ ہماری بگڑی بنا دے۔

Marfat.com

غلطی کا اعتراف اور اس سے رجوع

حضرت عمرؓ بہترین نمونہ اور تربیت کی اعلیٰ مثال تھے۔ انسان ہونے کی حیثیت سے ان سے غلطیاں اور کوتاہیاں بھی ہوئیں مگر وہ غلطی پر اصرار کرنے کی بجائے ہمیشہ اپنی غلطی کا اعتراف کر لیتے تھے اور فوراً اصلاحِ احوال کی فکر کرتے تھے۔ اپنی غلطی کو چھپانے کی بجائے کھلے عام اس کا اعتراف اور اپنے مئوقف سے رجوع آپؓ کا وتیرہ تھا۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے مقام پر صلح کا معاہدہ کیا تو اس کی شرائط پر سبھی مسلمان ظاہری طور پر ناخوش اور مایوس ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس موقع پر کچھ سوالات بھی پیش کئے جن کا تذکرہ امام ابنِ کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔ بعد میں جب حضرت عمرؓ کو احساس ہوا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی غلطی کی معافی مانگی اور پھر زندگی بھر اس واقعہ پر استغفار کرتے رہے۔

میں عمرؓ کے بارے میں اس لئے نہیں لکھنا چاہتا تھا کہ ان کی ذات میں کوئی عجوبہ پایا جاتا ہے۔ وہ انسانوں میں سے ایک انسان تھے۔ نہ رسول تھے نہ نبی اور نہ فرشتے۔ وہ بشر ہی تھے مگر یہ اللہ تعالیٰ کا ان پر عظیم احسان تھا کہ اس نے انہیں اعلیٰ ترین صفات سے نوازا تھا۔ میں نے انہی صفات کے حوالے سے سیرت عمرؓ پر قلم اٹھانے کا ارادہ کیا ہے تاکہ اس سے میں بھی اور میرے دیگر ابنائے امت بھی سبق حاصل کریں۔ عمرؓ بھی انسان ہونے کے ناطے بھوک پیاس اور خوشی غمی سے متاثر ہوتے تھے۔ آپکی بھی انسانی خواہشات موجود تھیں مگر آپ کی عظمت یہ تھی کہ نہ تو بھوک میں آپ کوئی پست حرکت کرتے تھے' نہ خواہشات کی غلامی میں شرافتِ انسانی سے گرتے تھے۔ غصے میں خوف خدا سے کبھی عاری نہ ہوتے تھے اور خوشی میں یادِ خدا سے کبھی غافل نہ پائے گئے تھے۔ ایک دن ان کے بیٹے عبداللہ بن عمرؓ نے انہیں دیکھا کہ جراد (ٹڈیاں) پکڑ کر چادر میں جمع کر رہے ہیں۔ پوچھا "ابا جان یہ کیا کر رہے ہیں؟" فرمایا "میرا دل چاہتا تھا کہ بھونی ہوئی ٹڈیاں کھاؤں۔ پس میں انہیں پکڑنے کے لئے نکل آیا۔ یہ اس دور کی بات ہے جب آپ امیر المؤمنین تھے۔ چاہتے تو

Marfat.com

کسی کو حکم دیدیتے کہ صحرا سے ٹڈیاں پکڑ کر لائے مگر آپ نے ایسا نہ کیا۔

انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عمرؓ کو اپنے زمانہ خلافت میں بارہا دیکھا کہ وہ دستر خوان پر بیٹھے تو سوائے کھجوروں کے اس پر کچھ نہ ہوتا تھا۔ آپ تروتازہ کھجوروں کے علاوہ پرانی اور خشک کھجوریں بھی شوق سے کھاجاتے تھے۔ " آج ہمارا حال کیا ہے؟ دستر خوان پر جو کچھ بھی موجود ہو اس سے ہمیں اطمینان نہیں ہوتا بلکہ ہم مزید کے طلبگار رہتے ہیں۔ حضرت عمرؓ جو کچھ بھی روکھا سوکھا مل جاتا تھا اس پر مطمئن ہو جاتے تھے اور غیر موجود ' ماکولات کی تمنا میں کفِ افسوس نہیں ملتے تھے۔

حضرت عمرؓ سے محبت اور اسکی وجہ

میں حضرت عمرؓ سے جذباتی محبت رکھتا ہوں اور اس محبت کی وجہ حضرت عمرؓ کی ذات یا شخصیت نہیں بلکہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عمرؓ کا قرب اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ان سے محبت اس کا منبع ہے۔ حضرت عمر کی سیرت میں پوری ملتِ اسلامیہ کے لئے درس ہائے تربیت پنہاں ہیں۔ اگر اس روشنی سے ہم کوئی کرن پالیں تو دل و دماغ سے ہر شک و ریب اور وسوسہ و خلل نکل جائے۔ ہم اسلام سے محبت کرتے ہیں کہ وہ ہمارے مولا کا پسندیدہ اور چیدہ نظامِ زندگی ہے۔ اس اسلام کو زندہ صورت میں دیکھنا ہو تو ان عظیم شخصیتوں کی سیرت کا مطالعہ کیجئے جو اس اسلام کے لئے جئے اور اس کے لئے مرے۔ حضرت عمرؓ ان لوگوں میں سے ایک اعلیٰ نمونہ ہیں۔

ہم اسلام کا دفاع کسی تعصب اور اندھی تقلید کی وجہ سے نہیں کرتے بلکہ ہمارے پاس حقائق ہیں کہ یہ دین ہمارے رب کی طرف سے ہمیں دیا گیا ہے۔ ہمارے نزدیک ہماری جان و مال اور ہر چیز سے زیادہ محبوب چیز یہی دین اسلام ہے۔ ہم اس کے لئے سب کچھ قربان کر سکتے ہیں مگر اسے نہیں چھوڑ سکتے۔ ہم اللہ رب العزت سے نہایت عجز و انکساری کے ساتھ دعا کرتے ہیں کہ ہمیں حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیثِ مبارکہ کا مصداق بنا دے۔

"میری امت میں ہمیشہ ایک گروہ ایسا رہیگا جو حق پر قائم ہوں

Marfat.com

گے۔ جوان سے دشمنی رکھیں گے یا ان کی مخالفت کریں گے وہ ان کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکیں گے۔ وہ مرتے دم تک حق پر قائم رہیں گے۔ " اور ہماری یہ تمنا اور آرزو ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس حدیث کا نمونہ بنادے "اللہ تعالیٰ ہمیشہ اس دین میں ایسے افراد پیدا کرتا رہیگا جن سے اپنی اطاعت ووفاداری کا کام لے گا۔ "

یہ دین محض پوجاپاٹ کا مذہب نہیں بلکہ مکمل نظام زندگی ہے۔ زندگی کے ہر شعبے میں اس نے واضح ہدایات وتعلیمات دی ہیں' کوئی چھوٹے سے چھوٹا معاملہ اور کوئی بڑے سے بڑا امر اس نے اندھیرے میں نہیں چھوڑا۔ پوری زندگی منظّم کرکے انسان سے مطالبہ کیا کہ اس کی پیروی کرے۔ دنیا کے مصلحین اور مفکرین کا میں نے جس قدر مطالعہ کیا ہے میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اسلام سے بہتر کوئی نظریہ اور نظام دنیا میں نہیں پایا جاتا۔ ہمارے جو نوجوان محض مغربی نظریات وافکار کے خوشہ چین ہیں انہیں اپنے دین مبین کا بھی مطالعہ کرنا چاہئے۔ اب وہ مغرب کی تقلید کے داعی ہیں مگر مجھے یقین ہے کہ اگر وہ غیر متعصّب ہوکر اسلام کا مطالعہ کریں گے تو مغرب کا پرچار کرنیکی بجائے اسلام کے مبلغین بن جائیں گے' میں تو اسلام کے دلائل کو اسقدر قوی اورغالب پاتا ہوں کہ مجھے کبھی خوف محسوس نہیں ہوا کہ کوئی ہمیں شکست نہ دے جائے' اسلام سراپا نورِ ہدایت ہے۔ دنیا میں جسقدر بھی اندھیرا پھیل جائے اسلام کی روشنی موجود رھیگی۔ اگر تاریک رات میں ایک دیا سلائی جلادی جائے تو وہ روشنی پیدا کرکے اپنا وجود منوالیتی ہے۔ پھر امتِ مسلمہ کو کیا ہوگیا ہے کہ وہ نورِ کامل کے باوجود مرعوب ہے؟

فرد اور معاشرہ

فرد اور معاشرے کی حیثیت ومقام اور دونوں کے درمیان باہمی تعلقات پر دورِ جدید کے اہل علم نے بہت کچھ لکھا ہے۔ ہر جگہ آپ کو افراط وتفریط نظر آئے گی۔ کوئی ایک جانب جھک گیا ہے تو کوئی دوسری انتہا کو جا پہنچا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کے مقام ومرتبہ کو ایسے بہترین

Marfat.com

اور متوازن انداز میں پیش فرمایا ہے کہ نہ فرد کی حق تلفی ہو اور نہ معاشرہ افراد کے ہاتھوں ظلم کی چکی میں پستا رہے۔ فرد کو معاشرے کی خدمت میں کمربستہ رہنا چاہئے اور جب ہر فرد معاشرے کا خادم اور ثمر بخش رکن بن جائے گا تو جواب میں ہر ایک شخص کو اسکی جهود کا بہترین صلہ اور میٹھا پھل بھی ملے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہر مسلمان پر صدقہ فرض ہے۔" صحابہ نے عرض کیا "یارسول اللہ جس کے پاس کچھ نہ ہو وہ کیسے صدقہ دے؟" ارشاد فرمایا "اسے اپنے ہاتھ سے کام کرنا چاہئے اور جو کچھ کمائے اس سے اپنی ضروریات بھی پوری کرے اور صدقہ بھی دے۔" عرض کیا گیا "اگر وہ کوئی کام نہ کر سکے تو؟" فرمایا "بے کس و بے بس مصیبت زدوں کی مدد کرے۔ یہ اس کا صدقہ ہے۔" صحابہ نے پوچھا "اگر ایسا نہ کر سکے تو؟" فرمایا "نیکی کے کاموں میں لگا رہے اور برائی سے ہاتھ روکے رکھے۔ یہی اس کا صدقہ ہے۔"

بین الاقوامی معاہدات کا احترام و پابندی جس انداز سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائی وہ اپنی مثال آپ ہے۔ عالمی طاقتیں معاہدات میں کبھی نیک نیتی کا مظاہرہ نہیں کرتیں کیونکہ ان کے نزدیک ملکی مفاد کی خاطر کوئی اقدام بھی کر لیا جائے تو عین نیکی ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "جس کسی نے کسی سے معاہدۂ صلح کر کے اسے قتل کر ڈالا وہ جنت کی خوشبو بھی نہ سونگھ سکے گا۔ حالانکہ جنت کی خوشبو چالیس سال کی مسافت سے آجاتی ہے۔" مزید ارشادات ملاحظہ فرمایئے۔ "جس نے کسی غیر مسلم ذمی سے ظلم کا معاملہ کیا یا اس سے اسکی طاقت سے زیادہ کام لیا یا اسکی مرضی کے بغیر اسکی کوئی چیز ہتھیالی تو میں اس ذمی کا وکیل بن کر قیامت کو ایسے شخص کے خلاف کھڑا ہونگا۔"

ہمارے دین میں عہد وپیمان کی حفاظت کا حکم دیا گیا ہے۔ بین الاقوامی تعلقات اور قوانین میں دنیا کی کوئی مہذب ترین قوم اسلام کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ یہ قابلِ افسوس بات ہے کہ اسلام کے دشمن آج اسلام کی تصویر بگاڑ رہے ہیں اور اسلام کے فرزند ہتھیار ڈال چکے ہیں۔

اقوامِ عالم کے ہاں عدل وانصاف کے پیمانے قومی عصبیت کے تحت

Marfat.com

بنائے جاتے ہیں۔ اسلام میں عدل بے لاگ ہوتا ہے۔ مفسرین قرآن نے "ان اللہ لا یحب الخائنین۔" (بے شک اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا) کی تفسیر میں لکھا ہے کہ کسی کافر کے ساتھ بھی خیانت جائز نہیں کیونکہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حاجت مندوں پر صدقہ کرنے کا حکم دیا خواہ وہ کسی بھی مذہب اور دین کے پیرو کار ہوں۔ اسی طرح آپ نے وضاحت فرمائی "جس کسی نے کسی شخص کو امان دی پھر اسے قتل کر دیا تو ایسے قاتل سے میں بری الذمہ ہوں اگرچہ قاتل مسلم ہو اور مقتول غیر مسلم۔"

مسلمانوں نے اپنے دورِ زریں میں معاہدات کی پابندی قلباً و قالباً کی۔ ایک مرتبہ رومی سلطنت اور حضرت امیر معاویہؓ کے درمیان معاہدہ ہوا۔ معاہدہ کی مدت ختم ہونے سے قبل امیر معاویہ اپنی فوجوں کے ساتھ رومی سرحد کی جانب روانہ ہوئے تاکہ معاہدے کے اختتام پر فوری حملہ کر سکیں۔ اچانک ایک شخص گھوڑے پر سوار ان کے پاس آیا اور "اللہ اکبر اللہ اکبر" کہتا ہوا بولا "ایفائے عہد کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ غدر اور وعدہ خلافی ہماری شان نہیں ہے۔" یہ حضرت عمروؓ بن عبسہؓ تھے۔ امیر معاویہؓ نے انہیں اپنے پاس بلایا تو انہوں نے کہا "میں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے" "جب تمہارا کسی قوم سے معاہدہ ہو جائے تو مدت معاہدہ میں کوئی ایسی حرکت نہ کرو جو معاہدہ کی روح کے خلاف ہو۔ نہ اس میں اپنی طرف سے یک طرفہ کوئی شق بڑھاؤ نہ کوئی شق خارج کرو۔ اگر معاہدے پر تمہیں یکسوئی نہیں تو فریق مخالف کو واضح طور پر بتا دو کہ معاہدہ منسوخ سمجھا جائے ورنہ معاہدے کی مدت کے دوران میں کوئی خلاف ورزی نہ کرو۔ حضرت معاویہؓ نے یہ حدیث سنی تو فوجوں کو لیکر واپس لوٹ آئے۔"

حب الوطنی کا صحیح مفہوم

حب الوطنی کے نام پر لوگوں نے سب کچھ جائز سمجھ لیا ہے۔ اسلام نے حبِ وطن کی ترغیب دی ہے مگر اسکی خاطر ظلم و ستم کرنے کی ہر گز اجازت

Marfat.com

نہیں۔ ابوفسیلہ وائلہؓ ابن الاسقع بیان کرتے ہیں "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا" یارسول اللہ کیا اپنی قوم سے محبت کرنا گناہ ہے؟ آپ نے فرمایا "نہیں مگر اپنی قوم کے کسی فرد کی ظلم میں معاونت کرنا گناہ ہے۔"

دشمنوں سے لڑائی لڑنے کا حکم دیا گیا ہے مگر اسلام نے اسکے لئے بھی آداب مقرر کئے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مشرکین اور کافروں پر اچانک ان کی بے خبری میں حملہ نہ کیا کرو۔ پہلے تو کوشش کیا کرو کہ لوگوں کو اپنے ساتھ مانوس اور اپنے دین سے روشناس کراؤ پھر انہیں قبولِ اسلام کی دعوت دو۔ (جنگ محض اس وقت کرو جب ناگزیر ہو جائے اور اسکے بغیر کوئی چارۂ کار ہی نہ رہے)۔ جان لو کہ کرۂ ارضی کا کوئی مکان اور خیمہ ایسا نہیں ہے جہاں سے لوگ اسلام قبول کر کے میرے پاس آئیں تو مجھے وہ محبوب نہ ہوں۔ میرے نزدیک پسندیدہ عمل یہ نہیں کہ تم عورتوں اور بچوں کو قیدی بناؤ اور مردوں کو قتل کرو بلکہ انہیں اسلام میں داخل کرو۔"

حضرت اسامہؓ بن زیدؓ کو فوجوں کا کمانڈر مقرر کیا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رخصت کرنے سے پہلے انہیں ہدایات دیں۔ فرمایا "سفر میں جلدی کرنا اور صحیح معلومات حاصل کرنے کے لئے مخبروں کی جماعت کو آگے روانہ کر دینا (جلدی کرنے میں حکمت یہ ہے کہ راستے میں پڑنے والے دیہات اور قبائل پر فوجوں کا بوجھ نہ پڑے اور مخبروں کو آگے بھیجنے کا مقصد یہ تھا کہ بے علمی میں کسی پر ہاتھ نہ ڈالیں بلکہ ہر اقدام حقیقت معلوم کرنے کے بعد کیا جائے۔) اگر اللہ تعالیٰ تمہیں فتح عطا کر دے تو مفتوح علاقوں میں زیادہ عرصہ قیام نہ کرنا۔ مخبروں کو ہمیشہ فوج کشی سے پہلے آگے بھیجتے رہنا۔" اس ہدایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان فوجوں کے لئے حفاظتی تدابیر اور بیدار مغزی کا حکم دیا ہے اور فریقِ مخالف کے حقوق بھی بیان فرمائے ہیں۔

غرفہ بن حارث الکندی نے عیسائی علاقوں کی فتح کے بعد ان لوگوں سے عہد باندھا اور اس کا سرِعام اعلان کر کے حکم دیا کہ کوئی مسلمان اسکی خلاف ورزی نہ کرے۔ "ہم نے ان لوگوں سے پیمان باندھا ہے کہ ان کے گرجا

Marfat.com

گھروں میں دخل نہ دیں گے یہ اپنی عبادت میں آزاد ہیں ہم ان سے جزیہ لینگے اوران کی طاقت سے زیادہ بوجھ ان پر کبھی نہ ڈالینگے اگر بیرونی دشمن نے حملہ کیا توہم ان کی حفاظت کیلئے دشمن کا مقابلہ کریں گے ان کے باہمی معاملات میں ان کے درمیان ان کے مذہب کے مطابق شخصی قانون رائج کرینگے ہاں البتہ اگر یہ اپنی مرضی سے ہمارے شخصی قانون کے مطابق فیصلہ کرانا چاہیں تو ہمیں اعتراض نہ ہو گا یہ کہیں بھی جانا چاہیں ہم ان کا راستہ نہ روکیں گے

ذمیوں کو محض جان ومال اور عبادت وپرستش کے حقوق ہی حاصل نہ تھے بلکہ ان کے انسانی شرف اور عزت نفس کا بھی خیال رکھا جاتا تھا۔ قاضی اسماعیل بن اسحاق کے پاس ایک ذمی حاضر ہوا۔ آپ نے اسکی عزت وتکریم کی۔ لوگوں نے پوچھاتو قرآن مجید کی آیت تلاوت فرمائی " (کافروں میں سے) جن لوگوں نے تمہارے ساتھ جنگ نہیں لڑی نہ تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ہے ان سے حسن سلوک کرنے سے اللہ نے تمہیں منع نہیں کیا۔ ان سے اچھا معاملہ کرو اور ان کے ساتھ عدل وانصاف سے پیش آؤ۔ بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ " (الممتحنہ آیت ۸)

ایک منافق کی سچی توبہ

انسانوں کی ستر پوشی کا اسلام نے حکم دیا ہے۔ کوئی مخالف بھی ہوتو اسکی کرامت انسانی کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ حرملہ بن زید انصاری پہلے منافق تھے مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں توبہ اور اخلاص کی توفیق دی۔ خلوص کے ساتھ وہ صحابہ کی جماعت میں شامل ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں دعا فرمائی۔ انہوں نے عرض کیا " یارسول اللہ میں منافقوں کا سردار تھا۔ میں ان سب کو جانتا ہوں۔ آپ کو ان کے نام بتاؤں؟ " آپ نے فرمایا " نہیں کسی کا پردہ چاک نہ کرو۔ ان میں سے جو بھی توبہ کر کے سچا ایمان اختیار کرلے گا ہم اسے معاف کر دیں گے اور اللہ تعالیٰ سے اسکے لئے استغفار کریں گے۔ رہے وہ لوگ جو نفاق میں مبتلا رہنا چاہتے ہیں تو انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو۔ اللہ ان سے نمٹ لے گا۔ میرے سامنے کسی کا بھانڈہ نہ پھوڑو۔ "

Marfat.com

حضرت عبداللہ ابن عباس فرمایا کرتے تھے ”جو بھی تمہیں سلام کرے اسے جواب دیا کرو اگرچہ وہ مجوسی ہی کیوں نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے جب تمہیں کوئی سلام کرے تو تم بھی جواب میں سلامتی کی اس سے بہتر دعا دیا کرو یا وہی دعا لوٹا دیا کرو۔“ (النساء آیت ۸۶) قتادہؒ فرمایا کرتے تھے کہ مسلمانوں کے لئے تو حکم ہے کہ انہیں بہتر دعا دی جائے مگر غیر مسلموں کو بھی وہی دعا لوٹا دینے کا حکم ہے۔ (ابن کثیر دوم ۳۲۵)

اسد بن وداعہ گھر سے نکلتے تو راستے میں ہر شخص کو خواہ یہودی ہو یا نصرانی سلام کرتے چلے جاتے۔ کسی نے اعتراض کیا تو فرمایا ”اللہ کا حکم ہے قولوا للناس حسناً۔“ (البقرہ ۸۳)

ایک یہودی کا قبولِ اسلام

بعض اوقات کافروں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سخت کلامی بھی کی مگر اختیارات کے باوجود آپ نے ان سے نرمی و در گزر کا معاملہ فرمایا۔ خیر نجدۃ نامی ایک یہودی سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ قرض لیا تھا۔ اس نے واپسی کا تقاضا کیا۔ آپ نے فرمایا ”کچھ مہلت دو“ اس نے یہ سنکر آپکو سخت ملامت کی۔ صحابہ بہت ناراض ہوئے۔ وہ شخص کہے جا رہا تھا ”میں تم سے قرض لئے بغیر نہ جاؤں گا۔ میں تمہیں ہر گز نہیں چھوڑوں گا۔“ حضور نے فرمایا ”میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ کسی شخص پر جس سے معاہدہ کر لیا ہو ظلم نہ کروں۔ یہ ذمی ہے میں اس پر ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا۔“ دن گزرا تو یہودی اس حسن سلوک سے اتنا متاثر ہوا کہ اسلام قبول کر لیا اور اپنے مال و دولت میں سے وافر مقدار خرچ کر دی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے پاس ان کا ایک والی حاضر ہوا۔ آپ نے آمد کا مقصد پوچھا تو اس نے بتایا کہ ”قبطیوں کے مویشی ضبط کر کے دربارِ خلافت میں لایا ہوں“۔ آپ نے یہ سنا تو سخت ناراض ہوئے۔ فرمایا ”میری سلطنت میں یہ ظلم؟“ پھر حکم دیا کہ قبطیوں کے مویشی تو انہیں واپس کئے جائیں

Marfat.com

• اور والی کو چالیس کوڑے لگائے جائیں۔

غیر مسلم اسلام اور پیغمبرِ اسلام کے خلاف زبان کھولیں تو بھی ہم ان کے دین اور ان کے مذہبی شعار کے خلاف زبان نہیں کھولتے۔ ان جرائم پر سزا تو دی جا سکتی ہے مگر گالی کا جواب گالی سے دینے کی اجازت نہیں ہے۔ اہلِ کتاب کے ساتھ ہمارا معاملہ اور بھی نازک ہے۔ ان کے نبی ہمارے نبی ہیں اور ہمارے لئے اسی طرح واجبِ احترام ہیں جس طرح حضور اکرم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (الانعام ۱۰۸ البقرہ ۲۸۵ العنکبوت ۴۶)

امن و سلامتی کا دین

اسلام نے خوں ریزی کو سخت ناپسندیدہ قرار دیا ہے۔ جنگ میں خون ریزی کی اگرچہ اجازت دی ہے مگر ترغیب یہی دلائی ہے کہ خون ریزی کے بغیر مسئلہ حل ہو جائے تو خوں ریزی سے گریز کیا جائے۔ مسلم بن حارثؓ کا بیان ہے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک سریہ پر بھیجا۔ ہم دشمن کے علاقے میں پہنچے تو وہ قلعہ بند ہو گئے۔ میں نے قلعہ کے اندر لوگوں کی چیخ وپکار سنی تو گھوڑے پر سوار ہوا اور قلعے کی دیوار کے بالکل قریب جا پہنچا۔ میں نے محصورین سے کہا "کلمہ شہادت پڑھ لو"۔ میں نے ان کے سامنے کلمۂ شہادت پیش کیا تو انہوں نے بلا توقف کلمہ پڑھ لیا۔ میرے ساتھیوں نے کہا "تم نے بلاوجہ ہمیں مالِ غنیمت سے محروم کیا۔" جب ہم حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے اور آپکو اس واقعہ کی اطلاع دی تو آپ بہت زیادہ خوش ہوئے اور میرے عمل کی بڑی تحسین فرمائی۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "ان لوگوں میں سے ہر انسان کے بدلے جس نے کلمہ پڑھ لیا اللہ تعالیٰ تجھے اجر اور درجات عطا فرمائے گا۔" پھر آپ نے حکم دیا کہ وصیت لکھی جائے۔ اس وصیت نامے میں آپ نے میری تعریف فرمائی اور اپنے بعد آنیوالے آئمہ (خلفائے راشدین) کو میرے ساتھ حسنِ سلوک کی تلقین کی۔

سورہ حج کی آیت نمبر ۴۰ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے دفع نہ کرتا رہے تو خانقاہیں اور گرجا گھر اور معبد اور

Marfat.com

مسجدیں جن میں اللہ کا کثرت سے نام لیا جاتا ہے سب مسمار کر ڈالی جائیں۔"

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے بیان کیا ہے کہ اللہ رب العزت نے عبادت گاہوں کو منہدم کرنے سے منع فرمایا ہے خواہ وہ عیسائیوں کے گرجے ہوں 'یہودیوں کے معبد ہوں یا مجوسیوں کے آتش کدے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے قرطبی صفحہ ۴۴۶۔

مصر میں فاطمی حکمرانوں نے قبطی آبادی کو نہ صرف عبادت اور مذہبی رسوم کی حریت دی تھی بلکہ ان میں سے قابل لوگوں کو اپنے دربار میں بھی جگہ دیتے تھے اور بعض اقباط کو وزارتیں بھی دی گئی تھیں۔

فقہا نے اس موضوع پر بھی بحثیں کی ہیں کہ آیا کسی یہودی یا نصرانی کے حق میں وصیت کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اکثر فقہا اور آئمہ نے اسے جائز قرار دیا ہے اور اسکی دلیل سورہ احزاب کی آیت ۶ سے لائے ہیں " الا ان تفعلوٓا الی اولیائکم معروفاً۔" پوری آیت کا ترجمہ درج ذیل ہے "بلاشبہ نبیؐ تو اہلِ ایمان کے لئے انکی اپنی ذات پر مقدم ہے اور نبی کی بیویاں انکی مائیں ہیں مگر کتاب اللہ کی رو سے عام مومنین و مہاجرین کی بہ نسبت رشتہ دار ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں البتہ اپنے رفیقوں کے ساتھ تم کوئی بھلائی (کرنا چاہو) تو کر سکتے ہو یہ حکم کتابِ الٰہی میں لکھا ہوا ہے۔"

اسلام نے دھوکہ اور غدر کسی صورت میں جائز قرار نہیں دیا۔ مکہ معظمہ میں مسلمانوں پر بے پناہ مظالم ڈہائے گئے۔ بعض نوجوانوں نے سوچا کہ جو کافران کے قابو میں آجائے اسے ٹھکانے لگا دیا جائے مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کیونکہ ہتھیار اٹھانے کی اجازت نہ تھی اور اسلامی جماعت کا موقف اس وقت تک یہی تھا کہ وہ مسلح جنگ نہیں کریں گے۔ واضح موقف کے خلاف خفیہ کارروائی اسلام کی شانِ رفیع کے خلاف تھی اس لئے جب تک اللہ کی طرف سے مدینہ کی ھجرت کے بعد یہ حکم نہیں آیا کہ اب مظلوموں کو ہتھیار اٹھانے کی اجازت ہے مسلمانوں نے ہتھیار استعمال نہیں کئے۔ (سورہ حج آیات ۳۸ : ۳۹)

مسلمانوں کے لئے جائز قرار دیا گیا ہے کہ وہ غیر مسلموں کی دعوت

Marfat.com

وضیافت کرنا چاہیں تو کریں۔ اسی طرح اگر غیر مسلم ان کے اعزاز میں ضیافت کا اہتمام کریں تو اس میں شرکت جائز ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ نے حضرت انسؓ بن مالک کے حوالے سے روایت بیان کی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہودیوں کی دعوت قبول کر لیتے تھے اور ان کے ہاں کھانا کھانے میں حرج نہ سمجھتے تھے۔

اسلام نے توانئی حکومت میں اقلیت کو اسطرح حقوق اور شرفِ انسانی سے نوازا ہے اور غیر مسلم حکومتوں نے مسلمان اقلیتوں کے ساتھ جو معاملہ کیا ہے اس سے ہر شخص باخبر ہے۔ یہ سنگدلانہ سلوک آج بھی مسلم اقلیتوں کے ساتھ دنیا کے اکثر ملکوں میں روا رکھا جارہا ہے۔

ظلم کا خاتمہ اور عدل کا قیام

ظلم کسی بھی حالت میں قابلِ قبول نہیں ہے۔ ظالم فرد ہو یا جماعت، عوام ہوں یا حکومت ظلم کا ساتھ کسی صورت میں بھی نہیں دیا جاسکتا ظالم کے ساتھ تعاون کرنے والا بھی اللہ اور اسکے رسول کے نزدیک ظلم میں برابر کا شریک ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "جس کسی نے حق کو دبانے کے لئے باطل کا ساتھ دیا اللہ اور اسکے رسول کی طرف سے اس سے برأت وبیزاری کا عام اعلان ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بغاوت وغدر سے منع فرماتے ہوئے کہا "غدر پر جس قدر جلد پکڑ ہوتی ہے کسی بھی دوسرے گناہ پر نہیں ہوتی۔"

صحابیٔ رسول حضرت عمر بن سعدؓ نے اسلام کی کتنی خوشنما تعریف کی ہے! فرماتے ہیں "اسلام ایک ناقابلِ شکست فصیل ہے اور مضبوط دروازہ! اسلام کی فصیل اس کا عدل وانصاف ہے اور اس کا دروازہ حق وصداقت! اگر یہ فصیل گر جائے اور یہ دروازہ ٹوٹ جائے تو اسلام مغلوب ہو جائے گا۔ جب تک سلطان مضبوط ہو گا اسلام غالب رہے گا اور سلطان کی مضبوطی تلوار اور کوڑے کی بدولت نہیں ہوتی بلکہ اسکی مضبوطی کا راز حق وانصاف اور عدل

Marfat.com

ومساوات میں پنہاں ہے۔"

اسلام نے انسانوں کی زندگیوں کو ہر لحاظ سے پاکیزہ بنانے کا اہتمام کیا۔ انسان کی جسمانی اور مادّی ضروریات کی فراہمی اور اخلاقی وروحانی بالیدگی کی فکر اسلام کا تقاضا ہے۔ آج دنیا کی مہذب حکومتیں بہت سے ادارے قائم کر کے بہبودیٔ انسانیت کا ڈھنڈورہ تو خوب پیٹتی ہیں مگر ان اداروں کی کارکردگی سے کوئی مطمئن نہیں ہے۔ اسلام نے معاشرے کی تنظیم وتربیت کا ایسا نظام قائم کیا تھا جس میں ہر شخص نیکی کا علمبردار اور برائی کا دشمن بن گیا تھا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاشرے کے ہر فرد کو مکلّف ٹھہرایا ہے کہ برائی کو دیکھ کر آنکھیں بند کر لینے کی بجائے برائی کا سدباب کر نیکی فکر کرے۔ آپ کا فرمان ہے۔ "جس کسی بھی قوم کے اندر برائی پھیل جائے اور لوگ قدرت وطاقت کے باوجود برائی کو نہ روکیں تو اللہ تعالیٰ آخرت کے عذاب کے علاوہ ایسے لوگوں کو موت سے پہلے بھی عتاب کا مزا چکھائے گا۔" اسی مفہوم کو ایک دوسری حدیث میں یوں واضح فرمایا "کوئی قوم ایسی نہیں گزری جس میں کمزوروں کے حقوق مارے جاتے ہوں اور طاقتوروں کا ہاتھ روکنے والا کوئی نہ ہو اور پھر اس قوم پر عذاب نازل نہ ہوا ہو۔

سچی بات یہ ہے کہ جس قوم میں ظلم وستم عام ہو جائے وہ ہر لحاظ سے پستی میں مبتلا ہو جاتی ہے اور جس قوم میں عدل وانصاف کا بول بالا ہو وہ ہر میدان میں سرخرو ہوتی ہے۔

یہ سارے اصول نظریاتی طور پر ہی بیان نہیں کئے گئے بلکہ ان پر مسلمانوں نے عمل کیا تھا۔ ہر اصول کی عملی تفسیر انسانی اعمال میں دیکھی جا سکتی ہے۔ حضرت عمرؓ ان اصولوں کی بالادستی کا مکمل اسوہ اور قابلِ تقلید نمونہ ہیں۔ آپکی سیرت پیش کرنیکا مقصد محض تاریخی واقعات کا احاطہ نہیں بلکہ انسانی زندگی اور اسکی تربیت کے لئے درسِ عبرت حاصل کرنا پیشِ نظر ہے۔

جنگوں میں فتح بھی ہوتی ہے اور شکست بھی۔ اسلام نے اپنی غالب فوجوں کو مغلوبین سے معاملہ کرنیکی جو ہدایات دی ہیں وہ دنیا میں کسی قوم اور کسی نظریے کے ہاں نہیں ملتیں۔ مغلوب اور کمزور کے ساتھ نرمی اور حسنِ سلوک

Marfat.com

مطلوب عین ہے۔ ان کے ساتھ درشتی اور ظلم کا معاملہ کرنا اللہ کی رحمت سے محرومی کے مترادف ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ایک قوم کمزور اور بے سہارا تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اس کے طاقتور اور جابر دشمنوں پر فتح عطا فرمائی۔ ان فاتحین نے اپنے دشمنوں سے سنگدلی کا معاملہ کیا اور ان کی درخواست کے باوجود ان پر رحم نہ کیا۔ نتیجتاً اللہ تعالیٰ اس فاتح قوم سے سخت ناراض ہوا اور حکم دیا کہ جب وہ قیامت کو اس کے دربار میں حاضر ہوں گے تو اس روز بھی اللہ تعالیٰ ان سے ناراض ہو گا۔

اسلام نے معاشرتی اصول اور عمرانی قوانین اس انداز میں بنائے ہیں کہ فرد خود بخود معاشرے کی خدمت میں لگ جاتا ہے۔ پھر اس خدمت کے دوران آنے والی مشکلات پر شکوہ کرنے کی بجائے انہیں خندہ پیشانی سے برداشت کرتا ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ ان خدمات کو درجات کی بلندی اور حصولِ رضائے الٰہی کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "جو مومن لوگوں سے گھلتا ملتا ہے اور انکی طرف سے پہنچنے والی ایذا پر صبر کرتا ہے وہ اس مومن سے بہتر ہے جو معاشرے سے کٹ جاتا ہے اور لوگوں کی طرف سے پہنچنے والی ایذا پر صبر نہیں کرتا۔

مساواتِ محمدیؐ

دینِ اسلام کی عظمت کوئی کہاں تک بیان کر سکتا ہے۔ حقوق وواجبات میں اس دین نے انسانوں کے درمیان ایسی مساوات قائم کی جسکی کوئی نظیر پیش نہیں کر سکتا۔ حکام تو حکام ہیں اسلام نے تو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی معاملات میں دوسرے انسانوں کے مقابلہ پر قانون سے بالاتر قرار نہیں دیا۔ خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "میں تمہارے درمیان رہتا ہوں اور میں بھی ایک بشر ہوں۔ تمہارے حقوق کے معاملے میں اگر مجھ سے کوئی زیادتی ہو جائے تو اسکی تلافی کا بے جھجک مطالبہ کر لیا کرو۔ اگر میں کسی کو دکھ پہنچاؤں تو مجھ سے وہ انتقام لے لے اگر کسی کا مال میرے ذمے ہو تو وہ مجھ سے وصول کر لے اور جان لو کہ مجھے تم میں سے سب سے زیادہ عزیز وہ ہے

جو یہ حقوق مجھ سے وصول کر لے تاکہ جب میں اپنے رب کے ہاں حاضری دوں تو میرے ذمے کسی کا کوئی حق نہ ہو۔ اور تم میں سے کوئی شخص کبھی یہ نہ سوچے کہ اگر میں نے ایسا مطالبہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برا نہ مانیں یا مجھ پر کوئی سختی نہ کریں کیونکہ یہ دونوں چیزیں میری طبیعت اور میرے اخلاق میں نہیں پائی جاتیں۔"

اسلام نے دنیا میں ایسا معاشرہ قائم کیا جس میں غنی اور فقیر، طاقتور اور ضعیف آپس میں دشمنی اور عداوت رکھنے کی بجائے تعاون اور محبت کا مظاہرہ کرتے تھے کوئی مالدار کسی فقیر کو حقیر نہیں جانتا تھا نہ کوئی فقیر مالداروں سے حسد کرتا تھا۔ طبقاتی کشمکش کا نہ وہاں کوئی سوال تھا نہ گنجائش۔ کسی شخص کا قد اسکے مال و دولت کے پیمانے سے نہیں ناپا جاتا تھا اخلاق و کردار قدر دانی کا معیار تھا ہر شخص دوسرے کی تکلیف پر کڑھتا تھا اور اسے دور کرنے کی فکر کرتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "جس کسی شخص نے کسی مومن کی مصیبت دور کی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس شخص کی مصیبتیں دور کرے گا جس کسی نے کسی مفلس مقروض کو آسانی مہیا کی اللہ تعالیٰ اسے دنیا و آخرت میں آسانی فراہم کرے گا جب تک کوئی شخص اپنے بھائی کی مدد میں سرگرم رہے اللہ تعالیٰ اسکی مدد کرتا رہتا ہے۔ جو کوئی حصولِ علم کیلئے رختِ سفر باندھے اللہ تعالیٰ اسکے لئے جنت کا راستہ کھول دیتا ہے۔ جب بھی کبھی کچھ لوگ اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں جمع ہو کر کتاب اللہ کی تلاوت اور درس و تدریس میں مشغول ہوتے ہیں اللہ تبارک و تعالیٰ ان پر سکینت نازل فرماتا ہے اور اپنی رحمت سے انھیں ڈھانپ لیتا ہے فرشتے اپنے پروں سے ان پر سایہ کر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے ملائیکہ مقربین کے سامنے ان کا ذکرِ خیر کرتا ہے۔ جو کوئی عمل میں پیچھے رہ گیا اسکا حسب و نسب اس کے کسی کام نہیں آسکتا۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش خلقی اور حسن معاملہ کی بڑی تلقین فرمائی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ "اللہ تعالیٰ کو تم میں سے وہ شخص سب سے زیادہ محبوب ہے جو مخلوقِ خدا کو محبوب ہے اور اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ ناپسند وہ شخص ہے جو خلقِ خدا کے نزدیک مبغوض ہے۔"

Marfat.com

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک خطبہ ارشاد فرمارہے تھے اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ممکن ہے کہ تم اہلِ جنت اور اہلِ دوزخ کو الگ الگ پہچان لو" صحابہ نے عرض کیا "یارسول اللہ وہ کیسے؟۔" آپ نے کہا "ذکر خیر اور ذکر بد سے۔ تم آپس میں ایک دوسرے پر گواہ ہو"
(البخاری و مسلم عن انسؓ)

اسلام کا سپوت عمر فاروقؓ

یہ وہ دین حق ہے جو اپنے پیرو کاروں کی نشو ونما اور تعلیم و تربیت کے زرّیں اصول فراہم کرتا ہے۔ اسی اسلام نے عمرؓ جیسا سپوت پیدا کیا۔ جو لوگ غیر اسلامی نظریات کا پرچار کرتے ہیں حقیقت میں وہ اسلام سے بے خبر اور اسکی عظمتوں سے نابلد ہیں۔ ایک جانب وہ فلسفے، دلیل اور عقل کا حوالہ دیتے ہیں اور دوسری جانب انکا حال یہ ہے کہ اسلام کا مطالعہ کئے بغیر وہ دوسرے نظام کے حق مین فیصلہ صادر کر دیتے ہیں۔ زید اور بکر کا موازنہ آپ کیسے کر سکتے ہیں جبکہ آپ بکر کے بارے میں سوائے اسکا نام جاننے کے کوئی معلومات نہیں رکھتے ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ علم و تحقیق کا ڈھنڈورا بھی پیٹتے ہیں اور ایسی ترازو سے وزن کرتے ہیں جسکا ایک پلڑا ہی سرے سے غائب ہے۔

اسلام نے دنیا کی تہذیب کو علم و حکمت سے مالا مال کیا۔ نظام حکومت و سیاست ہو یا معیشت و عمرانیات، تہذیب و تمدن ہو یا حکمت و طب ہر علم اور فن میں مسلمان یکتائے زمانہ تھے۔ اندلس و بغداد علم کے مراکز اور حکمت کے سرچشمے تھے۔

یورپ اپنی صنعتی ترقی اور پیش قدمی کے باوجود اعترافِ حقیقت میں بہت بخیل واقع ہوا ہے۔ طب وہندسہ، حساب والجبرا علم فلکیات و جغرافیہ، تاریخ وسائنس کس میدان میں مسلمانوں کی خدمات کا انکار کیا جاسکتا ہے؟ یورپ کا کونسا عالم ہے جو رازی، ابن رشد، ابن سینا، غزالی، جابر بن حیان، ابن حزم جمشید بن مسعود، الکندی، الفارابی، الخوارزمی، ابن الھیثم، ابن الحسن علی بن

رضوان، احمد بن یوسف التیفاشی الحرانی اور دیگر شہرۂ آفاق فرزندانِ اسلام سے بے خبر ہے۔

یہ بات درست ہے کہ آج عالمِ اسلام اپنے اس مقامِ رفیع سے گر چکا ہے جس پر کبھی یہ متمکن تھا اسکی وجہ اسلام نہیں بلکہ مسلمان اصحابِ علم کی سستی اور کوتاہی ہے اسلام تو اسی طرح طاقتور ہے جس طرح روزِ اول تھا لیکن مسلمان غفلت اور لادینی کا شکار ہیں۔ بعض لوگ اسلام اور مسلمان کو ہم معنی سمجھتے ہیں مگر دونوں کے درمیان واضح فرق ہے۔

میں نے حضرت عمرؓ پر لکھنے کا ارادہ کیا ہے۔ اس لئے نہیں کہ ان کی بزرگی اور تقدیس کو ثابت کیا جائے کیونکہ وہ تو پہلے سے ہی ثابت ہے۔ میں تو محض چند امور کو سیرت کے حوالے سے واضح کرنا چاہتا ہوں۔ یہ بھی واضح رہے کہ میں دوسروں سے زیادہ اپنے آپ سے مخاطب ہوں۔ حقیقت میں حضرت عمرؓ کی مجلس میں حاضری اور انکے چشمۂ صافی سے سیرابی انسان کی دنیا اور آخرت سنوارنے کا ذریعہ ہے۔ میں حضرت عمرؓ کی سیرت کے ہر پہلو کا احاطہ کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا۔ چند واقعات جمع کئے ہیں اور ان سے کچھ نتائج اخذ کئے ہیں۔ مرورِ ایام سے حضرت عمرؓ کی شان میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ وہ آج بھی اسی طرح عظیم ہیں جس طرح چودہ صدیاں قبل تھے۔ انکی سیرتِ گل سرسبد ہے جسکی تروتازگی گردشِ ایام کے باوجود قائم ہے۔ روشنی کا یہ مینار آج بھی نور بکھیر رہا ہے۔ ہدایت کا یہ سرچشمہ آج بھی پیاسوں کو سیراب کر سکتا ہے۔

انسان نمونہ اور مثال دیکھنا چاہتا ہے میں نے بھی کچھ نمونے اور مثالیں اس عظیم شخص کی سیرت سے چھانٹی ہیں۔ جو مثالوں کو دیکھ کر بھی ان سے فائدہ نہ اٹھا سکے اسے اپنی قسمت پر رونا چاہئے۔ اسلاف میں سے کسی بزرگ نے فرمایا تھا جب میں قرآن مجید کی کوئی مثال سنتا ہوں اور اسے سمجھنے سے قاصر رہتا ہوں تو اپنے آپ پر روتا ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے

"یہ مثالیں ہیں جنہیں ہم انسانوں کے (فائدے کے) لئے بیان کرتے ہیں مگر ان سے عقل وہی حاصل کرتے ہیں جن کے پاس علم ہے"۔

(العنکبوت ۳۰:۴)

Marfat.com

میں اس باب کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول پر ختم کرتا ہوں۔
"تم اگر کسی کو دیکھو کہ وہ عمرؓ اور ابو بکرؓ کی برائی بیان کرتا ہے تو جان لو کہ وہ اسلام دشمن ہے دراصل اسلام کی برائی بیان کرتا ہے۔
یہ عمرؓ ہے جسکا مقام رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہمیں چاہئے کہ ایسی ہستی پر اپنی روحیں قربان کرنے کیلئے تیار رہیں۔ اسکی شان وعظمت کا اعلان قربِ الٰہی کا ذریعہ اور دنیا و آخرت کی عزت کا باعث ہے

"جو ہدایت پالے اسکی راست روی اس کے اپنے ہی لئے مفید ہے اور جو گمراہ ہوا اسکی گمراہی کا وبال اسی پر ہے اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا اور ہم عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک کہ (لوگوں کو حق وباطل کا فرق سمجھانے کیلئے) ایک پیغمبر نہ بھیج دیں۔ (بنی اسرائیل ۱۵)

پہلا باب

عمرؓ — قبولِ اسلام سے پہلے

میں نہ تو قارئین کو اس بحث میں الجھانا چاہتا ہوں اور نہ اپنا وقت ہی ضائع کرنا چاہتا ہوں کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نسب نامے کو لکھنے بیٹھ جاؤں۔ عمرؓ کی شخصیت اتنی عظیم اور ان کا مقام اتنا بلند ہے کہ آپ مجرد "عمر" کہیں تب بھی کوئی شخص ابہام کا شکار نہ ہو گا۔ پہلوں اور پچھلوں میں کتنے ہی عمر ہوئے ہیں مگر جب بھی کوئی شخص یہ کہے کہ "عمر نے کہا" یا "عمر نے کیا" تو ہر سننے والا فوراً سمجھ جاتا ہے کہ یہ عمرؓ بن خطّاب کے بارے میں گفتگو ہو رہی ہے۔ کسی دوسرے کی جانب خیال جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لوگ اپنے حسب نسب یا کنیت سے پہچانے جاتے ہیں یا القاب سے عزت پاتے ہیں مگر عمر اپنی ذات میں اتنے بلند شان تھے کہ وہ ان سب چیزوں سے بے نیاز ہیں۔

زمانۂ جاہلیت میں بھی عمر اپنی جوانمردی' عالی ہمتی' پرکشش شخصیت اور اوصافِ حمیدہ کی وجہ سے پورے معاشرے میں نمایاں تھے۔ آپ پر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول صحیح طور پر منطبق ہوتا ہے کہ "خیارکم فی الجاھلیۃ خیارکم فی الاسلام اذا فقھوا" (تم میں سے جو جاہلیت میں اگلی صفوں میں ہوتے ہیں وہ اسلام میں بھی اگلی صفوں میں ہوں گے بشرطیکہ (اسلام کو) سمجھ لیں) اور عمرؓ نے اسلام کو سمجھا تھا جیسے سمجھنے کا حق ہوتا ہے۔

اسلام قبول کرنے سے قبل عمرؓ بہت دبنگ شخصیت کے مالک تھے۔ اسلام کے بعد بھی ان کی یہ شان قائم رہی مگر قبولِ اسلام نے ان کے اندر انکساری اور تواضع پیدا کر دی تھی۔ یہ انکساری اور سادگی خلافت کا بوجھ کندھوں پر پڑنے کے بعد اور بھی بڑھ گئی۔ آپ کی مردانگی اور رعب و ہیبت کا یہ عالم تھا کہ آپ نے ہجرت کا سفر بھی چھپ کر نہیں کیا بلکہ روانگی سے قبل اس کا اعلان

Marfat.com

فرمایا۔ آپ مکہ کی ایک بلند پہاڑی پر چڑھ گئے اور قریش کے سرداروں کو چیلنج کرتے ہوئے کہا "معاندین اسلام جان لو۔ عمر مکہ سے مدینہ کی جانب ہجرت کر رہا ہے۔ جو اپنی ماں کو رلانا چاہے، بیوی کو بیوہ کرنا چاہے اور بچوں کو یتیم چھوڑنا چاہے وہ اس وادی میں مجھ سے مڈبھیڑ کر لے۔" کسی جواں مرد کو یہ چیلنج قبول کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔

سیدنا عمرؓ لمبے تڑنگے، مضبوط جسم کے مالک تھے اور آپ کے سر کے سامنے حصے کے بال جھڑ چکے تھے رنگ گورا چٹا تھا رخسار اندر کو پچک گئے تھے۔ لوگوں کے درمیان چلتے تو یوں معلوم ہوتا گویا کسی سواری پہ سوار ہیں۔ آپ کے بیٹے عبداللہ ابنِ عمرؓ آپ کے بارے میں بیان کرتے تھے۔ "میرے والد محترم سرخ وسپید رنگ اور مضبوط جسم کے انسان تھے۔ آپ نے جو شادیاں کیں ان کی وجہ شہوت نہ تھی بلکہ آپ ان شادیوں کے ذریعے اولاد کے طلب گار ہوتے تھے۔ آپ تنگی اور فراخی ہر حالت سے بخوبی عہدہ بر آ ہو سکنے کی بھرپور صلاحیت رکھتے تھے دونوں ہاتھوں سے یکساں قوت کے ساتھ کام کر لیتے تھے گویا بنی سدوس میں سے ہوں۔" (طبقات ابن سعد جلد ۳۔ صفحہ ۲۳۵)

جو اوصاف اوپر بیان کئے گئے ہیں ان کی بنیاد پر اگر تخیلاتی تصویر کھینچی جائے تو ایک نہایت خوبصورت اور بارعب یعنی با جمال وباجلال شخصیت آنکھوں کے سامنے ابھر آتی ہے۔ یہ تھی عمرؓ بن خطاب کی شخصیت جسمانی لحاظ سے بھی ان پر اللہ نے نعمت فرمائی تھی اور اخلاقی طور پر بھی وہ انعام یافتہ تھے۔

سفیرِ قریش

عمرؓ بن خطاب قریش کے سرداروں میں سے تھے آپ ان سرداروں کی طرح نہ تھے جو لہو ولعب اور فضول کاموں میں اپنا وقت ضائع کرتے اور نفسانی خواہشات کے دلدادہ ہوتے ہیں۔ جوانی کا دور بھی آپ نے لایعنی کاموں میں نہیں گنوایا بلکہ آپ تو اعلیٰ مقامات کے حصول میں کوشاں رہتے تھے۔ آپ کی طبیعت گھٹیا کاموں پر آمادہ ہی نہ ہوتی تھی۔ آپ بڑے حساس اور زبان آور تھے۔ جسمانی قوتوں سے مالامال اس نوجوان میں ہر وہ خوبی اور کمال موجود تھا جو

Marfat.com

قریش کسی معزز قریشی میں دیکھنا چاہتے تھے۔ آپکی خوبیوں نے آپکو اپنے بھائی بندوں کے درمیان مرکزی حیثیت عطا فرما دی تھی اور آپ کے قبیلے نے آپکو ایک اہم ذمہ داری سونپ رکھی تھی۔

قبیلہ قریش کی سفارت کے فرائض عمرؓ بن خطّاب کے ذمہ تھے۔ قریش کے مختلف قبیلوں کے درمیان آپس میں کوئی خانہ جنگی ہو جاتی یا قریش کی کسی دوسرے قبیلے سے جنگ چھڑ جاتی تو سفارت اور صلح کی سلسلہ جنبانی عمرؓ بن خطّاب ہی کیا کرتے تھے۔ سفارت ایک قابل عزت منصب تھا اور حضرت عمرؓ کو یہ منصب نوجوانی ہی میں مل گیا تھا۔ آپ تیس سال کی عمر سے قبل ہی اس منصب پر سرفراز ہو گئے تھے۔ یوں آپ اس ذمہ داری کو ادا کرنے والے سب سے کم عمر قریش تھے۔

قریش معزز بھی تھے اور فصاحت وبلاغت میں بھی ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔ جب کبھی کسی معاملے میں اپنے قبیلے کے مفاخر بیان کرنا مقصود ہوتا یا کسی مخالف کے عیوب ونقائص کو اجاگر کرنے کی نوبت آتی تو قریش اپنے سفیر عمرؓ بن خطّاب کی جانب دیکھتے۔ اہل فصاحت وحجت کے درمیان کسی شخص کا سفیر ہونا واقعی قابلِ احترام منصب تھا۔ قریش عرب میں سب سے زیادہ زبان آور تھے اور انہی کی زبان اور لہجے میں قرآن عظیم نازل ہوا تھا۔ قریش کی زبان ہر خوبی بیان سے مزین اور مالا مال تھی۔ اس قبیلے اور اس زبان کی نمائندگی اور سفارت کتنا بڑا مقام تھا جو سیدنا عمرؓ کے حصے میں آیا تھا۔ قریش کے درمیان حضرت عمرؓ کے علاوہ بھی بڑے بڑے فصیح وبلیغ حضرات موجود تھے مگر ان سب کے درمیان اپنے قبیلہ قریش کی نمائندگی کا شرف حضرت عمرؓ ہی کو ملا تھا عربوں کے قبیلوں میں آپس میں خاندانی مفاخر بیان کرنے کے مقابلے ہوا کرتے تھے اور جنگیں بھی ہوتی تھیں۔ ایسے اہم مواقع پر میدانِ جنگ میں اپنے قبیلے کی مدافعت میں نکلنے والے نوجوانوں اور اپنی قوم کے مفاخر بیان کرنے والے زبان دانوں کی بڑی عزت ہوتی تھی۔ اس عزت افزائی سے زیادہ اس جاہلی معاشرے میں کسی کو اپنے لئے اور کیا مطلوب ہو سکتا تھا؟ یہ شان وشوکت کی علامت تھی اور یہ حضرت عمرؓ کو بدرجہ اتم حاصل تھی۔

نفاست پسند تاجر

آپ بڑے حساس مزاج اور رقیق القلب انسان تھے۔ جوں ہی آپ نے ہوش سنبھالا اور عملی زندگی میں داخل ہوئے آپ کے یہ اوصاف ہر شخص کو نظر آنے لگے۔ قریش کے اکثر لوگ تجارت پیشہ تھے۔ عمرؓ بھی تاجر تھے۔ عمرؓ نے نہایت سوچ سمجھ کر تجارت کے میدان میں قدم رکھا تھا۔ آپ کپڑے کے تاجر تھے خصوصاً حریر و ریشم کا کاروبار کرتے تھے۔ تجارت میں آپ کے شریک کار کعب بن عدی التنوخی تھے۔

آدمی کے کاروبار سے بھی اس کی افتادِ طبع کا کسی حد تک پتہ چلتا ہے۔ حضرت عمر کا ریشمی پارچہ جات کا کاروبار ان کی نفاست طبیعت کی دلیل ہے۔ ریشم (حریر) تمام پارچہ جات میں سب سے زیادہ نفیس، خوب صورت اور قیمتی کپڑا ہوتا ہے۔ اہلِ جنت کا لباس بھی اللہ تعالیٰ نے حریر کو قرار دیا ہے۔ ارشاد ہے ولباسھم فیھا حریر ' (اور ان کا (اہل جنت کا) لباس جنت میں حریر کا ہوگا) الحج ۲۳

عنفوانِ شباب میں حضرت عمرؓ کا ریشم کی تجارت میں مشغول ہونا بعد میں آنے والی منازلِ حیات کی تمہید تھی۔

مکے میں جہاں ہر قسم کی تجارت عام تھی، اس بات کا بھی احتمال تھا کہ عمرؓ کسی اور چیز کی تجارت شروع کر دیتے مگر آپ نے حریر و اطلس کا کاروبار پسند کیا۔ اس قیمتی اور نادر متاع کی تجارت کے لئے باریک بینی، غور و خوض، احتیاط اور ہوش مندی کی بہت ضرورت ہوتی ہے۔ یہ صفات اس تجارت کے لئے بھی بنیادی ضرورت کی حیثیت رکھتی ہیں جسے قرآن مجید نے تِجَارَۃً لَنْ تَبُوْرَ (کبھی خسارے کا شکار نہ ہونے والی تجارت) کہا ہے۔ اسی تجارت کے لئے سیدنا عمرؓ کو تیار کیا جا رہا تھا جو آپ نے قبولِ اسلام کے بعد شروع کی۔ آپ نے اسلام کا راستہ اختیار کیا تو اس میں بھی باریک بینی، دقتِ نظر، احتیاط اور تدبر کا بھرپور مظاہرہ کیا۔ اس تجارت کو آپ نے بہت اعلیٰ، قیمتی اور کامیاب بنا دیا۔ اس تجارت میں آپ ایسے منہمک ہوئے کہ دنیا کی کسی دوسری چیز کا

Marfat.com

خیال تک نہ ذہن میں آنے دیا۔

حضرت عمرؓ کے علاوہ قریش کے دیگر سرداروں نے مختلف کاروبار شروع کر رکھے تھے مثلاً سعد بن ابی وقاص اور عمروؓ ابن العاص گوشت فروشی اور لوہے کا کام کرتے تھے۔ ان میں سے کسی بھی کاروبار میں کوئی عار یا نقص نہیں ہے۔ سبھی کام قابلِ عزت اور جائز ہیں۔ بہرحال حضرت عمرؓ نے ان شعبوں کو چھوڑ کر ریشم کی تجارت اس وجہ سے اختیار نہیں کی تھی کہ دیگر شعبے گھٹیا یا ان کی شان کے خلاف تھے بلکہ اپنی طبیعت کے میلان اور رجحان کی وجہ سے آپ نے انہیں چھوڑ کر پارچہ فروشی کا کاروبار شروع کر دیا تھا۔ یہ بات ویسے ہے قابلِ تعجب کہ عمرؓ شروع ہی سے صاحب شمشیر وسناں تھے اور شمشیر وسناں کا استعمال شدت اور سختی کا متقاضی ہے جبکہ ریشم اپنی نرمی کے لئے ضرب المثل ہے۔ پھر حضرت عمرؓ ریشم کے کاروبار میں کیوں مشغول ہوئے؟ میں تو اس سوال کا شافی جواب نہیں دے سکتا۔ اور سچ پوچھئے تو مجھے اس سوال اور جواب سے زیادہ دلچسپی بھی نہیں ہے۔ یہ قدرتِ الٰہی کے کرشمے ہوتے ہیں جو انسانوں کی زندگی اور قسمت کے فیصلے کرتے ہیں۔ انسانوں کی سمجھ سے یہ راز بالاتر ہیں۔ ان معاملات کی باریکیاں اور حکمتیں محض اللہ رب العزت ہی جانتے ہیں۔ اس کا اپنا حکم ہے۔

لا یسئل عما یفعل و هم یسئلون

(اللہ جو کچھ بھی کرتا ہے کوئی اس سے باز پرس نہیں کر سکتا جبکہ مخلوق اپنے اعمال کے لئے جوابدہ ہے)

واللہ یعلم وانتم لا تعلمون ○

(اور اللہ سب کچھ جانتا ہے جبکہ تم کچھ بھی نہیں جانتے۔)

جرأت واستقامت

حضرت عمرؓ کی حساس طبیعت، عالی ہمتی اور جواں مردی جو زمانۂ جاہلیت میں ان کی امتیازی خصوصیات تھیں وہ قبولِ اسلام کے بعد بھی آپ کے کردار

میں نمایاں رہیں۔ اسلام نے ان کا رخ جاہلیت سے حق کی طرف موڑ دیا تھا۔ اسلام قبول کرتے ہی آپ نے اعلان کیا کہ چھپ کر داخلِ اسلام ہونے کی بجائے وہ ڈنکے کی چوٹ اس کا اظہار کریں گے۔ غیرت، حمیت اور عالی ہمتی اہلِ حق کے نزدیک مردانگی کی علامات ہیں۔ ان صفاتِ عالیہ نے حضرت عمرؓ کو مجبور کر دیا کہ کسی کی مخالفت؟ اور ابتلا کو خاطر میں لائے بغیر حق کی حمایت میں سینہ سپر ہو جائیں۔ حق جب کسی پر واضح ہو جائے اور وہ دل سے اسے قبول کر لے تو پھر کوئی تکلیف اسے متزلزل نہیں کر سکتی۔ آزادی کا چھن جانا اور جسمانی تعذیب بلکہ جان کی قربانی بھی اہلِ حق کو حق سے برگشتہ نہیں کر سکتی۔ یہ استقامت کتنی عظیم نیکی ہے؟ اس کی عظمت رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مندرجہ ذیل دو احادیث سے معلوم ہو سکتی ہے

"تم میں کسی شخص کا دنیا میں کلمۂ حق کہنا اور باطل کو مسترد کرنے کے لئے دلائل دینا اور اپنی جدو جہد سے حق کی نصرت کا اہتمام کرنا میرے ساتھ ہجرت کرنے سے بھی زیادہ افضل ہے۔"

اور مزید فرمایا "اسلام کی راہ میں کسی کا ایک گھنٹے کے لئے آزمائش برداشت کرنا اور ثابت قدم رہنا اسکی چالیس سالہ عبادت سے (جس میں حق پر ثابت قدمی کے لئے آمادگی مفقود ہو) بہتر ہے۔"

اللہ تعالیٰ کے ارشاد مبارک پر ایک نظر ڈالئے۔

«یاایھا الناس اعبدوا ربکم... وانتم تعلمون» البقرہ ۲۱ - ۲۲

(اے انسانو، بندگی اختیار کرو اپنے اس رب کی جو تمہارا اور تم سے پہلے جو لوگ ہو گزرے ہیں ان سب کا خالق ہے، تمہارے بچنے کی توقع اسی صورت میں ہو سکتی ہے۔ وہی تو ہے جس نے تمہارے لئے زمین کا فرش بچھایا، آسمان کی چھت بنائی، اوپر سے پانی برسایا اور اسکے ذریعے سے ہر طرح کی پیداوار نکال کر تمہارے لئے رزق بہم

پہنچایا۔ پس جب تم یہ جانتے ہو تو دوسروں کو اللہ کا
مدِ مقابل نہ ٹھہراؤ)۔

ان آیات مبارکہ میں رب العزت نے بندے کو حکم دیا ہے کہ وہ ہر جانب سے منہ موڑلے اور اپنے مالک حقیقی سے لولگالے۔ جس کسی نے بھی اپنی عبادت کو درست طور پر سمجھا اور اسکے مطابق عمل کیا وہ خالق کا ہو کر رہ جاتا ہے اور مخلوق سے بالکل بے نیاز ہو کر زندگی گزارتا ہے۔ وہ نہ تو مخلوق سے اپنی کوئی امید باندھتا ہے اور نہ اسے نفع ونقصان کا مالک تصور کرتا ہے۔ وہ یہ بھی پختہ یقین رکھتا ہے کہ مخلوق خواہ کوئی بھی ہو اسے اسکی خواہشات ومطالبات کو پورا کرنیکی ہرگز کوئی قدرت حاصل نہیں ہوتی۔ اس چیز کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ جس کسی شخص نے حق کا ساتھ دینے سے کسی انسان کے خوف اور ڈر کی وجہ سے پہلوتہی کی گویا اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کا ارتکاب کیا اور یہ روش اسکے دین کے لئے از حد خطرناک اور مہلک ہے۔

اللہ پر توکّل مومن کا اسلحہ ہے

اس میں کوئی شک نہیں کہ خطرات سے ڈر لگتا ہے۔ انسان طبعاً ان دیکھے خطرات اور ان کے نتائج سے گھبراتا ہے۔ مگر مومن کا معاملہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے رب پر مکمل بھروسہ رکھتے ہوئے نہایت عزم وہمت کے ساتھ اپنی منزل کی جانب گامزن رہتا ہے۔ اس کا رب پھر اسے بے یارو مددگار تو نہیں چھوڑتا۔ اسکی مدد کرتا ہے اسکے قدم جمادیتا ہے اور ہر قسم کی کمزوری سے اسکے ایمان ویقین کی حفاظت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات سے تعلق خاطر بندۂ مومن کا اسلحہ ہوتا ہے اور اس کے توکل سے صراطِ مستقیم کی جانب رہنمائی ملتی ہے۔

ہمارے لئے یہ ضروری ہے کہ اس دائمی معرکہ حق وباطل میں خاموش تماشائی نہ بنے رہیں۔ متلاطم موجوں میں چھلانگ لگائیں اور ہمت سے ہاتھ پاؤں ماریں۔ موجوں کے سامنے ہتھیار ڈال دینا کہاں کی مردانگی ہے۔ راہِ خدا میں جدوجہد سعادت ہے۔ اور جو کچھ ہمارے لئے مقدر ہو چکا ہے اس سے کوئی

مفر ممکن نہیں ہے۔ موت تو اپنے وقت پر ضرور آجائے گی۔ مردانگی سے موت کے سامنے کھڑے ہونا اور جان قربان کر دینا گھٹنوں کے بل زندگی کی بھیک مانگنے سے بہتر ہے۔ صبر اور صدق سے جہاد کرنے والوں کو جھوٹی آرزوئیں کبھی زیر نہیں کر سکتیں۔

تاریخ کا ہر دور ہمارے سامنے یہ حقیقت واضح کرتا ہے کہ اللہ کے تمام رسولوں اور انکے نقشِ قدم پر چلنے والے داعیانِ حق نے جو کامیابیاں حاصل کیں ان کے پیچھے ایسی شخصیات کی قربانیاں پنہاں تھیں جنہوں نے اپنے دلوں کو ذاتی مصالح اور شخصی منفعت سے بالکل بے نیاز کر لیا تھا۔ جس چیز پر وہ ایمان لائے اس پر مکمل ایمان لائے۔ اس کے لئے جدوجہد کی اور لوگوں کو اسکی جانب ان تھک طریقے سے دعوت دیتے رہے۔ ہم سلفِ صالحین کی پاکیزہ زندگیوں کو دیکھتے ہیں تو ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔ وہ قربانی دیتے تھے اور آزمائش کی چکی میں پستے تھے مگر نہ کوئی شکوہ نہ شکایت۔ وہ بڑی خندہ پیشانی سے ہر مشکل برداشت کرتے اور ہر امتحان سے سرخرو ہو کر نکلتے۔ راہِ حق پر چلنے اور اسکی طرف دعوت دینے کی پاداش میں ہر ابتلا ان کے لئے قابلِ قبول تھی مگر حق کو چھوڑ دینے کا وہ تصور بھی نہ کر سکتے تھے۔

عبداللہؓ بن مسعود کی عزیمت

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کفارِ مکہ کے سامنے جس شخص نے سب سے پہلے اعلانیہ قرآن مجید پیش کیا۔ وہ حضرت عبداللہؓ بن مسعودؓ تھے۔ قرآن مجید سن کر قریش مکہ ان پر پل پڑے اور مار مار کے لہولہان کر دیا۔ چہرہ زخمی ہو گیا اور خون بہنے لگا۔ اس حال میں جب ابن مسعودؓ اپنے ساتھیوں کے پاس واپس آئے تو انہوں نے کہا "ہمیں یہی ڈر تھا کہ ظالم آپ سے اس سنگدلی کا مظاہرہ کریں گے۔" اس پر عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنے زخموں کی پروا نہ کرتے ہوئے کہا "آج یہ دشمنانِ خدا میرے نزدیک جس قدر بے وقعت ہیں اتنے اس سے پہلے کبھی نہ تھے۔ اگر تم کہو تو میں کل پھر ان کے سامنے قرآن مجید کی تلاوت کروں۔" صحابہ نے کہا "اتنا ہی کافی ہے۔ تم

Marfat.com

نے ان کے سامنے وہ کلام پیش کر دیا ہے جسے وہ سخت ناپسند کرتے ہیں۔"

سیدنا عبداللہؓ بن مسعود نے جو کچھ فرمایا بالکل سچ ہے۔ منکرِ حق کے لئے اس سے زیادہ تکلیف دہ اور باعث رنج کوئی بات نہیں ہوتی کہ اس کے سامنے وہ چیز پیش کی جائے جس سے اسے چڑ ہو اور ایسے لوگوں کے لئے حق سے زیادہ کون سی چیز چڑ اور ناپسندیدگی کا موجب ہو سکتی ہے؟ جب داعیٔ حق ابتلا کے باوجود اپنی بات پر ڈٹ جاتا ہے تو منکرِ حق کی آتش غضب اور بھڑکتی ہے مگر اس کی ایذا رسانی اہلِ صدق و وفا کے صبر کے سامنے ذلت ناک شکست کھا جاتی ہے۔ متکبر دشمنانِ حق کا جگر پاش پاش ہو جاتا ہے جب وہ حق کے پجاریوں کی کمزوری اور اپنے لاؤ لشکر کی قوت کے باوجود ان کے دلوں سے نورِ حق اور شمع یقین کو بجھانے میں بری طرح ناکام ہو جاتے ہیں۔

داعیٔ حق کا دل مضبوط قلعہ ہوتا ہے جو اسکی حفاظت کرتا ہے۔ باطل پرستوں کی قوت اور تعذیب کے ذرائع اس بات کی کوئی دلیل نہیں ہیں کہ وہ کامیاب ہیں، بلکہ ان ذرائع کا اندھا استعمال تو اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ وہ ناکام و نامراد ہیں۔ اہلِ کفر و باطل کی فتح تو اس صورت میں ثابت ہو سکتی ہے جبکہ وہ اہلِ حق کے دلوں سے یقین اور اعمال سے استقامت نکال پھینکنے میں کامیاب ہو جائیں۔ یہ تو باطل کی شکستِ فاش ہے کہ ظالم پر واضح ہو جائے کہ اسکے بدترین مظالم اور بے پناہ زیادتیاں بھی حق کے قلعوں کو مسخر نہیں کر سکتیں۔

عثمانؓ بن مظعون کی ایمان افروز مثال

عثمانؓ بن مظعون ولید بن مغیرہ کی امان میں تھے۔ جب آپ نے دیکھا کہ مکہ میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب پر ظلم و ستم توڑے جا رہے ہیں اور یہ خود ولید کی پناہ کی وجہ سے ہر آزمائش سے محفوظ ہیں تو تڑپ اٹھے اور دل سے کہا " خدا کی قسم، میرا یہ امن و سکون اور وہ بھی ایک مشرک کی امان کی بنا پر قابلِ افسوس ہے جبکہ حضور اکرمؐ اور میرے سارے ساتھی اور احباب ظلم کی چکی میں پس رہے ہیں۔"

Marfat.com

آپ ولید کے پاس گئے اور اسکی دی ہوئی امان شکریہ کے ساتھ اسے واپس کر دی۔ ولید کی امان سے نکلنے کے بعد مشرکین نے آپ سے بلا وجہ جھگڑا کیا اور ایک بد بخت کافر نے آپ کے منہ پر طمانچہ مارا جس سے آپ کی ایک آنکھ ضائع ہو گئی۔ اس پر کسی نے عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ سے کہا "اے عثمان، خدا کی قسم تم ایک طاقتور اور معزز شخص کی پناہ میں تھے اور بڑے امن سے رہ رہے تھے۔ اگر تم نے اسکی پناہ واپس نہ کی ہوتی تو تمہاری آنکھ یوں ضائع نہ ہوتی۔" حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا "اللہ کی پناہ زیادہ قابلِ بھروسہ اور قابلِ عزت ہے۔ میری جو آنکھ صحیح سالم ہے ضائع ہو جانے والی آنکھ اس سے زیادہ قیمتی ہے (کہ وہ راہِ حق میں قربان ہو گئی)۔ اور میرے لئے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور انکے اصحاب کی زندگیوں میں بہترین اسوہ ہے۔"

آزمائش کی گھڑیوں میں عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ ترغیب پیش کی گئی کہ وہ کافروں کی امان پھر حاصل کر لیں مگر آپ نے اللہ کی راہ میں قربانی دینے پر استقامت دکھائی اور ان لوگوں کی امان کی پیش کش کو ٹھکرا دیا۔ ولید بن مغیرہ خود آپ کے پاس آیا مگر وہ یقین کی دولت سے مالا مال تھے۔ آپ نے اس ترغیب پر ریجھنے کی بجائے نہایت استقلال کے ساتھ کہا "اللہ کی پناہ کے سوا مجھے کسی کی پناہ درکار نہیں ہے

بہت سے واعظ اور خطیب اپنے منبر و محراب شعلہ نوائی سے اور بہت سے شاعر اور ادیب اپنے اپنے شعر و نثر کی سحر انگیزی سے لوگوں کے جذبات ابھارنے اور انہیں، دعوت الی اللہ دیتے رہتے ہیں۔ کبھی آپ ان کے پر جوش خطابات سنیں تو بظاہر محسوس کریں گے کہ یہ بڑے صاحبِ حمیت و جرأت ہیں مگر کہاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن مظعون جیسے وفا شعار مجاہدین اور کہاں یہ شعلہ نوا واعظین! ہم ایسے بہت سے خطیبوں کو جانتے ہیں کہ آزمائش کی گھڑیوں میں ان کے قدم ڈگمگا گئے۔ ظالموں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے کی ہمت نہ پڑی۔ یا تو ظالموں کے قدموں میں گر گئے۔ اور کھلم کھلا اپنا سابقہ موقف چھوڑ کر ظلم کا ساتھ دیا یا پھر مُردوں کی طرح چپ سادھ لی۔ یہ چپ بھی تو ظلم کا ساتھ دینے ہی کی ایک صورت ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ بقولِ شاعر "حجون اور

صفا کے درمیان کوئی غمگسار نظر نہیں آتا اور پورے مکے میں کوئی ایک بھی داستان گو نہیں پایا جاتا۔"

یعنی آزمائش کے موقع پر نہ تو یہ حق کی حمایت کرتے ہیں اور نہ داستانِ حق بیان کرنے کی ہمت اپنے اندر پاتے ہیں۔

عشق و مستی

حضرت ابو فکیہہؓ قدیم الاسلام صحابی تھے۔ آپ مکے کے سردار امیہؓ بن خلف کے غلام تھے۔ آپ کا آقا آپ کے قبولِ اسلام سے سخت ناراض ہوا۔ اس نے آپ کو بڑی ایذائیں پہنچائیں۔ وہ آپ کے پاؤں میں رسّہ ڈال کر مکے کی سنگلاخ وادیوں میں گھسیٹتا آپ لہولہان ہو جاتے۔ پھر وہ ظالم آپ کو دوپہر کی چلچلاتی دھوپ میں جلتی ہوئی ریت پر ڈال دیتا اور جسم پر بھاری بوجھ رکھ دیتا جس سے حضرت ابو فکیہہؓ کا دم گھٹنے لگتا۔ امیہ بن خلف کا بھائی ابی بن خلف اسلام دشمنی میں اپنے بھائی سے بھی شدید تر تھا۔ وہ اپنے بھائی سے کہتا کہ ایذا رسانی میں اور سختی کی جائے۔ آپؓ پر اتنا ظلم وستم ڈھایا جاتا تھا کہ آپ بے ہوش ہو جاتے یہاں تک کہ بعض اوقات یوں محسوس ہوتا کہ آپکی جان نکل گئی ہے۔ ایک دن حضرت ابو بکرؓ نے جناب ابو فکیہہؓ کو اس دردناک حالت میں دیکھا تو دل بھر آیا۔ آپؓ نے اس مظلوم کو قیمت ادا کر کے خریدا اور اللہ کی راہ میں آزاد کر دیا۔ ابو فکیہہؓ کا نام یسار تھا۔ جواں مردوں نے تاریخ میں اپنے نقوش چھوڑے ہیں۔ لوگ عقیدۂ حق پر ایمان لاتے تو یہ ایمان ان کے دل و دماغ میں جڑ پکڑ لیتا۔ اس ایمان کی بنیادیں اتنی مضبوط ہوتیں کہ وہ ہر قسم کی آزمائش میں ثابت قدمی دکھاتے تھے۔ دراصل یہ ایمان ہی تو ہے جو بندۂ مومن کا سب سے بڑا ہتھیار اور ڈھال ہے۔ دعوتِ حق کی راہ میں امتحان وابتلا کا آنا سنتِ الٰہی ہے اور اس سے پامردی سے گزر جانا ایمان کی علامت۔ ابو فاطمہ اللیثی (جنہیں ابو فاطمہ ازدی بھی کہا جاتا ہے) نے بیان کیا "میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "تم میں سے کون یہ چاہتا ہے کہ ہمیشہ تندرست رہے اور کبھی بیمار نہ ہو؟"

ہم نے تیزی سے جواب دیا "ہم سب یہی چاہتے ہیں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔" اس پر آپ نے پھر پوچھا "کیا تم یہ چاہتے ہو کہ بھٹکے ہوئے گدھوں کی طرح ہو جاؤ؟" ہم نے جواب دیا "نہیں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم یہ نہیں چاہتے۔" آپ نے مزید پوچھا "کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ آزمائش میں ڈالے جاؤ اور یہ آزمائش تمہارے گناہوں کا کفارہ بن جائے؟ خدا کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے 'اللہ تعالیٰ مومن کو آزماتا ہے اور اسکی یہ آزمائش و ابتلا مومن کی عزت و تکریم میں اضافے کے لئے ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ امتحان کے ذریعے بندۂ مومن کو اس مقامِ عظیم پر فائز کرنا چاہتا ہے جس تک پہنچنا کسی بھی عمل سے ممکن نہیں سوائے اس کے کہ وہ راہِ حق میں آزمائش کی بھٹی سے گزرے۔"

اور حضرت قتادہ نے روایت بیان کی "حضرت انسؓ بن مالک نے مجھ سے سوال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "قیامت کے دن میزان لگادی جائے گی۔ صدقہ وخیرات کرنے والوں کو ان کے مال کے عوض میں اجر دیدیا جائے گا۔ اسی طرح نمازؔ اور حج اور دیگر نیک کاموں کے بدلے تول کر دیئے جائیں گے۔ پھر اللہ کی راہ میں مصیبتیں جھیلنے والوں کی باری آئے گی۔ ان کے لئے ترازو نہیں لگایا جائے گانہ ان کے دفترِعمل کی پڑتال ہوگی۔ ان کو بے حساب اجر دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی بھی ہے انما یوفی

الصابرون اجرھم بغیرحساب
(صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بغیر حساب کے دیا
جائے گا (سورہ زمر آیت ۱۰)

جب اصحابِ محن وبلا بے حساب اجر سمیٹ رہے ہوں گے تو دنیا میں امن وعافیت میں رہنے والے تمنا کریں گے کہ کاش حیاتِ مستعار میں ان کے جسم قینچیوں سے کاٹ کاٹ کر ٹکڑے کر دیئے جاتے تا کہ یومِ حشر حیاتِ ابدی میں ان کو بے حساب اجر اور فضیلت نصیب ہو جاتی۔"

Marfat.com

بلالؓ کا نعرۂ حق

اس اجر سے اولین مسلمانوں (صحابۂ کرام) نے وافر حصہ پایا۔ راہِ خدا میں وہ ستائے گئے اور تختہ مشق ستم بنتے رہے۔ بلالؓ کے ساتھ کافروں نے کیا کچھ نہ کیا۔ وہ تعذیب کے ذریعے انہیں اسلام سے برگشتہ کرنا چاہتے تھے مگر آپ نے ان کے ارادوں کو خاک میں ملا دیا۔ وہ ہر ایذا کے مقابلے پر احد احد پکارتے رہتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ ان کافروں کے نزدیک کوئی کلمہ احد سے بھی زیادہ باعثِ غضب ہے تو میں ضرور ان کے سامنے وہ کلمہ کہوں۔

صحابۂ کرام نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے درسِ استقامت لیا اور عزم و یقین کے ساتھ اس پر جم گئے۔ ان کا عمل اپنے ایمان کے عین مطابق ہوتا تھا اور وہ ایمان کے بعد آزمائش کو یقینی سمجھتے تھے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "ہر شخص کی آزمائش اس کے دینی مقام و مرتبہ کے مطابق ہوتی ہے۔ اگر وہ اپنے دین میں پختہ تر ہو تو اسکی آزمائش بھی فزوں تر ہو جاتی ہے۔"

جنگ یمامہ میں ضرارؓ بن ازور بڑی بے جگری سے لڑے یہاں تک کہ آپ کی پنڈلی کٹ گئی۔ آپ نے جنگ سے منہ نہ موڑا۔ گھٹنوں کے بل مصروفِ قتال رہے۔ اس حال میں گھوڑوں کے سموں کے نیچے روند ڈالے گئے مگر موت آنے تک آپ نے ہمت ہاری نہ ہتھیار ڈالے۔[لہ]

صلہ بن اشیم العدویؒ ایک میدانِ جنگ میں گئے۔ ان کا بیٹا بھی ساتھ تھا۔ بیٹے سے فرمانے لگے۔ "اے پیارے بیٹے آگے بڑھ اور دشمن سے دو دو ہاتھ کر۔ اگر تو نے جام شہادت نوش کر لیا تو میں اس پر اجر کا مستحق ہوں گا اور تو سرخرو ہو جائے گا۔" بیٹا بہادری سے دشمن کے مقابلے پر لڑتا رہا یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔

یہ ان لوگوں کا ایمان تھا جنھوں نے دعوت الی اللہ کا حق ادا کیا۔ جس عقیدے پر وہ ایمان لائے تھے اس کے ساتھ اپنے صدق و خلوص کا مظاہرہ کیا اور ہر مشکل وقت میں اس کا بہترین دفاع کیا۔ انہیں اچھی طرح سے معلوم تھا کہ

Marfat.com

حق پر ڈٹ جانا اور اسکی مدافعت میں جان کھپا دینا عزت اور غیرت کی علامت ہے۔ غیرت و حمیت والے کبھی کمزوری نہیں دکھاتے اور صاحب عزت کا مقدر ذلت نہیں ہوتی۔ انہوں نے غیرت و عزت حاصل کی اور اس کے لئے خوشی خوشی اپنی جانیں قربان کرنیکی سنت قائم کی۔ مصعب بن زبیرؓ عبدالملک بن مروان کے لشکروں کا مقابلہ کرتے رہے۔ جب قبیلہ ربیعہ کے لوگوں نے عین میدانِ جنگ میں آپ کا ساتھ چھوڑ دیا تو آپ نے فرمایا انسان ہر حال میں موت سے دوچار تو ضرور ہو گا۔" خدا کی قسم انسان عزت نفس کے ساتھ موت کو لبیک کہے تو یہ اس سے ہزار درجہ بہتر ہے کہ انسان اسکے سامنے جھک جائے جو اسکی تذلیل کرے۔ "

ظالم طاغوتی قوتیں صاحبِ عقیدۂ مومن پر ظلم و ستم محض اس وجہ سے ڈھاتی ہیں کہ اسکے دل سے عقیدۂ حق کی جڑیں اکھاڑ پھینکے۔ یہاں سے اللہ کے باغیوں اور اسکے فرماں بردار داعیانِ اسلام کے درمیان ایک پنجہ آزمائی شروع ہو جاتی ہے۔ اس کشمکش میں داعیٔ اسلام کی ثابت قدمی کا مطلب یہ ہے کہ اس نے سرکشوں کے مقابلے پر فتح پائی ہے اگرچہ باطل کی اندھی قوت کے ہاتھوں اسکے جسم کے ٹکڑے کر دیئے گئے ہوں۔ سرکش طاغوتی عناصر اپنی ساری قوت، اور ذرائع اور وسائل اور سامان تعذیب کے باوجود اس استقامت کے مقابلے پر اپنی موت آپ مرجاتے ہیں۔ ظالم یہ سمجھتا ہے کہ اسکے پاس تلوار بھی ہے اور سونا بھی۔ اس لئے وہ کبھی مغلوب نہیں ہو سکتا مگر اسکی یہ خام خیالی جلد ہی کافور ہو جاتی ہے اور وہ اپنی مجروح انا کے زخموں کو چاٹنے لگتا ہے۔

دار و رسن

حق کے پجاری نہ تو کوڑوں سے دبتے ہیں اور نہ ہی توڑوں سے خریدے جاسکتے ہیں۔ وہ بظاہر کمزور ہوتے ہیں مگر اپنے کردار کی مضبوطی کی وجہ سے غالب اور طاقتور بن کر ابھرتے ہیں۔ اپنی شکست کا بدلہ لینے کے لئے طاغوت، ثابت قدم اہلِ ایمان پر ظلم و ستم کے ناقابلِ تصور پہاڑ توڑتا ہے مگر عاشقانِ صادقین کبھی ہار نہیں مانتے۔ تاریخ اسلام میں سب سے پہلے جس شخص کو تختۂ

Marfat.com

دار پر لٹکایا گیا وہ حضرت خبیبؓ بن عدی تھے۔ مشکل وقت میں تعذیب کے سامنے ثابت قدمی سے کھڑے موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر آپ نے یہ اشعار کہے۔

"دشمن کے ظلم وستم کے سامنے میں چیخ پکار نہیں
کروں گا نہ بزدلی دکھاؤں گا۔
میں تو اپنے مالک کی درگاہ میں حاضری کے لئے جارہا
ہوں۔
جب میں اسلام کی خاطر دشمنوں کے ہاتھوں جان
قربان کر رہا ہوں
تو مجھے اس بات کی کیا فکر کہ مرنے کے بعد کس پہلو
پہ گرونگا
میری یہ قربانی اللہ کی خاطر اور یہ ابتلا اس کی راہ میں
ہے۔ اگر اللہ چاہے تو میرے کٹے ہوئے اعضائے
جسم پر برکت نازل فرمادے"

اس شہیدِ وفا نے ظالموں کے منصوبے خاک میں ملا دیئے جان قربان کر دی مگر ظلم کے سامنے سر نہ جھکایا۔ بندۂ مومن کبھی حق کی راہ چھوڑ کر طاغوت سے سمجھوتہ نہیں کرتا۔ کیا عظیم ایمان تھا! کیا بے مثال صبر تھا!

جذبۂ شہادت

اللہ سے محبت اور اسکی ذات پر بھروسہ اہلِ ایمان کو فنا فی اللہ کے درجے تک لے جاتا ہے۔ صحابۂ کرامؓ اور صدرِ اول کے مسلمان خطرات میں بے خطر کود پڑتے تھے۔ حق کی خاطر جانیں قربان کر دیا کرتے تھے۔ سعید ابن المسیب کی ایک آنکھ ضائع ہو گئی تھی اور وہ کمزور اور بوڑھے تھے مگر جہاد کے لئے روانہ ہو گئے۔ کسی نے کہا کہ آپ بیمار ہیں اس لئے جہاد پر جانے سے عذرِ شرعی کی وجہ سے آزاد ہیں۔ آپ نے جواب میں کہا "اللہ تعالیٰ نے جہاد کے لئے نکلنے کا حکم دیا ہے۔ ہم بھاری ہوں یا ہلکے، بیمار ہوں یا تندرست جوان ہوں

Marfat.com

یا بوڑھے' فارغ ہوں یا مصروف۔ اگر میں جنگ میں کام آ گیا تو خیر (خوش قسمت ہوں گا) ۔ اگر واپس لوٹا تو پھر معاملاتِ دنیا اور صحت کی فکر کر لوں گا"[1]

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جنگ بدر کے لئے نکلے تو آپ نے چھوٹی عمر کے لڑکوں کو فوج سے واپس کر دیا۔ عمیرؓ بن ابی وقاص بھی سولہ سال کے تھے۔ انہیں واپسی کا حکم ملا تو وہ رونے لگے۔ ان کی پر زور درخواست پر بالآخر انہیں جہاد میں شمولیت کی اجازت مل گئی۔ وہ میدانِ بدر میں بہادری سے لڑے اور شہید ہو گئے۔

انصار کے ایک نوجوان لڑکے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد میں شرکت کی اجازت دی تو سمرہؓ بن جندبؓ نے بھی اجازت مانگی۔ ان کا قد چھوٹا اور عمر کم تھی اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت نہ دی۔ اس پر حضرت سمرہؓ نے عرض کیا " یا رسول اللہ' صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے فلاں نوجوان کو اجازت دیدی ہے حالانکہ میں اسے کشتی میں پچھاڑ سکتا ہوں۔ " آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " اچھا اس سے کشتی کر کے دکھاؤ" ۔ چنانچہ کشتی ہوئی اور سمرہؓ نے اپنے ساتھی کو چت گرا دیا۔ اس کے بعد انہیں بھی اجازت مل گئی۔

بہادری کے یہ کارنامے اور شجاعت کی یہ مثالیں صرف مردوں تک محدود نہیں ہیں بلکہ مومن خواتین نے اس میدان میں ایسے ایسے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے جو آج مردوں میں بھی عنقا ہیں۔ یہ دیکھئے اسماؓ بنت ابی بکرؓ ہیں۔ جوانی میں بھی عظیم مجاہدہ تھیں اور بڑھاپے میں بھی جرأتِ ایمانی کا نشان! ان کے عظیم فرزند عبداللہ بن زبیرؓ حرمِ مکی میں شامی فوجوں کے مقابلے پر ڈٹے رہے۔ حالات زیادہ نازک ہوئے تو اپنی والدہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بوڑھی والدہ نے بیٹے سے کہا " میرے لختِ جگر' دشمنوں کی کوئی شرط جو باعث ذلت ہو ہرگز قبول نہ کرنا۔ موت سے کیا ڈرنا۔ خدا کی قسم عزت و غیرت کے ساتھ تلوار کا وار سہنا اور جان کی بازی لگا دینا اس زندگی سے زیادہ قیمتی اور محترم ہے جس میں ذلت کے ساتھ دشمن کے ہاتھ سے کوڑے کھائے جائیں"

[1] یہ واقعہ فی الحقیقت ابوطلحہ انصاریؓ سے متعلق ہے۔

اسماء رضی اللہ عنہا کی بیٹے کو یہ نصیحت اس وجہ سے نہ تھی کہ خدانخواستہ بیٹے کی حمیت میں کوئی کمی آگئی تھی۔ نہیں ایمان کبھی مومن کو کمزور نہیں ہونے دیتا۔ یہ تو محض یاد دہانی تھی۔ یہ اس سبق کی یاد دہانی تھی جو ابنِ زبیر نے اچھی طرح سے سمجھ رکھا تھا کہ معرکہ خیروشر میں بندۂ مومن ذلت ورسوائی قبول نہیں کرتا بلکہ وہ عزت وغیرت کا مظاہرہ کرتا ہے۔ اسماء چاہتی تھیں کہ ان کا بیٹا آنیوالی نسلوں کے لئے اسوۂ حسنہ پیش کرے اور جب کبھی کوئی راہئ حق ابتلا کی وادی میں اترے تو یہ عظیم نمونہ اسکی ہمت بندھائے۔ سچی بات یہ ہے کہ اس زندگی کا کوئی فائدہ ہے نہ ضرورت جس میں ذلت ورسوائی مقدر بن جائے اور اس عقیدے کی کیاقدروقیمت ہوتی ہے جو پستی اور بے عزتی کا باعث بنے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول مبارک ملاحظہ کیجیئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "خبردار' تم میں سے کسی شخص کو لوگوں کا خوف کلمۂ حق سے باز نہ رکھے کیونکہ کوئی شخص تمہیں موت سے قریب کرسکتا ہے نہ تمہارے رزق سے تمہیں محروم کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔ پس کلمۂ حق کہتے رہو اور رب عظیم کو یاد کرتے رہو۔"

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

یہ معاملہ انفرادی جہدوایثار تک محدود نہیں ہے بلکہ پوری جماعت مومنین اس بات کی مکلّف ہے کہ نافرمانوں اور فاسقوں کا ہاتھ پکڑے اور برائی کا سدباب کردے تاکہ دعوتِ الٰہی کا سلسلہ جاری رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

"تم ضرور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دیتے رہو گے اور بدکاروں کے ہاتھ پکڑ کر انہیں برائی سے روکتے رہو گے اور اُن پر حق کی راہ اختیار کرنے کے لئے دباؤ ڈالتے رہو گے ورنہ پھر اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کو ایک دوسرے کی مانند کردے گا اور تمہارے اوپر لعنت نازل کردے گا جس طرح اس نے بنی اسرائیل کو لعنت زدہ کردیا تھا"

اس کی مزید وضاحت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمائی

Marfat.com

"اللہ تعالیٰ چند بدکاروں کی برائی کی پاداش میں عامتہ الناس کو سزا نہیں دیتا مگر جب لوگوں کے درمیان برائی کھلے عام ہونے لگے اور وہ قدرت کے باوجود برائی پر نہ ٹوکیں تو پھر عذابِ عام کا حکم صادر ہو جاتا ہے"

پس مسلمان اجتماعی طور پر زندگی کے ہر شعبے میں دین کی بالادستی کے لئے فدا کاری کے پابند اور مکلّف ہیں۔

حضرت عمرؓ کے صدقِ ایمان نے لوگوں کے سامنے اپنے قبولِ اسلام کا علانیہ اظہار کرنے کا فیصلہ کیا۔ آپ نے سوچا کہ اس اعلان سے شاید کوئی خوش قسمت کچھ حصہ خیر پا سکے۔ مردانگی اور جرأت نے آپ کو آمادہ کیا کہ جس عقیدے پر ایمان لائے ہیں اسکو خفیہ نہ رکھیں۔ آپ مانے ہوئے شاہسوار اور جرأت مندی کا مجسمہ تھے۔ آپ کو بزدلی سے کوئی سروکار نہ تھا۔ آپ صراحت و اعلان کے عادی تھے اور اس سلسلے میں لوگوں کی عداوت و دشمنی کی کوئی پروانہ کرتے تھے۔

کیا کچھ لوگ ایذا کے تصور ہی سے مبتلائے ایذا نہیں رہتے؟ اور کیا کچھ لوگ دعوتِ حق کے عواقب و نتائج کے خوف سے موت سے قبل ہی مر نہیں جاتے؟ جس کسی قوم نے خوف زدہ رہنے اور بزدلی کا راستہ اختیار کرنے کی روش اختیار کی اس پر لازماً ذلت کی طویل رات مسلط ہو کر رہی۔ اسی طرح جب کسی ملت پر حق کی حمایت کی وجہ سے کوئی ضرر اور نقصان نازل ہوا پھر انہوں نے صبر کیا اور دوسروں کو صبر کی تلقین کی اور حق سے منہ نہ موڑا تو لازماً ان کی زندگی عزت و تکریم کی زندگی ہو گی مگر جوں ہی وہ ابتلا کو دیکھ کر گھبرا اٹھیں اور کانپنے لگیں تو خس و خاشاک کی طرح بے وقعت ہو کر رہ جائیں گے۔ جو کوئی اللہ کی مدد کے لئے کمربستہ ہو جائے اللہ اسکی عزت افزائی کرتا ہے اور فتح اسکے لئے مقدر ہو جاتی ہے۔ جو اللہ کی راہ سے منہ موڑ لے اللہ اسے ذلت اور شکست سے دوچار کر دیتا ہے'

دنیا میں آج مسلمانوں کا حال کتنا ابتر ہے۔ مشرق و مغرب کی غیر مسلم قوتیں اپنے باہمی اختلافات اور دشمنیوں کے باوجود ان کے خلاف متحد ہو چکی ہیں۔ جو لوگ اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں ان میں سے بھی ایک فریق ان اسلام

Marfat.com

دشمن قوتوں کا ساتھی بنا ہوا ہے۔ اس صورت حال میں اگر ہم پامردی کے ساتھ متحد ہو کر اسلام کا دفاع کریں اور اسکے لئے جو قیمت بھی ادا کرنا پڑے اسکی پروا نہ کریں تو ہم بہت کچھ کما جائیں گے اور نفع ہی نفع حاصل کریں گے۔ اللہ کی راہ میں اذیت برداشت کرنے اور مال قربان کرنے کے بدلے میں اللہ تعالیٰ جو اجر عطا فرمائے گا وہ بڑا عظیم ہو گا' نعمتیں جو دائمی ہوں گی اور ملک جو ابدی ہو گا۔ پس اس کام کے لئے ہمیں اللہ کے نام پر آپس میں اخوت و محبت اور خلوص کے ساتھ ایک دوسرے کے ہاتھ مضبوط کرنے چاہیں۔ یہ اللہ کی خاطر دوستی اللہ کے نزدیک افضل ترین عمل ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے۔

> "وہ دن جب آئے گا تو متقین کو چھوڑ کر باقی سب دوست ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے۔
> اس روز ان لوگوں سے جو ہماری آیات پر ایمان لائے تھے اور مطیع فرمان بن کر رہے تھے کہا جائے گا کہ "اے میرے بندو' آج تمہارے لئے کوئی خوف نہیں اور نہ تمہیں کوئی غم لاحق ہو گا۔ داخل ہو جاؤ جنت میں تم اور تمہاری بیویاں 'تمہیں خوش کر دیا جائے گا۔" ان کے آگے سونے کے تھال اور ساغر گردش کرائے جائینگے اور ہر من بھاتی اور نگاہوں کو لذت دینے والی چیز وہاں موجود ہو گی۔
> ان سے کہا جائے گا "تم اب یہاں ہمیشہ رہو گے۔
> تم اس جنت کے وارث اپنے ان اعمال کی وجہ سے ہوئے ہو جو تم دنیا میں کرتے رہے۔ تمہارے لئے یہاں بکثرت فواکہ موجود ہیں جنہیں تم کھاؤ گے۔" (سورہ الزخرف آیت ۶۷ تا ۷۳)

رسولِ امین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میری امت کے آخری دور کے لوگوں میں کچھ خوش قسمت انسان ایسے ہوں گے جنہیں السّابقون

Marfat.com

الاولون کی طرح اجرِ عظیم سے نوازا جائے گا۔ یہ لوگ برائی سے روکنے اور فتنہ پردازوں سے لڑنے کی وجہ اتنا بڑا اجر پائیں گے۔ " اور یہ بات واضح ہے کہ اگر اللہ کی رضا کی خاطر مسلمان پوری دنیا کو بھی ناراض کر دیں تو کوئی گھاٹا نہیں کیونکہ خدا تعالیٰ ان سے راضی ہو گا اور انہیں اپنی نعمتوں سے مالا مال کر کے خوش کر دے گا۔ اسکی نعمتیں ایسی بے نظیر ہیں کہ کسی کے دل میں ان کے بارے میں تصور اور خیال بھی پیدا نہیں ہو گا۔ جس راستے کو اختیار کر کے ہمارے اسلاف نے خدا کی رضا اور اجرِ عظیم حاصل کر لیا تھا کیا ہم اسی راستے پر چل کر یہ مقام نہیں پا سکتے؟ یقیناً پا سکتے ہیں مگر ضرورت فقط اس بات کی ہے کہ ہم ارادہ کریں اور کمرِ ہمت باندھ لیں کہ جو اعمال ہر مسلم پر واجب ہیں ہم ان کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کریں گے۔

مسلمانوں کی صورتِ حال آج سخت ناگفتہ بہ ہے۔ اس صورتِ حال کو تبدیل کرنا ان لوگوں کے بس میں نہیں جو زبانی دعویٰ تو اسلام کا کرتے ہیں مگر حقیقت میں اسلام سے دور ہیں۔ میری اس بات سے آپ حیران تو ہوتے ہوں گے مگر ذرا سوچئے کہ اسلام کے ارکانِ خمسہ پر ایمان کا دعویٰ کر کے اطمینان سے سو جانے والے اور ان ارکان پر ایمان لانے کے بعد ان کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے بے چین ہو جانے والے شخص کے درمیان کتنا واضح فرق ہوتا ہے۔ موخر الذکر کا ایمان اسے درس دیتا ہے کہ وہ اعمال صالحہ یوں کرے کہ گویا خدا تعالیٰ کو اپنی آنکھ سے دیکھ رہا ہے اور اگر یہ کیفیت پیدا نہ ہو تو کم از کم یہ یقین اور تصور رکھے کہ خدا اسے دیکھ رہا ہے۔

امام حسنؒ بصری سے کسی نے پوچھا "ابوالحسن کیا آپ مومن ہیں؟" آپ نے سوال سنکر جواب دیا "ایمان دو طرح کا ہوتا ہے۔ اگر تم روایتی ایمان کے بارے میں پوچھ رہے ہو جس میں اللہ، اسکے فرشتوں، رسولوں، کتابوں، آخرت اور جنت دوزخ پر ایمان کا اقرار کیا جاتا ہے تو میں مومن ہوں لیکن اگر تم اس ایمان کے بارے میں پوچھتے ہو جس کا تذکرہ اللہ تعالیٰ کے قول مبارک میں یوں آیا ہے۔

"مومن تو وہی ہیں جن کے دل اللہ کا ذکر سن کر

Marfat.com

لرز جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیات ان کے سامنے
پڑھی جاتی ہیں۔ تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے اور وہ
اپنے رب پر اعتماد رکھتے ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں
اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اسمیں سے (ہماری
راہ میں) خرچ کرتے ہیں۔ ایسے ہی لوگ حقیقی
مومن ہیں۔ ان کے لئے ان کے رب کے پاس
بڑے درجے ہیں' قصوروں سے در گزر ہے اور
بہترین رزق ہے۔" (سورہ انفال آیت ۲ تا ۴)

تو پھر خدا کی قسم مجھے پتہ نہیں کہ میں ان لوگوں میں شامل ہوں یا نہیں۔

عمرؓ کا قبولِ اسلام حق کی تقویت کا باعث تھا

حضرت عمر سے قبل کافی لوگ داخلِ اسلام ہو چکے تھے۔ ان میں قوی بھی تھے اور کمزور بھی مگر حضرت عمرؓ کا موقف منفرد تھا۔ آپؓ کے قبولِ اسلام سے قبل دارِ ارقم میں اہلِ اسلام محصور رہتے تھے۔ جوں ہی آپؓ نے اسلام قبول کیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی' خانہ کعبہ میں جا کر علانیہ شعائرِ اسلام کا اظہار کریں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے قبل دارِ ارقم میں کسی خوف کی وجہ سے مقید نہ تھے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تو سوائے اللہ کے کسی سے نہ ڈرتے تھے مگر ماحول کو دیکھ کر اور مومنین سے اپنی بے پناہ محبت کے پیش نظر آپ نے گوشہ نشینی اختیار کی تھی۔ آپ نہیں چاہتے تھے کہ اہلِ ایمان پر کوئی ایسی مشکل آن پڑے جسے برداشت کرنیکی سکت ان کے اندر نہ ہو جب حضرت عمرؓ نے اپنا مطالبہ پیش کیا تو حضورؐ خوش ہوئے اور دارِ ارقم سے اپنے صحابہ کے ساتھ حرم کی جانب چلے۔ صحابہ سارے کے سارے نکل کھڑے ہوئے۔ دو صفوں میں انہوں نے خانۂ کعبہ کا رخ کیا۔ ایک صف کے آگے حضرت حمزہؓ تھے اور دوسری صف کے قائد حضرت عمرؓ تھے۔ قریش نے یہ

Marfat.com

منظر دیکھا، مگر کسی نے دم نہ مارا۔ آج مسلمانوں پر ہاتھ اٹھانے کی کسی نے جرأت نہ کی اور قریش پر غم واندوہ کے ایسے گہرے سائے چھا گئے جو اس سے قبل انہوں نے کبھی نہ دیکھے تھے۔ اسی روز حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو فاروق کا خطاب عطا فرمایا جس کے معنی ہے حق اور باطل کے درمیان لکیر کھینچ دینے والا۔

خیر کی کرنیں

قبولِ اسلام سے، قبل عمر بن خطاب اسلام کے سخت ترین دشمن اور مسلمانوں پر بد ترین سختیاں ڈھانے والے قریشی تھے۔ اس اسلام دشمنی کے باوجود زمانہ جاہلیت میں بھی آپ کی فطرت میں خیر اور سلامت روی کا واضح عنصر موجود تھا جو وقتاً فوقتاً اپنی کرنیں بکھیرتا رہتا تھا۔ لیلیٰؓ بنت ابی حثمہ سابقون الاولون میں سے ہیں۔ یہ صحابیہ قریش کے قبیلہ بنو عدی سے تعلق رکھتی تھیں اور یہی حضرت عمرؓ کا بھی قبیلہ تھا۔ حضرت لیلیٰؓ نے روایت بیان کی کہ "مکہ میں ہم مسلمانوں پر ظلم ڈھانے والے کافروں میں عمر بن خطاب سب سے شدید تھے۔ جب ہم نے ہجرتِ حبشہ کا فیصلہ کیا تو عمر میرے پاس سے گزرے۔ میں سامان سفر باندھ رہی تھی۔ میرے خاوند عامر بن ربیعہ کسی کام سے باہر نکلے ہوئے تھے اور میرا شیر خوار بیٹا عبداللہ کھیل رہا تھا۔ عمر نے پوچھا "کدھر کا ارادہ ہے عبداللہ کی ماں؟" میں نے کہا "تم لوگوں نے خدا کے دین کی پاداش میں ہم پر مکہ کی زمین تنگ کر دی ہے مگر اللہ کی زمین بڑی وسیع ہے۔ ہم گھر بار چھوڑ کر جا رہے ہیں۔" میری بات سن کر عمرؓ نے ٹھنڈی آہ بھری اور صرف اتنا کہا "صحبکم اللہ" (اللہ تمہارا ساتھی اور حامی ہو) پھر وہ چلا گیا۔ جب میرے خاوند عامر بن ربیعہ آئے تو میں نے ان کو واقعہ سنایا۔ وہ فرمانے لگے "امید رکھو کہ عمرؓ اسلام میں داخل ہو جائے گا۔"

یہاں ایک جرأت مند مومن خاتون کی مثال ہمارے سامنے آتی ہے، وہ عمرؓ کی سختی اور اسلام دشمنی سے واقف ہیں مگر کسی خوف کے بغیر اپنا ہجرت کا

Marfat.com

آرادہ ظاہر کر دیتی ہیں' دوسری مثال ہمارے سامنے عمر بن خطاب کی آتی ہے جو اسلام کا کٹر دشمن ہے اور اس کمزور خاتون پر ظلم و ستم کا ہاتھ اٹھا سکتا ہے مگر وہ ایک مرد ہے اور مردانگی کا قابلِ تقلید نمونہ پیش کرتا ہے۔ راستہ روکنے کی بجائے اس کا دل پسیج جاتا ہے۔ اور مخالفت کے باوجود وہ دعائے خیر دے کر رخصت ہو جاتا ہے۔ آخر مرد ہے اور مردوں میں یہ خوبیاں ہوتی ہیں۔ اگر آپ چاہیں تو یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ لیلیٰؓ کی صاف گوئی اور جرأت نے عمر سے داد وصول کی اور وہ اس کا احترام کرتا ہوا وہاں سے چل دیا۔ ایک اور بات بھی قابلِ غور ہے۔ حضرت عامرؓ بن ربیعہ نے اپنی مومنانہ فراست سے دیکھ لیا تھا کہ عمرؓ کے دل میں اسلام کی روشنی بہت جلد جگمگانے والی ہے۔ اور عمرؓ جلد ہی اسلام کی آغوش میں آبھی گئے تھے۔ ان کا ایمان اور اسلام کتنا عظیم تھا! وہ نیکیوں کے باوجود اللہ کے عذاب سے ڈرتے رہتے تھے اور ہم گناہوں کے انبار اٹھائے ہوئے بھی عذاب سے بے پروا اور غافل ہیں۔ (حضرت عمرؓ آخرت کے خوف سے کانپ جاتے اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے۔ کبھی کبھار کہتے کہ اگر معاملہ برابر سرابر ہو گیا تو میں اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھوں گا۔)

حق کی جانب سفر

شرم و حیا تو سراسر خیر ہی ہوتی ہے۔ عمرؓ بن خطاب کی فطرت میں حیا کا بڑا عمل دخل تھا۔ وہ قبولِ اسلام سے قبل بھی باحیا مرد تھے۔ اس فطرتِ سلیمہ کو جب زیورِ اسلام بھی میسر آ گیا تو سونے پہ سہاگہ کا مصداق بن گئے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ایک مرتبہ حضرت عمرؓ سے ان کے قبولِ اسلام کے بارے میں پوچھا تو کہنے لگے "حمزہ کے قبولِ اسلام کے تین روز بعد میں گھر سے نکلا۔ مجھے ایک مخزومی نظر آیا۔ وہ باپ دادا کا دین چھوڑ کر مسلمان ہو چکا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا "کیا تو باپ دادا کا دین چھوڑ کر محمدؐ کے دین میں داخل ہو گیا ہے؟" اس نے جواب دیا "میں اگر مسلمان ہو گیا ہوں تو کیا ہوا۔ تم پہلے اپنے گھر کی تو خبر لو۔ تمہاری بہن فاطمہ اور تمہارا بہنوئی سعید بھی تو مسلمان ہو چکے ہیں۔" مجھے اس بارے میں علم نہیں تھا۔ یہ سن کر سخت غصہ بھی آیا اور

افسوس بھی ہوا۔ میں نے اپنی بہن کے گھر کا راستہ لیا۔ وہاں پہنچ کر دروازے پر دستک دی۔ اندر سے کچھ گنگنانے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ دروازہ کھلا تو میں نے پوچھا "کس چیز کی آواز آ رہی تھی؟" میری بہن نے کہا "کوئی آواز نہیں تھی۔" ہمارے درمیان تکرار شروع ہوئی۔ میں نے بہن اور بہنوئی کو بری طرح سے پیٹا۔ وہ لہولہان ہو گئے۔ اس پر میری بہن اٹھی اور مجھے سر سے پکڑ کر کہا "سن لو۔ ہم مسلمان ہو چکے ہیں تمہیں جو کچھ کرنا ہے کر لو۔ ہم جان دے دیں گے مگر اسلام نہیں چھوڑیں گے۔" بہتا ہوا خون اور بہن کا یہ عزم دیکھ کر مجھے شرمساری ہوئی کہ میں نے کیا کر دیا ہے......

حضرت عمرؓ کی فطرتِ سلیمہ، پاکیزگی خیالات اور سب سے بڑھ کر اللہ کی خصوصی رحمت انہیں اسلام کی آغوش میں لانے کا موجب بن گئی۔ قبولِ اسلام سے قبل بھی ایسے واقعات رونما ہوئے جن سے حضرت عمرؓ کی سلامتیٔ طبع اور ان پر اللہ کی نظرِ کرم کی وضاحت ہوتی ہے۔ آپ خود راوی ہیں "میں زمانۂ جاہلیت میں ایک روز حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے گستاخی کے ارادے سے نکلا۔ میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے قبل حرمِ مکی میں پہنچ چکے ہیں۔ آپ نے نماز کی نیت باندھ لی تھی۔ میں آپ کے پیچھے جا کھڑا ہوا۔ آپ نے سب سے پہلے سورۃ الفاتحہ پڑھی۔ پھر سورہ الحاقہ کی تلاوت شروع کر دی۔ قرآن کی آیات اور تراکیب میں بے پناہ روانی، سلاست اور زورِ بیان تھا۔ میں نے دل میں کہا "خدا کی قسم جیسا کہ قریش کہتے ہیں یہ بہت بڑے شاعر ہیں۔" یہ خیال میرے ذہن میں آیا ہی تھا کہ آپ نے پڑھا "بے شک یہ ایک رسولِ کریم کا قول ہے۔ کسی شاعر کا قول نہیں ہے۔ تم لوگ کم ہی ایمان لاتے ہو۔" میں نے کہا شاعر کا قول نہیں تو پھر ضرور یہ کاہن کا قول ہے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً تلاوت فرمائی۔ "اور نہ یہ کسی کاہن کا قول ہے۔ تم لوگ کم ہی غور کرتے ہو۔" آپؐ نے سورت کے آخر تک ساری آیات پڑھ ڈالیں۔ میں دم بخود کھڑا تھا۔ عجیب کیفیت مجھ پر طاری ہوئی۔ اس روز حقیقت میں اسلام کی مضبوط آواز میرے دل کے دروازوں کو کھول گئی اور اسکی گونج میں اپنے دل کی گہرائیوں میں سنتا رہا۔

Marfat.com

حضرت عمرؓ نبوت کے چھٹے سال ماہ ذوالحجہ میں داخلِ اسلام ہوئے۔
اس وقت آپ کی عمر ۲۶ سال کی تھی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر حضرت عمرؓ
سے قبل تقریباً چالیس پینتالیس مرد اور عورتیں ایمان لا چکے تھے' یہ وہ دور تھا
جس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ حضرت ارقمؓ بن ابی
ارقمؓ کے گھر میں وقت گزارتے اور دشمنوں سے محفوظ رہ کر درس و تدریس کا
سلسلہ جاری رکھتے تھے۔

حضرت عمرؓ کا قبولِ اسلام 'تاریخ اسلام کا عظیم ترین واقعہ ہے۔ اس
سے قبل اہلِ اسلام بیت اللہ شریف میں نماز بھی ادا نہ کر سکتے تھے کیونکہ قریش کی
ایذا رسانی اور عدوان کا دور دورہ تھا۔ جب عمرؓ اسلام میں داخل ہوئے تو کافروں
کو چیلنج کیا اور کافروں کو مقابلے کی ہمت نہ پڑی۔ مسلمانوں نے پھر حرم شریف
میں نماز پڑھنا شروع کی۔ اور یوں یہ حقیقت سامنے آئی۔

ان تنصروا اللہ ینصر کم و یثبت اقدامکم
اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا
اور تمہارے قدم جما دے گا (سورہ محمد آیت ۷)

Marfat.com

دُوسرا باب

عمرؓ اور اُن کے ساتھی

ہر شخص جسے عوامی امور و مسائل کی ذمہ داری سونپی جائے وہ اپنے ساتھیوں اور ہم عصروں کے بارے میں اپنی رائے قائم کرتا ہے اور اس رائے کے مطابق ان سے کام لیتا ہے۔ اسی طرح اسکے ہم عصر بھی اسکے بارے میں رائے رکھتے ہیں اور اس رائے کی روشنی میں اس سے تعلقات قائم کرتے ہیں۔ ذمہ دار شخص کی ذمہ داری اور مسئولیت میں اس کے جو ساتھی شریک ہوتے ہیں ان کے ساتھ اسکا باہمی معاملہ بہت قریبی اور معلومات بہت حقیقی ہوتی ہیں۔ ذمہ دار حکومت کی کامیابی اور ناکامی میں اس کے راز دار ساتھیوں سے زیادہ کسی اور شخص کا عمل دخل نہیں ہوتا۔ اسی لئے قرآن مجید نے اہلِ ایمان کو سخت تاکید کی ہے کہ وہ برے ساتھیوں سے بچ کر رہیں۔

ارشاد ہے

> اے ایمان والو' اپنی جماعت کے لوگوں کے سوا دوسروں کو اپنا راز دار نہ بناؤ وہ تمہاری خرابی کے کسی موقع سے فائدہ اٹھانے میں نہیں چوکتے۔ تمہیں جس چیز سے نقصان پہنچے وہی ان کو محبوب ہے۔ (سورہ آل عمران آیت ۱۱۸)

پس ہر مسلم حکمراں پر واجب ہے کہ اپنے گرد ایسے لوگوں کو جمع کرے جو دیندار' صائب الرائے اور امانتدار ہوں کیونکہ وہ اسکی شوریٰ ہوتی ہے جو اسے نیک مشورے دیتی اور برائی اور شر سے اسکی حفاظت کرتی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ "لیلینی منکم اولوا الاحلام والنهى۔"

Marfat.com

حکمرانوں کے سامنے کلمۂ حق کہنا

صالح اور دیندار ہمراز کی مثال ملاحظہ فرمایئے۔ روایت ہے کہ حضرت امام طاؤسؒ ایک دن ہشام بن عبدالملک کے دربار میں آئے اور بادشاہ وقت کو یوں نصیحت فرمائی "اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کیجئے اور اذان کے دن سے ڈرتے رہئے۔" ھشام نے پوچھا "اذان کا دن کونسا ہے؟" تو فرمایا "ماذن موذن بینھم ان لعنۃ اللہ علی الظالمین۔"

یہ سنکر ھشام بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ طاؤسؒ نے کہا "محض اس دن کی صفت سنکر یہ حال ہو گیا ہے تو پھر اسے دیکھ لینے سے کیا کیفیت ہو جائے گی۔"

زیاد بن ابیہ ظالم حاکم تھا۔ لوگ اس سے ڈرتے تھے۔ اس کے مظالم کی داستانیں زبان زدِ عام تھیں۔ ربیعؓ بن زیادؓ بن ربیع الحارثیؓ اس حاکم تک کلمۂ خیر پہنچانے کیلئے اس سے ربط رکھتے تھے۔ آپ بلا خوف و خطر بھلائی کی باتوں پر آمادہ کرنے اور برائی سے روکنے کے لئے اسے لکھتے رہتے تھے۔ آپ نے اس کے کسی برے کام میں کبھی ہاں میں ہاں نہ ملائی تھی۔

اس قسم کے مشیر اور رازدار نہ صرف عامۃ الناس کو مظالم سے بچاتے ہیں بلکہ حکمرانوں کو خود ان کے اپنے شر سے محفوظ کرتے ہیں۔ حضرت عمرؓ کے مشیرانِ کار آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ صحابۂ کرام تھے۔ وہ حضرت عمرؓ کو شریعت کے پیمانوں سے ناپتے تھے۔ نہ اس میں کوئی افراط ہوتا تھا نہ تفریط اور حضرت عمرؓ بھی اپنے ساتھیوں کو اسی میزان سے ناپتے تولتے تھے۔ یہ میزان اتنی صحیح اور بے لاگ ہے کہ کبھی اس میں نہ ٹیڑھ پیدا ہوتا ہے اور نہ یہ کسی کی خواہشات کے مطابق جھکتی اور اٹھتی ہے۔

حضرت عمر کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات

حضرت عمرؓ کے بارے بہت کچھ کہا گیا ہے۔ بلاشبہ حضور نبی اکرم صلی

اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلے میں جو کچھ کہا ہے وہ سب سے سچا اور صحیح ترین قول ہے۔ آپ نے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کو آتے دیکھا تو فرمایا "یہ دونوں اہلِ جنت کے بزرگ (سن رسیدہ) سردار ہیں۔ بوڑھے، جوان، پہلے، پچھلے سب اہل جنت ماسوا انبیاء ورسل کے ان کی سرداری میں ہوں گے۔

ماشاء اللہ کیا اعزاز اور کتنی بڑی سعادت ہے؟ ان دو عظیم ہستیوں کے سوا کون ہے جو اس عظیم المرتبت مقام کا مستحق ہو؟ کسی کا درجہ ان تک نہیں پہنچا۔ حدیث میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے گائے اور بھیڑیئے کی گفتگو کا تذکرہ کیا۔ لوگوں نے اس پر تعجب کا اظہار کیا تو آپ نے فرمایا "میں اس پر ایمان رکھتا ہوں اور ابو بکر اور عمر اس پر ایمان رکھتے ہیں۔"

پھر اندازہ کرلیجئے کہ یہ دو حضرات کس مرتبے کے انسان ہیں۔ حضرت عمرؓ کی مزید عزت افزائی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں بھی ہے۔ "بے شک عمر کی رضا رحمت باری ہے۔"

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عمرہ پر جانے کی اجازت طلب کی۔ آپ نے اجازت دیتے ہوئے حضرت عمرؓ سے کہا "اے میرے پیارے بھائی اپنی نیک دعاؤں میں ہمیں بھی شامل رکھنا اور ہمیں بھول نہ جانا۔"

دیکھئے دعا کی فرمائش کر کے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو گویا اپنے لطف و کرم سے سرفراز کر دیا۔ کتنا قابلِ رشک مقام ہے کہ اللہ کے نبی دعا کی فرمائش کر رہے ہیں اور ساتھ کہہ رہے ہیں کہ بھول نہ جانا۔ اے عمر تیرا مرتبہ کتنا بلند اور تیری شان کتنی عظیم ہے! عمرؓ کیلئے یہ اعزاز ہی کافی تھا کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معتمد وزیر تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیوں میں سے ایک پیشین گوئی کا تذکرہ اسد الغابہ میں ان الفاظ میں آیا ہے "میرے بعد تم کچھ نئے کام کرو گے۔ ان میں سے مجھے سب سے محبوب وہ کام ہوں گے جو عمر جاری کرے گا۔"

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ابو بکرؓ اور عمرؓ سے قریبی تعلق خاطر رکھتے تھے۔ جو قدر و منزلت ان دونوں بزرگوں کو دربارِ رسالت میں حاصل تھی وہ کسی

Marfat.com

اور کو میسر نہ تھی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول حدیث کے مستند مجموعوں میں دیکھا جاسکتا ہے۔ "ھذان السمع والبصر۔"

یعنی یہ دونوں (ابو بکر و عمر) میرے لئے کان اور آنکھ کا درجہ رکھتے ہیں۔

مندرجہ بالا احادیث واقوال بڑے قیمتی ہیں مگر ان سے بھی زیادہ بیش بہا شہادت حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے جسے محدثین نے حدیث حسن غریب کا درجہ دیا ہے اور جو ترمذی شریف، مسند احمد، مستدرک حاکم کے علاوہ ابن حیان اور طبرانی نے بھی نقل کیا ہے۔ "لو کان نبیاً بعدی لکان عمر۔"

یعنی اگر میرے بعد کوئی نبی ہونا ہوتا تو وہ عمر ہوتا۔ مسلمانوں کی پوری جماعت میں یہ شرف سوائے حضرت عمرؓ کے کسی کے حصے میں نہ آیا۔ اعزازات بے شمار اور درجات شرف و مجد بے انتہا ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انعاماتِ الٰہیہ کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ کو مخاطب کر کے فرمایا "الحمد اللہ الذی ایدنی بکما۔"

یعنی حمد و تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس نے آپ دونوں سے میری تائید فرمائی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور نبی کریم علیہ الصلواۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا "میں سویا ہوا تھا کہ میرے سامنے کچھ لوگوں کو لایا گیا۔ لوگوں نے جو قمیض پہن رکھے تھے۔ وہ بہت چھوٹے تھے۔ کسی کا قمیض سینے تک تھا تو کسی کا اس سے بھی چھوٹا۔ پھر عمر کا گزر ہوا۔ اس نے جو قمیض زیب تن کر رکھا تھا اسکی لمبائی اس قدر زیادہ تھی کہ وہ زمین پہ گھسٹ رہا تھا۔" لوگوں نے پوچھا "یارسول اللہ آپ کے نزدیک اس خواب کی تعبیر کیا ہے؟" آپ نے فرمایا "دین۔" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کا تذکرہ فرمایا اور حضرت عمرؓ کو اس حوالے سے جنتی اور اعلیٰ درجات جنت پر فائز ہونیکی خوشخبری سنائی۔ ارشادِ نبوی ہے "اہلِ جنت کے مختلف درجات ہوں گے۔ کچھ جنتی اپنے سے بالائی لوگوں کو دیکھیں گے تو

Marfat.com

وہ انہیں آسمان کے افق پر نظر آنیوالے کوکبِ شب کی طرح بہت بلند نظر آئیں گے۔ " صحابہ نے عرض کیا " یارسول اللہ کیا یہ بلند درجات انبیاء کے لئے مخصوص ہوں گے؟ " آپ نے فرمایا " ہاں اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے یہ انبیاء اور ان مخلص اہلِ ایمان کے محلات ہوں گے جو اللہ پر ایمان لائے اور رسولوں کی تصدیق کی۔ " اس حدیث کا مزید حصہ صحیحین اور بعض سنن میں یوں نقل ہوا ہے " بے شک ابو بکر اور عمران لوگوں میں شامل ہیں۔ "

حضرت ابو ہریرہؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " میں نے خواب میں دیکھا کہ میں ایک کنوئیں کی منڈیر پر بیٹھا ہوں۔ کنوئیں پر ایک ڈول تھا۔ اللہ کی توفیق سے میں نے پانی کے کچھ ڈول کھینچے۔ پھر ابنِ ابی قحافہ (ابو بکر صدیق) نے وہ ڈول لے لیا اور ایک یا دو ڈول نکالے۔ اللہ تعالیٰ اسکی مغفرت فرمائے اسکے ڈول کھینچنے میں کچھ ضعف محسوس ہوا۔ پھر اس ڈول کو عمر نے لے لیا اور میں نے لوگوں کے درمیان کوئی ایسا عبقری نہ دیکھا جو عمر کی طرح ڈول کھینچ سکتا۔ اس نے اتنا پانی نکالا کہ لوگوں کے اونٹ اور جانور خوب سیر ہو گئے اور اونٹ اطمینان سے بیٹھ گئے (کوئی پیاسا نہ رہا) "

اس خواب کی تعبیر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے یہ بیان کی کہ اس سے مراد دورِ نبوت کے بعد خلافتِ راشدہ ہے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے عہد میں بہت سے فتنے اٹھے اور اسلام بظاہر کمزور نظر آنے لگا۔ حضرت ابو بکرؓ نے ہر فتنے کو کچلا مگر ان کا دورِ خلافت مختصر رہا۔ پھر حضرت عمرؓ کا دور آیا جو اسلام کی قوت اور عظمت کا سنہری زمانہ اور کامیابیوں کا مرقع تھا۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا " اے عمر جس راستے پر تم جا رہے ہوتے ہو اگر شیطان اس راستے پر آ رہا ہو تو وہ تمہارے خوف سے راستہ چھوڑ جاتا ہے۔ "

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عمرؓ کے بارے میں یہ ارشاد بھی پڑھ لیجئے " بے شک عمر کی یہ شان ہے کہ اس نے جب سے اسلام قبول کیا ہے شیطان جب بھی اس کے سامنے آیا منہ کے بل گر پڑا۔ "

Marfat.com

کون سی خوبی ہے جس کی نسبت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے منسوب نہیں کی؟ اور کون سا شرف ہے جو اس عظیم انسان ابن خطاب کے حصے میں نہیں آیا؟ اے عمرؓ تجھے اس مقام و مرتبے پر ہم مبارک باد پیش کرتے ہیں!

حضرت عمرؓ کے بارے میں خلیفۂ اوّل کی رائے

سیدنا ابو بکر صدیقؓ نے جو انبیاء کے بعد تمام انسانوں میں افضل ترین انسان ہیں حضرت عمرؓ کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار قولاً و فعلاً و تحریراً فرمایا۔ حضرت ابو بکرؓ اپنی زندگی ہی میں چاہتے تھے کہ کسی کو اپنا جانشین مقرر کر دیں۔ چنانچہ مرض الموت میں آپ نے ایک تحریر لکھوائی جس میں حضرت عمرؓ کو اپنے بعد خلیفہ نامزد کیا۔ حضرت عمرؓ کی سختی اور قہاری کے پیش نظر بعض صحابہ کرام نے خلیفۂ رسول سے شکایت کی۔ انہوں نے کہا "آپ نے اپنی زندگی میں عمرؓ کو ہمارے اوپر امیر نامزد کر دیا ہے۔ اب آپ اپنے خدا کے ہاں جانے والے ہیں۔ وہاں کیا جواب دیں گے؟" حضرت ابو بکر نے جواب دیا "میں جب اپنے مولا کے دربار میں پہنچوں گا تو کہوں گا" "**امرت علیھم خیر اھلک**" یعنی میں نے تیری مخلوق پر روئے زمین کے سب سے بہتر انسان کو امیر بنایا ہے۔"

یہ حضرت ابو بکرؓ کی گواہی ہے جس میں انہوں نے حضرت عمرؓ کو روئے زمین پر جملہ اہل اللہ میں سے افضل قرار دیا ہے۔ حضرت ابو بکرؓ حق کے معاملے میں اور امتِ مسلمہ کے مصالح عامہ کے معاملے میں کبھی مداہنت اور ذاتی پسند کو آڑے نہ آنے دیتے تھے۔ آپکی یہ گواہی بھی بالکل بے لاگ اور مبنی بر صداقت ہے۔ جملہ اہلِ ایمان کے درمیان سے عمرؓ اپنی ایمانی قوت اور اپنے اعلیٰ کردار کی وجہ سے قابلِ ترجیح قرار دیئے گئے تھے۔

حضرت ابو بکرؓ بستر مرگ پر تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم آپ کے پاس آئے۔ اس وقت آپ کے گھر کے باہر بعض صحابۂ کرام جمع تھے۔ انہوں نے پیغام بھیجا کہ امیرالمومنین آپ

Marfat.com

عمرؓ کی طبیعت کی سختی کو جانتے ہوئے بھی انہیں ہمارے اوپر امیر مقرر کر رہے ہیں تو اس کا کیا جواز ہے؟ حضرت ابو بکرؓ نے یہ باتیں سنیں تو فرمایا "مجھے بٹھادو" آپ پر نقاہت طاری ہو چکی تھی۔ آپ کو چارپائی پر بٹھادیا گیا تو آپ نے کہا "تم لوگ مجھے خدا کے خوف سے ڈراتے ہو؟ تمہارے امور کا جو ذمہ دار بنایا گیا پھر اس نے اپنا زادِ راہ (تقویٰ کی بجائے) ظلم کو بنایا تو اسکے تباہ ہونے میں کوئی شک نہیں۔ میں کہتا ہوں "اے اللہ میں نے تیری مخلوق میں سے بہترین انسان کو خلیفہ بنایا ہے۔" پھر کہا "میری یہ بات ان لوگوں کو پہنچادو جو باہر جمع ہیں۔" اس کے بعد کمزوری کی وجہ سے پھر بستر پر دراز ہو گئے اور حضرت عثمانؓ کو بلایا۔ حضرت عثمانؓ حاضر ہوئے تو فرمایا "لکھو۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ عہد نامہ ہے جو ابو بکر بن ابو قحافہ نے اس وقت لکھوایا جب دنیا کی زندگی کو خیرباد کہنے والا تھا اور آخرت کی زندگی کا دروازہ اسکے سامنے کھلا چاہتا تھا۔ یہ وہ وقت ہوتا ہے جب کافر بھی ایمان کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ فاجر نیکی کا ارادہ کرتا ہے اور جھوٹا سچ اختیار کر لیتا ہے۔ میں نے امت پر اپنے بعد عمر بن خطاب کو خلیفہ مقرر کیا ہے۔ پس اس کا حکم سنو اور اسکی اطاعت کرو۔ میں نے اللہ، اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، اسکے دین اور تمہارے اور اپنے بارے میں پوری کوشش سے وہی فیصلہ کیا ہے جسے بہتر سمجھا ہے۔ اگر عمر نے عدل وانصاف کیا تو یہ اسکے بارے میں میرے حسن ظن اور علم کے عین مطابق ہوگا اور اگر وہ بدل گیا تو پھر ہر شخص اپنے کیے کا جواب دہ ہے۔ میں نے بہتری اور بھلائی کا ارادہ کیا ہے اور میں غیب کا علم نہیں رکھتا ہے ظالم تو وہ عنقریب جان جائیں گے کہ کس کروٹ الٹتے ہیں۔ والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ،......"

اسکے بعد آپ نے اپنا حکم لفافے میں بند کر کے سربمہر کرادیا۔ اور اس خط کو لیکر حضرت عثمانؓ کے ساتھ گھر سے باہر نکلے۔ عمرؓ بن خطاب اور اسید بن سعید القرظی بھی آپ کے ساتھ تھے۔ آپ نے ہجوم سے کہا "جس شخص کا اس بند لفافے میں نام ہے کیا تم اسکی بیعت کرنے کے لئے تیار ہو؟" لوگوں نے کہا "تیار ہیں۔" بعض لوگوں نے کہا (اور ابن سعد نے طبقات میں اسکی تصریح کی ہے کہ یہ حضرت علیؓ تھے) "ہمیں معلوم ہے کہ اس لفافے میں عمر کا

Marfat.com

نام ہے اور ہم اس پر راضی ہیں۔ " مجمع نے بالاتفاق حضرت ابو بکرؓ کے فیصلے کو تسلیم کیا اور بیعت کا اقرار کر لیا۔ اسکے بعد حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عمرؓ کو تنہائی میں بلایا اور نصیحت فرمائی۔ اسکے بعد عمرؓ کو ساتھ لیکر باہر نکلے اور دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے۔ "اے اللہ میں نے اپنے اس فیصلے سے امت کی بہتری اور خیر کی کوشش کی ہے۔ مجھے ڈر تھا کہ کوئی فتنہ اور آزمائش نہ ان پر آ پڑے پس میں نے نیک نیتی سے وہ فیصلہ کیا جس سے تو باخبر ہے۔ میں نے خلوص سے اجتہاد کیا اور ان پر اس شخص کو خلیفہ مقرر کیا ہے جس کے بارے میں میری رائے ہے کہ وہ ان میں سب سے بہتر اور سب سے قوی ہے۔ وہ ان کی ہدایت اور بھلائی کے لئے ان میں سب سے زیادہ فکر مند اور حریص ہے۔ جہاں تک میرا معاملہ ہے میرے مالک تو جانتا ہے کہ تیرا حکم آچکا ہے پس میرے جانے کے بعد بھی امت محمدیہ کا نگہبان اور محافظ تو ہی ہے۔ بے شک وہ تیرے بندے ہیں اور ان کی پیشانیاں تیرے دستِ مبارک میں ہیں۔ اے اللہ ان کے حکام کو صالح اور نیک بنا دے اور میرے جانشین کو اپنے خلفائے راشدین میں شامل فرما جو رحمتِ عالم اور نیک بندوں کی اتباع کرنے والا ہو۔ "

ابنِ یسار کی روایت ہے کہ جب ابو بکرؓ صدیق کا مرض بڑھ گیا تو آپ نے اپنے مکان کی چھت سے لوگوں کو یوں مخاطب کیا "اے لوگو۔ میں نے ایک میثاق لکھا ہے۔ کیا تم اس سے متفق اور راضی ہو؟" مجمع نے کہا "اے خلیفۂ رسول ہم راضی ہیں" اس موقع پر حضرت علیؓ نے کہا "ہم راضی ہیں بشرطیکہ آپ نے عمرؓ کے حق میں فیصلہ کیا ہو۔ "

اس تفصیل سے سیدنا ابو بکرؓ کی رائے حضرت عمرؓ کے متعلق کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ اس میں خفیہ اور علانیہ ' زبانی اور تحریری ہر لحاظ سے رائے کا مکمل اظہار ہے اور اعتراض کرنے والوں کا جواب بھی ہے۔

ابو بکرؓ اور عمرؓ کے باہمی تعلقات

حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ کے تعلقات بہت گہرے اور برادرانہ تھے۔

Marfat.com

انہوں نے اپنے عظیم جانشین کے بارے میں محض رائے کا اظہار ہی نہیں کیا بلکہ باہمی معاملات کو دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ ان اعلیٰ مقام انسانوں کو ایک دوسرے سے کتنا قرب اور ایک دوسرے کا کس قدر احترام ملحوظ رہتا تھا۔ تاریخ کے کسی دور میں بھی حاکم و محکوم کے درمیان ایسے قابلِ رشک تعلقات نہیں رہے جن کا منظر مدینہ کی اس اسلامی ریاست میں ہم دیکھتے ہیں' خلیفۂ وقت اپنی رفعتِ شان کے باوجود کسی عامی سے عامی آدمی کو بھی اس کے بنیادی حقوق سے کسی حالت میں محروم نہ کر سکتا تھا اور اس طرح کسی معمولی سے معمولی شہری کو بھی خلیفہ پر جائز تنقید اور اسکے احکام کے بارے میں سوال سے نہ روکا جا سکتا تھا۔ لوگ بڑی جراُت اور آزادی سے حاکم وقت سے سوال پوچھتے تھے۔ اس سارے طرزِ عمل کا مقصد امت کی فلاح اور بھلائی کے سوا کچھ نہ تھا۔ اس کے ذریعہ حق کی سربلندی مطلوب تھی۔ اور حق تو اپنی ذات میں حق ہے جو کبھی حالات کے بدلنے سے بدلا نہیں کرتا۔ اسکے اصول محکم اور ناقابل تبدیل ہیں۔ کوئی حق کا اظہار کرے یا نہ کرے حق کے حق ہونے میں کوئی شک نہیں۔ حق کسی کے ماننے سے حق نہیں بنتا بلکہ وہ اپنی ذات میں حق ہوتا ہے خواہ کوئی اسے تسلیم کرے یا اس کا انکار کر دے۔ حق کا اظہار کرنا ضروری اس لئے نہیں کہ اس کے مخفی رہنے سے حق کا کوئی نقصان ہوتا ہے بلکہ اسکی ضرورت نفع عام کی وجہ سے ہے کہ حق منکشف اور واضح صورت میں لوگوں کے سامنے آجائے۔

تاریخِ انسانی میں یہ ایک بے مثال نمونہ ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرؓ کی صحیح قدر پہچانی اور ان کو اپنا جانشین مقرر کیا حالانکہ وہ آپ کے رشتہ دار نہ تھے ان لوگوں نے حق کو پہچانا اور اسکے مطابق عمل کیا۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کے دورِ خلافت میں اقرع بن حابس اور عینیہ بن حصن خلیفۃ الرسولؓ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ معاشی حالات کی تنگی کی وجہ سے ان کو کافی پریشانی لاحق ہے۔ انہوں نے درخواست کی کہ انہیں اسلامی ریاست کی زمینوں میں سے کچھ زمین عطا کر دی جائے۔ حضرت ابو بکرؓ نے ان کی درخواست پر انہیں فرمان لکھ دیا۔ جو صحابہؓ اس وقت موجود تھے ان سے شہادت کے طور پر دستخط بھی کرا دیئے۔ حضرت عمرؓ اس وقت موجود نہ تھے۔

Marfat.com

اقرع بن حابس اور عینیہ بن حصن وثیقے کی مزید پختگی کے لئے حضرت عمرؓ کے پاس دستخط کرانے کے لئے گئے۔ آپ نے وہ وثیقہ ان سے لیااور پڑھنے کے بعد اسے پھاڑ دیا۔ وہ دونوں حضرات بہت برہم ہوئے اور حضرت ابو بکرؓ کے پاس آکر واقعہ بیان کیا۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ "خلیفہ آپ ہیں یا عمر بن خطاب؟"

حضرت عمرؓ دربارِ خلافت میں پہنچے تو مسئلے پر گرما گرم بحث جاری تھی۔ آپ نے فرمایا "حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں جب اسلام کمزور تھا تو آپ لوگوں کو تالیفِ قلب کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کچھ دیا دلایا کرتے تھے۔ اب اسلام کو اللہ نے قوی کر دیا ہے۔ تم چاہو تو اسکا ساتھ دو نہ چاہو تو تمہاری مرضی۔ بہرحال جو زمینیں سب مسلمانوں کے لئے ہیں ان میں سے تمہیں کس بنیاد پر عطیہ دیا جائے؟"

حضرت عمرؓ نے خلیفۂ رسول کے سامنے اپنا موقف پیش کیا۔ ان کا موقف حق سے زیادہ قریب تھا۔ خلیفۂ راشد اور ان کے ساتھیوں نے جو فیصلہ پہلے کیا تھا اسے اپنی انا کا مسئلہ بنانے کی بجائے حق کا ساتھ دیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے اس معاملے میں حضرت عمرؓ کی رائے کو زیادہ مبنی بر حق اور قوی تر قرار دیا تھا اس لئے آپ نے اپنی رائے سے رجوع کر لیا تھا۔

سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ کا یہ فعل خلیفۂ وقت کے فیصلے کو نہ ماننے کے مترادف ہے اور یہ پسندیدہ بات نہیں نہ یہ معروف پروٹوکول کے مطابق ہے مگر اصل بات یہ ہے کہ وہ دور اپنی خصوصیات رکھتا تھا۔ اس میں خلیفۂ وقت اپنی رفعتِ شان کے باوجود تنقید سے مبّرا اور قانون سے بالاتر تصور نہ ہوتا تھا۔ وہ بھی امت کے عام آدمیوں کی طرح اپنے فیصلوں کے بارے میں جوابدہ ہوتا تھا، حقیقی مساوات امت کے درمیان موجود تھی اور حق وصداقت معیارِ حسن وقبح تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس معاملے میں اگرچہ سختی کی مگر حق ان کے ساتھ تھا اسی لئے نہ تو خلیفہ وقت نے اور نہ کسی دوسرے صحابی نے ان کو سرزنش کی بلکہ خلیفۂ راشد نے اپنے فیصلے سے رجوع کر کے عظیم مثال قائم فرمائی۔ حضرت عمرؓ چاہتے تھے کہ ذاتی اثرورسوخ اور خاندانی پس منظر و وجاہت کی بنیاد پر لوگ عامۃ

Marfat.com

الناس کے مقابلے میں مراعات حاصل کرنے کا دروازہ نہ کھولیں کیونکہ اس سے معاشرے میں ناقابلِ علاج بیماریاں جنم لیتی ہیں۔

میرے خیال میں اس واقعہ کا تجزیہ درج ذیل ہے۔

۱۔ خلیفۂ وقت نے امت کے دو افراد کو کچھ دینے کا فیصلہ کر دیا حالانکہ ان افراد کا اس پر کوئی استحقاق نہ تھا۔

۲۔ یہ دونوں افراد بھی بااثر تھے، قبائل کے سردار تھے اور اسی عصبیت و مرتبہ کو حصولِ مقصد کا ذریعہ بنانا چاہتے تھے۔

۳۔ تالیفِ قلب کے متعلق لوگوں نے غلط تاثر لیا کہ یہ ہر حال اور ہر دور میں جاری و قائم رہیگا۔

۴۔ حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عمرؓ کے فعل کو قبول فرمایا کیونکہ شرعاً انہوں نے اسے زیادہ قرینِ صواب پایا تھا۔

۵۔ دونوں افراد نے حضرت ابو بکرؓ کو حضرت عمرؓ کے خلاف بھڑکانا چاہا۔

۶۔ حضرت ابو بکرؓ نے سکوت فرما کر اس فتنے کا سدِباب کر دیا۔

۷۔ حاکم و محکوم اپنے دین کو اچھی طرح سمجھتے تھے اس لئے ان کے درمیان مکمل افہام و تفہیم موجود تھا۔

اس موقع پر حضرت ابو بکرؓ کا قابلِ قدر موقف ہمیں بتاتا ہے کہ آپ غصے اور جھنجلاہٹ سے بالاتر تھے اور افراد کی قدر و قیمت سے باخبر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے جسے جو کچھ سمجھ بوجھ عطا فرمائی تھی اس پر کسی کے دل میں کوئی حسد نہ تھا بلکہ مکمل یک جہتی اور حق کے سامنے کامل اطاعت کا جذبہ کارفرما رہتا تھا۔ یہ معاشرہ سراسر خیر پر مبنی تھا۔ جو لوگ حقیقت سے زیادہ ظاہری ٹیپ ٹاپ کے قائل اور پروٹوکول کے غلام ہیں انہیں یہ مثالیں زیادہ پرکشش نظر نہیں آتیں مگر مسلمانوں کی بھلائی ظاہری تکلفات پر منحصر نہیں بلکہ اس کا دارومدار جوہرِ ایمان اور صفائے باطنی پر ہے۔

Marfat.com

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "ان لوگوں کا کیا حال ہے جو قریش کے دونوں عظیم المرتبت سرداروں اور مسلمانوں کے قابلِ احترام بزرگوں (ابو بکرؓ و عمرؓ) کے بارے میں غیر ذمہ دارانہ گفتگو کرتے ہیں۔ ایسے غیر ذمہ دارانہ کلام سے میں بری الذمہ ہوں اور ان لوگوں سے میرا کوئی سروکار نہیں۔ ان کا کلام قابلِ مواخذہ واحتساب ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے حکم سے دانے اگتے اور گٹھلیاں ، پھٹ کر کونپلوں کی شکل اختیار کرتی ہیں ان دونوں بزرگوں سے وہی محبت کرتا ہے جو متقی اور مومن ہے اور ان سے نفرت بھی وہی کرتا ہے جو فاجر اور گمراہ ہے۔ یہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائی' دوست اور وزیر تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابو بکرؓ کی وفات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں "جب خلیفۃ المسلمین ابو بکر صدیقؓ کا آخری وقت آیا تو آپ نے خلافت کے لئے سوچا اور عمرؓ بن خطاب کو اسکے لئے اہل ترین فرد پایا اگر آپ حق کے معاملے میں بہت پختہ نہ ہوتے تو ممکن تھا کہ اپنے بیٹے کو نامزد کر دیتے۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ مردِ حق آگاہ و حق گو تھے۔ آپ ہر کسی کو اس کا حق اور مقام عطا کیا کرتے تھے چنانچہ آپ کا یہ قول قابلِ مطالعہ ہے۔ "ابو بکر اور عمر کے مقابلے پر کوئی شخص میری فضیلت بیان نہ کرے ورنہ میں ایسے شخص پر افترا پردازی کی حد جاری کروں گا۔"

ایک مرتبہ سید علیؓ بن ابی طالب ایک دوسرے صحابی ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے گفت گو کر رہے تھے۔ آپ نے فرمایا "اے ابوجحیفہ کیا میں تجھے بتا نہ دوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت کے افضل ترین افراد کون ہیں؟" ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں اپنے دل میں حضرت علی سے زیادہ افضل فرد اس امت میں سے کسی کو نہ جانتا تھا مگر عرض کیا "ضرور

بتایئے "۔ آپ نے کہا " رسول پاک کے بعد ابو بکرؓ ہے اور ابو بکر کے بعد عمر

حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ نے آپ کی چارپائی کے پاس کھڑے ہو کر یہ الفاظ کہے " جانے والے مسافر تو نے اپنے پیچھے دنیا میں کوئی شخص نہیں چھوڑا جس کے بارے میں میں رشک کروں کہ اس جیسے اعمال کے ساتھ میں اپنے رب کے دربار میں حاضری دوں۔ آپ کے اعمال کو دیکھ کر میں نے ہمیشہ تمنا کی کہ مجھے ایسے اعمال نصیب ہو جائیں۔ " اور اس زادِ راہ کو لیکر میں دائمی ٹھکانے پر پہنچ جاؤں۔ میں رسول اللہ علیہ وسلم کی زبانِ اقدس سے اکثر سنا کرتا تھا کہ آپ فرماتے " میں آیا اور ابو بکرؓ و عمرؓ آئے یا میں داخل ہوا اور ابو بکرؓ و عمرؓ داخل ہوئے 'میں نکلا اور ابو بکر و عمرؓ نکلے...... " مجھے یہی امید تھی کہ تم اپنے محبوب ساتھیوں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر سے جا ملو گے۔ اب تم ان سے ملنے چلے گئے ہو۔ "

حضرت ابنِ عباسؓ کی رائے

اس امت کے مستند عالم اور رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں " حضرت عمر بڑے دانا اور محتاط مردِ مومن تھے۔ اللہ کی نافرمانی سے ڈرتے رہتے اور اس پرندے کی طرح جس کے لئے جال پھیلا دیا گیا ہو اور پھندا لگا دیا گیا ہو اور اسے اس کا علم بھی ہو چکا ہو نہایت باریک بینی اور احتیاط سے قدم اٹھاتے تھے۔ جس طرح پرندہ جال میں پھنس جانے سے خائف رہتا ہے اسی طرح حضرت عمرؓ معصیت میں مبتلا ہو جانے کے تصور ہی سے خائف رہا کرتے تھے۔ "

عبداللہ بن عباسؓ سے زیادہ بہتر اور مکمل نقشہ کون پیش کر سکتا ہے؟ ابنِ عباسؓ نے باریک بینی اور ذہانت سے حضرت عمرؓ کے اوصاف بیان فرمائے ہیں۔ آپ امیر المومنین عمرؓ بن خطّاب کا تذکرہ فرماتے تو لوگوں کو تاکید کرتے " عمرؓ کا اکثر ذکر کرتے رہا کرو۔ ان کا ذکر دراصل عدل و انصاف کا ذکر ہے۔

Marfat.com

اور عدل وانصاف کا ذکر کرو گے تو فی الحقیقت یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ذکر ہو گا۔ اس طرح عمر کا ذکر خیر ہی کا باعث ہے۔ "

مندرجہ بالا قول میں حضرت عمرؓ کے تذکرے کی غایت حضرت ابن عباسؓ نے یہ بیان کی ہے کہ اس سے عدل وانصاف کی مثالیں لوگوں کے سامنے آتی رہیں گی اور وہ اپنے دل ودماغ میں عدل کا دائمی اور محکم نقشہ جما سکیں گے۔ وہ عدل اب ہماری دنیا اور ہمارے دور میں عنقا ہو چکا ہے۔ افراد کے دل بھی اس سے خالی ہیں اور معاشرے کے چلن میں بھی اس کی مثالیں مفقود، انسان کا مقدس خون انسان ہی کے ہاتھوں نہایت ظالمانہ اور وحشیانہ طریقے سے بہایا جا رہا ہے۔ معصوم انسانی خون سے زمین کا چپہ چپہ سرخ ہو گیا ہے اور یہ ہولی مسلسل کھیلی جا رہی ہے۔ عدل ہر شخص پر ہر حال میں اور ہر فرد کے بارے میں واجب ہے۔ آہ آج ہم اس سے محروم ہو چکے ہیں!

طلحہؓ بن عبید اللہ کا خراج عقیدت

طلحہؓ بن عبید اللہ، حضرت عمرؓ کو یوں خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں "عمرؓ ہم میں سب سے زیادہ قدیم الاسلام اور ہجرت میں سب سے مقدم نہ تھے مگر وہ ہم سب سے زیادہ دنیا سے بے رغبت اور آخرت کے طلبگار تھے۔ "

خشیتِ الٰہی کی صحابہ کی جماعت میں کتنی قدر وقیمت تھی! وہ خوب جانتے تھے کہ مومن کا زیور خوفِ خدا اور اس کا کمال آخرت کی جستجو ہے۔ یہ خشیت کتنا بڑا وصف ہے! بندے کے درمیان اور خدا کی ناراضی کا موجب بننے والے اعمال کے درمیان خشیتِ الٰہی دیوار بن کر حائل ہو جاتی ہے۔ صحابۂ کرام کے نزدیک بندے کا مقام ومرتبہ متعین کرنے کے لئے میزان ہی یہ تھی کہ وہ اپنے خالق سے کتنا ڈرنے والا ہے۔ وہ اسی کو اپنے درمیان بہتر اور بلند درجہ شمار کرتے تھے جو دنیا سے بے رغبت، مادہ پرستی سے دامن بچانے والا اور آخرت کا طلبگار ہوتا تھا۔ یہی ان کا معیار تھا اور یہی پیمانہ۔ ہم تو ان پیمانوں سے بالکل نابلد ہیں۔ اگر لوگوں کا مقام ومرتبہ متعین کرنے میں ہم انہی پیمانوں کی

Marfat.com

طرف پھر سے رجوع کرلیں تو ہماری کایا پلٹ جائے۔ آج ہم جس ذلت و ادبار کا شکار ہیں اس سے نکلنے کا یہی ایک راستہ ہے۔

زھد و تقویٰ، نہ کہ رھبانیت

صحابہ کرام کا زہد و تقویٰ مثالی تھا مگر ان کے ہاں ترکِ دنیا اور رھبانیت کا کوئی تصور نہ تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ دنیا کی زندگی میں اپنے آپ کو جوگیوں کی طرح اذیت میں مبتلا کرنے کے ہرگز روادار نہ تھے۔ دنیا سے ان کی بے رغبتی اور زہد کا مطلب یہ بھی نہیں تھا کہ وہ موت کی تمنا کرتے تھے۔ ان کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ جب تک زندگی ان کے لئے باعث خیر اور حصولِ رضائے الٰہی کا ذریعہ ہے وہ زندہ رہیں اور جب موت ان کے حق میں باعثِ خیر و فلاح ہو تو وہ دنیا سے اٹھا لئے جائیں۔ ان کے نزدیک نہ تو زندگی مقصود بالذاتِ تھی اور نہ موت ہی مطلوب بالذات تھی۔ وہ خیر و بھلائی کے طلبگار تھے۔ یہاں ہوں یا وہاں۔

صحابۂ کرام کا زہد یہ تھا کہ وہ دنیا کے غلام اور پجاری نہ تھے وہ مادہ پرستی پر جان چھڑکنے والے دنیادار نہ تھے۔ البتہ وہ راہِ خدا میں اپنا سب کچھ بے دریغ لٹا دینے کے لئے ہردم کمربستہ رہتے تھے۔ جان و مال سب کچھ اللہ کی امانت سمجھتے تھے۔ قربانی دیتے وقت نہ کبھی روئے نہ ڈگمگائے۔ وہ اللہ کے ہاں جس عظیم اجر کے امیدوار تھے اسکے مقابلے پر جان' مال' اولاد' غرض پوری دنیا کی کوئی حیثیت ہی نہیں تھی۔ یہ متاعِ حقیر ہے اور وہ نعیم لازوال! جب ہم کہتے ہیں کہ وہ دنیا سے بے رغبت تھے تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ وہ اپنے گھروں کے دروازے مقفل کرکے گوشہ نشین ہوگئے تھے بلکہ وہ دنیا بھر میں گھومتے پھرتے تھے۔ زمین کی وسعتیں ان کی جولان گاہ تھیں۔ وہ طلب علم کے لئے پابہ رکاب رہتے اور دینِ حق کی دعوت و تبلیغ کے لئے رختِ سفر باندھے رکھتے تھے۔ جہاد فی سبیل اللہ اور اسکی تیاری ان کا مقصدِ زندگی تھا اور وہ دشمنان اسلام کا مقابلہ کرنے کے لئے ہمیشہ مستعد اور تیار رہتے تھے۔ دنیادار جو کام

Marfat.com

کرتے ہیں یہ بھی وہ کام کرتے تھے مگر رضائے الٰہی مقصدِ حقیقی ہوتا تھا۔
کوئی کام اور مشغولیت، کوئی مسئلہ اور ہنگامہ انہیں خدا تعالیٰ کی یاد سے غافل نہ کر سکتا تھا۔ وہ ہمیشہ اللہ کی طرف متوجہ اور اسکے احکام کے پابند رہا کرتے تھے۔ نہ انہیں موت کا کوئی خوف تھا اور نہ دنیا سے اٹھ جانے کا کوئی غم۔ موت آج آجائے یا کل اس پر کیا پریشان ہونا۔ وہ تو اپنے وقت مقررہ پر آجائے گی۔ ان لوگوں نے اپنی اخروی زندگی کی فکر کو ہمیشہ پالا اور وہاں کی کھیتی کو خوب آباد کیا۔ چونکہ وہاں ان کا گھر آباد اور نعمتوں سے بھرا ہوا تھا اس لئے وہاں جانا ان کے لئے باعثِ صد مسرت تھا۔ وہاں جانے سے خوف تو وہ کھائے جس کے لئے جیل خانہ منتظر ہے۔ میں تو صحابہ کے زھدو بے رغبتی کا یہی مفہوم سمجھتا ہوں۔

عبداللہؓ بن مسعود کی رائے

عبداللہؓ بن مسعود حضرت عمرؓ بن خطاب کی سیرت کے کچھ گوشے ہمارے سامنے یوں پیش کرتے ہیں۔ "جوں ہی عمرؓ اسلام میں داخل ہوئے ہم (اہلِ اسلام) قوی اور معزز ہوگئے۔ عمر صاحبِ علم تھے۔ اگر عربوں کے سب قبائل کا علم ایک پلڑے میں اور عمرؓ کا علم دوسرے پلڑے میں رکھا جائے تو عمرؓ کا علم زیادہ ہوگا۔ ہم لوگوں کا خیال ہے کہ عمر نے توفیقِ الٰہی سے علم کا ۹/۱۰ حصہ پایا۔ جہاں تک میرا تعلق ہے میں عمرؓ کی مجلس میں ایک نشست کو سال بھر علم حاصل کرنے سے زیادہ اہم مفید سمجھتا تھا۔"

حضرت ابنِ مسعودؓ کا مندرجہ بالا قول بالکل درست ہے۔ حضرت عمرؓ کی مجلس میں ایک گھڑی بیٹھنا اجر اور ثواب کے لحاظ سے بھی اور دینی و عملی دولت جمع کرنے کے لحاظ سے بھی سال بھر کی طلبِ علم سے زیادہ مفید ہے۔ ابنِ مسعودؓ نے حضرت عمرؓ کے اسی قیام و مرتبہ کی وجہ سے یہ کہا تھا ورنہ حکمرانوں کے درباروں میں بیٹھنا ان کے نزدیک نہ باعثِ فخر تھا نہ موجبِ ثواب۔

صحابۂ کرام کی شان ہر معاملے میں بلند ہے۔ وہ اپنے ساتھیوں کی قدر و

قیمت خوب جانتے تھے پھر اس کا اظہار محض زبان و قلم ہی سے نہیں بلکہ دل کی گہرائیوں سے کرتے تھے۔ ان کے دل کی دھڑکنیں ان کی زبان کا پورا ساتھ دیتی تھیں۔ نہ کوئی تکلف نہ تصنع۔ وہ حقیقی محبت جو ان کے دلوں میں موجزن تھی آج ناپید ہو چکی ہے۔ دنیا کی اصلاح کا ایک ہی راستہ ہے کہ وہی پر خلوص اور بے لاگ محبت پھر دلوں میں پیدا کی جائے۔ آج اس محبت کے فقدان نے اعلیٰ مقام شخصیتوں اور قیمتی انسانوں کی بے قدری کر دی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس مخلصانہ محبت کا نمونہ ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں۔ "یہ الحب فی اللہ کس قدر عظیم' موثر اور شریفانہ وصف ہے! حضرت عبداللہؓ ابن مسعود کے حقیقی بھائی عتبہؓ بن مسعود فوت ہوئے تو آپ اپنے بھائی کی جدائی میں غم سے رو پڑے۔ لوگوں نے پوچھا "کیا آپ رو رہے ہیں" فرمایا "ہاں میں رو رہا ہوں۔ یہ نسب میں میرا بھائی تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحابیت میں میرا ساتھی تھا۔ عمر بن خطابؓ کو چھوڑ کر مجھے یہ سب لوگوں سے زیادہ محبوب تھا۔"

عبداللہؓ بن مسعود محض اس وجہ سے نہیں رو رہے تھے کہ ان کا خونی بھائی جدا ہو گیا تھا بلکہ عقیدے اور صحابیت کا ساتھ بھی ان کے پیش نظر تھا۔ بھائی کے ساتھ گہری محبت کے باوجود انہوں نے یہ بھی وضاحت کر دی کہ عمرؓ بن خطاب سے انہیں اپنے اس حقیقی بھائی سے بھی زیادہ محبت تھی۔ انہیں علم تھا کہ عمرؓ اسلام اور اہل اسلام کے لئے ان کے بھائی سے زیادہ نفع مند اور مفید خدمات کے حامل تھے اسی لئے انہوں نے عمرؓ کو ترجیحی سلوک کا مستحق جانا۔ یہی اسلام کا درس ہے کہ ہر مسلم دین کا حق پہچانے اور اسے ادا کرنے کی فکر کرے۔

شاندار ماضی کی طرف رجوع کی دعوت

جس بے لاگ اور مخلصانہ محبت کا تذکرہ اوپر ہوا ہے اگر اس کا ساغر ہمیں بھی نصیب ہو جائے تو امت اسلامیہ آج جن سیاسی' اقتصادی' قانونی اور

Marfat.com

فقہی مسائل سے دوچار ہے ان کا حل آسانی سے مل جائے۔ ہر ملک میں مسلمان مصائب کا شکار ہیں اور اس کا سبب بالکل واضح ہے۔ اسلامی فکر سے ہم بے بہرہ ہیں۔ مثال کے طور پر کسی بھی اسلامی ملک کے اداروں کا جائزہ لے لیجئے۔ کسی مخصوص ادارے کا سربراہ جو نام کا مسلمان ہے وہ اسلام سے کوسوں دور نظر آئے گا کیونکہ اس نے مخصوص و متعین نظام کے تحت ان اداروں میں تعلیم و تربیت حاصل کی ہے جن کا اپنا زاویہ اور اپنا نظام اپنی فکر اور اپنا نصاب ہے۔ اسی قسم کے کسی ادارے کو کسی دوسرے اسلامی ملک میں دیکھئے۔ اس کا سربراہ بھی اس ادارے کو چلانے کے لئے جس قسم کے تربیتی کورس سے نکلا ہے وہ اسلام سے بعید ہے۔ پھر ستم بالائے ستم یہ کہ ہر دو اداروں کا نظام ایک دوسرے سے متماثل اور موافق ہونے کی بجائے متناقض اور مخالف ہوگا۔ (کہیں فرانسیسی ہے تو کہیں برطانوی، کوئی امریکہ کا غلام ہے تو کوئی روس کا حاشیہ بردار ہے) پھر اسلامی فکر کہاں سے آئے گی بلکہ یکساں سوچ اور ہم آہنگی بھی پیدا نہیں ہو سکتی۔ ہر ایک اپنے اپنے رخ پر چلا جا رہا ہے گویا اپنی اپنی ڈفلی اور اپنا اپنا راگ کی سی کیفیت ہے۔

یہ معاملہ بہت زیادہ غور و فکر کا محتاج ہے۔ مختلف ممالک کا موازنہ نہ بھی کیا جائے بلکہ کسی ایک ہی ملک کے کسی ادارے کو ٹیسٹ کیس بنا کر مطالعہ کیا جائے تو صورتِ حال یوں نظر آتی ہے کہ ہر نیا آنے والا سربراہ نئی فکر اور نیا لائحۂ عمل لے کر آتا ہے۔ ماتحت عملہ حیران رہ جاتا ہے کہ وہ سابقہ روٹین کے مطابق چلے یا نئی ڈگر اپنائے اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ادارہ اپنی افادیت کھو بیٹھتا ہے۔ اسکی کارکردگی اور پیداوار بھی متاثر ہوتی ہے۔ یہ ہماری بہت بڑی کمزوری ہے اور اس کا حل ہمیں کہیں سے ادھار لینے کی بجائے اپنی ہی زریں تاریخ سے ڈھونڈنا چاہیئے۔ جس طریقہ کار سے کل امت کو کامیابی سے ہم کنار کیا تھا آج بھی وہی اسکے دکھوں کا مداوا بن سکتا ہے۔

حقِ نصیحت:

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ یمن سے واپس مدینہ لوٹے تو ان کے پاس

Marfat.com

اچھاخاصامال تھا۔ انہوں نے بیت المال کی امانتوں سے تجارت کی اور نفع کمایا۔ امانتیں واپس کر دیں اور نفع اپنے پاس رکھا۔ حضرت عمرؓ نے خلیفہ رسول ابو بکر صدیقؓ سے کہا کہ وہ معاذ کو حکم دیں کہ نفع بیت المال میں جمع کرا دیں۔ حضرت عمرؓ ایسے معاملات میں نہایت باریک بین اور دقیق نظر رکھتے تھے۔ اس معاملے میں بھی ان کا موقف جلال و جمال کا حسین امتزاج نظر آتا ہے۔ اس معاشرے میں ہر شخص اپنی رائے کا بے لاگ اور پُر خلوص اظہار کیا کرتا تھا۔ اصول پیش نظر ہوتے تھے جن کے سامنے شخصیات کو چنداں اہمیت نہ دی جاتی تھی۔ معاشرہ پاکیزہ تھا اور معاملات کھرے۔

اس واقعہ کی تفصیل یوں ہے کہ فتح مکہ کے سال میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذؓ بن جبل کو سرکاری ذمہ داریاں ادا کرنے کے لئے یمن بھیجا۔ یمن میں قیام کے دوران معاذ مختلف مشکلات و مصائب کا شکار ہوئے مگر اپنے فرائض تن دہی سے سرانجام دیتے رہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خط لکھا "مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہیں راہِ خدا میں آزمائش سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ تمہارا مالی نقصان بھی ہوا ہے اور اب تم مقروض ہو چکے ہو۔ اگر تمہیں کوئی ہدیہ ملے تو اسے قبول کر لینا۔"

معاذؓ یمن میں امارت کے فرائض سرانجام دیتے رہے اور بیت المال کی امانتوں کو تجارت میں لگا دیا۔ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد یمن سے حجاز واپس آئے۔ آپ پہلے شخص تھے جنہوں نے بیت المال کی رقوم سے تجارت کی۔ ان کی مدینہ آمد پر حضرت عمرؓ نے امیر المومنین سے درخواست کی کہ معاذ کے پاس ان کی ضروریات کے لئے رقم چھوڑ کر باقی تمام بیت المال ان سے وصول کر لی جائے۔ حضرت ابو بکرؓ نے یہ سن کر فرمایا "حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکماً یمن بھیجا تھا اور وہاں ان پر ابتلا بھی آیا۔ اب میں تو ان سے کچھ بھی نہیں مانگوں گا (سوائے بیت المال کی اصل رقم کے) ہاں البتہ وہ خود بطیب خاطر دے دیں تو ٹھیک ہے۔"

حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عمرؓ کی رائے کو قبول نہ کیا مگر موخر الذکر کو اپنی رائے کے حق ہونے کا یقین بھی تھا اور اس پر اصرار بھی۔ آپ بلا تکلف حضرت

Marfat.com

معاذؓ کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے اس موضوع پر گفتگو کی کہ ممکن ہے وہ اس رائے سے متفق ہو جائیں۔ حضرت معاذؓ نے کہا "میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے یمن گیا تھا حالانکہ میں جانا نہ چاہتا تھا۔ اب میں تمہاری رائے کو قبول نہیں کرتا۔"

حضرت عمرؓ کا امیر المومنین کے پاس جانا خدا نخواستہ معاذؓ سے کسی رنجش کی وجہ سے نہ تھا بلکہ وہ تو معاذؓ اور جملہ اہل اسلام کی خیر خواہی اور بھلائی کے خواہاں تھے۔ انہوں نے معاذ کو بھی نصیحت کی مگر معاذؓ نے نصیحت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ حضرت عمرؓ بھی جانتے تھے کہ وہ معاذؓ پر کوئی دباؤ نہیں ڈال سکتے محض نصیحت ہی کر سکتے ہیں۔ انہوں نے نصیحت رد کیے جانے پر نہ تو معاذ کو سخت سست کہا اور نہ دل میں برا مانا۔ انہوں نے اپنا حق ادا کر دیا تھا۔

حضرت معاذؓ نے حضرت عمرؓ کی رائے قبول نہ کی مگر ایک واقعہ ایسا ہوا کہ جس نے حالات کا رخ ہی بدل ڈالا۔ وہ حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور کہا "میں تمہاری نصیحت قبول کرتا ہوں اور تمہارے حکم کی اطاعت کرتا ہوں کیونکہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں پانی کے ایک تالاب میں ہوں جہاں میرا غرق ہو جانا یقینی نظر آ رہا ہے۔ پھر کیا دیکھتا ہوں کہ تم نے میرا ہاتھ تھام لیا اور مجھے ڈوبنے سے بچا لیا۔"

اس واقعہ کے بعد حضرت معاذؓ جناب خلیفۂ رسول کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کو بھی اپنا خواب اور ارادہ بتا دیا۔ پھر کہا کہ وہ اس مال میں سے کوئی چیز بھی مخفی نہیں رکھنا چاہتے اور نہ اسے اپنے پاس رکھنے کی خواہش ہے۔ یہ سن کر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا "میں اب اس میں سے کچھ بھی نہیں لوں گا۔ میں نے تمہیں ہبہ کر دیا ہے۔" حضرت عمرؓ نے یہ بات سنی اور خوشی سے فرمایا "ہاں اب یہ حلال و طیب ہے۔"

یوں آپ نے دیکھا کہ اسلامی معاشرے اور اسلامی حکومت میں حاکم و رعایا اور خلیفہ اور اسکے ساتھیوں کے درمیان معاملات کیسی نرمی، محبت اور سکون سے انجام پذیر ہوتے ہیں۔ اس واقعہ میں عبرت کے پہلو اور تربیت کا

Marfat.com

سامان موجود ہے۔

۱۔ معاشرے کا ایک فرد خیر خواہی کے جذبے سے نصیحت کرتا ہے اور یہ اس پر واجب ہے۔

۲۔ حاکمِ وقت اسکی رائے سے متفق نہیں ہوتا لہٰذا اسے مسترد کر دیتا ہے۔ یہ اس کا حق ہے کہ جس رائے سے وہ مطمئن نہ ہو اسے رد کر دے۔

۳۔ رائے دینے والا اپنی رائے کے مبنی بر صواب ہونے پر یقین رکھتا ہے مگر رائے کی عدم قبولیت سے نہ تو ناراض ہوتا ہے نہ اپنی رائے کے حق میں تعصب کا مظاہرہ کرتا ہے۔ یہ اسلامی اخلاق و آداب کا نمونہ ہے۔

۴۔ رائے دینے والا فردِ متعلقہ کے پاس جاکر حق نصیحت ادا کرتا ہے مگر وہ بھی اس رائے کو قبول نہیں کرتا۔ اس پر بھی ناصح نہ تو سخت رویہّ اختیار کرتا ہے نہ فرد متعلقہ سے قطع تعلق کرتا ہے۔ یہ شرعی طریقہ کار ہے۔

۵۔ ناصح اپنی انفرادی حیثیت اور حکومت کی حدود سے باخبر ہے۔ جب اسکی بات نہیں مانی جاتی تو وہ شور ہنگامہ نہیں کرتا۔ یہ فہمِ دین کی زندہ مثال ہے۔

۶۔ جسے نصیحت کی جا رہی ہے اس نے آغازِ کار میں نصیحت قبول نہیں کی مگر جوں ہی اس پر حقیقت کھلی ہے تو وہ بلا تردد ناصح کے پاس چلا جاتا ہے۔ اور حاکمِ وقت کو بھی اپنی تبدیل شدہ رائے سے مطلع کر کے اپنی سابقہ رائے سے رجوع کر لیتا ہے۔ حق کی جانب رجوع کر لینا بڑی فضیلت ہے اور دین کی پیروی کرنے میں تو فضائل ہی فضائل ہیں۔

۷۔ فرد متعلقہ مال سے دست برداری کا اعلان کرتا ہے تو حاکمِ وقت اسے مال عطا کرنے کا حکم صادر کر دیتا ہے۔ یوں معاملے کی نوعیت ہی بدل جاتی ہے۔ یہ قانونی مسئلہ ہے۔

۸۔ اب عمرؓ کا دل بھی مطمئن ہو جاتا ہے کیونکہ نوعیت معاملہ بدل جانے سے یہ مال فرد متعلقہ (معاذؓ) کے لئے جائز ہو گیا ہے۔ یہ فقہ اور ادب دونوں کا حسین امتزاج ہے۔

۹۔ سب افراد کے دل صاف ہیں۔ کسی کے دل میں کسی دوسرے کے

Marfat.com

بارے میں کوئی رنجش اور ملال باقی نہیں۔ یہ سچی مومنانہ فطرت کا عملی مظاہرہ ہے۔

۱۰۔ یہ سارا معاملہ بظاہر پیچیدہ ہونے کے باوجود بخیروخوبی اختتام پذیر ہوا کیونکہ ہر شخص کی رائے اسلامی اصولوں پر مبنی تھی۔

خواب اور اسکی حقیقت

معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذکورہ بالا واقعہ میں ان کے خواب کا ذکر آیا ہے۔ اس سے میرا ذہن خوابوں کی جانب منتقل ہو گیا ہے۔ اگرچہ ہمارا موضوع بالکل مختلف ہے مگر میں چاہتا ہوں کہ خوابوں اور ان کے اثرات و نتائج کے بارے میں مختصر گزارشات پیش کر دوں۔ بعض لوگ خوابوں کی بات سن کر مذاق اڑاتے اور خوابوں کو بالکل لایعنی امر تصور کرتے ہیں۔ خواب بیان کرنے اور ان کی تعبیر کرنے والوں سے جھگڑا کرتے ہیں اور جو لوگ خوابوں کو کوئی وزن دیتے ہیں ان کا یہ تمسخر اڑاتے ہیں۔

خواب کیا ہے اور اسکی حقیقت کیا ہے؟ اس پر غور کرنا چاہئے۔ میں یہ تو نہیں کہتا کہ خواب مطلقاً کوئی ایسا ذریعہ معلومات ہے جس سے زندگی کے مسائل و معاملات میں رہنمائی ملتی ہے یا حیات انسانی کے امور طے کرتے وقت خوابوں کو مستند ذریعہ مان لینا چاہئے تاہم میں یہ سمجھتا ہوں کہ خواب ایک روحانی منظر ہوتا ہے اور اس کے نفسیاتی اثرات بھی مترتب ہوتے ہیں۔ لیکن اسکے لئے حدیں اور کچھ بنیادی شرائط ہیں۔ بہتر یہی ہوتا ہے کہ حدود وقیود اور عقل واستدلال کو ملحوظ رکھ کر کسی معاملے کو زیر بحث لایا جائے۔ ہر معاملے کو بالکل نظرانداز کر دینا اور فضول قرار دیدینا ٹھیک نہیں ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ اور احادیثِ مبارکہ میں اس موضوع پر کافی تفصیلی معلومات ہیں کہ وحی ربانی کی آمد سے قبل آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم خواب دیکھتے تھے جو بالکل سچے ثابت ہوتے تھے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ رویائے صالحہ دراصل وحی و نبوت کے لئے اللہ کی جانب

Marfat.com

اوران کی جو تعبیر کی گئی وہ درست ثابت ہوئی اور اس نے انسانی تاریخ پر اپنے دور رس اثرات چھوڑے۔ قرآن مجید کے ان خوابوں پر ایک نظر ڈال لیجئے۔

حضرت ابراہیمؑ کا خواب

حضرت ابرہیم علیہ اسلام نے خواب دیکھا جس کا ذکر سورہ صافات کی آیت نمبر ۱۰۲ میں ہے۔ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کر رہے تھے۔ اس خواب کی اتباع میں جدالانبیاء اپنے لختِ جگر سیدنا اسماعیل علیہ السلام کو راہِ خدا میں قربان کرنے کے لئے نکلے اور بیٹے کے گلے پر چھری رکھ دی۔ دونوں باپ بیٹوں نے حکم ربانی کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا تھا۔ پھر اللہ نے ان کی قربانی قبول فرمائی اور اسماعیل علیہ السلام کی جگہ ایک دنبہ پیش کیا جسے ذبح کیا گیا۔ اس دنبے کو قرآن حکیم نے "ذبح عظیم" کہا ہے۔

حضرت یوسفؑ کا خواب

حضرت یوسف علیہ السلام کے خوابوں کا ذکر بھی قرآنِ مجید میں موجود ہے۔ ان کا پہلا خواب سورہ یوسف کی آیت نمبر ۴ میں بیان ہوا ہے جس میں وہ اپنے والد گرامی قدر سیدنا یعقوب علیہ السلام کو بتاتے ہیں کہ "اے ابا جان، میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ گیارہ ستارے اور چاند سورج مجھے سجدہ کر رہے ہیں.........." یہ خواب سچا ثابت ہوا اور حضرت یوسفؑ کے ۱۱ بھائی، باپ اور سوتیلی ماں مصر میں ان کو تختِ شاہی پر متمکن دیکھ کر ادب و احترام سے آداب بجالائے۔ اس پر مفسرین نے بڑی بحث کی ہے کہ سجدہ سے مراد کیا ہے اور اسکی کیفیت کیا تھی لیکن اس سے تو کوئی اختلاف نہیں کہ سورۃ یوسف ہی میں اس خواب کی تعبیر بھی مل جاتی ہے،

(یہ تعبیر مختلف تفسیروں میں پڑھنے کے قابل ہے۔

رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خوابوں کا ذکر قرآنِ عظیم میں

Marfat.com

موجود ہے۔ سورہ الفتح آیت ۲۷ میں ارشاد ہے "فی الواقع اللہ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھایا تھا جو ٹھیک ٹھیک حق کے مطابق تھا۔ انشاء اللہ تم ضرور مسجدِ حرام میں پورے امن کے ساتھ داخل ہو گے، اپنے سر منڈواؤ گے اور بال ترشواؤ گے اور تمہیں کوئی خوف نہ ہو گا۔ وہ اس بات کو جانتا تھا جسے تم نہ جانتے تھے اس لئے وہ خواب پورا ہونے سے پہلے اس نے یہ قریبی فتح تم کو عطا فرما دی۔"

عروہ بن زبیرؓ نے ام المومنین عائشہ صدیقہؓ سے روایت بیان کی کہ آپ نے (عائشہؓ نے) کہا "وحی آنے سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سچے خواب آنے لگے۔ آپ خواب میں جو کچھ دیکھتے روز روشن کی طرح سچ ثابت ہوتا۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور آپ کی رسالت آخری رسالت ہے جس پر وہ سنہری سلسلہ مکمل ہو گیا جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ مختلف اقوام کے درمیان رسول بھیجا کرتا تھا۔ اب دنیا بھر کے انسانوں کے لئے قیامت تک ہدایت کا ایک ہی ذریعہ ہے اور یہ محمد رسول اللہ کی رسالت ہے۔ اس عظیم اور آخری رسالت کے آغاز میں سچے خوابوں کا سلسلہ شروع ہوا۔

جنگِ احد سے قبل حضورؐ کا خواب

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منصبِ نبوت پر مبعوث ہونے کے بعد بھی بہت سے خواب دیکھے۔ آپ نے ان خوابوں کو بیان کیا اور ان کی تعبیر بھی بتائی۔ پھر آپ کی تعبیر کے عین مطابق واقعات رونما ہوئے۔ جنگ احد سے قبل آپ کو ایک خواب آیا جس میں آپ نے ایک شکستہ تلوار، ایک ذبح شدہ گائے اور ایک مضبوط زرہ دیکھی۔ اس زرہ کو آپ نے پہن لیا۔ چنانچہ اس جنگ میں سید الشہدا حمزہؓ اور بہت سے دیگر صحابہ شہید ہو گئے۔ اکثر زخمی ہوئے اور زخمی حالت میں مدینہ پہنچے۔ (حضورؐ زخمی تو ہوئے مگر بحفاظت و سلامتی واپس مدینہ آئے۔) جنگ میں مسلمانوں کی صفیں منتشر ہو گئیں جو شکستہ تلوار کی تعبیر تھیں۔

Marfat.com

زمل الجہنی بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز سے فارغ ہوتے تو نمازیوں کی جانب منہ کر کے اسی طرح پاؤں دوہرا کر کے بیٹھے رہتے جس طرح تشہد میں بیٹھا جاتا ہے۔ پھر آپ ستر مرتبہ حمد و استغفار پڑھتے۔ اسکے بعد صحابہ سے پوچھتے کہ کسی نے کوئی خواب دیکھا ہو تو بیان کرے۔ آپ خواب شوق سے سنتے تھے اور تعبیر بھی بیان کیا کرتے تھے۔

رسولِ اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام خوابوں کو شوق سے سنا کرتے تھے اور لوگوں سے فرمایا کرتے کہ وہ اپنے خواب سنائیں جیسا کہ اوپر کے پیراگراف میں بیان ہوا ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ازراہِ مزاح یہ کام کیا کرتے تھے یا صحابہ کو تسلی دینا مقصود ہوتا تھا؟ حقیقت میں ان میں سے کوئی بھی بات نہیں تھی بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک اچھے اور نیک لوگوں کے خوابوں کی اہمیت تھی۔ آپ کا یہ قول بھی احادیث میں نقل کیا گیا ہے "الروٴیا من اللہ" یعنی خواب اللہ کی طرف سے ہوتے ہیں۔ اب بعض لوگ جو خوابوں کو پسند نہیں کرتے اور ناک بھوں چڑھاتے ہیں ان کی بات کو وزنی سمجھا جائے یا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی جائے؟ اس سوال کا جواب بالکل واضح ہے کہ ہمیں ہر کام میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو اسوۂ حسنہ سمجھنا چاہیئے۔

حضرت ابو ہریرہؓ نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "قربِ قیامت میں مومن کے خواب جھوٹے نہیں ہوں گے اور تم میں سے جو سب سے زیادہ سچا ہو گا اسی کے خواب زیادہ سچے ہوں گے۔"

جب اللہ کے نبی نے یہ فرمایا ہے تو ہم تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر قول کی تصدیق کرنے والے اور آپ کی ہدایت پر چلنے والے ہیں۔ ہمیں ان لوگوں کی پروا نہیں خواہ وہ کوئی بھی ہوں جو خوابوں کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اس موقع پر یہ بات بھی ذہن میں موجود رہنی چاہیئے کہ حضورِ اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سوتے اور جاگتے میں صدق و سچائی کی جو شرط لگائی ہے وہ بنیادی چیز ہے۔

Marfat.com

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکیداً فرمایا ہے" جو شخص (مومن) خواب میں مجھے دیکھے وہ حقیقت میں مجھی کو دیکھتا ہے نہ کہ کسی اور شخص کو کیونکہ شیطان میرا حلیہ اختیار نہیں کر سکتا۔"

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے صحابۂ کرام اکثر اپنے خواب بیان کیا کرتے تھے اور اسی طرح حضورؐ بھی اپنے خواب صحابہ کی مجلس میں بیان کرتے اور پھر خود ہی ان کی تعبیر بتاتے تھے۔ صحیح مسلم میں روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز فرمایا" میں نے خواب میں دیکھا کہ ہم عقبہ بن رافع کے گھر میں ہیں جہاں ہمیں تازہ کھجوریں دی گئیں جو شیریں اور لذیذ تھیں۔ میں نے اسکی یہ تاویل کی ہے کہ ہماری عاقبت دنیا میں بخیر ہو گی اور ہمیں رفعت و بلندی ملے گی نیز یہ کہ ہمارا دین مستحکم ہو گیا ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے"

لھم البشری فی الحیاۃ الدنیا والاخرہ"
یعنی اہل ایمانؓ کے لئے دنیا کی زندگی میں اور
آخرت میں بشارتیں ہیں (سورہ یونس آیت ۶۴)

آپ نے ارشاد فرمایا کہ دنیا کی بشارتیں وہ اچھے خواب ہیں جو اہلِ ایمان دیکھیں یا انہیں دکھائے جائیں۔

قرآن مجید کی سب سے سچی اور معتبر ترین تفسیر تو وہی ہے جو صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے بیان کی جائے۔ ہم نے اپنی بات کا آغاز حضرت معاذؓ کے خواب سے کیا تھا۔ معاذؓ نے ایک بات ماننے سے انکار کیا پھر خواب دیکھ کر اپنی رائے سے رجوع کر لیا۔

سیدنا ابو بکرؓ کا خواب

حضرت حسنؓ کی زبانی سیدنا ابو بکر صدیقؓ کا ایک خواب نقل کیا گیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ابو بکرؓ نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا" یارسول اللہؐ میں نے ایک خواب دیکھا ہے کہ میں نے منقش کپڑے پہن رکھے ہیں اور میں لوگوں کے گھروں میں (صحن میں) گھوم پھر رہا ہوں اور میرے سینے پر دو

نمبر لکھے ہوئے ہیں۔"

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خواب سن کر ارشاد فرمایا "دو نمبر تو دو سالوں کی نشان دہی کرتے ہیں (جو حضرت ابو بکر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد ان کے خلیفہ کے طور پر گزارے)۔ منقش کپڑے تمہاری اولاد کی علامت ہیں جو تمہاری جانشینی کریں گے اور صحن دراصل اس ایذا کی علامت ہے جو لوگوں کے ہاتھوں تمہیں اٹھانا پڑے گی۔

ابو بکرؓ نے خواب سنایا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعبیر بیان کی۔ پھر مومنین کے نزدیک خوابوں کا اعتبار کیونکر نا قابلِ قبول ہو سکتا ہے؟

صہیب رومیؓ

ایک مرتبہ صہیب رومیؓ حضرت ابو بکرؓ کے پاس سے گزرے اور ان سے اعراض برتا۔ حضرت ابو بکرؓ نے پوچھا "تمہیں کیا ہوا ہے کہ مجھ سے منہ موڑ کر گزر گئے ہو؟ کیا مجھ سے تمہیں کوئی تکلیف پہنچی ہے؟" انہوں نے جواب دیا "نہیں خدا کی قسم مجھے آپ سے کوئی تکلیف تو نہیں پہنچی۔ ہاں میں نے ایک ناپسندیدہ خواب دیکھا ہے۔" پوچھا "وہ کیا ہے؟" انہوں نے جواب دیا "میں نے دیکھا کہ انصار کے ایک شخص ابو الحشر کے دروازے پر آپ کھڑے ہیں اور آپ کا ہاتھ آپ کی گردن سے بندھا ہوا ہے۔" سیدنا ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا "تم نے اچھا خواب دیکھا ہے۔ اس کی تعبیر یہ ہے کہ یوم الحشر تک میرے دینِ اسلام کی شیرازہ بندی کر دی گئی ہے۔"

حضرت عثمانؓ بن عفانؓ کا خواب

حضرت عثمانؓ بن عفان نے اپنی شہادت سے قبل خواب میں دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہیں اور ان سے کہتے ہیں "عثمان روزہ ہمارے ہاں افطار کرو" حضرت عثمانؓ روزے سے تھے اور عصر کے وقت شہید کر دئے گئے۔ ان کا خواب سچا تھا۔ وہ عالمِ بالا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس روزے کی حالت میں پہنچے اور آپؐ کے اور آپؐ کے صحابہؓ کرام کے ساتھ افطار کیا۔

Marfat.com

حضرت عمرؓ خوابوں کی تعبیر جانتے تھے۔ کئی مرتبہ آپ خوابوں کی روشنی میں عمال کے تقرر اور تنزلی کا فیصلہ فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ آپ نے مسعد بن حابس طائی کو بلا بھیجا اور پوچھا " میں اگر تمہیں حمص کا قاضی بنا دوں تو کیا خیال ہے؟ کس طرح فیصلے کرو گے انہوں نے کہا " اپنی رائے قائم کرنے کے لئے اجتہاد سے بھی کام لوں گا اور اپنے ساتھیوں سے مشورہ بھی کیا کروں گا۔ " آپ نے کہا " اچھا جایئے۔ " وہ چلے گئے مگر زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ واپس آئے اور کہا " امیر المومنین میں نے ایک خواب دیکھا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ آپ کو سنا دوں۔ "

آپ نے کہا " سناؤ "

مسعد نے بیان کیا " میں نے دیکھا کہ مشرق سے سورج نکل رہا ہے اور اسکے ساتھ فرشتوں کی ایک جماعت ہے۔ عین اسی وقت مغرب سے چاند طلوع ہوتا ہے اور اسکے ساتھ ستاروں کا جھرمٹ ہے۔ " حضرت عمرؓ نے پوچھا " تم کس کے ساتھ تھے؟ " انہوں نے جواب دیا " چاند کے ساتھ۔ " یہ سن کر حضرت عمرؓ نے کہا " تم محو ہو جانے والی نشانی کے ساتھ تھے۔ تم ہماری کسی ذمہ داری اور منصب پر مت کام کرو۔ " پھر انہیں لوٹا دیا۔

اس بحث سے میرا مدعا ہرگز یہ نہیں ہے کہ ہر خواب کو آنکھیں بند کر کے قبول کر لیا جائے۔ ہر خواب نہ کوئی حجت ہوتا ہے اور نہ ہر شخص اس کی تاویل کرنے کا اہل سمجھا جا سکتا ہے۔ ہم تو خوابوں کو اسی معیار پر پرکھیں گے جو حدیث شریف میں ہمیں ملتا ہے۔ اسکے ساتھ ہی صلحائے امت اور فقہائے اسلام کے اقوال کو بھی پیش نظر رکھیں گے کیونکہ قرآن و سنت کی روشنی میں انہوں نے خوابوں کے باب میں حدود و قیود کا تعین کیا ہے۔ مثلاً

۱۔ خواب دیکھنے والا سونے سے قبل باوضو اور پاک صاف ہو۔

۲۔ خواب دیکھنے والا خود متقی اور صالح ہو۔

۳۔ خواب بھی صالح ہو۔

۴۔ وہ خواب زیادہ سچا ہوتا ہے جو رات کے آخری حصے میں نمازِ فجر سے قبل دیکھا جائے۔

۵۔ خواب دیکھنے والا سونے سے قبل پر سکون اور مطمئن ہو اور کسی

Marfat.com

حادثے سے متاثر نہ ہوا ہو۔

۶۔ خواب ان امور سے متعلق نہ ہو جو دن بھر شخص متعلقہ کے سر پر سوار رہتے ہوں اور جن کی باز گشت وہ نفسیاتی طور پر سنتا رہتا ہو۔

۷۔ خواب دیکھنے والا جسمانی اور روحانی غلاظتوں سے پاک صاف ہو۔

اگر مندرجہ بالا شرائط موجود ہوں تو کسی خواب کے بارے مین غور و فکر جائز ہو سکتا ہے اور اسکی تاویل کسی صاحب خیر و علم سے کروائی جا سکتی ہے۔ ایسے خوابوں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا جزو قرار دیا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ اس جزو کے تعین میں اختلاف رائے ہے مگر اسکے نفس وجود میں اختلاف نہیں ہے۔

حضرت انسؓ بن مالکؓ راوی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "نبوت و رسالت کا سلسلہ مجھ پر ختم ہو گیا ہے۔ میرے بعد نہ کوئی نبی ہے نہ رسول۔ یہ خبر سن کر صحابہ پریشان ہو گئے کہ سلسلۂ وحی منقطع ہو جائے گا۔ ان کی پریشانی کو دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مبشرات کا سلسلہ موجود رہے گا۔" صحابہ نے عرض کیا "یارسول اللہؐ مبشرات کیا ہوتی ہیں؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "صالح مسلمانوں کے خواب اور یہ نبوت کے اجزا میں ہے"

عثمان بن جبیر راسبی نے ابو الطفیلؓ کے حوالے سے اسی مضمون کی ایک حدیث بیان کی ہے جسے امام مسلم نے صحیح مسلم میں فضائل صحابہ کے باب میں اور ابن ماجہ نے بھی اپنی سنن میں نقل کیا ہے۔

امام مالکؒ کا قول ہے "سچے خواب نبوت کے اجزا میں سے ہیں اور نبوت کو کھیل تماشا نہیں بنانا چاہئے۔" حضرت امام شافعیؒ مصر میں تھے جب آپ نے حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے متعلق خواب دیکھا جس سے ان کے ابتلا کا پہلو نکلتا تھا۔ چنانچہ امام شافعی نے مصر سے انہیں خط لکھا کہ آزمائش کے لئے تیار ہو جائیں اور ثابت قدم رہیں۔

فقہ کے دو عظیم ائمہ مالک اور شافعیؒ کی خوابوں کے بارے میں رائے آپ کے سامنے آ گئی ہے۔ کیا ہمارے لئے یہ ضروری نہیں کہ ہم بھی اس موضوع کو اپنی زندگی میں سنجیدگی سے دیکھیں اور پرکھیں؟ خوابوں کا مذاق

Marfat.com

اڑانے والے اپنے خیال میں مگن رہیں۔

وہ خوابوں کا مذاق اڑانے کے لئے یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ خواب عالمِ ارواح سے تعلق رکھتے ہیں اور عالمِ ارواح کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ علم الروح امرِ ربی ہے مگر خوابوں کے متعلق جو تفصیلات ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم نے بتادی ہیں اس کے بعد یہ کہنا کہ خوابوں کے بارے میں کوئی بات نہ کی جائے درست معلوم نہیں ہوتا۔ ہم تو کسی بھی شخص کی خاطر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوالِ مطہرہ سے بے نیاز نہیں ہو سکتے خواہ وہ شخص اپنے تئیں اور خلق کے نزدیک بھی کتنا ہی معتبر کیوں نہ ہو۔

حضرت عمرؓ عوام کی نظروں میں۔

سیدنا عمرؓ بن خطاب کے متعلق خواص کی آرا کا مختصر خلاصہ اوپر آچکا ہے مگر عامتہ الناس بھی اس عظیم شخصیت کی قدر و قیمت سے بے خبر نہ تھے۔ ایک عام آدمی نے حضرت عمرؓ کے بارے میں کہا "میں عمر کے پاس گیا۔ وہاں فقہاو خبرا موجود تھے مگر وہ عمرؓ کے سامنے طفلِ مکتب معلوم ہوتے تھے۔ وہ ان کے درمیان فقہ اور علم میں سب سے نمایاں اور ممتاز نظر آرہے تھے۔"

جس طرح عظیم لوگوں کی صحیح قدر و قیمت وہی لوگ پہچان سکتے ہیں جو انہیں کے معیارِ عظمت پر پورے اترتے ہوں اور ان کو قریب سے دیکھنے کا موقع بھی پاچکے ہوں اسی طرح کسی کی عظمت کی گواہی عوام الناس کی زبانی بھی بڑا وزن رکھتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عوام جب کسی حاکم کے دور میں ضروریاتِ زندگی وافر پائیں اور امن وامان کا دور دورہ ہو تو وہ حاکمِ وقت سے محبت کرتے اور اسکی عزت وقدر کرتے ہیں۔ ان کی محبت خالصتہً نیک نیتی پر مبنی ہوتی ہے۔ ایک عامی آدمی اسی حاکم کی عزت کرتا ہے جس نے اسکی زندگی کو راحت و سکون پہنچایا ہو۔

کسی حاکم کی وفات پر اسکی رعایا اور عوام اسکی نیکیوں اور عوام کے ساتھ حسنِ سلوک ہی کے تناسب سے غمزدہ ہوتے ہیں۔ حضرت عمرؓ کی وفات پر یہ بات زبان زدِ عام تھی کہ انسانوں پر اس سے قبل اتنی بڑی مصیبت کبھی نہ آئی تھی۔

Marfat.com

حضرت عمرؓ کے فیصلے بطور دلیل پیش ہوتے تھے

حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد صحابہؓ کرام اور تابعین حضرت عمر کے فیصلوں اور آرا کو بطور دلیل اور نظیر پیش کیا کرتے تھے۔ کبھی کوئی شخص کسی پر اعتراض کرتا تو وہ معترض کو مطمئن کرنے کے لئے حضرت عمرؓ کی مثال کا سہارا لیتا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ معاملہ ان امور سے متعلق ہے جہاں قرآن وسنت میں کوئی واضح حکم موجود نہ ہوتا تھا ورنہ قرآن وسنت کے سامنے کسی کو بطور دلیل پیش کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

الحکم بن عاص حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں فوت ہوا۔ اس کی وفات شدید گرمیوں میں ہوئی۔ حضرت عثمانؓ نے اس کی قبر پر ایک خیمہ لگادیا۔ لوگوں نے اس پر اعتراض کیا تو حضرت عثمانؓ نے جواب دیا "زینبؓ بنت جحشؓ حضرت عمرؓ کے دور میں فوت ہوئیں تو آپ نے ان کی قبر پر خیمہ لگوایا تھا۔ کیا اس دور میں کسی نے ان پر اعتراض کیا تھا؟"

حضرت عثمانؓ نے حضرت عمرؓ کا حوالہ دیا اور لوگ خاموش ہو گئے۔ حضرت عثمانؓ جانتے تھے کہ لوگ حضرت عمرؓ کے فیصلوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

حضرت عمرؓ کے پوتے اور مشہور تابعی حضرت سالم بن عبداللہ بن عمرؓ کہا کرتے تھے کہ حضرت عثمانؓ کو بعض لوگوں نے ایسی باتوں پر ہدفِ تنقید بنایا ہے کہ اگر ویسی ہی باتیں حضرت عمرؓ کرتے تو کوئی ان پر انگلی نہ اٹھاتا۔

حضرت اُمِّ ایمنؓ

حضرت عمرؓ ساری اُمتِ مسلمہ کے لئے قابل تکریم و احترام تھے۔ بڑے چھوٹے، مرد عورت ہر ایک کو آپ کا مرتبہ معلوم تھا۔ جہاں صحابہؓ کرام نے آپ کی تعریف و توصیف بیان کی ہے وہاں صحابیات نے بھی آپ کی شان میں اظہارِ خیال کیا ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر ام ایمن صحابیہ زار وقطار رونے لگیں۔ ان سے پوچھا گیا کہ تم صبر کیوں نہیں کرتیں۔ حضورؐ کو تو بالآخر رفیق اعلیٰ کے ہاں جانا ہی تھا۔ انہوں نے کہا "میں حضورؐ کی وفات پر تو نہیں رو رہی۔ میں تو اس غم سے رو رہی ہوں کہ اب آسمان سے پیغام

Marfat.com

رسائی کا سلسلہ منقطع ہو گیا ہے۔"

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دنیا سے رخصت ہو جانا پوری امت کے لئے از حد دل فگار و جگر خراش واقعہ تھا۔ اس حزن و غم کی کوئی حد و انتہا نہ تھی مگر مسلمان اس حقیقت سے باخبر ہیں کہ موت ہر زندہ کے لئے مقدر ہے اور موت پر انا للہ پڑھ کر مسلمان صبر کرتے ہیں۔

حضرت اُمّ ایمنؓ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت پر اس لئے پھوٹ پھوٹ کر روئیں کہ آسمان سے پیغام لانیوالے (جبریل) کا دنیا میں پیغمبر ربانیؐ سے سلسلہ مواصلت منقطع ہو گیا تھا۔ اسی طرح جب حضرت عمرؓ کو شہید کیا گیا تو اس وقت بھی یہ عظیم المرتبت صحابیہ بہت روئیں۔ ان سے پوچھا گیا کہ وہ کیوں چپ نہیں کرتیں تو جواب دیا "آج اسلام کی مضبوط عمارت میں دراڑ پڑ گئی ہے۔"

اُمّ ایمنؓ کا رونا ایک شخص عمرؓ بن خطاب کی وفات کی وجہ سے نہ تھا بلکہ انہوں نے محسوس کر لیا تھا کہ اسلام پر عظیم ترین مصیبت نازل ہوئی ہے۔ وہ لوگ جانتے تھے کہ اسلام کوئی بے جان آلہ نہیں ہے جو کبھی مشرق کی جانب چل پڑے اور کبھی مغرب کا رخ کر لے۔ نہ یہ مشین ہے جس کی سوئیاں کبھی بلندی کو چھوتی ہیں اور کبھی پستی کی جانب مائل ہو جاتی ہیں۔ بلکہ اسلام اس عقیدۂ حق اور نظریۂ سلیم کا نام ہے جو مردانِ کار کے کندھوں پر اٹھتا ہے اور دنیا میں حقیقی انقلاب برپا کر دیتا ہے۔ جس قدر مخلص، جری اور قابل اعتماد کارکنان اس نظریئے کو مل جائیں اسی قدر شان و شوکت کے ساتھ یہ دنیا میں برگ و بار لاتا ہے اور اپنی بہارِ جان فزا سے انسانیت کو مالا مال کر دیتا ہے۔ اُمّ ایمنؓ صحابیہ تھیں اور ان کے ہم عصر لوگ بھی حضورؐ کی محبت سے فیض یاب تھے۔ اُمّ ایمنؓ کی زندگی میں بے شمار صحابہ دنیا سے رخصت ہوئے۔ ان میں سے ہر شخص قیمتی تھا اور ہر ایک کی جدائی کا صدمہ بہت بڑا تھا مگر اُمِ ایمنؓ کا حضرت عمرؓ کی وفات پر رونا اس بات کی علامت ہے کہ فراستِ مومنانہ سے مالا مال یہ صحابیہ حضرت عمرؓ کی خدماتِ اسلامیہ سے بخوبی واقف تھیں۔

ہندؓ بنتِ عتبہ

ہم میں سے ہر شخص اس خاتون کو جانتا ہے جو تاریخ میں جگر خوار کے نام

Marfat.com

سے معروف ہے۔ یہ ابو سفیانؓ کی بیوی اور امیر معاویہؓ کی والدہ ہند تھیں۔ ان کا والد عتبہ بن ربیع قریش کا مانا ہوا سردار اور مدبر تھا جو جنگِ بدر میں حضرت حمزہؓ کے ہاتھوں مارا گیا۔ احد کے میدان میں اسی کے حکم سے حضرت حمزہؓ کا مثلہ کیا گیا اور اس نے ان کا کلیجہ نکال کر اس کا ہار پرویا۔ ان کا جگر نکال کر اسے دانتوں سے چبایا مگر نگل نہ سکی۔ اپنی قوم کے درمیان اس کا بڑا بلند مرتبہ تھا۔ اس کی ذہانت' اصابت رائے' غیرت و جرأت اور خاندانی وجاہت کا پوری قوم میں شہرہ تھا۔

فتح مکہ کے موقع پر اس نے باقی اہلِ مکہ کے ساتھ اسلام قبول کیا۔ فتح مکہ کے بعد رات کو جب مسلمانوں نے حرم مکی میں اللہ کے حضور رکوع و سجود اور قیام و قعود کے ایمان پرور نمونے پیش کئے تو اس خاتون کے دل پر عجیب اثر ہوا۔ وہ انہیں بلندی سے رات بھر دیکھتی رہی کہ مصروفِ عبادت تھے۔ ایسا منظر بھلا اس سے قبل اس کی آنکھوں نے کب دیکھا تھا؟ وہ بے ساختہ پکار اٹھی "خدا کی قسم اس خانۂ خدا میں کبھی آج کی رات سے قبل میں نے کسی کو عبادتِ رب کا حق ادا کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ بخدا ان لوگوں نے پوری رات قیام اور رکوع و سجود میں گزاری ہے۔"

ہند نے میدانِ احد میں حضرت حمزہؓ کی لاش کے ساتھ جو کچھ کیا تھا اس کی وجہ سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت دکھ پہنچا اور ہند کو اس کا بخوبی احساس تھا۔ اسلام پر ایمان لانے کے بعد حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیعتِ اطاعت کے لئے حاضری کا مرحلہ آیا تو ہند پریشان ہو گئیں۔ تنہا حضورؐ کے سامنے کیسے حاضر ہوں؟ بالآخر ہند نے سوچا کہ عمرؓ بن خطّاب کو واسطہ بنایا جائے چنانچہ ان کے سامنے اپنی مشکل پیش کی۔ عمرؓ بن خطّاب ان کے ساتھ حضورِ اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یوں ہند نے بیعت بھی کی اور اسلام کے بارے میں بعض اہم سوالات بھی پوچھے۔

اس واقعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس معاشرے میں مردوں اور عورتوں سب کے نزدیک حضرت عمرؓ کا مقام و مرتبہ یکساں قابلِ احترام و تکریم تھا۔

Marfat.com

ام المومنین حضرت ام سلمہؓ نے ایک مرتبہ حضرت عمرؓ سے کہا ”اے عمرؓ مجھے تمہارے اوپر تعجب ہوتا ہے۔ تم نے ہر کام میں دخل اندازی شروع کر دی ہے حتیٰ کہ اب تم نے نبی پاک اور ان کی ازواج کے معاملات میں بھی دخل دینا شروع کر دیا ہے۔ !“

بظاہر تو یہ الفاظ ملامت و نکیر کا رنگ لئے ہوئے ہیں مگر حقیقت میں ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ دینی معاملات میں بڑے باریک بین ' دور رس اور محقق تھے۔ وہ عقیدۂ اسلام کے سچے وفادار اور مخلص سپاہی تھے۔ دور و نزدیک ہر جگہ وہ اسلام اور اہلِ اسلام کی خیر اور بھلائی کے لئے کوشاں رہتے تھے۔

الحبُّ لِلّٰہ

عمرؓ اپنے ہم عصروں اور اپنے بعد آنیوالی نسلوں کے نزدیک عظمت و بزرگی کے مستحق قرار پائے۔ یہ عظمت و بزرگی اس تکریم سے بالکل مختلف ہے جو روایتی قسم کے ”عظیم رہنماؤں“ کو حاصل ہوتی ہے۔ اس میں نہ کوئی تصنع ہے اور نہ جبر۔ یہ تو ایک ایسی محبت کی وجہ سے ہے جس میں کوئی لالچ ہے نہ ڈر۔ یہ محبت خالصتاً لوجہ اللہ ہے۔ اس محبت کو دینوی پیمانوں سے نہیں ناپا جا سکتا۔ خون و نسل کے تعلقات دوستی اور رفاقت کا رشتہ ' باہمی دلچسپی اور مفاد کا بندھن غرض کوئی چیز اس محبت کا بدل نہیں ہو سکتی۔ یہ محبت ہی تو فی الحقیقت سچے اہل ایمان کی تمنا ہوتی ہے اور یہی ان کا سرمایہ حیات قرار پائی ہے۔ اللہ کی خاطر تعلق قائم کرنا اور اس کے سوا ہر چیز سے بے نیاز ہو جانا۔ مومن اپنے مومن بھائی کا دوست اور غم گسار ہوتا ہے۔ وہ ایسے رشتے میں منسلک ہوتے ہیں جس کے سامنے باپ بیٹے ' چچا بھتیجے ' ماموں بھانجے اور بھائی بھائی کا تعلق ہیچ ہو جاتا ہے۔ نسب اور خاندان ' عصبیت اور قبیلہ پرستی ' قومیت اور وطنیت کے بت سب خس و خاشاک کی طرح بہہ جاتے ' ہیں۔ مومن آپس میں ایسی محبت کی لڑی میں پروئے جاتے ہیں جو کبھی ٹوٹ نہیں سکتی گویا۔

Marfat.com

کوئی بھی عمل کسی مادی قوت کے بل بوتے پر کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک وہ کسی نظریئے اور عقیدے پر قائم نہ ہو۔ پھر یہ نظریہ اور عقیدہ بھی واضح اور فطری اور مبنی بر حق ہونا چاہیئے۔ اگر اس میں نفاق اور بے راہ روی ہو گی تو کامیابی ناممکن ہے۔

مسلمانوں کا اسلامی عقیدہ بڑی پختہ بنیادوں پر قائم ہے۔ وہ عقیدے کی بنیاد پر بڑی سے بڑی قربانی دیتے ہیں اور کوئی پروا نہیں کرتے۔ اپنے بھائیوں کی خاطر جان کی بازی لگا دینا ان کے نزدیک کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہے۔ وہ تو اس مشکل گھاٹی سے خوشی خوشی گزر جاتے ہیں۔ حجاج بن یوسف اپنی سختی اور ستم کے لئے بہت بدنام تھا۔ اس نے ابراہیم نخعیؒ کو پکڑنے کے لئے اپنے کارندے بھیجے۔ وہ غلطی سے ابراہیم التیمیؒ کے پاس آگئے اور پوچھا کہ ابراہیم ابراہیم تیمیؒ کہاں ہے؟ انہوں نے کہا۔ ابراہیم میں ہی ہوں۔" چنانچہ ابراہیم نخعیؒ کی بجائے ابراہیم تیمیؒ پکڑے گئے۔ وہ جانتے تھے کہ گرفتاری کا حکم ابراہیم نخعیؒ کے لئے ہے مگر کارندے غلطی سے ان کے پاس آگئے ہیں۔ اس کے باوجود انہوں نے وضاحت کرنا مناسب نہ سمجھا تا کہ ابراہیم نخعیؒ اس ظالم کے جور و ستم سے بچ جائیں۔

حجاج نے حکم دیا کہ دیر اس کے جیل خانے میں انہیں بند کر دیا جائے۔ یہ جیل خانہ اتنا سخت تھا کہ نہ وہاں کبھی گرمیوں میں دھوپ سے بچنے کے لئے کوئی سایہ مہیا کیا جاتا تھا اور نہ سردیوں میں اوڑھنے کے لئے کوئی کپڑا فراہم کیا جاتا۔ گرمیاں سردیاں اسی حال میں گزر جاتیں اور بے چارہ بے گناہ قیدی زنجیروں میں جکڑا رہتا۔ ابراہیمؒ کی والدہ انہیں جیل میں ملنے کے لئے آئیں تو پہچان ہی نہ سکیں۔ وہ بولے تو آواز سے پہچانا۔ اسی جیل میں وہ فوت ہو گئے۔ رحمہ اللہ۔

ہمارے اسلافِ صالحین کے پاکیزہ اعمال میں سے یہ ایک مثال ہے وگرنہ ہماری ہی تاریخ اس معاملے میں ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ آپ نے دیکھا کہ ان کے درمیان اسلامی عقیدے کی بنیاد پر کتنا پختہ تعلق خاطر ہوتا تھا۔ وہ اسلامی اخوت کے تقدس اور اس کی قدر و قیمت سے بخوبی واقف تھے۔

Marfat.com

اپنے بھائیوں کے متعلق برائی کا ارادہ یا ان کی جاسوسی تو دور کی بات ہے وہ تو الٹا اپنے بھائیوں کی خاطر جان کی قربانی دے دیا کرتے تھے۔ انہیں یہ کبھی گوارا نہ ہوتا تھا کہ اپنی جان بچانے کی خاطر کسی بھائی کو مبتلائے عذاب کر دیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مومنین کے باہمی تعلق کی کافی و شافی وضاحت فرمادی ہے۔ ایک سچا مسلمان اچھی طرح سے جانتا ہے حضورؐ نے اسے کیا تعلیم دی ہے۔ اسے علم ہے کہ مومنین کے درمیان محبت واخلاص پر مبنی اخوت از حد اہم اور گہرا اثر چھوڑنے والی صفت ہے جبکہ اس محبت و تعلق کی کمزوری اور تعطل از حد نقصان دہ اور باعثِ شر ہے۔ ہم ایسی صورتِ حال سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں "امت مسلمہ کے ساتھ ہر فرد مومن کا تعلق ایسا" ہوتا ہے جیسا سر کا باقی جسم کے ساتھ۔ امت پر کوئی مصیبت دنیا کے کسی حصے میں بھی نازل ہوتی ہے تو سچا مومن اس کا درد محسوس کرتا ہے جس طرح جسم کے کسی بھی عضو کی تکلیف کا دکھ انسانی سر محسوس کرتا ہے۔"

اہلِ ایمان کے نزدیک عقیدے کا تعلق اور اس کا تقدس خونی رشتہ و پیوند سے زیادہ ارفع واعلیٰ اور قوی تھا۔ عبداللہؓ بن عبداللہ بن ابی صادق الایمان مسلمان تھے۔ وہ آنحضورؐ کے جاں نثار صحابی تھے مگر ان کا باپ عبداللہ بن ابی منافق تھا۔ اس نے آنحضرتؐ اور اہلِ ایمان کی شان میں ہرزہ سرائی کی تو اس کا اپنا بیٹا عبداللہؓ مدینہ کے دروازے پر کھڑا ہو گیا اور کہا" خدا کی قسم میں تمہیں مدینے میں داخل نہ ہونے دوں گا جب تک تم حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کی گئی گستاخی کی معافی نہ مانگ لو اور یہ اقرار نہ کر لو کہ اللہ کے رسول معزز ہیں اور تم ذلیل ہو......" عبداللہ بن ابی بہت سٹپٹایا مگر اسے معذرت کرتے ہی بنی اور بالآخر آنحضورؐ نے خود مداخلت کر کے اسے مدینہ میں داخلے کی اجازت دلوائی۔

اس عقیدے کے ماننے والے اس کے تقاضوں کا ادراک رکھتے ہیں اور ان کے ایفا کا پورا پورا اہتمام کرتے ہیں۔ ایثار و قربانی ان کی شانِ امتیازی ہوتی

ہے۔ ابو الحسن الانطا کی ؒ کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ ان کے پاس تیس پینتیس احباب رے کے دیہات میں سے کسی گاؤں سے آئے۔ ابو الحسن خود مردِ درویش تھے اور مہمان بھی اسی گروہ سے تعلق رکھتے تھے۔ روٹیاں تھوڑی تھیں اور افراد زیادہ چنانچہ روٹیوں کے ٹکڑے کر کے دسترخوان پر رکھ دیئے گئے اور چراغ بجھا دیا گیا۔ حاضرین میں سے ہر ایک بھوکا تھا مگر ہر ایک نے ایثار کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہی سوچا کہ باقی احباب کھالیں۔ جب دسترخوان اٹھایا گیا تو ایک بھی ٹکڑا کم نہ ہوا کیونکہ کسی نے بھی منہ میں لقمہ نہ ڈالا تھا۔

غصے کی حالت میں بعض اوقات ایک بھائی دوسرے بھائی کو سخت سست بھی کہہ لیتا ہے اور کبھی کبھار زیادتی بھی کر بیٹھتا ہے مگر اس کا مطلب نہ تو دشمنی اور عداوت ہوتا ہے اور نہ یہ بات قطع تعلقی و درشتی پر منتج ہوتی ہے۔ ایک زیادتی کر بیٹھے تو دوسرا صبر و حلم کے ساتھ برداشت کر لیتا ہے اور زیادتی کرنے والے کو احساس ہوتا ہے تو وہ بلا ادنیٰ تامل معافی مانگنے میں پہل کرتا ہے۔ فضیل بن عیاضؒ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کے پاس کوئی شخص آیا اور ان سے کہا "فلاں آدمی آپ کو گالیاں دیتا ہے۔" آپ نے سن کر فرمایا" جس (شیطان) نے اسے گالیاں دینے پر ابھارا ہے۔ میں اسے کبھی خوش نہیں کروں گا بلکہ اسے جلاؤں گا۔" پھر یہ دعا مانگی "اے اللہ میری بھی مغفرت فرما اور میرے اس بھائی کو بھی بخش دے۔"

اگر تم اپنے محبوب دوستوں کو اس نظریئے کا قائل اور پیروکار بنانا چاہتے ہو جس نظریئے سے تمہیں محبت ہے تو اس کے لئے سختی کی بجائے نرمی اور سرزنش کی بجائے اپنایت کا مظاہرہ کیجئے۔ اگر ان کی کچھ ادائیں تمہیں ناپسند ہیں تو درگزر اور محبت کے شیریں الفاظ سے ان کو اصلاح کی طرف مائل کیجئے۔ بوقتِ ضرورت سختی بھی کی جا سکتی ہے اور محبت و خلوص کے بعد اس سختی کا بھی اپنے موقع پر فائدہ ہوتا ہے مگر ہر وقت لٹھ اٹھائے رکھنا تو کوئی حل نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ میری اور تمہاری سب کی حالت درست کر دے۔ ہم اگر اچھے انداز سے حقِ نصیحت ادا کر دیں اور صراطِ مستقیم پر استقامت کے ساتھ گامزن رہیں تو دوسروں کا ٹیڑھ پن ہمیں کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ ایسا طرزِ عمل اختیار

Marfat.com

کر لینے سے انسان حقیقی اطمینان اور سکون سے بہرہ مند ہو سکتا ہے۔ شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

"اگر تو اپنے آپ کو گدلا پانی پینے کا عادی نہ بنالے تو پھر پیاس سے مر جائے گا۔ آخر کون ہے جسے ہمیشہ صاف و شفاف پانی ہی پینے کو ملتا رہے۔ اگر تو ہر معاملے میں اپنے دوست کو لعن طعن ہی کرتا رہیگا تو پھر جان لے کہ ایسا کامل انسان دنیا میں تجھے نہ ملے گا جو خطا و نسیان سے بالکل پاک ہو۔"

حقِ نصیحت اور اس کے آداب کی بات ہو گئی ہے۔ اب ذرا دوسرا پہلو بھی ملاحظہ کرنا چاہئے۔ جو شخص اپنے مسلم ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور دین پر اور اس کے شعائر پر نکتہ چینی بھی کرتا ہے۔ احکام دین پر عمل پیرا ہونے کی بجائے تارکِ فرائض ہے' حدود اللہ کو توڑتا ہے۔ خواہشاتِ نفس کی پیروی کرتا ہے اور پھر یہ اعلان بھی کرتا ہے کہ وہ اپنے دین' امت اور وطن کے لئے مخلص ہے تو فی الحقیقت وہ اپنے دعوے میں بالکل جھوٹا ہے اور اللہ کے مقابلے پر ناپاک جسارت کا مرتکب ہے۔ یہ بات تو ایک عامی سے تمامی آدمی کو بھی اچھی طرح معلوم ہے کہ جو اپنے رب سے مخلص نہیں' اس کے اوامر و نواہی کی پروا نہیں کرتا وہ کسی اور سے کیسے مخلص ہو سکتا ہے؟ حب الوطنی پسندیدہ صفت اور محمود جذبہ ہے مگر اہلِ ایمان کی جان' مال اور عزت کی حرمت و تقدس ہر چیز سے زیادہ اہم ہے۔ اب آپ ہی بتائیے کہ جو مسلمانوں کی حرمت کو پامال کرتا ہے وہ وطن کی حرمت اور وفاداری کا کیا خیال رکھے گا؟

وطن کیا ہے؟ کیا محض زمین کے کسی خطے کو وطن کہا جاتا ہے؟ نہیں وطن سے خطۂ ارضی اور اس میں رہنے والے اہلِ وطن مراد ہیں۔ سچے محبِّ وطن کے نزدیک زمین کے ذروں کی حرمت مواطنین کی حرمت سے زیادہ نہیں ہوتی۔ جو عقیدے اور اس کے تقاضوں کو نہیں جانتا اس سے کسی خیر و بھلائی کی توقع عبث ہے کیونکہ وہ اپنی ذات کے گنبد میں مقید اور اپنی خواہشاتِ نفس کا غلام ہوتا ہے۔ جس کی ساری پروازِ فکر اپنی ذات اور ذاتی مفادات تک محدود ہو اسے کسی اور چیز کے بارے میں سوچنے کی فرصت ہی کب ملتی ہے؟"

Marfat.com

بات عام فہم اور سادہ ہے کاش کہ لوگ سمجھ لیں۔ جو اللہ کے حقوق پامال کرتا ہے اس سے کبھی خیر ظاہر نہیں ہوتا کیونکہ ایسا شخص بے ضمیر اور بے حس ہو جاتا ہے۔ ایسی حالت کو پہنچ جانے والے بدبختوں سے بھلائی اور خدمتِ اسلام کی توقع فضول ہے۔ انہیں گناہ کا احساس ہی نہیں تو گناہ سے بچنا کیسے ممکن ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے "مومن مخلص اپنے گناہوں کو دیکھتا ہے تو کانپ اٹھتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ وہ ایک پہاڑ کے نیچے کھڑا ہے جو اس کے اوپر گرا ہی چاہتا ہے جبکہ فاجر و نافرمان اپنے گناہوں کو ایسے ہی سمجھتا ہے جیسے مکھی اس کی ناک پہ بیٹھ گئی اور اس نے اسے اڑا دیا۔"

صحابۂ کرامؓ ہمارے لئے نمونہ ہیں کیونکہ وہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ تھے اور آپؐ کی سیرتِ پاک کا عکس اور نور ان کی زندگیوں میں نظر آتا تھا۔ وہ آپس میں عقیدے کی بنیاد پر محبت کرتے تھے۔ دنیا خود بخود ان کے تابع ہو گئی اور آخرت کی کامیابیاں بھی ان کا مقدر بن گئیں۔

حضرت عمران بن حصینؓ اور ان کے والد

حضرت عمران بن حصین نے اسلام قبول کر لیا مگر آپ کے والد حصین اور قوم کے دیگر افراد نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ حضورِ اکرمؐ نے حصین کے سامنے اسلام پیش کیا اور فرمایا کہ اگر تم اسلام میں داخل ہو جاؤ گے تو سلامتی پاؤ گے۔ انہوں نے کہا "میری قوم اور قبیلہ بھی ہے۔ ان کا معاملہ بھی قابل غور ہے۔ پھر مجھے بتائیے کہ میں کیا کروں؟" آپ نے فرمایا "تم یہ دعا کرو کہ اے اللہ تو مجھے سیدھے راستے کی ہدایت دے اور مجھے ٹھیک فیصلہ کرنے کی توفیق بخش اور مجھے نفع بخش علم کثرت سے عطا فرما۔"

حصینؓ نے یہ دعا مانگی اور خدا تعالیٰ نے ان کا دل اسلام کے لئے کھول دیا۔ مجلس سے اٹھنے سے قبل وہ مسلمان ہو گئے۔ حضرت عمرانؓ نے جب اپنے باپ کو کلمۂ شہادت پڑھتے سنا تو بے ساختہ اٹھے اور ان کے سر ہاتھ اور پاؤں چومنے لگے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ منظر دیکھا تو بہت متاثر ہوئے حتیٰ کہ آپکی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور فرمایا "میں عمران کے طرزِ عمل سے

Marfat.com

ازحد خوش ہوا ہوں۔ اسکے باپ حصینؓ مجلس میں داخل ہوئے۔ اس وقت وہ کافر تھے چنانچہ عمرانؓ اپنی جگہ سے نہ اٹھے نہ ہی ان کی جانب توجہ دی مگر جوں ہی انہوں نے اسلام قبول کیا ہے عمرانؓ نے ان کی تکریم و تعظیم کا حق ادا کر دیا ہے۔ میں نے یہ منظر دیکھا ہے تو مجھ پر رقت طاری ہو گئی ہے۔

یہ حصینؓ قبیلہ خزاعہ سے تعلق رکھتے تھے اور بڑے جلیل القدر صحابی تھے۔ ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ راستہ چلتے ہوئے فرشتے ان سے مصافحہ کیا کرتے تھے۔

جنگِ یرموک میں ایثار و قربانی کی اعلیٰ مثال

مسلمانوں کے دلوں میں اپنے بھائیوں کی محبت اور عقیدۂ اسلامی کے تعلق کے پاس اتنا بلند تھا کہ وہ اپنی جانیں نچھاور کر دیا کرتے تھے مگر اس تعلق پر حرف نہ آنے دیتے تھے۔ جنگِ یرموک میں گھمسان کا رن پڑا اور بہت سے لوگ دونوں جانب سے قتل ہوئے۔ صحابۂ کرام نے اس جنگ میں ایسی مثال تاریخ کے صفحات میں رقم کی کہ جو تاقیام قیامت جگمگاتی رہے گی۔ زخمی زخم کھا کر گر رہے تھے اور پانی کی شدید پیاس محسوس کر رہے تھے۔ ایک زخمی نے پانی مانگا اور پانی پلانے والا دوڑ کر اس کے پاس پہنچا۔ پانی کا پیالہ زخمی کے ہاتھ میں دیا۔ جاں بلب صحابی نے ابھی پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ پیا تھا کہ دوسرے زخمی کی آواز آئی "پانی" پہلے نے پانی پیے بغیر ساقی کو پیالہ دیدیا کہ جا کر اس بھائی کو پہلے پانی پلا دے۔ یوں چھ صحابۂ کرام نے اپنے آپ پر دوسروں کو ترجیح دینے کی مثال قائم کی اور بغیر پانی پیے ساقیٔ کوثرؐ کے ہاتھوں جام کوثر پینے کے لئے عالمِ جاودانی کو سدھار گئے۔ ان صحابہ میں حارثؓ بن ہشام، عکرمہؓ بن ابی جہل اور سہیلؓ بن عمرو کے نام ملتے ہیں۔

اسد الغابہ کی ایک روایت میں حضرت خارجہؓ بن زید کی وفات کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ نعمان بنؓ بشیر صحابی راوی ہیں کہ حضرت خارجہؓ کی نمازِ جنازہ کے وقت ان کی چارپائی سے ایک آواز سنائی دی۔ سننے پر معلوم ہوا کہ کہنے والا حضرت عمرؓ کی تعریف میں یہ کہہ رہا تھا کہ وہ ساری امت میں سب سے زیادہ قوی

Marfat.com

اور درمیانی راہ پر چلنے والے جسم میں طاقتور اور احکامِ الٰہی کی اتباع و تنفیذ میں بھرپور قوت کا مظاہرہ کرنے والے ہیں۔

حُبِّ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت عمرؓ آنحضورؐ سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضورؐ کی پُر صعوبت زندگی اور فقروفاقہ، گھر کی سختیوں اور معاشی مشکلات کو دیکھ کر حضرت عمرؓ رونے لگے۔ حضورؐ نے جب حضرت عمرؓ کو روتے دیکھا تو آپ نے انہیں تسلی دی اور کہا "اے عمر، کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ قیصر و کسریٰ اس دنیا کی عارضی زندگی میں مزے لوٹ لیں اور آخرت کی دائمی نعمتیں ہمارا مقدر بن جائیں۔" حضرت عمرؓ نے عرض کیا "ہم اس پر راضی اور خوش ہیں۔

حضرت عمرؓ کے دل میں حضورِ اکرمؐ کی محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ آپ کا مزاج محبت اور جذبات کا مرقع تھا۔ باپ کو اپنی اولاد سے جو محبت ہوتی ہے اس سے کون ناواقف ہے۔ باپ اپنی اولاد کو کسی تکلیف میں دیکھتا ہے تو اس کا دل بے چین ہو جاتا ہے اور وہ تڑپ اٹھتا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ اپنی بیٹی ام المومنین حضرت حفصہؓ کے گھر میں داخل ہوئے تو انہیں روتے دیکھا۔ آپ نے پوچھا "تم کیوں رو رہی ہو؟ شاید آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں طلاق دیدی ہے۔ اگر ایسا ہے تو حضورؐ رجوع کر لیں گے لیکن اگر پھر تمہاری کسی بات سے حضورؐ کو دکھ پہنچا اور انہوں نے تم سے علیحدگی اختیار کر لی تو جان لو کہ میں تم سے کبھی کلام نہیں کرونگا۔"

حضرت عمرؓ کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایسی محبت تھی کہ اسکی مثال ملنا مشکل ہے۔ رسولِ پاک کے رشتہ داروں کو آپ اپنے رشتہ داروں پر ترجیح اور فضیلت دیا کرتے تھے۔ فتح مکہ کے موقع پر حضرت عباسؓ ابو سفیان بن حرب کو لیکر آنحضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت عمرؓ نے کہا "اس دشمنِ خدا کو ہماری تلواروں سے کیسے پناہ ملی؟" یہ سنکر حضرت عباسؓ نے

Marfat.com

غصے میں آکر کہا "اگر یہ بنو عدی (حضرت عمرؓ کا خاندان) میں سے ہوتا تو تم اسکے قتل کے یوں درپے نہ ہوتے" حضرت عمرؓ نے کہا "خدا کی قسم اے عباسؓ، آپ کے قبولِ اسلام سے مجھے اسقدر خوشی ہوئی کہ اگر میرا باپ خطاب زندہ ہوتا اور وہ اسلام میں داخل ہو جاتا تو مجھے اتنی خوشی نہ ہوتی۔"

حضرت عمرؓ کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جاں نثاری و فدا کاری اس حد تک تھی کہ آپ کے نام مبارک سے بھی وہ بے پناہ عقیدت رکھتے تھے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کے نزدیک ایسا اسم تھا کہ اس کا احترام واکرام وہ ضروری سمجھتے تھے۔ محمد نامی کسی شخص سے سختی اور درشتی ان کو ہرگز گوارا نہ تھی۔ اسی طرح محمد نامی کسی شخص کے معمولی تسامح اور لغزش پر بھی وہ تڑپ جاتے تھے کہ آنحضورؐ کے اسمِ مبارک سے نسبت کے بعد کوئی شخص تقویٰ و ثقاہت سے گری ہوئی بات کیونکر کر سکتا ہے۔ آپ کے ایک بھتیجے اور زید بن خطاب کے بیٹے کا نام "محمد" تھا۔ ایک مرتبہ آپ نے کسی شخص کو دیکھا کہ وہ محمد بن زید بن خطاب کو مخاطب کر کے ان کے کسی کام پر سرزنش کر رہا تھا۔ حضرت عمرؓ نے سنا تو فرمایا "میں برداشت نہیں کر سکتا کہ تمہاری وجہ سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک نشانۂ تنقید بنے۔ اب میری زندگی میں تمہیں محمد کے نام سے نہیں پکارا جائے گا۔" پھر آپ نے اس کا نام عبدالرحمٰن یا عبدالحمید رکھ دیا۔

بنو طلح میں اکثر لوگوں کے نام "محمد" تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان کے سردار کو بلا بھیجا۔ اس کا نام بھی محمد تھا۔ آپ نے فرمایا "تم لوگ اپنے نام تبدیل کر لو۔" اس نے جواب دیا "اے امیر المومنین اللہ کو یاد کرو اور اس سے ڈرو۔ خدا کی قسم میرا نام خود رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھا تھا۔ یہ سن کر فرمایا "اچھا تو پھر جاؤ۔ جو فیصلہ حضورؐ نے فرما دیا تھا اسے تبدیل کرنے کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔"

حضرت ابو بکرؓ کی خلافت

حضرت ابو بکر صدیقؓ کے بارے میں حضرت عمرؓ کی رائے بہت بلند

Marfat.com

تھی۔ آپ ان کی حد درجہ عزت کیا کرتے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ کی خلافت اور بیعت میں بھی حضرت عمرؓ نے نمایاں کردار ادا کیا۔ جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے رخصت ہوئے تو صحابہ از حد پریشان اور پژمردہ تھے۔ انہیں یقین نہ آرہا تھا کہ حضورؐ وفات پاگئے ہیں۔ انہوں نے حضرت ابو بکرؓ سے پوچھا کہ کیا آنحضورؐ کی وفات ہو گئی ہے۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا۔ "ہاں"۔ تب صحابہ کو یقین آیا۔ اس وقت مہاجرین نے حضرت ابو بکرؓ کو نبی پاک کا جانشین بنانے کا اجتماعی فیصلہ کیا۔ آپ نے فرمایا "اس اہم معاملے کا فیصلہ ہمارے انصار بھائیوں کے مشورے ہی سے ہو سکتا ہے۔ چلو ان کے پاس چلیں۔"

وہاں پہنچے تو انصار آپس میں امارت کے موضوع پر بات چیت کر رہے تھے۔ ایک انصاری نے کہا "ایک امیر ہم میں سے چن لیا جائے اور ایک امیر تم (مہاجرین) میں سے بنایا جائے۔"

اس پر حضرت عمرؓ فوراً کھڑے ہوئے اور فرمایا "اس طرح امارت نہیں چل سکتی۔ ایک میان میں دو تلواریں کیسے سما سکتی ہیں۔ آپ نے حضرت ابو بکرؓ کا ہاتھ پکڑا اور کہا کہ یہ ہمارے امیر ہیں۔ ہم میں سے کون ہے جو ان کے درجے کو پہنچ سکے۔ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول موجود ہے۔

"ثانی اثنین اذ ھما فی الغار اذ یقول لصاحبہ لا تحزن ان اللہ معنا............"

اسکے بعد آپ نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور لوگوں سے بھی کہا کہ بیعت کریں۔ چنانچہ سب نے بیعت کر لی۔ سب سے پہلے بیعت کرنے والے حضرت عمرؓ تھے۔ یہ یوم سقیفہ بنو ساعدہ کی بات ہے۔ اگلے روز عامتہ المسلمین نے خلیفۂ اول کی بیعت کی البتہ حضرت علیؓ اور بنو ہاشم کے دیگر افراد اور زبیرؓ بن عوام' خالدؓ بن سعید بن عاص اور سعدؓ بن عبادہ نے اس روز بیعت نہ کی۔ ان میں سے سعدؓ بن عبادہ نے تو عمر بھر بیعت نہ کی مگر باقی جملہ افراد مذکورہ نے جلد ہی اور بعض اقوال کے مطابق چھ ماہ بعد بیعت کر لی۔

حضرت عمرؓ کی ذہانت

اچھا اب ذرا ذہانت و فراست ملاحظہ فرمائیے۔ "ایک نیام میں دو

Marfat.com

تلواریں نہیں سما سکتیں اور منصب خلافت پر بیک وقت دو شخصیتیں براجمان نہیں ہو سکتیں۔" کتنا جامع کلام اور قائل کر لینے والا انداز ہے۔ لمبے لمبے خطابات اور طویل طویل دلائل سے وہ بات نہیں بن سکتی تھی جو حضرت عمرؓ نے مختصر سے الفاظ میں نہایت موثر انداز میں لوگوں کے ذہن نشین کرادی۔ حضرت عمرؓ نے سیدنا ابو بکر صدیقؓ کے حق خلافت کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا "اے انصارِ مدینہ تم بخوبی جانتے ہو کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکر کو اپنی حیاتِ طیّبہ میں حکم دیا تھا کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ پھر تم میں سے کون ہے جو حضورؐ کے اس حکم کے مقابلے پر ابو بکرؓ کے بجائے اپنے آپ کو امامت کے لئے پیش کرے۔" سب نے کہا "ہم اس بات سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں کہ ابو بکر کے مقابلے پر پیش قدمی کریں۔"

حضرت عمرؓ نے اپنی صائب رائے اور صحیح موقف سے حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خلافت پر لوگوں کو مطمئن اور متفق کر دیا۔ اس طرح امّتِ مسلمہ ایک بہت بڑے فتنے سے محفوظ ہو گئی۔ خدانخواستہ اگر انصار اور مہاجرین کے درمیان خلافت کے موضوع پر اختلاف پیدا ہو جاتا تو نہ معلوم اسکے نتائج کتنے خطرناک ہوتے۔

خوش مزاجی

حضرت عمرؓ سے ایک مرتبہ صحابہ کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا وہ کبھی ہنستے بھی تھے تو آپ نے جواب دیا "ہاں وہ ہنستے بھی تھے مگر موقع محل کے مطابق۔ ہنسی اور مذاق ان کا مشغلہ اور مطمح نہ تھا۔ بخدا ان کا امتیاز یہ تھا کہ ان کے دلوں میں ایمان بلند اور ضخیم پہاڑوں سے بھی زیادہ پختہ تھا۔"

انصاف کا کتنا عظیم نمونہ ہے! انصاف ہی سے کارکنان اور عاملین میں اپنے کام سے محبت اور وارفتگی پیدا ہوتی ہے۔ اگر آپ لوگوں سے انصاف نہ کریں گے اور ان کی خوبیوں کا ذکر کرنے میں بخیل ہوں گے تو ان کی خوبیوں کا قلع قمع کر دیں گے۔ وہ رہنما اور حکمران کتنے کم عقل اور غبی ہیں جو لوگوں کی خوبیوں کا انکار اور ان کے عیوب و نقائص کی تشہیر کرتے ہیں۔ اس سے ان کا

Marfat.com

مقصود یہ ہوتا ہے کہ ہر شخص کو ناقص اور اپنے آپ کو کامل اور مرقع حسن ثابت کریں۔ اس رذیل حرکت کے عواقب و نتائج بڑے تباہ کن ہوتے ہیں۔

کسی مسلمان کے لئے ہنسی کوئی نقص کی بات نہیں ہے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں ودیعت کر دی ہے۔ ایک مرتبہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کی ایک جماعت کے پاس سے گزرے۔ وہ آپس میں ہنس رہے تھے۔ آپؐ نے فرمایا "جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم بھی وہ جانتے ہوتے تو یقیناً بہت کم ہنستے اور زیادہ روتے۔" اس کے بعد جبرائیل نازل ہوئے اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید کی یہ آیت سنائی

"وانہ ہواضحک وابکی"

یعنی اللہ تعالیٰ ہنساتا ہے اور رلاتا بھی ہے۔

نبی اکرمؐ اس جماعتِ صحابہ کے پاس واپس تشریف لائے اور فرمایا "میں چالیس قدم بھی نہیں چلا تھا کہ جبریل میرے پاس اللہ کا یہ کلام لیکر آ گئے۔"

عیاض بن سلمان بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا "عرشِ بریں سے مجھے بتایا گیا ہے کہ میری امت کے بہترین لوگ وہ ہیں جو ظاہری طور پر ہنستے ہیں مگر چھپ چھپ کے اللہ کے عذاب کے خوف سے روتے رہتے ہیں۔"

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اکثراوقات مسکراتے رہتے تھے اور کبھی کبھار ہنستے بھی تھے مگر آپ کا ہنسنا قہقہے لگانے کے مترادف نہ تھا بلکہ محض آپ کے دندان مبارک نظر آجایا کرتے تھے۔ ایسا کبھی شاذوہ نادر ہی ہوتا تھا کہ فرط خندہ سے آپکی داڑھیں نظر آنے لگیں۔

زیاد بن سبرہ الیعمری بیان کرتے ہیں کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے۔ اشجع اور جھینہ کے کچھ افراد آپ کو نظر آئے تو آپ ان کے پاس رکے' ان سے مزاح کیا اور ہنسے۔ جلیل القدر صحابہ لئے دیئے رہنے کی بجائے پاکیزہ مذاق اور شستہ مزاح کا نمونہ پیش فرماتے تھے۔

Marfat.com

حضرت صہیبؓ رومی علم و فضل اور مقام و مرتبے میں بہت بلند تھے مگر مزاح اور حسن خلق کا جیتا جاگتا نمونہ تھے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ فرمایا کرتے تھے کہ جس شخص میں مزاح اور لطیفے کی حس اور عادت ہو وہ کبر کی بیماری سے محفوظ رہتا ہے۔

حضرت عمرؓ کی فطرتِ سلیمہ میں اغماض نہیں وضاحت و اظہار تھا۔ جو کچھ دل میں ہوتا وہی زبان سے نکلتا اور چہرے سے ظاہر ہوتا۔ یہ عادت نہایت مفید ہے۔ اس سے فائدہ ہی ہوتا ہے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ یہ اصلاح احوال میں ممد و معاون ثابت ہوتی ہے۔ حضرت عمرؓ صراحت کے قائل تھے۔ انہیں یہ بات ہرگز پسند نہ تھی کہ کسی شخص سے ملتے ہوئے دل میں کچھ ہو اور چہرے پر کچھ۔ ان کی زندگی میں دوہرے معیار نہ تھے۔ وہ ظاہر و باطن میں ایک تھے۔ ان کی غیرتِ ایمانی کو ہرگز یہ گوارا نہ تھا کہ اللہ کے سوا کسی اور سے ڈریں وہ ظاہر اور باطن میں تفاوت کو اپنی مردانگی کی توہین سمجھتے تھے۔

حضرت عمرؓ معلّمِ اخلاق

میں یہ وضاحت کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ حضرت عمرؓ پر میں نے مورخ کی حیثیت سے قلم نہیں اٹھایا۔ میں مورخ ہوں بھی نہیں۔ اور حضرت عمرؓ اس بات سے بے نیاز ہیں کہ کوئی ان کی تاریخ بیان کرے یا نہ کرے۔ حضرت عمرؓ کی نظروں میں دنیا کی کوئی وقعت ہی نہ تھی۔ نہ انہوں نے اس خاطر کبھی کوئی عمل کیا کہ کوئی ان کے حالات و واقعات کو قلم بند کرے گا۔ انہوں نے تو جو کچھ بھی کیا اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے کیا۔ خشیت الٰہی ہر وقت ان کے اوپر طاری رہتی تھی۔ ان کے لئے یہ بات کافی اطمینان بخش تھی کہ ان کے ہر عمل سے اللہ باخبر ہے۔ اللہ کے سامنے تو ہر وقت وہ ہاتھ پھیلائے رکھتے تھے مگر لوگوں کے پاس جو کچھ ہے اسکی ان کی نظروں میں کوئی قدر و قیمت نہ تھی۔

حضرت عمرؓ کی خشیتِ الٰہی صحیح معنوں میں ہماری تربیت کے لئے بہترین معلم کی حیثیت رکھتی ہے۔ اگر قدرتِ الٰہی اس خشیت میں سے کچھ حصہ اُمتِ

مسلمہ کی قسمت میں لکھ دے تو سارے دکھ درد دور ہو جائیں اور جملہ آرزوئیں پوری ہو جائیں۔ خشیتِ الٰہی کا انسانی زندگی میں بہت دور رس اور گہرا اثر ہوتا ہے۔

خشیت سے مراد نماز روزے اور حج زکوٰۃ کی کثرت نہیں ہے حج ادا کرنے والوں کی کمی نہیں، نماز روزے اور زکوٰۃ کی پابندی کرنے والے بھی کثیر تعداد میں موجود ہیں۔ یہ بالکل درست ہے کہ یہ فرائضِ اسلام ہیں جن کے اوپر اسلام کی عمارت کھڑی کی گئی ہے اور اس میں بھی شک نہیں کہ ان فرائض کے بغیر اسلام کا کوئی تصور ہے نہ وجود مگر یہ فرائض روح سے خالی ہو جائیں تو اپنی اہمیت کھو دیتے ہیں اور اثر آفرینی بھی۔ خشیت سے میری مراد وہ حالتِ قلبی ہے جس کے حاصل ہو جانے کے بعد انسان کو یہ احساس مل جاتا ہے کہ وہ دائماً اللہ کے سامنے حاضر و موجود ہے۔

پھر اسکے دل کی دھڑکنیں اسے یاد دلاتی ہیں کہ وہ کون ہے۔ اس کے جسم میں آنے اور جانیوالی ہر سانس اسے دعوت فکر و تدبر دیتی ہے۔ پھر فرائض کی ادائیگی بوجھ نہیں بلکہ راحت اور لطف کا باعث بنتی ہے۔ نوافل کا اہتمام خوف و رجا کی وجہ سے ہونے لگتا ہے۔ جب دلِ بیدار حاصل ہو جائے تو روحانی لطف و سعادت کا پتہ چلتا ہے۔ دل گلدستہ ہے جس میں خشیت کے پھول بہار دکھلاتے ہیں۔ یہ ایک طاق ہے جس میں خشیت کا چراغ روشنی پھیلاتا ہے۔ اس چراغ سے جسم کارواں رواں منور ہو جاتا ہے۔ ایسا ہی دل مطلوب ہے جس سے انسان قبلہ دیکھنے سے قبل اللہ کو دیکھ لے۔ اللہ کے ان ہاتھوں کا لمس محسوس کرلے جن میں صدقات محتاجوں کے ہاتھ میں آنے سے قبل گرتے ہیں۔ روزے کی حالت میں بھوک اور پیاس کی شدت کا احساس ہونے سے قبل اللہ القوی والقہار کی جبروت کا احساس پیدا ہو جائے۔

یہ خشیت مطلوب ہے تاکہ ہم نفس کی تاریکیوں سے ہدایت کے نور میں آجائیں۔ تاکہ نفس ہر چیز سے مبرا اور خالی ہو کر معبودِ حقیقی کی عبادت کے لئے خالص ہو جائے اور اسی سے مدد بھی مانگے۔ بندہ تو عبادت کا ارادہ ہی کرتا ہے۔ عبادت کا حق ادا کرنے کے لئے اللہ کی مدد درکار ہے۔ وہی سہارا ہے اور وہی

وسیلہ۔ اللہ سے مدد مانگی جائے کہ نفس مجاہدے پر صابر ہو جائے اور دل اللہ کی ہیبت اور جلال کی تجلیاں اپنے اندر سمو لے۔ نہ کوئی ریا کاری باقی رہ جائے نہ احکامِ ربانی کی مخالفت و اعتراض۔ اللہ کی مدد اور خلق سے بے نیازی حاصل ہو جائے اور ہر معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا جائے تو نفسِ مطمئنہ کا لطف آ جاتا ہے۔ مخلوق تو بے بس اور عاجز ہے۔ اس کی بے شمار مثالیں پیش کی جا سکتی ہے مگر یہاں ایک نہایت پر اثر مثال عرضِ خدمت ہے۔

عمر رسیدہ بزرگ اور حضرت امیر معاویہؓ

حضرت معاویہؓ نے سنا کہ یمن میں ایک عمر رسیدہ بزرگ ہیں۔ آپ نے انہیں شام بلوا بھیجا تا کہ ان سے پرانے واقعات اور قحط کے سالوں کے احوال سنیں۔ جب وہ حاضر ہوئے تو امیر معاویہؓ نے کہا "مانگئے کیا چاہتے ہیں؟" بوڑھے نے برجستہ کہا "میری جوانی مجھے واپس دلوا دو۔" انہوں نے کہا "یہ تو میرے بس میں نہیں ہے۔" بوڑھے نے کہا "تو پھر مجھے جنت میں داخل کر دو۔" انہوں نے جواب دیا "یہ بھی میری قدرت سے باہر ہے۔" بوڑھے نے کہا "میں نے دیکھ لیا ہے کہ آپ کے ہاتھ میں نہ دنیا کا کوئی معاملہ ہے اور نہ آخرت کا پس اب مجھے اسی جگہ چھوڑ آؤ جہاں سے لائے ہو۔" انہوں نے کہا "ہاں یہ ٹھیک ہے۔ مگر یہ یقین رکھتا ہوں کہ یہ بھی معاویہ کے ہاتھ اور اختیار میں نہیں ہے اگر اللہ تعالیٰ اسے طاقت نہ دے۔"

خشیتِ الٰہی سے دل آباد ہو جائے تو پھر بندۂ مومن تکلیف دہ مادّی وحشت سے نجات پا کر پاکیزہ روحانی سکون سے متمتع ہو سکتا ہے۔ روح و جسم کا تزکیہ ہو جائے تو بندہ راضی برضائے الٰہی ہو جاتا ہے اور اللہ بھی اس سے راضی اور خوش ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ تزکیۂ نفس کیا ہے؟ تو آپ نے جواب دیا "کسی شخص کا اپنے نفس کو یوں پاک کر لینا کہ اسکی یہ کیفیت ہو جائے کہ وہ جہاں کہیں بھی ہو اسے اللہ کی معیت اور موجودگی کا یقین ہو"

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قولِ مبارک کی روشنی میں اس

آیت کریمہ کے معانی بھی واضح طور پر سامنے آجاتے ہیں
"قد افلح من زکاھا وقد خاب من دساھا"
(جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کر لیا وہ کامیاب ہو گیا اور جس نے اسے دبا دیا وہ مارا گیا۔)

یہی حضرت عمرؓ کا حال تھا۔ زندگی بھر وہ اس آیت کا مصداق رہے۔ خلوت اور تنہائی میں اپنے رب کے حضور حاضری کا موقع ہوتا یا لوگوں کے سامنے زندگی کے معاملات کے لئے پیش ہوتے مومن' اور مسلم کا روپ نظر آتا۔ آپکی پوری زندگی میں یہ اعلیٰ کردار کا نمونہ اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہے۔

حضرت عمرؓ کی قد آور شخصیت

اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ حضرت عمرؓ کی سیرت کی خوبیاں لوگوں کے سامنے اجاگر ہو جائیں اور آنے والی نسلیں ان کا تذکرہ کرتی رہیں۔ حضرت عمرؓ کی ہر معاملے میں صاف روی' خشیتِ الٰہی اور مردانگی ان کی درخشندہ صفات ہیں۔ ان صفاتِ حمیدہ کی بدولت اسلامی موقف اور ایمانی نقطۂ نظر کا جب بھی مثالی نمونہ مطلوب ہو تو بلاتردد نظریں حضرت عمرؓ کی قد آور شخصیت کی جانب اٹھ جاتی ہیں۔ حضرت عمرؓ اسی گوشت پوست کے انسان تھے جس سے عام انسان بنائے جاتے ہیں۔ وہ ایک انسان تھے اور نبیوں کے لئے مخصوص عصمت انہیں حاصل نہ تھی۔ ان کی صفات نہایت اعلیٰ وارفع ہیں لیکن یہ سمجھنا کہ کسی دوسرے مسلم میں یہ صفات پیدا ہونا ناممکن ہے درست نہیں۔ یہ صفات تو پیدا ہو سکتی ہیں مگر اس کے لئے محنت درکار ہے۔ ایسی محنت جو ہر ایک کے بس میں نہیں ہوتی۔

سیدنا عمرؓ اپنی جلالتِ شان کے باوجود قبل از اسلام اور بعد از اسلام حضرت ابو بکر صدیقؓ کے مقام کو نہیں پہنچتے۔ ابو بکرؓ نے تو قبول اسلام سے قبل بھی کبھی نہ شراب پی تھی نہ بچیوں کو زندہ درگور کیا تھا اور نہ اہلِ اسلام پر کوئی سختی روا رکھی تھی۔ حضرت عمرؓ سے قبولِ اسلام سے قبل ان غلطیوں کا ارتکاب ہوا تھا۔ یہ بات میں نے اس لئے بیان کی ہے کہ ایک اہم نکتہ ہم سب کی سمجھ میں

Marfat.com

آجائے۔ جس کسی نے گناہ و معاصی کی زندگی اختیار کر رکھی ہو اس کے لئے توبہ و انابت کا راستہ کبھی بند نہیں ہوتا۔ جو سر سے لے کر پاؤں تک بحرِ عصیاں میں ڈوبا ہوا ہو اسے اللہ کی رحمت سے مایوس ہو کر برائی میں لتھڑے رہنے کی بجائے عزمِ اصلاح کر کے اپنے آپ کو تبدیل کر لینا چاہیے۔ توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ رحمتِ باری گناہ گاروں اور خطا کاروں کا استقبال کرتی اور انہیں خوش آمدید کہتی ہے۔ پاکیزگی کی فصیل پر چڑھنا اللہ کی مدد اور رحمت سے آسان ہو جاتا ہے۔ طلبِ صادق ہو تو مشکلیں حل ہو جاتی ہیں۔ جو اللہ کو ڈھونڈنا چاہے وہ اسے پالیتا ہے۔

حضرت عمرؓ نے جب اپنی زندگی کا نیا ورق الٹا تو پھر عظمت کی ہر بلندی کو سر کیا۔ وہ ہر بات میں وضاحت اور صدق کے قائل تھے۔ اپنی رائے کا بے لاگ اظہار اور دینِ حق کا دفاع ان کی عادتِ ثانیہ بن گئی تھی۔ وہ تو جب کوئی چیز محسوس کرتے تو امہات المومنین تک کو توجہ دلانے میں نہ ہچکچاتے۔ ایک مرتبہ حضورِ اکرمؐ بعض مہاجرین کے درمیان کچھ مالِ غنیمت تقسیم فرما رہے تھے کہ حضرت زینب بنت جحشؓ نے کچھ کہا۔ حضرت عمرؓ بھی پاس ہی تھے' انہوں نے حضرت زینبؓ کو سختی سے منع کیا۔ آنحضورؐ نے فرمایا۔ "عمر اس سے تعرض نہ کرو۔ یہ بے چاری بڑی دکھی ہیں۔

خود احتسابی

حضرت عمرؓ دوسروں ہی کے معاملے میں سخت گیر اور بے لاگ نہ تھے بلکہ آپ کا کمال یہ ہے کہ اپنی ذات کے بارے میں بھی یہی رویہ تھا۔ اگر دل میں کبھی کوئی غیر پسندیدہ خیال آتا تو اسے سختی سے جھٹک دیتے' اپنے آپ کو ڈانٹ پلاتے اور اپنا محاسبہ خود کرتے۔ ایک مرتبہ سورہ عبس کی آیت فاکھۃ وابا» پڑھی تو دل نے کہا یہ "ابا" کیا ہے فوراً سنبھلے اور دل سے کہا "یہ تکلف کیوں؟ تجھے اگر یہ معلوم نہ ہو کہ "ابا" کیا ہے تو اس سے تیرا کون سا عمل ناقص رہ جائے گا۔ (۲) یعنی قیامت کو جن باتوں کے بارے میں پوچھ ہو گی وہ معلوم ہیں تو اپنا عمل درست کر لو اور اس باز پرس کی فکر کرو۔

حضرت عمرؓ کے اس قسم کے کئی واقعات ہیں جو راویوں نے روایت کئے

Marfat.com

ہیں۔ دل میں گزرنے والے ان خیالات کو وہ چاہتے تو پوشیدہ رکھ سکتے تھے مگر انہوں نے اپنے نفس کو خوب کس کے رکھا تھا۔ دوسروں پر تنقید کرنے کے ساتھ ساتھ وہ احتسابِ نفس کا بھی باقاعدہ اہتمام کیا کرتے تھے۔ اگر ان سے کوئی غلطی ہو جاتی تو اس بات سے بالکل نہ ڈرتے تھے کہ لوگوں کو اس غلطی کا پتہ چل گیا تو کیا ہو گا۔

موجودہ دور میں تو تعلیم گاہوں میں ذاتی تنقید اور محاسبۂ نفس کو باقاعدہ مضمون کی حیثیت سے پڑھایا جاتا ہے مگر حضرت عمرؓ کے محاسبۂ نفس اور دورِ حاضر کے درسی مضمون میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ وہ خالص کندن تھے اور یہ تو محض ملمع کاری ہے۔

حضرت عمرؓ سے محبت و عقیدت رکھنے والوں اور ان کے طرزِ عمل کو اپنانے کی کوشش کرنے والوں کو ان کی سیرت کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ گہرے غور و فکر کے بعد آپ کے اخلاقی کمال کا مکمل ادراک حاصل کر کے اسے اپنی زندگی کے لئے اسوہ اور مشعلِ راہ بنانا چاہئے۔ حضرت عمرؓ انصاف اور عدل کا نمونہ تھے۔ اپنی ذات کو بھی کبھی قانون سے بالاتر نہ سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں قرآن مجید میں حکم دیا ہے کہ ہم ہر حال میں انصاف پر کاربند رہیں۔ ارشادِ باری ہے۔

> "اے اہلِ ایمان۔ انصاف کے علمبردار بنو اور خدا واسطے کے گواہ بنو اگرچہ تمہارے انصاف اور تمہاری گواہی کی زد خود تمہاری اپنی ذات پر یا تمہارے والدین اور رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو۔ (النساء آیت ۱۳۵)

اس سے مراد یہ ہے کہ حق اور انصاف سے کبھی پہلو تہی نہیں کرنی چاہئے۔ غلطی کا اعتراف کر لینا عظمت کی دلیل ہے اگرچہ اپنی غلطی کے اعتراف کے نتیجے میں انسان کو نقصان اور سزا برداشت کرنی پڑے۔ جو اپنے نفس کا محاسبہ کرتا ہے اور گناہوں کا اعتراف کر لیتا ہے اور لوگوں کے مقابلے پر

Marfat.com

کبر و غرور کا رویہ اختیار نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس کی ضرور مدد کرتا ہے۔ اللہ کی تعلیمات کو نافذ کرنے والے اللہ کے فضل و رحمت سے بہرہ ور ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر تنگی اور مشکل سے انہیں نجات دیتا ہے۔

حضرت عمرؓ ہر معاملے میں تصنّع سے پاک تھے

ہر معاملے میں اپنا موقف صراحت کے ساتھ بیان کر دینا اخلاقی اوصاف کا نقطۂ عروج ہے۔ بسا اوقات لوگ اپنی رسوم و رواج اور معاشرتی اقدار کی وجہ سے کسی رائے کو اجنبی اور عجیب سمجھتے ہیں اور اس کا اظہار نہ خود کرتے ہیں نہ دوسروں سے سننے کے روادار ہوتے ہیں اگرچہ وہ رائے فی نفسہٖ بہت ارفع و اعلیٰ ہی کیوں نہ ہو۔ شادی کا معاملہ لے لیجئے۔ یہ انسانی زندگی کا نہایت اہم پہلو ہے۔ اس سے ایک خاندان کی بنیاد پڑتی ہے اور ایک چھوٹا سا معاشرہ وجود میں آجاتا ہے۔ شادی نکاح فطرتِ انسانی کا تقاضا بھی ہوتا ہے لہٰذا لوگ معاشرتی ذمہ داری کو ادا کرنے، فطری ضروریات کو پورا کرنے اور جسمانی آرام و راحت کی خاطر شادی و ازدواج کے رشتوں میں منسلک ہوتے ہیں۔ اب عمرؓ بھی ایک انسان ہونے کی حیثیت سے ان ضروریات سے بے نیاز نہ تھے۔ عام لوگوں کی طرح ان کی بھی یہ جسمانی و روحانی ضرورت تھی کہ وہ نکاح کریں۔ انہوں نے بھی نکاح کئے مگر ان کا نقطۂ نظر کس قدر بلند تھا۔ ذرا دیکھئے۔ فرمایا "میں عورتوں سے شادی کرتا ہوں حالانکہ اب مجھے اس کی خاص ضرورت نہیں۔ میں ان سے خلوت بھی کرتا ہوں حالانکہ اب اس کا شوق باقی نہیں رہا۔" لوگوں نے یہ بات سنی تو حیران ہو کر پوچھا "اگر یہ بات ہے تو امیر المومنین آپ کو شادی پر کون سی چیز آمادہ کرتی ہے؟" جواب میں فرمایا "بس مجھے اس چیز کا شوق ہے کہ میری اولاد کثیر ہو تاکہ حضورِ اکرمؐ کے حکم کے مطابق کہ آپؐ قیامت کو اپنی امت کی کثرت پر باقی امتوں کے مقابلے پر خوشی اور فخر کا اظہار کریں گے، میرا بھی حصہ ہو۔

حضرت عمرؓ کو جس بات سے دلچسپی تھی اور جس پر وہ لوگوں کو بھی رغبت دلایا کرتے تھے وہ امتِ مسلمہ کی کثرت ہے تاکہ آنحضورؐ کی خواہش کی تکمیل

ہو۔ اس سے زائد کسی لطف اور خواہش کا ان کے دل میں کوئی مقام نہ تھا۔ یہ بنیاد تھی اور باقی فروعات۔ امتِ اسلامیہ کی کثرت و تقویت اور دعوتِ اسلامی کی نشر و اشاعت کے لئے یہ موقف بڑا موثر اور دور رس اثرات کا حامل تھا۔

حضرت عمرؓ کے دل میں جو کچھ ہوتا تھا اس کے اظہار میں آپ کسی لاگ لپیٹ کے قائل نہ تھے۔ صحابہ نے آنحضورؐ کے بارے میں حضرت عمرؓ کا موقف جو دیکھا اور سنا اسے بیان کیا۔ زہرہ بن سعید اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا۔ "ہم حضور نبی پاکؐ کے ساتھ کہیں جا رہے تھے۔ حضورؐ نے حضرت عمرؓ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑ رکھا تھا۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا۔ "یارسول اللہ۔ خدا کی قسم آپ مجھے اپنی جان کے سوا ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں۔ یہ سن کر حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔ "تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اسے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں"۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا "یارسول اللہ اب آپ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔"

رسول اللہؐ نے فرمایا "الان عمر" یعنی اے عمر اب بات بنی ہے۔

اس جرأت اظہار سے امت کو کس قدر فائدہ پہنچا! یہ عقیدے کا ایک نہایت اہم جزو ہے جس کی صراحت ہو گئی ہے۔ اگر حضرت عمرؓ یہ بات نبی اکرمؐ کے سامنے نہ کرتے تو بہت سے لوگوں سے یہ حقیقت شاید مخفی رہ جاتی کہ آنحضورؐ کی محبت کس درجے اور کس شان کی ہونی چاہئے۔ سچائی اور وضاحت میں خیر ہی خیر ہوتی ہے۔ اس سے وہ حقائق سامنے آ جاتے ہیں جو بسا اوقات آنکھوں سے اوجھل رہ جانے کا احتمال ہوتا ہے اور بعض اوقات ان غلطیوں کی تصحیح ہو جاتی ہے جو بصورتِ دیگر دوام و صواب کا روپ دھار سکتی ہیں۔ مسلمان کے عقیدے کی اساس صدق اور صراحت پر ہے۔ اللہ تعالیٰ حق ہے۔ جب ہم اس کے احکام کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیں تو وہ راضی ہو جاتا ہے اور جس سے وہ راضی ہو جائے اسے کسی سے کیا ڈر اور کیا غرض۔

انسان تو اپنی ساری قوت کے باوجود بے بس مخلوق ہے۔ کیا اس کا زور اور کیا اس کی پکڑ؟ اپنی جبروت کا ڈھنڈورا پیٹنے والے اور اپنی شوکت و حشمت کے

Marfat.com

اعلان کرنے والے حقیقت میں کمزور اور بودے ہیں۔ ان کی حکومت اور ظاہری ٹھاٹھ باٹھ اگر حق کے خلاف استعمال ہونے لگے تو سمجھ لو کہ یہ اپنی تباہی کو دعوت دے رہے ہیں۔ پھر ان فانی اور زوال پذیر قوتوں کے خوف سے اگر آپ نے حق کا ساتھ چھوڑ دیا تو گویا آپ نے اپنے رب کو ناراض کر لیا اور جب آپ نے اپنے مالک و خالق کو ناراض کر لیا تو پھر بتایئے آپ کو پناہ کہاں ملے گی اور آپ سہارا کس کا ڈھونڈیں گے۔ لوگ آپ کا کیا بگاڑ سکتے ہیں اگر آپ صحیح معنوں میں اللہ کی قدرت و طاقت کے سامنے سر جھکا دیں۔

کیا آپ نقصان سے ڈرتے ہیں؟ یہ کمزور انسان آپ کو نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ اسے دور کر سکتے ہیں۔ کیا آپ ان سے کسی نفع کی امید رکھتے ہیں؟ یہ نہ نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نفع کو روک سکتے ہیں۔ کیا ان سے آپ رزق کے طلب گار ہیں؟ کیا رزق کی کمی بیشی ان کے اختیار میں ہے؟ ہر گز نہیں۔ کیا آپ موت سے ڈر کر ان کا سہارا لیتے ہیں؟ وقتِ مقررہ کو یہ آگے اور پیچھے کرنے کی کوئی طاقت نہیں رکھتے۔ ان کے ہاتھ میں ہر گز کچھ نہیں اور ان سے ڈرنے کی قطعاً ضرورت نہیں۔

انسان کو کیا چیز حق کا ساتھ دینے سے روکتی ہے؟ اگر کسی شخص میں مردانگی کی صفت بھی ہو اور وہ اللہ اور اس کی قدرتِ کاملہ پر پختہ ایمان بھی رکھتا ہو تو پھر حق کا ساتھ دینے سے وہ کبھی پیچھے نہیں رہ سکتا۔ خدا تعالیٰ کا یہ حکم اس کی آنکھوں کے سامنے رہتا ہے اور اس کے حوصلے بلند رکھتا ہے۔

> ان لوگوں سے اگر تم پوچھو کہ زمین اور آسمانوں کو کس نے پیدا کیا ہے تو یہ خود کہیں گے کہ اللہ نے۔ ان سے کہو جب حقیقت یہ ہے تو تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر اللہ مجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو کیا تمہاری یہ دیویاں جنہیں اللہ کو چھوڑ کر تم پکارتے ہو مجھے اس کے پہنچائے ہوئے نقصان سے بچا لیں گی۔ یا اللہ مجھ پر مہربانی کرنا چاہے تو کیا یہ اس کی رحمت کو روک سکیں گی۔ بس ان سے کہہ

Marfat.com

دو کہ میرے لئے اللہ ہی کافی ہے۔ بھروسہ کرنے
والے اسی پر بھروسہ کرتے ہیں۔

اس شخص کے اسلام کی کیا قیمت ہے جو دنیا و آخرت کی سچائیوں کو مانتا ہے' حقوق اللہ و حقوق العباد کو تسلیم کرتا ہے مگر اپنے ایمان کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتا؟ حق کا ساتھ نہ دینے کا اس کے پاس کیا جواز ہے؟ حق کی مدد کے لئے نہ اٹھنے کی کیا دلیل ہے؟ حق کی مثبت حمایت کی بجائے حق کے متعلق منفی رویّہ اختیار کرنے کی کیا بنیاد اور وجہ ہے؟ یہ طرزِ عمل تو خود اس کے خلاف حجت بن جائے گا جس روز انسان کے اعضاء و جوارح گواہی دیں گے۔

ہم حق کے معاملے میں لوگوں سے مداھنت کیوں برتتے ہیں؟ ہم کیوں ٹیڑھے لوگوں کے سامنے ان کا ٹیڑھاپن اور فاسقوں فاجروں اور ظالموں کے سامنے ان کا فسق و فجور اور ظلم و ستم پیش نہیں کر دیتے؟

جس کے دل میں ایمان و یقین کی روشنی پیدا ہو جائے اس کا دل قوت و استقامت کا منبع بن جاتا ہے۔ اس کا گرد و پیش بھی اس روشنی سے منور ہو کر رہتا ہے۔ اور یہ کوئی خیالی بات نہیں بلکہ حقیقت ہے۔ اہلِ ایمان پر ایک دور ایسا گزر چکا ہے جب چشم فلک نے اس ایمان افروز کیفیت کے مناظر دیکھے تھے۔ حاتم الاصمؒ نے خود اپنے بارے میں بیان کیا ہے کہ انہوں نے شقیق بلخیؒ کے ساتھ خراسان کی بعض جنگوں میں حصہ لیا۔ ان کا بیان ہے عین میدان جنگ میں جبکہ معرکۂ کارزار گرم تھا' شقیق بلخیؒ میرے پاس آئے اور مجھ سے پوچھا "اے حاتم تمہارے دل کی کیا کیفیت ہے؟" میں نے جواب دیا "دل کی کیفیت آج کچھ ویسی ہی ہے جیسی عروسی کی شب کو تھی۔ دو کیفیتوں سے دوچار ہوں۔" حاتم نے اپنا اسلحہ زمین پر رکھا اور کہا۔ "بھائی جہاں تک میرا تعلق ہے میں تو یوں ہوں۔" پھر اپنا سر اپنی ڈھال کے اوپر رکھا اور اطمینان سے سو گئے۔ معرکہ جاری تھا اور حاتم سو رہے تھے یہاں تک کہ میں نے ان کے خراٹوں کی آواز بھی سنی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ اللہ پر یقینِ کامل کی مثال ہے۔ وہ اللہ جو اپنے بندوں پر عین میدانِ جنگ میں غنودگی طاری کر دیتا ہے۔ یہ غنودگی ان

Marfat.com

کے لئے باعث امن واطمینان ہوتی ہے۔ یہ کسی بیوقوفی اور غفلت کی وجہ سے نہیں ہوتی بلکہ اُس کے ذریعے اللہ تعالیٰ دلوں کو اطمینان اور حوصلوں کو بلندی بخشتا ہے۔ قرآن میں جنگِ بدر کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے۔ "اور یاد کرو اس وقت کو جب اللہ اپنی طرف سے غنودگی کی شکل میں تم پر اطمینان و بے خوفی کی کیفیت طاری کر رہا تھا......" غنودگی اس وقت اطمینان و بے خوفی کا ذریعہ بن گئی تھی۔

یہ بلند مرتبہ حاصل کرنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ ہم اپنے نفس کا علاج اور تزکیہ کرلیں اور اسے اس یقین سے مزین کرلیں کہ وہ خطرات سے گھبرا کر ہر روز اپنا رخ تبدیل کرنے کی بجائے مستقل مزاجی سے اپنے موقف پر ڈٹ جائے۔ ایسا یقین حاصل کرنا مومن کے لئے آسان ہو جاتا ہے جب وہ فکر و بصیرت سے کام لے اور سوچ لے کہ اس کے لئے دو ہی دن پیدا کئے گئے ہیں۔ ایک وہ دن جس میں اس کی موت مقدر ہے اور دوسرا وہ دن جو اس کی زندگی کا ضامن ہے۔ اگر اجل کا دن آجائے تو اس سے کوئی فرار ممکن ہے نہ اسے ٹالنے کی کوئی صورت نکل سکتی ہے اور اگر وہ دن ابھی نہیں آیا تو پھر ڈر کیسا؟ موت تو ہر حال میں اپنے مقررہ وقت پر آجاتی ہے۔ کوئی بہادری سے اسے گلے لگا لے یا بزدلی سے اس کے آگے بھاگ کھڑا ہو۔ بہر حال اس سے کوئی مفر نہیں۔ اجل تو انسان کے لئے ڈرنے کی بجائے حوصلے کا سبب ہے۔ یہ تو مضبوط قلعہ ہے جو موت کا ڈر زائل کر دیتا ہے۔ شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

ای یومی من الموت افر
یوم یقدر ام یوم قدر
یوم لا یقدر لا ارھبہ
ومن المقدور لا ینجو الحذر

دو ہی دن ہیں ایک موت کا اور ایک حیات کا۔ میں کس دن موت سے ڈر کر بھاگوں؟ جس دن موت مقدر نہیں اس دن ڈرنا فضول ہے اور جس روز موت مقدر ہے اس روز واویلا اور احتیاط و خوف لاحاصل۔ پس موت سے ڈرنے کی ضرورت ہی نہیں۔

حضرت عمرؓ کی عادت مبارک تھی کہ جوں ہی کوئی ناپسندیدہ خیال ذہن میں پیدا ہوتا آپ اس کے برگ و بار لانے سے قبل ہی اس کی بیخ کنی فرمادیتے تھے۔ بیماریوں کے علاج کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ ان کا فوری علاج کیا جائے۔ اگر بیماری جڑ پکڑ لے اور مزمن ہو جائے تو اس سے نجات پانا دشوار ہو جاتا ہے۔ ایک مرتبہ لوگوں نے آپ کی خدمت میں ترکی گھوڑا پیش کیا۔ آپ اس پر سوار ہوئے تو وہ متکبرانہ چال چلنے لگا۔ آپ نے اسے مارا تو وہ اور بھی بپھرا اور اس کی چال میں اور بھی تیزی اور تکبر آ گیا۔ آپ اس سے نیچے اتر آئے اور فرمایا۔ "تم نے تو مجھے شیطان پر سوار کر دیا تھا۔ میں تو اس سے نیچے اتر آیا ہوں ورنہ قریب تھا کہ اپنی حیثیت کو بھول کر غرور میں مبتلا ہو جاتا۔"

عمرؓ اتنے حساس اور دقیقہ رس تھے کہ اس معمولی سی بات پر بھی فوری نوٹس لیا حالانکہ کسی انسان کو شک بھی نہ گزر سکتا تھا کہ عمرؓ ترکی گھوڑے پر سواری کی وجہ سے فخر محسوس کرنے لگے ہیں مگر آپ کو لوگوں کی کیا پروا تھی۔ آپ تو اس سے ڈرنے والے تھے جو سینوں میں چھپے ہوئے راز بھی جانتا ہے۔ عمرؓ بھی ایک انسان تھے اور جن چیزوں سے دوسرے انسان متاثر ہوتے ہیں فطری طور پر وہ بھی ان سے اثر پذیر ہوتے تھے مگر آپ ہر ایسے اثر کو دور کرنے میں جلدی کرتے تھے جس سے نقصان کا احتمال ہو۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے سوار خواہ وہ جانوروں کی سواری کر رہے ہوں یا مشینی سواریاں ان کے نیچے ہوں اپنی سواریوں کی شان و شوکت کو دیکھ کر ان کا دماغ آسمان کی بلندیوں پر پہنچ جاتا ہے۔ تکبر اور غرور ان پر طاری ہو جاتا ہے۔

وہ دھوکے میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور یہ دھوکہ یقیناً مہلک اور تباہ کن ہوتا ہے۔

غلاموں کی تربیت

حضرت عمرؓ اپنے غلاموں کی غلطیوں کی اصلاح کا بڑا خیال رکھتے تھے یہ اس وجہ سے نہیں کہ وہ اچھے خدمت گزار غلام ثابت ہوں بلکہ اس وجہ سے کہ ان کا فہم دین درست ہو اور ان کا ایمان مستحکم و مضبوط رہے۔ حضرت عمرؓ کے

Marfat.com

پاس عراق سے خراج آیا۔ آپ نے باہر نکل کر دیکھا اور خراج کے اونٹوں کو آپ اور آپ کا غلام گننے لگے۔ اونٹ اس قدر زیادہ تھے کہ اس وقت ان کی گنتی ممکن نہ تھی۔ حضرت عمرؓ اس پر بار بار الحمد للہ پڑھنے لگے۔ آپ کے غلام نے کہا۔ "یہ اللہ کا فضل اور اس کی رحمت ہے۔" حضرت عمرؓ نے فرمایا "تم نے جھوٹ کہا یہ تو "مما یجمعون" ہے۔ دراصل یہ اشارہ تھا سورہ یونس کی آیت نمبر ۵۸ کی طرف جس میں کہا گیا ہے " (اے نبی) کہہ دیجئے کہ یہ اللہ کا فضل اور اس کی مہربانی ہے کہ یہ چیز اس نے بھیجی اس پر تو لوگوں کو خوشی منانی چاہئے۔ یہ ان سب چیزوں سے بہتر ہے جنہیں لوگ جمع کر رہے ہیں۔"

یعنی اللہ کا فضل اور رحمت مال و متاع نہیں بلکہ قرآن مجید ہے۔ مال و متاع کو "مما یجمعون" یعنی وہ چیزیں جنہیں لوگ سمیٹ رہے ہیں' قرار دیا گیا ہے۔

حضرت عمرؓ اس بات کو برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ کوئی صحابی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی بجا آوری میں تساہل برتے۔ روایت ہے کہ ایک مرتبہ آنجنابؐ نے حضرت عبداللہؓ بن رواحہ سے فرمایا کہ حُدی خوانی کریں انہوں نے عرض کیا "یارسول اللہ میں نے اب حُدی خوانی ترک کر دی ہے۔" حضرت عمرؓ نے سنا تو چیخ کر کہا "نبی پاک کا حکم سنو اور اطاعت کرو۔" آپ کا یہ کہنا غلط نہ تھا کیونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔ سورہ نساء میں خدا کا فرمان ہے "جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

ہمارے اوپر واجب ہے کہ جس حق اور سچائی پر ہم ایمان لائے ہیں اسے صراحت کے ساتھ لوگوں تک پہنچا دیں۔ لوگوں کو حق پہنچا دینا ہمارا فرض ہے خواہ وہ اسے پسند کریں یا ناپسند۔ البتہ اس کام میں حکمت اور نرمی ضروری ہے۔ موعظۂ حسنہ کا تقاضا ہے کہ ہم لوگوں کے دلوں میں اس حق کی محبت اور کشش پیدا کر دیں جس کی طرف ہم انہیں دعوت دیتے ہیں۔ اس کے بعد اگر وہ ہم سے منہ موڑ لیں یا کلمۂ حق کہنے کی پاداش میں ہمیں ایذا بھی پہنچائیں تو ہمیں غم نہیں کرنا چاہئے۔ ان کی سختیاں بڑھتی جائیں تو بھی مایوس کبھی نہیں ہونا

Marfat.com

چاہئے۔ ہمیں کسی بھی حال میں کلمۂ حق اور دعوت الی اللہ اور اس کی مدد سے ہاتھ نہیں کھینچنا چاہئے۔ ساری دنیا کے انسان بھی اگر اس وجہ سے ہم سے ناراض ہو جائیں تو پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ ہم یہ کام محض رضائے الٰہی کے حصول کے لئے کرتے ہیں اس سے انسانوں کی رضا تو مطلوب نہیں ہے۔

قرآن مجید میں خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

"اگر ان منکرین کی بے رخی تم سے برداشت نہیں ہوتی تو اگر تم میں کچھ زور ہے تو زمین میں کوئی سرنگ ڈھونڈ لو یا آسمان میں سیڑھی لگاؤ اور ان کے پاس کوئی نشانی لانے کی کوشش کرو اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ہدایت پر جمع کر سکتا تھا' لہٰذا بے خبر مت بنو۔ دعوتِ حق پر لبیک وہی لوگ کہتے ہیں جو سننے والے ہیں۔ رہے مردے تو انہیں تو اللہ بس قبروں ہی سے اٹھائے گا اور پھر وہ اس کی عدالت میں پیش ہونے کے لئے واپس لائے جائیں گے۔" (الانعام ۳۵ اور ۳۶)

حق کا اعلان کرنا واجب ہے اور اس کے اعلان میں حکمتِ تبلیغ کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ اس عظیم اور کٹھن کام کا اجر ہم صرف اللہ سے چاہتے ہیں اور اس کے سوا کسی سے صلہ اور ستائش درکار نہیں ہے۔

قرآن میں فرمایا

"(پیغام پہنچا دو) پھر انہیں ان کی دلیل بازیوں سے کھیلنے کے لئے چھوڑ دو۔ (الانعام ۹۱)

اگر ہم خدانخواستہ اللہ کی ہدایت اور اس کے نبی کی سنت کے مطابق عمل نہ کریں گے تو اس کا نتیجہ بالکل واضح اور ظاہر ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے۔

"جو کوئی میری ہدایت کی پیروی کرے گا وہ نہ بھٹکے گا نہ بدبختی میں مبتلا ہو گا۔ اور جو میرے ذکر (درسِ نصیحت) سے منہ موڑے گا اس کے لئے

Marfat.com

دنیا میں تنگ زندگی ہوگی اور قیامت کے روز ہم اسے
اندھا اٹھائیں گے۔ (طٰہٰ ۱۲۳۔ ۱۲۴)

اے اللہ ہمیں حق اختیار کرنے کی توفیق عطا فرما اور کلمۂ حق کہنے میں ہماری مدد کر اور اس کی دائمی اتباع کی طاقت بخش اور اس راہ میں جو مشکلات پیش آئیں انہیں آسان فرمادے۔ ہمیں حق پرستی اور حق کی تبلیغ کی سعادت بخش دے۔

یہ مقام و مرتبہ ہمیں مل جائے تو پھر ہماری خوش بختی کے کیا کہنے۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں سورہ انعام میں فرمایا گیا ہے۔

"وہی لوگ (انبیاء کرام اور ان کے پیروکار) اللہ
کی طرف سے ہدایت یافتہ ہیں۔ انہی کے راستہ پر تم
چلو۔ (آیت۔ ۹۰)

Marfat.com

تیسرا باب

سیّدنا عمرؓ اور قرآنِ مجید

قرآن مجید اللہ کا کلام ہے جس کے ذریعے رب العالمین نے خود ہر چیز کی حقیقت واضح کر دی ہے۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن مجید اللہ کے کلام کا مفہوم ہے وہ سخت غلطی پر ہیں۔ اہلِ سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ قرآن مجید حروف والفاظ میں بھی اللہ کا کلام ہے اور معانی میں بھی۔ اس میں بیان شدہ اوامر و نواہی، احکام و فرائض اور تاریخی قصے اور واقعاتِ اقوام غرض ہر چیز لفظی و معنوی لحاظ سے کلامِ ربانی ہے۔

حقوق القرآن

قرآن اللہ کا کلام ہے اور اللہ کے کلام کا یہ ضروری حق ہے کہ اسے سمجھا جائے اور اس کے معانی پر پوری توجہ سے غور و فکر کیا جائے۔ قرآن مجید کا حق محض آیات اور سورتوں کو یاد کر لینے سے ادا نہیں ہو جاتا۔ بعض سلفِ صالحین سے یہ قول مروی ہے کہ جو شخص قرآنِ مجید کے حروف والفاظ تو یاد کر لیتا ہے مگر اس کی قائم کردہ حدوں کی خلاف ورزی کرتا ہے وہ تدبّرِ قرآنی سے محروم ہے۔ اس نے نہ قرآن کو جانا ہے نہ اس کے حقوق کو پہچانا ہے۔ کتنے لوگ ایسے ہیں جو قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں مگر قرآن اُن پر لعنت بھیجتا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں مگر ہم ان کے اخلاق و اعمال سے قرآن مجید کا کوئی نمونہ اور اثر نہیں دیکھتے۔

مصحف شریف کے الفاظ و حروف پر نقطے عبدالملک بن مروان کے حکم سے حجاج بن یوسف نے لگوائے تھے۔ قرآن مجید کو پاروں میں تقسیم اور ہر

Marfat.com

پارے کے حصے (ربع نصف ثلث وغیرہ) اور آیات صحابہ کرام کے دور میں اسی طرح طے ہو گئے تھے جس طرح آج ہم قرآن مجید میں پاتے ہیں۔

قرآن مجید کے اہل ایمان پر بڑے حقوق ہیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حقوق کو بہت اچھی طرح سے بیان فرمایا ہے۔ قرآن مجید کی فضیلت و برکت پر بھی کئی احادیث روشنی ڈالتی ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "جس نے قرآن مجید کی تلاوت کی، اسے یاد کیا اور اس کے حقوق پہچانے اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کرے گا اور اس کے اہل و عیال میں سے دس آدمیوں کے حق میں اس کی شفاعت قبول کر کے انہیں جنت عطا فرمائے گا حالانکہ ان کے لئے دوزخ کا فیصلہ ہو چکا ہو گا۔

اسی طرح ارشادِ نبوی ہے "جو شخص قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے اور اس کا حافظ ہے وہ نیک اور معزز فرشتوں کے ساتھ رہے گا اور جو اس کی تلاوت کرتا ہے اور اس میں اسے دقت پیش آتی ہے مگر وہ مسلسل اس کام میں لگا رہتا ہے اس کے لئے دو ہرا اجر ہے۔

صحابۂ کرامؓ کا قرآنِ مجید سے تعلق

ہمارے عظیم اسلاف تلاوتِ قرآن مجید کی قدر و قیمت سے پوری طرح باخبر تھے۔ تلاوت کا مقصد حقیقی ان کی نظروں کے سامنے رہتا تھا۔ وہ تلاوت اطمینان و سکون سے کرتے تھے۔ اس پر غور و فکر بھی کرتے اور اس کے احکام کی پابندی بھی۔ ان کی تلاوت طوطے مینا کی طرح محض الفاظ کی تکرار نہ تھی۔ ابو عبدالرحمٰن السلمی بیان کرتے ہیں "ہم نے یہ قرآن مجید ان لوگوں سے سیکھا ہے جنھوں نے ہمیں بتایا کہ وہ جب دس آیات پڑھ لیتے تھے تو اگلی دس آیات اس وقت تک نہ پڑھتے جب تک پہلی آیات کے جملہ معانی او معارف اچھی طرح ذہن نشین نہ ہو جاتے اور ان پر وہ عمل پیرا نہ ہو جاتے۔

تدوینِ قرآن

یہ بات کسی تعجب کا باعث نہیں ہونی چاہئے کہ آنحضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ مبارک میں صرف چھ یا پانچ یا چار افراد کے پاس پورا قرآن

Marfat.com

تحریری صورت میں موجود تھا۔ یہ امر بھی حضرت عمرؓ کی نیکیوں اور عظمت کی نشان دہی کرتا ہے کہ قرآن مجید کو ایک کتابی صورت میں مدون کرنے کی تجویز خلیفہ اول حضرت ابو بکر کے سامنے آپ ہی نے پیش کی۔ سیدنا ابو بکر صدیقؓ نے حضرت زید بن ثابت کو جمع و تدوین قرآن کے لئے مقرر کیا۔ اس معاملے میں حضرت عمر کا رول محض اتنا ہی نہیں ہے کہ انہوں نے ایک مشورہ دیا اور وہ قبول کر لیا گیا بلکہ کاتبین جب قرآن مجید کی کتابت کر رہے تھے تو حضرت عمرؓ مسلسل ان کے پاس جاتے رہتے۔ انہیں اس عظیم کام پر ترغیب دیتے اور حوصلہ افزائی فرماتے رہتے تھے۔ جمع و تدوین قرآن کے اس کام کو وہ اتنا متبرک سمجھتے تھے کہ اس میں کسی بھی حیثیت سے حصہ لینا ان کے نزدیک عزت و شرف کا باعث تھا۔ اللہ تعالیٰ جملہ اہلِ اسلام کی طرف سے حضرت عمرؓ کو جزائے خیر دے کہ ان کی کاوشوں سے قرآن مجید کتابی صورت میں جمع ہوا اور یوں اس ذکرِ حکیم کی حفاظت کا اہتمام ہو گیا۔

حلقاتِ قرآنیہ

حضرت عمرؓ کی ذہانت و فہم کا یہ کمال تھا کہ آپ قرآن مجید کے حفظ کی قدر کرتے مگر اس کے معانی کو سمجھنا آپ کے نزدیک حفظ سے زیادہ اہم تھا۔ حضرت عمرؓ کو قرآن سے خصوصی شغف تھا اور یہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے عین مطابق تھا۔ حضرت اُبیؓ روایت کرتے ہیں کہ "ہم صحابہ مسجدِ نبوی میں مختلف حلقے بنا کر بیٹھتے تھے۔ لوگ ذکر و فکر اور دعا و ورد میں مشغول تھے۔ ایک حلقے میں قرآن مجید کی تلاوت اور اس پر غور و فکر ہو رہا تھا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حجرے میں سے نکل کر مسجد میں تشریف لائے اور حلقہ قرآن میں آکر بیٹھ گئے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا "مجھے اس حلقے میں بیٹھنے کا حکم دیا گیا تھا۔

حضرت عمرؓ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ سن رکھا تھا کہ "جو لوگ بھی کسی جگہ جمع ہو کر قرآن مجید کی تلاوت میں مشغول ہو جائیں وہ اللہ تعالیٰ کے مہمان ہوتے ہیں اور فرشتے ان کو گھیرے رہتے ہیں یہاں تک کہ وہ اس مجلس سے اٹھ جائیں یا کسی اور کام میں لگ جائیں۔

Marfat.com

ہم میں سے کون ہے جو اللہ کا مہمان بننے کی خواہش نہ رکھتا ہو اور اس کے ربانی دستر خوان سے زادِ راہ جمع کرنے کا متمنی نہ ہو؟ حضرت عمرؓ قرآن و حدیث کے معانی کو خوب سمجھتے تھے۔ آپ نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو پوری طرح سمجھ لیا تھا "جس کسی نے قرآن کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال کر لیا وہ در حقیقت قرآن مجید پر ایمان نہیں لایا۔" اسی طرح رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بھی ان کے سامنے تھا "انسانوں کے درمیان اللہ تعالیٰ کے کچھ اہل و عیال ہیں۔" پوچھا گیا "یا رسول اللہ وہ کون سے لوگ ہیں؟" آپ نے فرمایا "قرآن سے دل لگانے والے اللہ کے اہل و عیال اور اس کے خاص بندے ہیں۔" اللہ تعالیٰ ذریت و اولاد سے منزّہ اور پاک ہے مگر اہلِ قرآن کو اللہ کی خصوصی توجہ کے مستحق ہونے کی وجہ سے اہل اللہ کہا گیا ہے۔

اہلِ قرآن کی تکریم

حضرت عمرؓ قرآن کی عظمت کو سمجھتے تھے اور اس کا حق ادا کرتے تھے۔ قرآن مجید میں جس کسی کا ذکر خیر آیا ہے اس کی بھی آپ بے پناہ عزت و تکریم کرتے تھے۔ ایک دن حضرت عمرؓ لوگوں کے ساتھ کسی کام کے لئے نکلے۔ راستے میں ایک بڑھیا نے آپ کو روک لیا۔ وہ دیر تک آپ سے باتیں کرتی رہی اور امیر المومنین سر جھکائے نہایت ادب و احترام سے اس کی باتیں سنتے رہے۔ ایک ساتھی نے آپ سے کہا "امیر المومنینؓ ایک بڑھیا کی خاطر آپ نے اتنے سارے لوگوں کو روک رکھا ہے؟" آپ نے فرمایا "تیرا بھلا ہو۔ کیا تو جانتا بھی ہے کہ یہ کون ہے؟ یہ وہ خاتون ہے جس کی شکایت اللہ تعالیٰ نے ساتویں آسمان پر سنی اور اس کے جواب میں سورۂ مجادلہ نازل فرمائی "بے شک اللہ نے اس عورت کی بات سن لی ہے جو آپ سے (اے نبی) اپنے خاوند کے بارے میں بحث کرتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے تم دونوں کا مکالمہ سن لیا ہے۔" یہ خولہ بنتِ مالک بن ثعلبہ ہیں۔ خدا کی قسم اگر یہ رات تک بھی مجھے روکے رکھتیں تو میں اعتراض نہ کرتا۔ نماز کے وقت پر چلا جاتا اور نماز کے بعد پھر آ کر کھڑا ہو جاتا۔"

Marfat.com

یوں حضرت عمرؓ قرآن مجید کی تعظیم کا نمونہ اپنے قول و عمل سے پیش کیا کرتے تھے۔ یوں ہی ہر اہلِ ایمان حاکم کا فرض ہے کہ وہ قرآن مجید' اہلِ قرآن اور قرآن مجید میں مذکورہ ہر ممدوح کی عزت و احترام کی اعلیٰ مثال قائم کرے۔ حکمرانوں کے ایسے عملی نمونوں اور اعلیٰ مثالوں سے عامتہ المسلمین کے دل میں بھی قرآن کی تعظیم پیدا ہوگی اور اس کے احکام پر وہ مطمئن ہو جائیں گے۔ حضرت عمرؓ قرآن کے احکام اپنے گھر میں بھی نافذ کرتے تھے اور اپنی ریاست میں بھی۔ قرآن مجید میں حکمِ ربانی ہے "اپنے اہل و عیال کو نماز کا حکم دے اور اس پر ثابت قدمی اور صبر کا مظاہرہ کر۔" حضرت عمرؓ فرض نمازوں کے علاوہ نمازِ نیم شبی (تہجد) کے لئے بھی اپنے اہل و عیال کو جگایا کرتے تھے۔ قرآن مجید کے احکام پر عمل کا کیسا عمدہ نمونہ تھا!

حضرت عمرؓ کی رائے کے حق میں وحی نازل ہوا کرتی تھی

حضرت عمرؓ ملہم و محدث تھے۔ جب کبھی کوئی اہم معاملہ درپیش آتا اور اس کے بارے میں نبی پاک اپنے صحابہ سے مشورہ طلب کرتے تو لوگ اپنی اپنی صوابدید کے مطابق رائے دیتے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ حضرت عمرؓ کی رائے کی تائید میں وحی ربانی نازل ہو جاتی۔ یوں آپ کی رائے تائیدِ ربانی سے قیامت تک کے لئے شریعت و قانون بن جاتی۔ حضرت عمرؓ اللہ تعالیٰ سے بہت ڈرتے تھے اور یہ خشیتِ الٰہی ایسا نور ہے جو راستوں کو منور کر دیتا ہے اور مسافروں کی رہنمائی کا سامان پیدا ہو جاتا ہے۔ اس دنیا میں نظامِ کائنات الل ٹپ نہیں چل رہا بلکہ ہر چیز کا اندازہ اور تعین کر دیا گیا ہے۔ ہر نتیجے کا کوئی سبب ہوتا ہے۔ جو کڑوے کسیلے حنظل بوئے گا ان سے حنظل ہی کا پھل پائے گا اور جو جھاڑیاں کاشت کرے گا اسے کانٹوں کے سوا کیا حاصل ہو گا؟ چاہ کن را چاہ درپیش۔ جو اللہ سے نہ ڈرے پستی و ذلت اس کا مقدر بن جاتی ہے۔ رہی بھلائی تو اس کا بدلہ بھلائی ہی کی صورت میں ملتا ہے۔

ھل جزاء الاحسان الّا الاحسان۔

باغیوں اور سرکشوں کا انجام

لوگ دنیا میں بسا اوقات دیکھتے ہیں کہ بعض انسان اللہ سے بے خوف ہو

Marfat.com

کر برائیوں کا ارتکاب کرتے ہیں اور انہیں کامیابیاں بھی حاصل ہوتی رہتی ہیں۔ درحقیقت یہ کامیابی نہیں بلکہ اللہ کی طرف سے ڈھیل ہوتی ہے جس کا لوگ بالکل غلط مفہوم لے لیتے ہیں۔ ڈھیل اور مہلت کا اگر کوئی فائدہ اٹھا لے اور سرکشی کی روش چھوڑ کر اطاعت کا راستہ اختیار کر لے تو یہ اس کے حق میں خیر و بھلائی کا باعث ہوتی ہے۔ اگر اس کا فائدہ نہ اٹھایا جائے تو پھر یہ باغیوں پر اللہ کی طرف سے ایک حجت ہوتی ہے۔ ایسا شخص اپنے مالک کے ہاں خائب و خاسر حاضر ہو گا' حسرت وافسوس کے سوا اس کے پاس کچھ نہ ہو گا۔ جب کسی باغی پر اللہ کا غضب شدت اختیار کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے فراخی عطا کرتا ہے اور وہ خوب پھلتا پھولتا ہے۔ یہ اس لئے ہوتا ہے کہ گناہ کی کشتی خوب بھر جائے تو ڈوب جائے۔ ایسی حالت میں پکڑ شدید ترین ہوتی ہے اور حسرت وافسوس ناقابلِ بیان۔ نافرمانوں کو یہ گمان نہیں کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ان سے غافل ہو گیا ہے یا اس نے ان کی رسی بالکل ہاتھ سے چھوڑ دی ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے

"یہ ڈھیل جو ہم انہیں دیئے جاتے ہیں اس کو یہ کافر اپنے حق میں بہتری نہ سمجھیں۔ ہم تو انہیں اس لئے ڈھیل دے رہے ہیں کہ یہ خوب بارِ گناہ سمیٹ لیں۔ پھر ان کے لئے سخت ذلیل کرنے والی سزا ہے۔" (آل عمران ۱۷۸)

حسن بصریؒ نے کیا خوب کہا ہے "کتنے ہی لوگ ہیں کہ ان پر انعامات کی بارش کی جاتی ہے مگر وہ دراصل ان کی رسی ڈھیلی چھوڑنے کے مترادف ہوتی ہے۔ کتنے ہی لوگ ہیں کہ ان کی مدح و تعریف ان کے لئے فتنہ بن جاتی ہے اور کتنے ہی لوگ ہیں کہ ان کے گناہوں پر پردہ ڈالا جائے تو وہ تائب ہونے کی بجائے دھوکے میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

بنی اسرائیل کے کسی شخص کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے کہا "اے میرے رب میں نے تجھے کس قدر ناراض کیا مگر تو نے مجھے کوئی عذاب نہ دیا۔" اس پر اللہ تعالیٰ نے اس دور کے نبی پر وحی نازل کی کہ وہ اس شخص کو بتا

Marfat.com

دیں "میں نے تجھ پر کتنا بڑا عذاب نازل کر رکھا ہے مگر تجھے اس کا شعور ہی نہیں۔ تیری آنکھوں پر غفلت کی پٹی اور تیری شقاوتِ قلبی میری طرف سے عذاب نہیں تو اور کیا ہے۔ کاش کہ تو اس بات کو سمجھ جاتا۔"

خشیتِ الٰہی کے انعامات

جو اللہ کی خشیت کے سائے میں زندگی گزارے وہ کبھی بد بختی کا شکار نہیں ہو سکتا۔ اسے خیر کی توفیق ملتی ہے اور شر سے اسے بچالیا جاتا ہے۔ حضرت عمرؓ کی زندگی خشیت کا مکمل نمونہ تھی۔ اس خشیت نے آپ کو ملہم اور محدث بنا دیا تھا اور آپ کے درجات کو بلند کر دیا تھا۔ آپ کو ان لوگوں کے زمرے میں شامل کر دیا گیا جن کی رفاقت یہاں بھی باعثِ خیر ہے اور عقبیٰ میں بھی موجب رفعت ہوگی۔ یہ انبیاء، صدیقین، شہدا اور صالحین کی جماعت ہے اور یہ کتنے اچھے لوگوں کی جماعت اور کتنی اچھی رفاقت ہے!۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کی خشیت کی بہترین جزا انہیں عطا فرمائی ان کی زبان مبارک پر آنیوالی باتیں وحی بن کر نازل ہو جاتیں۔ کبھی کچھ آیات آپ کی رائے کی تائید میں نازل ہوئیں اور کبھی آپ کی تمنا اور آرزو کے حق میں وحی آئی۔ ہماری رائے اور خیال کے مطابق کبھی عام سا واقعہ رونما ہو جائے تو ہم پھولے نہیں سماتے اور کہنے لگتے ہیں "کیا میں نے نہیں کہا تھا؟ کیا میری یہ رائے نہیں تھی؟ کیا کیا............؟ اتفاقاً کوئی بات ہماری خواہش کے مطابق رونما ہو جائے تو اس پر کتنا لطف اندوز ہوتے ہیں۔ مگر کمال ہے کہ عمر بن خطابؓ کی عظمت کا کہ بار بار آسمانی وحی نے ان کی رائے کی تائید کی مگر وہ کبھی اترائے نہ بہکے بلکہ ہر مرتبہ انکساری اور تواضع میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا۔ کثرتِ انعامات خشیت میں اضافہ کا باعث بنتی رہی۔ سچ ہے کہ اللہ کے سامنے جس قدر کوئی جھکتا چلا جائے اس کی عزت و ہیبت اسی قدر بڑھتی چلی جاتی ہے۔

قرآن مجید ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم معجزہ ہے۔ کسی مومن کے لئے اس سے بڑا اعزاز کیا ہو سکتا ہے کہ اس معجزہ کبریٰ کی بعض آیات اس کے الفاظ و معانی کی مطابقت میں نازل ہوئیں۔ فی الحقیقت یہ خشیت ہے جو دل میں جاگزین ہوئی اور اس نے ہدایت کی طرف رہنمائی کی۔ دل کو

Marfat.com

سکون سے مالامال کر دیا اور وہ جگمگا اٹھا۔ یہ خشیتِ کاملہ عقل بالغہ سے مل گئی تو حقائق اس کے سامنے واضح ہو گئے۔ یہ زبان پر آئی تو اس سے صدق و سچائی کے گوہر' الفاظ کی صورت میں نکلنے لگے۔ اگر میں کہوں کہ یہ مرتبہ ایک فردِ واحد عمرؓ بن خطاب کو حاصل ہوا جس میں کوئی ان کا ثانی نہیں تو شاید اس میں کوئی مبالغہ نہ ہو گا۔

تلاوتِ قرآن کے آداب

قرآن مجید کی تلاوت کے بھی آداب ہیں۔ تلاوت میں ترتیل اور خشوع ضروری ہے۔ ایک مرتبہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کے پاس سے گزرے۔ وہ قرآن مجید کی ایک آیت پڑھتا اور رونے لگتا۔ آپ نے اس کی تعریف فرمائی اور لوگوں سے کہا "کیا تم نے اللہ کا یہ حکم نہیں سنا کہ قرآن مجید کی تلاوت نہایت اچھی ترتیل کے ساتھ کیا کرو۔" گویا ترتیل میں الفاظ کی درستی کے ساتھ قلبی خشوع بھی شامل ہے۔ حضرت علقمہؒ نے کسی شخص کو قرآن مجید پڑھتے ہوئے سنا۔ وہ بہت اچھی طرح تلاوت کر رہا تھا۔ انہوں نے فرمایا "میرے ماں باپ اس شخص پر قربان۔ اس نے ترتیل کا حق ادا کر دیا ہے۔" ابو بکر بن طاہرؒ نے ترتیل کا معنی بیان کرتے ہوئے فرمایا "ترتیل قرآن مجید کے لطائف میں تدبر' قاری ——— احکام قرآنیہ کا اپنے آپ کو پابند بنالینا' دل و دماغ کو فہم قرآن کے لئے وقف کر دینا اور ان معانی کے مطابق عمل پیرا ہو جانا ہے۔" قتادہ فرمایا کرتے تھے "جو کوئی بھی قرآن کے ساتھ (کچھ لمحات کے لئے) بیٹھا وہ یقیناً کچھ کما کے اٹھا یا کچھ گنوا کے۔" مطلب یہ ہے کہ جس نے تلاوت قرآن کا حق ادا کیا اس نے کچھ کمالیا کہ قرآن مجید اس کے حق میں حجت ہو گا اور جس نے تلاوت کی مگر اس کے احکام پر عمل پیرا نہ ہوا تو اس نے نقصان اٹھایا کہ قرآن اس کے خلاف حجت ہو گا۔

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں "لوگوں کے سامنے جب کبھی کوئی اہم مسئلہ پیش آیا اور اس میں لوگوں نے اپنی اپنی رائے کا اظہار کیا اور عمرؓ نے بھی اپنی رائے پیش کی تو کبھی کم ہی ایسا ہوا کہ حضرت عمرؓ کی موافقت میں وحی نہ نازل ہوئی ہو۔"

Marfat.com

خشیتِ الٰہی حضرت عمرؓ کا امتیازی وصف تھا۔ یہی خشیت تھی جس نے آپ کا قرآن کے ساتھ ایک ایسا قریبی تعلق قائم کر دیا تھا جو آپ کے علاوہ کم ہی کسی کو نصیب ہو سکتا تھا۔ قرآن مجید کے ایک ایک لفظ پر غور کرتے۔ کان لگا کر توجہ سے سنتے اور خاموش رہتے۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ آپ پر ایک کیفیت طاری ہے۔ آپ کو ڈر رہتا کہ کہیں کوئی حرف سماعت کے دوران رہ نہ جائے یا کسی لفظ کا معنی سمجھنے میں غلطی نہ ہو جائے۔ وہ یوں سمجھتے کہ قرآن مجید کی ہر آیت گویا صرف انہی کو خطاب کر رہی ہے خصوصاً سورۂ اعراف کی آیت نمبر ۲۰۴ جس میں قرآن مجید کی سماعت اور دورانِ تلاوت خاموش رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔

حضرت عمرؓ کا قرآن مجید کے ساتھ قلبی لگاؤ ایک عظیم اور ایمان افروز باب ہے۔ قرآن تو کلامِ الٰہی ہے اور اپنی ذات میں محمود و ممدوح ہے مگر بندۂ مومن کا اپنا کمال اسی بات میں مضمر ہے کہ وہ قرآن سے لو لگا لے۔ یہ ہر مسلمان کے لئے واجب ہے۔ حضرت ابو موسیٰؓ اشعری بہت خوش الحان قاری تھے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کی خوش الحانی کو لحنِ داؤدی قرار دیا تھا۔ حضرت عمرؓ ان سے اکثر تلاوت کی فرمائش کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ان سے کہا "ہمیں اپنے رب سے ہم کلامی کا شوق ہے۔ اسے پورا کیجئے۔" ابو موسیٰؓ تلاوت کرنے لگے۔ پھر تلاوت روک کر کہا "امیر المومنین۔"نماز" آپ نے کہا "کیا ہم نماز ہی میں نہیں ہیں؟" (حضرت عمرؓ اس کے بعد فوراً نماز کے لئے اٹھ گئے مگر آپ کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت بھی نماز کی طرح عبادت ہے۔ اس کا مفہوم یہ نہیں کہ نماز کی بجائے محض تلاوت کر لی جائے تو نماز کا فرض پورا ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی یہ مفہوم لے تو اس کے ذہن میں ضرور کجی ہے) حاملینِ قرآن صحابۂ کرام کا حضرت عمرؓ کے نزدیک بڑا بلند مرتبہ تھا۔ آپ نے لوگوں کے لئے لازم کر دیا تھا کہ وہ سفر و حضر میں ان قراءؓ سے قرآن مجید کی تلاوت سنتے رہا کریں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں حضرت عمرؓ کی سیرت پاک میں قرآن کا ایسا رنگ نظر آتا ہے جو انہی کا امتیازی نشان ہے۔ طلب میں جس قدر صدق ہو اس کے مطابق ہی کامیابی حاصل ہوتی

Marfat.com

ہے۔ یزید بن جعفر العبدی کی روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں "حضرت عمرؓ ایک شب مدینہ منورہ کی گلیوں میں گھوم رہے تھے۔ ایک گھر کے پاس سے گزرے، صاحبِ خانہ نوافل میں بلند آواز سے قرآن مجید کی تلاوت کر رہے تھے۔ حضرت عمرؓ کھڑے ہو کر سننے لگے۔ صاحبِ خانہ نے سورۂ طور پڑھی، جب ان آیات پر پہنچے "بے شک تیرے رب کا عذاب واقع ہو کر رہے گا۔ اسے کوئی نہ ٹال سکے گا......" تو آپ کے دل پر عجیب کیفیت طاری ہو گئی اور فرمایا "ربِ کعبہ کی قسم یہ سچ ہے۔" پھر آپ اپنی سواری سے اتر آئے اور دیوار سے ٹیک لگالی۔ اسی دوران آپ پر بے ہوشی طاری ہو گئی۔ بعد میں آپ کو اٹھا کر گھر لایا گیا۔ مہینہ بھر آپ صاحبِ فراش رہے اور لوگ عیادت کے لئے آتے رہے مگر کسی کو معلوم نہ تھا کہ بیماری کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے۔ قرآن مجید سے ایسا گہرا تعلق تھا۔

قرآن کی تلاوت کے دوران آپ محض زبان ہی کو استعمال نہ کرتے تھے بلکہ پورا جسم اور دل و دماغ اس میں محو ہو جاتا تھا۔ اسی طرح قرآن کی سماعت کے دوران محض کان ہی متوجہ نہ ہوتے تھے بلکہ جسم کا روان رواں سماعت میں مشغول ہوتا تھا۔ اوپر جورات کا واقعہ بیان ہوا ہے اس میں آپ نے ملاحظہ کر لیا ہے کہ قرآن کا آپ پر کیا اثر ہوتا تھا۔ اور اس اثر آفرینی سے آپ کا رب بخوبی واقف تھا۔ عمرؓ قرآن کے احکام کے پابند تھے اور قرآن مجید عمرؓ کی تمناؤں کی تکمیل اپنی آیات کے ذریعے سے کر دیا کرتا تھا۔ یہ دو طرفہ تعلق عمرؓ کے سوا کسی کے لئے مخصوص نہ تھا۔ اسی لئے عمرؓ کا مقام بھی بلند ترین ہے۔

خانۂ کعبہ اللہ کا گھر ہے جو اس کے انبیاء ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ نے خاص اسی کی عبادت کے لئے تعمیر کیا تھا۔ عمرؓ خانہ کعبہ کی قدر و منزلت اور رعب و ہیبت کو بخوبی جانتے تھے۔ خانہ کعبہ کی تعمیر کرنے والے جد الانبیاء ابراہیم علیہ السلام کا خیال حضرت عمرؓ کے دل میں پیدا ہوا۔ مقام ابراہیم حرم میں موجود تھا۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا "کیا ہی اچھا ہو کہ آپ مقامِ ابراہیم کے پیچھے نماز پڑھیں۔" اس تمنا کے بعد جبریل امین وحی لے کر آئے۔

Marfat.com

واتخذوا من مقامِ ابراھیم مصلّٰی
یعنی مقام ابراہیم کو اپنی نماز کے لئے مخصوص کرلو۔

یوں حضرت عمرؓ کی آرزو پوری ہو گئی۔
مدتیں گزر گئیں، صدیاں بیت گئیں، گردش لیل ونہار بے شمار چکر لگا چکی مگر آج تک حضرت عمرؓ کی تمنا زندہ جاوید ہے۔ قرآن مجید کی تلاوت مسلسل جاری ہے، نمازیں کسی انقطاع کے بغیر پڑھی جا رہی ہیں اور مناسکِ حج کی ادائیگی جاری ہے۔ عمرؓ کا نام زندہ ہے اور ان کا مقام بلند ہے۔ حاجی آج بھی طواف کے بعد نوافل کی ادائیگی کے لئے مقامِ ابراہیم کی طرف لپکتے ہیں۔

غیرتِ فاروقی

مسلمانوں کی عزت و آبرو نہایت مقدس و محترم ہے۔ جو اپنی عزت کی حفاظت کرتا ہوا مارا جائے اسلام میں اسے شہید تصور کیا جاتا ہے۔ عزت و آبرو کے معالات میں پاکیزہ صفت انسان ہی غیرت کا مظاہرہ کرتا ہے۔ غیرت ایمان کی علامت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عزت کی حفاظت ہی کے لئے ہر فحش بات اور بے حیائی کی حرکت کو حرام قرار دیا ہے خواہ وہ ظاہر ہو یا پوشیدہ۔
حضرت عمر رضی اللہ عنہ بڑے غیرت مند انسان تھے۔ پردے کا حکم نازل ہونے سے قبل انہوں نے دیکھا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں کے دروازوں پر ہر شخص جا کر بے دریغ دستک دیتا اور اندر داخل ہو جاتا تھا۔ ظاہر ہے کہ امہات المومنین سب اہلِ اسلام کے لئے ماں کا درجہ رکھتی تھیں اور ان کی اخلاقی پاکیزگی و پاک دامنی بھی ہر شبہ سے بالا و منزہ تھی۔ اسکے باوجود حضرت عمرؓ کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ ازواجِ مطہرات کے ہاں لوگوں کے آنے جانے پر پابندی لگائی جائے۔ چونکہ اللہ کی طرف سے کوئی حکم نہ آیا تھا اس لئے حضورؐ بھی خاموش تھے اور حضرت عمرؓ بھی اپنی پریشانی اور قلق کے

Marfat.com

باوجود کچھ عرصہ چپ رہے۔ حضرت عمرؓ نے محسوس کیا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی روایتی نرم دلی اور رحمت وحیا کی وجہ سے لوگوں کو کچھ کہتے تو نہ تھے مگر لوگوں کا بار بار آپؐ کے دروازے پر جمع ہونا آپ کے لئے پریشانی اور ناگواری کا باعث بنتا تھا۔ حضرت عمرؓ کے دل میں پریشانی شعلے بن کر بھڑک اٹھی۔ انہوں نے آنحضورؐ کی زبان سے یہ سن رکھا تھا کہ اللہ تعالیٰ صقور کے کسی عمل کو قبول نہیں کرتا۔ جب پوچھا گیا "یارسول اللہ صقور کا کیا مطلب ہے؟" تو آپ نے فرمایا "وہ شخص جو اس بات کی پروانہ کرے کہ اسکے گھر میں کون آتا ہے۔" حضرت عمرؓ اپنی بات بلا تکلف اور صراحت کے ساتھ کرنے کے عادی تھے۔ انہوں نے ایک دن حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے ہاں ہر قسم کے لوگوں کی آمدورفت رہتی ہے۔ ان میں نیک بھی ہوتے ہیں اور بد بھی۔ آپ اپنی بیویوں کو پردے کا حکم دیں۔"

پردے کا قرآنی حکم

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تجویز کو پسند فرمایا مگر آپ آسمانی حکم کے منتظر تھے جبکہ حضرت عمرؓ اس معاملے میں جلد فیصلے کے متمنی تھے اور چاہتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فوراً خود ہی یہ حکم جاری کر دیں۔ حضورؐ اس قسم کا حکم جاری کرنے کیلئے وحیٔ ربانی کا انتظار کرتے رہے۔ آپؐ صاحبِ رسالت تھے۔ آپؐ کسی معاملے میں عجلت نہ فرماتے تھے۔ عمرؓ امتی تھے۔ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کو کیسے پہنچ سکتے تھے۔ وقت گزرتا گیا۔ ایک دن ام المومنین سودہؓ بنت زمعہ گھر سے نکلیں۔ وہ عمر رسیدہ تھیں مگر ان کا بھی یوں گھر سے نکلنا حضرت عمرؓ کو ناگوار گزرا۔ حضرت عمرؓ نے بلند آواز سے انہیں کہا "اے سودہؓ ہم نے آپ کو پہچان لیا ہے۔" ایسی بات حضرت عمرؓ کے سوا کوئی دوسرا ہرگز نہ کہہ سکتا تھا۔ ان کے اس قول کا مقصد یہ تھا کہ امہات المومنین اپنے گھروں سے نکلا نہ کریں اور اگر ناگزیر ہو تو پردہ کر کے

Marfat.com

نکلا کریں۔ حضرت عمرؓ کی آرزو تھی کہ حجاب کے حق میں شریعت کا خصوصی قانون نازل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس بندے کی آرزو پوری کر دی اور حکم نازل فرمایا۔

> "اے لوگو جو ایمان لائے ہو نبیؐ کے گھروں میں بلا اجازت نہ چلے آیا کرو۔ نہ کھانے کا وقت تاکتے رہو ہاں اگر تمہیں کھانے پر بلایا جائے تو ضرور آؤ مگر جب کھانا کھالو تو منتشر ہو جاؤ' باتیں کرنے میں نہ لگے رہو۔ تمہاری یہ حرکتیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف دیتی ہیں مگر وہ شرم کی وجہ سے کچھ نہیں کہتے اور اللہ حق بات کہنے میں نہیں شرماتا۔ نبی کی بیویوں سے اگر تمہیں کچھ مانگنا ہو تو پردے کے پیچھے سے مانگا کرو۔ یہ تمہارے اور ان کے دلوں کی پاکیزگی کے لئے زیادہ مناسب طریقہ ہے۔"

یہ آیتِ کریم ایسی نص ہے جو مسلمان معاشرے میں لوگوں کے لئے ایک مستقل قانون کی حیثیت سے قیامت تک موجود رہے گی اور لوگوں کی پرائیوٹ زندگی کے تقدس اور ان کی آبرو کی حرمت کی ضمانت مہیا کرتی رہے گی۔ اس معاملے میں سستی اور کمزوری وہی دکھاتا ہے جس کا ضمیر و احساس مردہ ہو چکا ہو' جسکی مردانگی و غیرت کا جنازہ نکل چکا ہو اور جو شرم و حیا سے بے نیاز ہو چکا ہو لوگوں کو معاشرتی زندگی میں اصول و قانون کا پابند بنانا ضروری ہے تاکہ گھریلو زندگی میں خلل نہ واقع ہو۔ انسانی معاشرے میں ہر قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں اور قانون کی حد بندیاں ان سب کو اپنے اپنے دائرے میں محدود کر کے امن و سکون کی ضامن بن جاتی ہیں۔

حجاب کی حقیقت

حجاب کے بارے میں واضح طور پر یہ بات سمجھ لینی چاہیئے کہ حجاب کے

Marfat.com

مخالفین اس کا بڑا غلط تصور پیش کرتے ہیں۔ حجاب محض عورت کا پردے میں چھپ جانا اور سر کی چوٹی سے لیکر پاؤں کی ایڑی تک اپنے آپ کو ڈھانپ لینا ہی نہیں۔ نہ حجاب یہ ہے کہ عورت کو گھر کے کسی کونے میں بند کر دیا جائے جہاں سے نکلنے کی اسے اجازت نہ ہو۔ نہیں بلکہ حجاب یہ ہے کہ عورت باعزت طریقے سے اپنا ستر ڈہانکے۔ باوقار اور سنجیدہ لباس پہنے اور اپنی زینت کو غیر محرموں سے چھپائے۔ اس پر کسی ایسے شخص کی نظر نہ پڑے جو فتنے کا باعث بن جائے۔ اسکے لئے یہ بھی جائز نہیں کہ ہر اچھے بُرے اور اپنے پرائے کے لئے دروازہ کھول دے۔ نہ اسکے لئے یہ حلال ہے کہ جن لوگوں کو اس کا شوہر ناپسند کرتا ہو انہیں اپنے گھر میں داخل ہونے کی اجازت دیدے حجاب اس بات کو نہیں کہا جاتا کہ محفلوں میں رقص وسرود کرنے والی عورتوں کو پردہ کرا لیا جائے یا پردہ کرنے والی عورتوں کے لئے ہر برائی مباح سمجھ لی جائے۔ پردہ لفظی اور معنوی ہر لحاظ سے ضروری ہے۔ اور سچی بات یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں باحیا اور عفت مآب عورت کے لئے پردہ باعثِ عزت بھی ہے اور موجبِ زینت بھی۔ رہا پردے کے بارے میں بعض مغرب زدہ لوگوں کا تبصرہ اور حاشیہ آرائی تو یہ جھوٹ اور افترا ہے جس کا اسلام کی تعلیمات سے کوئی تعلق نہیں۔

اسلام میں عورت کا بلند مقام

آج مسلمانوں کی حالتِ زار ان کی تعلیمِ دین سے بے پروائی کا نتیجہ ہے مسلمان عورت کی عظمت واحترام مغرب کی نقالی میں ہر گز نہیں نہ ہی اس کی آزادی کا راز مغربی طرزِ بود وباش اپنانے میں پنہاں ہے۔ اسلام سے دوری اور آداب واخلاق دین سے بے اعتنائی مسلمان کو ذلت ہی سے دوچار کر سکتی ہے۔ اسلام کسی مسلمان عورت کو جاہل نہیں دیکھنا چاہتا۔ اسلام اور جہالت کا آپس میں کیا تعلق؟ اسلام نے تو حصولِ علم ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض کیا ہے۔ عورت کے حقوق ومراعات کی حفاظت میں بھی اسلام ہر نظریۂ زندگی

Marfat.com

سے آگے ہے۔ مرد کے لئے ریشم وحریر کا لباس اور سونے کا زیور حرام قرار دیا مگر عورت کو اسکی اجازت دی۔ عورت کو جائداد کا حق عطا کیا اور اپنے مال میں جائز اور حلال طریقوں سے تصرف کی پوری حریت بخشی۔ اپنے مال کو راہِ خدا میں صرف کرنے کے لئے عورت کو اپنے خاوند سے بھی اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ حقوق جو اسلام نے چودہ صدیاں قبل عورت کو عطا کئے تھے، مغربی معاشرے میں چند عشرے قبل تک ان کا تصور بھی نہ تھا۔ اسلام نے عورت کو زیب وزینت اور آرائش کی اجازت دی ہے لیکن یہ اسکے شوہر کے لئے ہے غیروں کے لئے نہیں۔ اسلام نے مرد وعورت دونوں کو انسان ہونے کی حیثیت سے برابری کا درجہ دیا ہے اور حقوق وفرائض کا متوازن نظام قائم کیا ہے۔ ام المومنین حضرت زینبؓ بنت جحش دستکاری وحرفت جانتی تھیں۔ وہ چمڑے کی دباغت اور نقش کاری سے پیسہ کماتی تھیں اور اپنی آمدنی کو راہِ خدا میں خرچ کرتی تھیں۔ حضرت عبداللہؓ بن مسعود کی اہلیہ تجارت کرتی تھیں اور اپنی آمدنی اپنے خاوند اور بچوں پر خرچ کرتی تھیں۔ حضرت عمرؓ نے مارکیٹ میں ایک حصہ عورتوں کے لئے مختص کر دیا تھا اور اس میں ایک عورت کو نگراں مقرر کیا تھا۔ بعض فقہائے اسلام نے عورت کو (عورتوں کے متعلق مقدمات کی سماعت کے لئے) جج مقرر کرنیکی اجازت دی ہے۔ قرنِ اول میں مسلم خواتین میدانِ جنگ میں بھی جاتی تھیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی اور مریضوں کا علاج کرتی تھیں۔

موجودہ دور میں ترقی کی علامت بے حجابی کو سمجھا جاتا ہے۔ نام نہاد ترقی یافتہ ممالک میں خواتین کسی ضرورت کے تحت گھر سے نکلنے کی بجائے شوقیہ طور پر اور نمائش کی خاطر گھروں سے نکل کھڑی ہوتی ہیں۔ اور اس پر کسی شرمساری کی بجائے وہ فخر کرتی ہیں۔

صحابیات نے بوقتِ ضرورت دشمن کے خلاف مسلح جہاد بھی کیا ہے۔ ہماری تاریخ ان واقعات سے مالا مال ہے۔ علم وہنر کے میدان میں بھی مسلم خواتین نے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا علم کا سمندر تھیں۔ کبار صحابۂ کرامؓ بھی آپ سے فرائض کے

Marfat.com

بارے میں سوال پوچھتے تھے۔ آپ سب سے زیادہ فقہ کا علم رکھتی تھیں اور سب سے زیادہ ثقہ رائے بھی آپ ہی کی ہوتی تھی۔ حضرت عروہ بن زبیرؓ کہا کرتے تھے "حضرت عائشہؓ سے زیادہ فقہ، طب اور شعر کا کوئی عالم میں نے نہیں دیکھا۔

عورت کا کون سا حق ہے جو اسلام نے اسے عطا نہیں کیا؟ مسلمان عورت کی حرمت و عزت اور حق رسی و حریت اپنے رب کے احکام کی اطاعت اور تنفیذ میں ہے۔ اللہ جس نے اسے پیدا کیا ہے تنہا وہی اس حقیقت کو جانتا ہے کہ اس کا نفع و نقصان کیا ہے۔

منافق کی نمازِ جنازہ کے متعلق حضرت عمرؓ کی رائے

نفاق ایک مہلک بیماری اور بد ترین شر ہے جو دنیوی زندگی میں انسان کیلئے باعث ننگ و عار ہے اور آخرت میں اسے جہنم کی پستیوں میں گرانے کا موجب بنے گا۔ اس بد ترین اخلاقی مرض کی وجہ سے انسان دوزخ کے سب سے نچلے گڑھے میں پھینکا جائے گا۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابیّ ابن سلول مدینے میں مرا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسکے بیٹے عبداللہ بن عبداللہ کی درخواست پر نمازِ جنازہ پڑھانے کے لئے نکلے۔ عبداللہ بن عبداللہ صادق الایمان صحابی تھے جب کہ ان کا باپ منافقین کا سردار تھا۔ اس موقع پر حضرت عمرؓ نے آنحضورؐ کا دامن پکڑ لیا اور درخواست کی کہ منافق کی نمازِ جنازہ نہ پڑھائیں۔ انہوں نے یہ بھی عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے منافقین کی نمازِ جنازہ پڑھانے سے منع کیا ہے۔ اس پر حضور اکرمؐ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا ہے کہ ان کے لئے مغفرت کی دعا مانگوں یا نہ مانگوں **استغفر لھم اولا تستغفر لھم** حضرت عمرؓ نے عرض کیا "وہ تو پکا منافق ہے۔" اسکے باوجود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ حضرت عمرؓ نے بڑا زور لگایا کہ حضورِ اکرمؐ کو روکیں مگر حضور رحمت اللعالمین تھے۔ آپؐ کا دل انسانوں کی محبت اور رحم سے بھرا ہوا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا چکے تو اللہ تعالیٰ نے اس موضوع پر وضاحت فرمائی اور یہ آیت نازل کی

"اور آئندہ ان میں سے جو کوئی مرے اسکی نماز
جنازہ بھی تم ہر گز نہ پڑھنا اور نہ کبھی اسکی قبر
پر کھڑے ہونا کیونکہ انہوں نے اللہ اور اسکے رسول
کے ساتھ کفر کیا اور وہ مرے ہیں اس حال میں کہ وہ
فاسق تھے" سورہ توبہ آیت ۸۴

حضرت عمرؓ منافقین کو ہر گز پسند نہ کرتے تھے۔ نفاق سے آپکو ازحد دشمنی تھی۔ نفاق ایسا مرض ہے جو انسان کی جملہ اچھی صفات اور انسانی اخلاق کو چٹ کر جاتا ہے۔ حضرت عمرؓ چاہتے تھے کہ اسلامی معاشرہ میں منافقین کی عزت و تکریم کا کوئی مظاہرہ نہ کیا جائے۔ یہ آپکی دلی خواہش تھی اور اللہ تعالیٰ نے آپکو اس میں نامراد نہیں ہونے دیا بلکہ قرآن مجید میں حکم نازل فرما دیا کہ حضورؐ منافقین کی نماز جنازہ نہ پڑھا کریں بلکہ ان کی قبر پر بھی نہ کھڑے ہوں.

حرمتِ شراب اور سیدنا عمر فاروقؓ

شراب کو اسلام نے قطعی حرام قرار دیا ہے۔ شراب کی حرمت کی ایک تاریخ ہے۔ یہ بتدریج حرام ہوئی۔ آغازِ اسلام میں کسی مسلمان نے شراب کے زیر اثر قرآن مجید کی کسی آیت میں تحریف کر دی تو مسلمانوں پر یہ بات بڑی شاق گزری۔ اس پر یہ حکم نازل ہوا۔

"اے اہلِ ایمان جب نشے کی حالت میں ہوتے ہو تو
نماز کے قریب نہ جاؤ نماز اس وقت پڑھنی چاہیے
جب تم جانو کہ کیا کہہ رہے ہو۔" النساء آیت: ۴۳

اس حکم میں اگرچہ شراب کی قطعی حرمت بیان نہیں کی گئی مگر حضرت عمرؓ کی روشن ضمیری اور سلیم الفطرتی نے انہیں بتا دیا کہ شراب مکمل طور پر حرام قرار دے دی جائے گی چنانچہ روایت کیا گیا ہے کہ اس موقع پر آپ نے کہا "اللہ

Marfat.com

تعالیٰ عنقریب شراب کی قطعی حرمت کا حکم دینے والا ہے۔" پھر آپ نے یہ دعا بھی کی "اے اللہ شراب کے متعلق ہمیں واضح اور قطعی ہدایات سے سرفراز فرما۔"

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے سورہ مائدہ کی یہ آیات نازل فرمائیں

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو' یہ شراب اور جوا اور یہ آستانے اور پانسے' یہ سب گندے شیطانی کام ہیں' ان کو چھوڑ دو' امید ہے کہ تمہیں فلاح نصیب ہوگی۔ شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ سے تمہارے درمیان عداوت اور بغض ڈال دے اور تمہیں خدا کی یاد سے اور نماز سے روک دے' پھر کیا تم ان چیزوں سے باز رہو گے؟'

المائدہ : ۹۰، ۹۱

آیت کے آخر میں فھل انتم منتھون "پھر کیا تم باز رہو گے؟" استفہام استنکاری ہے اور اہل لغت جانتے ہیں کہ یہ عام نہی سے زیادہ سخت اور قطعی ہے۔ اس میں زیادہ شدید ڈراوا پایا جاتا ہے۔ اس حکم کو سنتے ہی عمرؓ بلند آواز سے پکار اٹھے «انتھینا یا رب» اے پروردگار ہم باز آگئے ہیں۔

ازواجِ مطہراتؓ کو نصیحت

ایک مرتبہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں آپؐ کے درمیان اور ازواجِ مطہراتؓ کے درمیان شکر رنجی پیدا ہو گئی حضرت عمرؓ کو پتہ چلا تو وہ امہات المومنین کے پاس گئے اور ان کو سخت سست کہتے ہوئے حضور پاکؐ کی ناراضگی کے اثرات سے ڈرایا۔ انہوں نے کہا "تمہیں لازماً اس رویّہ سے باز آنا ہو گا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع واطاعت کرنا ہوگی ورنہ اللہ تعالیٰ تمہاری جگہ اپنے نبیؐ کو تم سے بہتر بیویاں عطا فرما دے گا۔ ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے خود بیان کیا" مجھے پتہ چلا کہ حضورِ اکرم

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض بیویوں کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اختلاف ہو گیا اور گھر میں ناخوشگوار فضا پیدا ہو گئی ہے۔ اس پر میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں حاضری دی ازواج مطہرات کو سمجھایا کہ حضورؐ کے مقامِ رفیع کا خیال رکھیں اور آدابِ رسالت کا حق ادا کریں' اگر ایسا نہ کیا تو اللہ تعالیٰ تمہیں سزا دے گا اور اپنے نبیؐ کو تم سے بہتر بیویاں عطا فرما دے گا۔ جب میں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بیوی کے پاس حاضر ہو کر یہ بات کہی تو وہ ناراض ہوئیں اور غصے سے مجھے ڈانٹ پلائی "اے عمرؓ' تمہاری یہ جرأت کہ تم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھریلو معاملات میں دخل اندازی کرتے ہو؟ کیا حضورؐ خود اپنی بیویوں کو نصیحت نہیں کر سکتے کہ تم یہ کام کرنے چلے ہو؟"
اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے سورہ تحریم کی یہ آیت نازل فرمائی۔ "بعید نہیں کہ اگر

> نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تم سب (ازواج) کو طلاق دے دیں تو اللہ انہیں ایسی بیویاں تمہارے بدلے میں عطا فرما دے جو تم سے بہتر ہوں' سچی مسلمان با ایمان' اطاعت گزار' توبہ کرنے والی' عبادت گزار اور روزہ دار خواہ شوہر دیدہ بیوہ یا کنواریاں"۔ سورۂ تحریم : ۵

مفسرین قرآن نے اس آیت کی شانِ نزول یہی بیان کی ہے کہ یہ حضرت عمرؓ کی تائید میں نازل ہوئی۔

اسیرانِ بدر کے بارے میں اظہارِ رائے

جنگ بدر میں کفار کی شکست فاش کے بعد بہت سے مشرکین مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہوئے۔ انہیں جنگی قیدی بنالیا گیا۔ انہیں رسیوں سے باندھ کر مدینہ کی طرف لے جایا جا رہا تھا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں صحابہؓ سے مشورہ مانگا۔ حضرت ابو بکرؓ اور صحابہؓ کی ایک کثیر تعداد نے رائے دی کہ قیدیوں سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دیا جائے۔ نبی اکرم صلی

Marfat.com

اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا "ابن خطاب تمہاری کیا رائے ہے؟" حضرت عمرؓ نے جو صاحبِ رائے اور اللہ کی طرف سے خصوصی طور پر کلمۂ حق وصواب کی امتیازی شان سے نوازے گئے تھے عرض کیا "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری رائے ابو بکر کی رائے سے مختلف ہے۔ میرا تو مشورہ ہے کہ ان کفر کے سرغنوں کو تہہ تیغ کر دیا جائے۔ آپؐ میرے فلاں فلاں قریبی رشتہ داروں کو میرے حوالے کر دیجئے تاکہ میں ان کی گردنیں مار دوں اسی طرح جس جس صحابی کا جو قریبی رشتہ دار موجود ہے اسے حکم دیا جائے کہ اِس موقع پر اسلام سے اپنی محبت ووفاداری کا مظاہرہ کرنے کے لئے وہ اس کی گردن اڑا دے۔ اس سے ہمارا رب ہمارے جذبۂ ایمانی اور کیفیتِ قلبی کو جان لے گا کہ ہم مشرکین کے ساتھ کوئی تعلق خاطر نہیں رکھتے۔"

یہ حضرت عمرؓ کے دلی جذبات تھے۔ انہوں نے ان کا برملا اظہار کر دیا۔ اللہ کی طرف سے اس معاملے میں ابھی کوئی حکم نازل نہ ہوا تھا۔ بہرحال بعد میں اللہ کا یہ فرمان نازل ہو گیا

"اگر اللہ کا نوشتہ پہلے نہ لکھا جا چکا ہوتا تو جو کچھ تم لوگوں نے کیا ہے اس کی پاداش میں تم کو بڑی سزا دی جاتی۔ پس جو کچھ تم نے مال حاصل کیا ہے اسے کھاؤ پیو کہ وہ حلال اور پاک ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو۔" (الانفال ۶۸-۶۹)

یہ آیت نمبر ۶۸، ۶۹ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال کرم ورحم سے اہل ایمان کو سرزنش کر کے معاف فرما دیا۔ اس سے پہلی آیت میں فرمایا ہے

"کسی نبی کے لئے یہ زیبا نہیں ہے کہ اس کے پاس قیدی ہوں جب تک کہ وہ زمین میں دشمنان (اسلام) کو اچھی طرح کچل نہ دے۔ تم لوگ دنیا کے فائدے چاہتے ہو حالانکہ اللہ کے پیشِ نظر آخرت ہے اور اللہ غالب اور حکیم ہے۔" (الانفال ۶۷)

Marfat.com

حضرت عمرؓ نے اپنی پیش کردہ رائے میں یہ بات ملحوظ رکھی تھی کہ بدر کے قیدی کفار کے سربر آوردہ رہنما اور قائدین تھے اس لئے ان کا کچلا جانا فی الحقیقت کفر و ضلالت کے پاش پاش کرنے کے مترادف تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کو اعلیٰ ترین فہم و فراست سے نوازا تھا۔ حضرت عمرؓ کے نزدیک نظریہ اور ایمان ہر چیز پر مقدم تھا۔ انہیں خطرہ محسوس ہوا کہ قرابت داری کا لحاظ یا مالِ غنیمت و فدیہ کا لالچ عقیدے کے اخلاص پر غالب نہ آجائے۔ اسی وجہ سے انہوں نے یہ مشورہ دیا تھا کہ عملاً کفر کا زور توڑ دیا جائے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکرؓ کی رائے کو پسند فرمایا۔ حضرت عمرؓ اس واقعہ کو یاد کر کے بیان کیا کرتے تھے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابو بکرؓ کی رائے کو پسند فرمالیا اور میری رائے کو قبول نہ فرمایا۔ چنانچہ قیدیوں سے فدیہ لے کر انہیں رہا کرنے کا فیصلہ ہو گیا۔ اگلے روز صبح کے وقت میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ابو بکرؓ بھی بیٹھے تھے اور دونوں بزرگ رو رہے تھے۔ میں نے عرض کیا" یارسول اللہؐ آپ اور آپ کے یارِ غار کیوں رو رہے ہیں؟ یا رسول اللہ! مجھے بھی بتایئے تاکہ میں بھی اس بکا میں آپ کے ساتھ شامل ہو جاؤں۔" آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "فدیہ وصول کرنے کے فیصلہ پر اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ لوگوں پر آنے والا عذاب دکھایا۔ وہ عذاب اس سامنے والے درخت سے بھی قریب آچکا تھا مگر اللہ نے اپنی رحمت سے اسے ٹال دیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے سورۂ انفال کی یہ آیات نازل فرمادیں جن کا اوپر ذکر ہوا ہے۔"

عمرؓ ناطق صدق و صواب

آیاتِ قرآنی نازل ہو رہی تھیں اور مسلمانوں کے سامنے ان کی تلاوت کی جاتی تھی۔ مسلمان آیات کی تلاوت خاموشی کے ساتھ سنتے، ان سے درسِ عبرت حاصل کرتے اور تعلیم کے ساتھ ساتھ اپنی زندگیوں میں ان کو نافذ

کرنے کا اہتمام بھی کرتے۔ لیکن سیدنا عمرؓ کا معاملہ عجیب تر تھا۔ ان کا ذوق سلیم آیات کے نزول سے قبل ہی انہیں ان آیات سے مطلع کر دیتا تھا۔ سورہ المومنون کی آیت نمبر ۱۴ نازل ہوئی ' "پھر اس بوند کو لوتھڑے کی شکل دی ' پھر لوتھڑے کو بوٹی بنا دیا پھر بوٹی کی ہڈیاں بنائیں پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا پھر اسے ایک دوسری ہی مخلوق بنا کھڑا کیا...... "

جب یہاں تک حضرت عمرؓ نے آیت سنی تو ان کی فطرت سلیم اور ذہن رسا نے تخلیق کے عمل اور اس کی نزاکت کو محسوس کیا اور قدرت کے منظّم نظام تخلیق کا ادراک حاصل کر کے اپنے قلبِ ذاکر کی گہرائیوں سے فوراً پکار اٹھے۔ «تبارک الله احسن الخالقین» اور آیت کا آخری ٹکڑا انہی الفاظ پر مشتمل وحی ربانی کی صورت میں نازل ہوا۔ «فتبارک الله احسن الخالقین»۔ "پس بڑا ہی بابرکت ہے اللہ سب کاریگروں سے اچھا کاریگر "۔

حضرت عمرؓ کی رائے کے مطابق قرآن مجید کی آیات نازل ہوئیں جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے ' حضرت عمرؓ کا مقام اتنا بلند ہے کہ کئی مرتبہ ان کے دل مین کوئی تمنا پیدا ہوئی جس کی بنیاد مسلمانوں کی مصلحت اور بھلائی پر مبنی تھی۔ تو اللہ رب العزت نے ان کی تمنا کو پورا کر دیا۔ قرآن میں آیات کی صورت میں وہ تمنا حکمِ ربانی بن کر آئی۔ اس کی اطاعت سب اہلِ ایمان کے لئے فرض قرار پائی۔ حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہؐ نے ایک انصاری لڑکے کو جس کا نام مدلج تھا بھیجا کہ حضرت عمرؓ کو بلا لائے۔ وہ لڑکا حضرت عمرؓ کے ہاں پہنچا ' حضرت عمرؓ سوئے ہوئے تھے دروازہ بند کر رکھا تھا۔ لڑکے نے بے دریغ دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو کر سلام کیا۔ حضرت عمرؓ کی آنکھ نہ کھلی لڑکا واپس چلا گیا۔ بعد میں جب عمرؓ کو معلوم ہوا کہ وہ لڑکا ان کے گھر میں داخل ہو گیا تھا اور اس نے انہیں نیند کی حالت میں ممکن ہے عریاں دیکھا ہو تو آپ کو افسوس ہوا اور آپ نے کہا "میری یہ تمنا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے بیٹوں اور غلاموں کو بھی سونے کی اس گھڑی کے دوران میں ہمارے ہاں اجازت کے بغیر داخل ہونے سے منع فرما دے۔ "

اسی وقت حضرت عمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر

ہوئے۔ آپ کی آمد سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل ہو گئی تھیں۔

"اے لوگوں جو ایمان لائے ہو۔ لازم ہے کہ تمہارے مملوک اور تمہارے وہ بچے جو ابھی عقل کی حد کو نہیں پہنچے ہیں تین اوقات میں اجازت لے کر تمہارے پاس آیا کریں۔ صبح کی نماز سے پہلے اور دوپہر کو جب کہ تم کپڑے اتار کر رکھ دیتے ہو اور عشاء کی نماز کے بعد۔ یہ تین وقت تمہارے لئے پردے کے وقت ہیں۔ ان کے بعد وہ بلا اجازت آئیں، تو نہ تم پر کوئی گناہ ہے نہ ان پر۔ تمہیں ایک دوسرے کے پاس بار بار آنا ہی ہوتا ہے، اس طرح اللہ تمہارے لئے اپنے ارشادات کی توضیح کرتا ہے اور وہ علیم و حکیم ہے۔" (النور آیت ۵۸)

حضرت عمرؓ کی تمنا قرآن کا حصہ بن گئی۔ اس کی تلاوت کی جاتی ہے۔ اس نے معاشرے کی تنظیم کیلئے درس دیا جس کی اتباع ہر فرد مسلم پر لازمی ہے۔ اس کے اندر بڑی حکمت اور بے پناہ فوائد ہیں۔ نیک فطرت اور خوش خلق انسان اس تنظیم میں اپنے لئے سکون کی دولت اور اطمینان کا سامان پاتا ہے۔ آج ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم اپنے دینِ حنیف کے عظیم الشان آدابِ معاشرت سے بے پرواہو گئے ہیں نہ خود اس کا اہتمام ہے اور نہ دوسروں کو اس کی تلقین۔ اگر ہم ان آداب کو اپنی زندگیوں میں رائج کر لیں تو پاکیزہ ماحول اور آرام دہ معاشرے کا لطف اٹھا سکتے ہیں۔ ہم نے آدابِ دین کو حقیر جانا اور ان سے کنارہ کش ہو گئے۔ نتیجتاً ہمارا معاشرہ پراگندہ حال و تباہ ہو گیا اور ہم نے غیروں کے آداب کی نقالی شروع کر دی۔ یہ بدقسمتی کی انتہا ہے کہ ہمارے پاس ایسا خزانہ ہے جو دنیا کی کسی قوم کے پاس نہیں مگر پھر بھی ہم ذلیل و خوار ہیں۔ ہماری یہ حالتِ زار اس وقت تک نہیں بدل سکتی جب تک ہم خود بدلنے کا ارادہ نہ

Marfat.com

کریں۔ سورہ الرعد میں اللہ کا حکم ہے۔ "بے شک اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنا رویہ نہ بدل لیں"۔

ہمارے دین نے جو معیار قائم کئے ہیں وہ بہت بلند ہیں۔ اگر ہم ان تک بکمال نہ بھی پہنچ سکیں تو ان کے قریب تر پہنچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس دینِ حق میں ہر شخص جوابدہ ہے۔ اپنی حیثیت، مرتبے اور اختیارات کے مطابق اس سے باز پرس ہوگی۔ پس ہر مسلم کو دوسروں کی جانب توجہ کرنے سے پہلے خود اپنی جانب توجہ کرنی چاہیے اور اپنے فرائض وواجبات کو مکمل یک سوئی سے ادا کرنا چاہیے۔ عمل اصل چیز ہے۔ دوسروں پر تنقید اور ملامت چھوڑ کر خود عملی نمونہ پیش کرنا چاہیے۔ اگر ہماری ساری پونجی قول و عمل میں تطابق پیدا کرنے کی بجائے باتیں ہی ہوں اور عمل کا خانہ خالی رہ جائے تو پھر یہ حالت قابلِ افسوس ہے۔ سمجھدار اور غیرت مند انسان ایسی حالت پر کبھی مطمئن اور قانع نہیں ہو سکتا۔ ہم جو عمل بھی کریں خواہ وہ کتنا معمولی اور چھوٹا ہی کیوں نہ ہو ہمیں اس میں سنجیدگی اور دوام اختیار کرنا چاہیے اور ہمارا عمل ہمارے قول کے عین مطابق ہونا چاہیے تاکہ ہم اللہ کی ناراضگی سے بچ سکیں۔ اللہ نے فرمایا ہے "اے ایمان والو تم وہ بات کیوں کہتے ہو جس کے مطابق عمل نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات سخت ناپسند ہے کہ تمہارے قول و عمل میں تضاد ہو۔" (الصّف ۲ - ۳)

ایک مرتبہ یہ افواہ پھیل گئی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے یہ خبر سنتے ہی حضرت عمرؓ فوراً نبی پاکؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے اس معاملے میں دریافت کیا۔ حضورؐ نے اس خبر کی تردید فرمائی تو حضرت عمرؓ نے مسجد نبوی کے دروازے پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے اعلان کیا کہ حضورؐ نے اپنی بیویوں کو طلاق نہیں دی۔ اس کے بعد سورہ نساء کی آیت نمبر ۸۳ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

"اور جب یہ لوگ کوئی اطمینان بخش یا خوفناک خبر
سن پاتے ہیں اسے لے کر پھیلا دیتے ہیں حالانکہ
اگر یہ اسے رسولؐ اور اپنی جماعت کے ذمہ دار
اصحاب تک پہنچائیں تو وہ ایسے لوگوں کے علم میں

Marfat.com

آجائے جو ان کے درمیان اس بات کی صلاحیت
رکھتے ہیں کہ اس سے صحیح نتیجہ اخذ کر سکیں۔ تم
لوگوں پر اللہ کی مہربانی اور رحمت نہ ہوتی تو (تمہاری
کمزوریاں ایسی تھیں کہ) معدودے چند کے سوا تم
سب شیطان کے پیچھے لگ گئے ہوتے۔ "

حضرت عمرؓ اس آیت کو سن کر بہت خوش ہوئے کیونکہ انہوں نے صحیح نتیجہ اخذ کیا تھا۔

آیات نازل ہوتی تھیں تو حضرت عمرؓ اور دیگر اہلِ اسلام آنحضورؐ کی زبان سے انہیں سنتے تھے۔ اگر کسی خاص موقع اور موضوع سے متعلق کوئی آیت نازل ہوتی تو حضرت عمرؓ حضورِ اکرمؐ کی خدمت میں فوراً حاضری دیا کرتے اور سوال پوچھتے کہ آیا وہ آیت خاص اسی موقع کے لئے ہے یا اس کا حکم واطلاق عام ہے۔ حضرت عمرؓ کا دل قرآن کے ساتھ بندھا رہتا تھا۔ سوالوں کا جواب پاکر اور مسلمانوں کی فلاح عام کی خبر سن کر ہمیشہ آپ خوش وخرم ہوا کرتے تھے۔ ابنِ عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص عمر بن غریہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا "یارسول اللہ میں نے ایک عورت سے معاہدہ کیا اسے کھجوریں دیں اور ایک گھر دینے کا وعدہ بھی کیا۔ پھر میں نے اس سے خلوت کی مگر اس کی شرمگاہ سے کوئی تعرض نہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا" پھر کیا کیا؟ "انہوں نے عرض کیا" میں نے نہا کر نماز پڑھ لی۔ "آپؐ نے کہا" اللہ کا حکم ہے کہ "دن کے کناروں پر اور رات کا کچھ حصہ گزر جانے پر نماز قائم کیا کرو۔ بے شک نیکیاں برائیوں کو محو کر دیتی ہیں۔ " جاؤ اللہ سے معافی مانگو۔ واضح رہے کہ یہ اس دور کی بات ہے جب عرب کے جاہلی معاشرے کی رسم یعنی مرد اور عورت کا وقتی معاہدہ مکمل طور پر حرام قرار نہیں دیا گیا تھا۔ بعد میں اسے حرام کر دیا گیا۔ حضرت عمرؓ نے اس موقع پر حضور اکرمؐ سے پوچھا "یارسول اللہؐ یہ آیت خاص اسی شخص اور اسی موقع کے لئے نازل ہوئی ہے یا اس کا اطلاق عام ہے؟" تو آپؐ نے فرمایا "یہ عمومی حکم ہے۔ " یعنی جب بھی کسی شخص سے کوئی غلطی ہو جائے تو وہ اللہ سے معافی

مانگے اور نیکیوں سے اپنی لغزش کو دھونے کی کوشش کرے۔

جب ہماری توجہ اللہ کی جانب صحیح معنوں میں مبذول و مرکوز ہو جائے اور ہم اس کی سچی خشیت اختیار کر لیں تو ہمارا شعور و احساس رقت سے مالا مال ہو جائے' ہمارے دل نرم و گداز ہو جائیں' منزل متعین ہو جائے اور ہمارا راستہ ہمارے سامنے واضح اور روشن ہو جائے اور ہم ایسے کارنامے سرانجام دینے کے قابل ہو جائیں جو ہمارے نامۂ اعمال میں رقم ہو کر ہماری اخروی کامیابی کی ضمانت بن جائیں۔ یہ کارنامے انسانوں کی نظروں میں عزت حاصل کرنے یا تاریخ کے صفحات میں زندۂ جاوید بننے یا کسی اور وقتی اور عارضی جذبے سے مبرا اور بالاتر ہوں گے کیونکہ بندۂ مومن ان سب چیزوں سے بے نیاز ہوتا ہے۔ اس کا مطمح نظر آخرت کی کامیابی اور رضائے الٰہی کا حصول ہوتا ہے۔

حضرت عمرؓ نے اللہ کی ایسی خشیت اختیار کی تھی جس کی بدولت آپ کو اپنے رب کا تقرب حاصل ہو گیا تھا۔ آپ کے بعد کسی دوسرے کو یہ مرتبہ حاصل نہیں ہوا حالانکہ جس دروازے سے داخل ہو کر سیدنا عمرؓ نے یہ مقام حاصل کیا تھا وہ دروازہ کھلا ہے اور ہمیشہ کھلا رہے گا جو بھی اپنے دل میں اللہ کی خشیت پیدا کر لے اور اپنے آپ کا مسلسل محاسبہ کرتا رہے اللہ تعالیٰ اسے کبھی بے یار و مددگار نہیں چھوڑے گا۔ ایسے انسان سے بھی خطا تو سرزد ہو سکتی ہے مگر اللہ تعالیٰ اسے خطا کاری کے سمندر میں غرق ہو جانے کی بجائے اس کی اصلاح کا سامان پیدا فرماتا ہے اور اس کے سینے کو منور کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا اور برحق ہے اور اس نے یہ وعدہ کیا ہے کہ جو شخص بھی ایمان لائے اور ایمان کے راستے کو پہچان کر اس پر پیش قدمی شروع کر دے اور اچھے حکیمانہ انداز میں اپنا کام جاری رکھے تو اللہ تعالیٰ اسے دنیا میں عزت و تکریم اور آخرت میں جنتِ نعیم سے سرفراز فرمائے گا۔ سورہ نور کی آیت ۵۵ میں وہ فرماتا ہے

"اللہ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ ان کو اسی طرح زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو بنا چکا ہے۔ ان

Marfat.com

کے لئے ان کے اس دین کو مضبوط بنیادوں پر قائم
کر دے گا جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں پسند کیا
ہے۔ اور ان کی (موجودہ) حالتِ خوف کو امن
سے بدل دے گا' پس وہ میری بندگی کریں اور
میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ اور جو اس
کے بعد کفر کرے تو ایسے ہی لوگ فاسق ہیں۔"

Marfat.com

چوتھا باب

عمرؓ بطور خلیفۂ راشد جہاد

سیدنا عمرؓ کے حالاتِ زندگی بیان کرتے ہوئے ان کی خلافت کا ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ عمرؓ ولی اللہ تھے اور اولیاء اللہ کا حکمران ہونا کوئی اچنبھے کی بات نہیں۔ بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ خیر اور بھلائی کے حصول کیلئے ضروری ہے کہ حکومت پر اولیاء اللہ ہی فائز ہوں۔ میں سیدنا عمرؓ کی حکمرانی کا تذکرہ محض انکی خوبیاں بیان کرنے کیلئے نہیں کرنا چاہتا کیونکہ مجھے یقین ہے کہ میں ان کی عظمت اور شان کا حق ادا نہیں کر سکتا۔ اس احساس کے باوجود میں نے ان کی خلافت کے بارے میں اپنے خیالات لکھنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس میں میرے پیشِ نظر تین چیزیں ہیں۔ اول یہ کہ اللہ کا عبادت گزار بندہ بننے کی کوشش کروں (اور سیدنا عمرؓ اس معاملے میں ایک بہترین مثال پیش کرتے ہیں جن کی پیروی سے منزلِ مقصود مل سکتی ہے) دوم۔ حضرت عمرؓ سے اپنی محبت کا اظہار کروں اور سوم۔ اس تحریر کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے اجر کی امید رکھتا ہوں۔

انسانی تاریخ کی طویل گزر گاہوں میں حکمرانوں اور جہانبانوں کی لمبی فہرست میں حضرت عمرؓ کے بعد کوئی ایسا شخص نظر نہیں آتا جو ان کے برابر یا ان کے قریب ترین مقام کو پہنچتا ہو۔ حضرت عمرؓ کا مقام اتنا بلند اور انکی کرامتیں اتنی ہمہ پہلو ہیں کہ بعض غیر مسلموں نے تو یہ زعم باطل اپنے دلوں میں بٹھا رکھا ہے کہ عمرؓ نام کی کوئی شخصیت فی الحقیقت موجود نہ تھی بلکہ بعض ذہین مسلمانوں نے یہ ایک خیالی شخصیت تصنیف کر لی ہے۔ وہ خیال کرتے ہیں کہ ایسی گوناں گوں خوبیاں نسلِ انسانی کے کسی فرد میں جمع ہی نہیں ہو سکتیں.

ابو بکر و عمرؓ

میں اپنے محبوب آقا سیدنا عمرؓ سے معذرت کرتا ہوں اگرچہ اس

معذرت کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ حضرت عمرؓ اس بات سے ناراض ہونے کی بجائے یقیناً خوش ہونگے کہ میرے نزدیک اگر سیدنا ابو بکرؓ کو کچھ اور مہلت ملتی تو ان کی خلافت کا زمانہ ایسا دور ہوتا جس کی برابری کوئی دوسرا دور نہ کر سکتا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وزیر' صدیق' یارِ غار اور جانشین تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد ایسے فتنے اٹھے کہ قریب تھا کہ اللہ کا دین انتشار اور فساد کا شکار ہو جائے مگر اللہ نے ابو بکر صدیقؓ کو توفیق بخشی کہ انہوں نے دین کی شیرازہ بندی کا اہتمام کیا۔ چنانچہ کمزوری دکھانے والے پھر سے اسلام پر مضبوطی سے جم گئے اور سرکشی کرنے والوں کی گردنیں توڑ دی گئیں۔ حق ایک بار پھر نکھر کر لوگوں کے سامنے آگیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکرؓ کے ذمے جو کام بھی لگایا اسے انہوں نے بہترین انداز میں پورا کیا اور ہر ذمہ داری نبھانے کی مثالی کوشش کی۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی شان اور مقام انبیاءؑ کے بعد سب انسانوں سے بلند ہے۔ ان کی رفعتِ شان کیلئے یہی ایک بات کافی ہے کہ سارے مسلمان بشمول حضرت عمرؓ جب ڈگمگائے تو حضرت ابو بکرؓ ثابت قدم رہے اور اپنے ایمان کی مضبوطی کا بھرپور مظاہرہ کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر صحابۂ کرامؓ پریشان ہو کر اس سوچ میں پڑ گئے کہ اب کیا ہو گا مگر ابو بکر صدیقؓ نے قرآن مجید کے حوالے سے لوگوں کو بتایا کہ اسلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی موجود اور باقی رہے گا۔ اسی طرح سے فتنۂ ارتداد کے مقابلے پر سیدنا ابو بکرؓ نے مثالی مؤقف اختیار کیا جو زندۂ جاوید ہے۔ ابو بکرؓ کتنے جرأت مند' دلیر اور عالی ہمت تھے۔ حضرت عمرؓ اور دیگر صحابہ فوج کشی کے حق میں نہ تھے ابو بکرؓ نے اس موقع پر حضرت عمرؓ کو ڈانٹ پلائی "اجبار فی الجاھلیت وخوار فی الاسلام!" یعنی زمانہ جاہلیت میں تو تم شیر تھے اور اب یہ کمزوری دکھا رہے ہو۔

لشکرِ اسامہؓ

حضرت ابو بکرؓ کو اپنے رب پر ایسا بھرپور اعتماد اور کامل بھروسہ تھا جس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ آپ اندازہ کیجئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

رحلت کا صدمہ اور اس سے پیدا ہونے والا خلا اور اس کے ساتھ پورے عرب میں فتنۂ ارتداد کے شعلوں کا بھڑک اٹھنا کتنا بڑا نازک مرحلہ تھا مگر خلیفہ اولؓ کا حوصلہ پست نہ ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رحلت سے قبل اسامہ بن زیدؓ کی کمان میں ایک لشکر بھیجنے کا فیصلہ کیا تھا۔ بعض لوگوں نے مشورہ دیا کہ اس لشکر کو روک لیا جائے مگر ابو بکرؓ نے دوٹوک انداز میں کہا۔ "خدا کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ لشکر کو میں ہرگز نہیں روکوں گا اگرچہ مدینہ میں درندے مجھے اور اہلِ مدینہ کو پھاڑ کر کھا ہی کیوں نہ جائیں۔"

اگر ابو بکرؓ کا یہ استقلال نہ ہوتا اور اللہ نے انہیں جو ثابت قدمی بخشی تھی اس کا وہ مظاہرہ نہ کرتے تو فتنۂ ارتداد اسلام کی جڑیں کھوکھلی کر جاتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے ساتھ ہی نعوذ باللہ دینِ حق کا خاتمہ ہو جاتا۔ اس نازک گھڑی میں حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنی ناقہ کو زخمی کیا اور لوگوں کو اپنی جانب متوجہ کرتے ہوئے مدینہ کے گلی کوچوں میں یہ اعلان کیا "لوگو! جہاد کے لئے نکلو اور فتنۂ ارتداد کا قلع قمع کر دو۔ خدا کی قسم! اگر مانعینِ زکوۃ اونٹ کی ایک نکیل بھی مالِ زکوٰۃ سے روک رکھیں گے جو وہ آنحضورؐ کے زمانے میں دیا کرتے تھے تو میں ان سے جنگ کروں گا۔" یہ اہم فیصلہ تھا جس کے ذریعے مرتدین اور مانعینِ زکوۃ سے بیک وقت جہاد کرنے کا اعلان کر دیا گیا۔

صلح حدیبیہ کی شرائط اور حضرت ابو بکرؓ

حدیبیہ کے دن جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدے پر دستخط کر دیئے تو مسلمان اس کی حقیقت سمجھنے سے قاصر رہے۔ قریش کے سفیر نے آنحضورؐ کے اسم گرامی کے ساتھ رسول اللہؐ کا کلمہ لکھے جانے پر اعتراض کیا تو آنحضورؐ نے کاتبِ معاہدہ سیدنا علیؓ بن ابی طالب سے کہا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ مٹا دیں مگر علی نے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ میں ان الفاظ کو کیسے مٹا سکتا ہوں۔ آنحضورؐ نے بعد میں اپنے ہاتھ سے وہ الفاظ مٹا دیئے۔ معاہدے کی شرائط پر سارے مسلمان کبیدہ خاطر تھے۔ حضرت عمرؓ غصے کی حالت میں حضرت ابو بکرؓ کے پاس پہنچے اور کہا۔ "کیا ہمارے مقتولین جنت

Marfat.com

میں اور انکے مقتولین دوزخ میں نہیں ہیں؟" حضرت ابو بکرؓ نے نہایت سکون سے جواب دیا "کیوں نہیں" حضرت عمرؓ نے احتجاج کے انداز میں دوسرا سوال پوچھا "پھر ہم ان کمینے لوگوں سے دب کر صلح کیوں کر رہے ہیں؟ ہم عمرہ کئے بغیر کیوں چلے جائیں؟ کیوں نہ تلوار ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ کر دے؟" سیدنا ابو بکرؓ نے یہ باتیں سنیں اور نہایت اطمینان سے جواب دیا "اے خطاب کے بیٹے وہ اللہ کے رسول ہیں اللہ تعالیٰ انہیں کبھی ناکام نہیں ہونے دے گا۔"

ابو بکرؓ کی سبقت فی الخیر

ابو بکر صدیقؓ نے اپنا مال کئی بار پورے کا پورا اللہ اور اس کے رسولؐ پر نچھاور کر دیا۔ اپنا مال خرچ کر کے کمزور اور بے سہارا مسلمان غلاموں اور کنیزوں کو خرید ا اور اللہ کی راہ میں آزاد کر دیا۔ ان ساری باتوں کے ساتھ ساتھ آپ کو صدیقیت، سفرِ ہجرت کے ساتھی اور یارِ غار ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔ حضرت عمرؓ نے خود بارہا ابو بکر صدیقؓ کی سبقت اور افضلیت کی گواہی دی۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر عمرؓ نے اپنے مال اور سامان کا نصف لا کر آنحضورؐ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپؐ نے پوچھا "اے عمر اپنے اہل وعیال کیلئے کیا چھوڑ کر آئے ہو؟" حضرت عمرؓ نے جواب دیا "میں نے ان کے لئے آدھا مال چھوڑا ہے۔" مگر ابو بکرؓ کا معاملہ تو نرالا ہی تھا اگر رسولؐ نہ پوچھتے تو حضرت ابو بکرؓ اسکا کبھی اظہار بھی نہ کرتے۔ آنحضورؐ نے جب وہی سوال پوچھا جو حضرت عمرؓ سے پوچھا تھا تو حضرت ابو بکرؓ نے جواب دیا "اہل وعیال کے لئے اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی محبت چھوڑ آیا ہوں اور مال ومتاع سارے کا سارا جہاد کے لئے حاضر ہے۔" اس موقع پر حضرت عمرؓ بے ساختہ رو پڑے اور کہا "اے ابو بکرؓ میرے ماں باپ تجھ پر قربان خدا کی قسم جب بھی کبھی ہم نے نیکی کی کسی دوڑ میں تمہارے ساتھ مقابلہ کیا تو تم ہمیشہ سبقت لے گئے۔" (ابن کثیر جلد ا صفحہ ۴۷۷)

اور ابو بکرؓ کی فضیلت اور قدر ومنزلت کا تذکرہ تو خود اللہ تعالیٰ نے کیا ہے جب کہ سب مسلمانوں کو سرزنش کی مگر حضرت ابو بکرؓ کو مستثنیٰ کر دیا۔

Marfat.com

سورۃ توبہ کی آیت نمبر ۴۰ میں ارشاد فرمایا۔

"تم نے اگر نبیؐ کی مدد نہ کی تو کچھ پروا نہیں اللہ اس کی مدد اس وقت کر چکا ہے جب کافروں نے اسے نکال دیا تھا۔ جب وہ دو میں کا ایک تھا' جب وہ دونوں غار میں تھے' جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا "غم نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے۔"

اسی طرح سے وحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتی تھی اور اسے آنحضورؐ ہی سنتے تھے مگر ایک مرتبہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے بھی جبریل کی زبان سے وحی کے الفاظ سنے۔ سورۃ قصص آیت نمبر ۵۶ نازل ہو رہی تھی۔ "اے محمدؐ آپؐ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے مگر اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ اللہ ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو ہدایت قبول کرنے والے ہیں۔" رسول اللہؐ نے اپنے ارشادات میں حضرت ابو بکرؓ کی قدر و منزلت کئی مرتبہ بیان فرمائی۔ ایک مرتبہ آپؐ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ کو آسمانوں کی بلندیوں سے یہ بات ناگوار ہے کہ زمین پر ابو بکرؓ سے کوئی خطا سرزد ہو جائے۔" (الاصابہ جلد دوم صفحہ نمبر ۳۳۵ اور الاسماعیلی معجم میں)۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ رسول اللہؐ کے بچپن کے ساتھی تھے خاص طور پر اٹھارہ سال کی عمر میں وہ نبی پاکؐ کے جگری دوست بن گئے۔ اس وقت آنحضورؐ کی عمر بیس سال تھی ابو بکرؓ کی دوستی اور صحبت قدیم بھی تھی اور قابل اعتماد بھی۔ یہ رتبہ بلند بھی ابو بکرؓ ہی کا حصہ ہے کہ آنحضورؐ نے فرمایا کہ ابو بکرؓ سے زیادہ اپنی جان اور مال اور رفاقت سے کسی شخص نے مجھ پر احسان نہیں کیا۔ اسی طرح سے آپؐ نے سارے مسلمانوں پر ابو بکرؓ کو فضیلت عطا فرمائی اور کہا "میری امت کے لوگوں میں سے کسی کے لئے یہ مناسب نہیں کہ ابو بکرؓ کی موجودگی میں وہ امام بن جائے"

چار پشتیں درجۂ صحابیت سے سرفراز

سیرت نگاروں نے ایک اور بڑا ایمان افروز نکتہ لکھا ہے۔ اس معاملے میں بھی صحابۂ کرام کی ساری جماعت میں کوئی دوسرا صحابی حضرت ابو بکرؓ کا ہم

سرنہیں حضرت ابو بکر صدیقؓ کی چار پشتیں درجۂ صحابیت سے متصف ہیں۔ آپؓ کے والد ابو قحافہؓ، آپؓ خود، آپکے بیٹے عبدالرحمٰنؓ اور آپ کے پوتے عتیقؓ بن عبدالرحمٰنؓ چاروں صحابی تھے۔ حضرت ابو بکرؓ کی فضیلت اور درجات کا احاطہ ممکن نہیں۔ حضرت عمرؓ کی بلند وبالا شخصیت اپنی جگہ بڑی عظیم ہے مگر میں نے مناسب سمجھا کہ اس موقعہ پر حضرت ابو بکر صدیقؓ کی افضلیت کا تذکرہ ہو جائے۔ لیث بن سعد نے کہا ''تمام انبیاء کرامؑ کے صحابہ میں سے کوئی بھی حضرت ابو بکرؓ کے درجے کو نہیں پہنچتا۔''

حضرت ابو بکرؓ کی اس فضیلت کو ذہن میں رکھتے ہوئے آئیے اب ہم حضرت عمرؓ کی سیرت کا مطالعہ کریں۔ حکمران مختلف میدانوں میں کارہائے نمایاں سرانجام دیتے ہیں مگر بعض پہلوؤں سے وہ کمزور بلکہ ناکام نظر آتے ہیں حکمرانی کے جملہ اوصافِ حمیدہ اور ہر میدان میں کامیابی اگر کسی ایک حاکم میں دیکھنا مقصود ہو تو پھر یہ شخصیت حضرت عمرؓ بن خطاب ہی کی ہے۔ حضرت عمرؓ کی یہ فضیلت روزِ روشن کی طرح عیاں ہے جس کا انکار کسی کے بس میں نہیں۔ جس ماحول اور معاشرے میں حضرت عمرؓ نے خلافت کی ذمہ داریاں ادا کیں اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے حضرت عمرؓ کی فتوحات اور کامیابیاں اتنی عظیم ہیں کہ انسان انہیں دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے۔ کوئی دوسرا حکمران اتنی عظیم الشان فتوحات حاصل کرتا تو غرور سے پاگل ہو جاتا مگر ہم جانتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے طرزِ عمل اور سوچ میں ذرہ برابر تغیر نہ آیا۔ انصاف پسند مورخین کے نزدیک حضرت عمرؓ منفرد مقام کے حامل ہیں۔ غیر مسلم تاریخ دان بھی اگر انصاف اور دیانتداری سے قلم اٹھائیں تو اس عظیم شخصیت کی عظمت کو قبول کئے بغیر کوئی چارہ نہیں پاتے۔

منصبِ خلافت کی اہمیت

حضرت عمرؓ پر اللہ کا یہ خصوصی فضل تھا کہ آپؓ خلافت کی ذمہ داریوں اور نزاکتوں سے بخوبی واقف تھے۔ اس کا حق ادا کرنے میں حد درجہ محتاط اور باریک بین تھے۔ اس معاملے میں وہ سمجھتے تھے کہ ان کا مقام عمرؓ بن خطاب کی حیثیت سے نہیں بلکہ خلیفۂ رسول ہونے کی حیثیت سے ہے۔ آپ

کے نزدیک اپنی ذات کا کوئی مقام اور وزن نہیں تھا بلکہ اس منصبِ خلافت کا وزن تھا جس کے لئے امت نے آپؓ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ خلیفہ اللہ کی زمین میں اس کا نائب اور اس کا سایہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ سلطانِ عادل کے ذریعے سے وہ کام کروادیتا ہے جو سلطانِ عادل کی غیر موجودگی میں قرآن بھی سر انجام نہیں دے سکتا۔ اللہ کی نیابت کیلئے فکر و عمل کی پاکیزگی، حکمت اور وقار ضروری صفات ہیں۔ رسول اللہؐ سے روایت کیا گیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا "جب تک حکمران ظلم نہ کرے اللہ کی نصرت اسے حاصل رہتی ہے اور جوں ہی وہ ظلم کی روش اختیار کرے اللہ تعالیٰ اسے اس کے اپنے نفس کے حوالے کر دیتا ہے" حضرت عمرؓ اس قول سے بھی باخبر تھے کہ ایک دن کا عدل وانصاف چالیس سال کی عبادت کے برابر ہے رسول اللہؐ کا یہ قول بھی حضرت عمرؓ کے سامنے رہتا تھا "جو حکمران اپنی رعایا پر ظلم وزیادتی کرے وہ کبھی انصاف نہیں کر سکتا۔" (الحاکم) فی الحقیقت رسول اللہؐ کے جملہ اقوال حضرت عمرؓ کے سامنے رہتے تھے۔ انہیں آپکا یہ فرمان بھی یاد تھا "سلطان اللہ کی زمین میں اس کا سایہ ہے اللہ کے بندوں میں سے ہر مظلوم سلطان کی طرف رجوع کرتا ہے پھر اگر سلطان عدل کرے تو اس کے لئے اجر ہے اور رعایا پر شکر واجب اور اگر وہ ظلم ونا انصافی کرے تو اسکے لئے عذاب ہے اور ایسی حالت میں رعیت کو صبر کرنا چاہیئے۔"

حضرت عمرؓ بخوبی جانتے تھے کہ مسلمان حکمران کے فرائض کیا ہیں اور انہیں کیسے ادا کیا جاسکتا ہے۔ وہ ان اصولوں کی خاطر زندہ رہے جو اسلام نے زندگی گزارنے کے لئے انسانیت کو دیئے ہیں۔ آپ اپنی شخصیت کو چنداں اہمیت نہ دیتے تھے بلکہ اصولوں کی بالادستی آپ کا مطمح نظر تھا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے عظیم خدمت کے لئے چن لیا تھا اور آپ نے اس کا حق بھی ادا کر دیا۔ آپ نے امت کے معاملات کو ایسی پختہ اور ناقابل شکست بنیادوں پر استوار کر دیا تھا کہ اس کے بعد اصلاح و خیر کا دور دورہ ہوا اور فساد و شر کا مکمل خاتمہ ہو گیا۔ جب تک یہ بنیادیں موجود ہیں انسانیت کبھی گمراہ نہیں ہو سکتی اور بنی نوعِ آدم کی بھلائی کا کوئی راستہ ان اصولوں کی پیروی کے سوا ممکن نہیں ہے۔

خلیفۂ دوم کا پہلا خطابِ عام

خلافت کی ذمہ داری سنبھالنے کے بعد پہلے ہی دن آپ نے لوگوں کے سامنے اس بات کی وضاحت کر دی تھی کہ لوگوں سے حکومت کس طرح معاملہ کرے گی۔ آپ نے کہا "لوگو! وحی کا سلسلہ تو منقطع ہو چکا ہے۔ اب ہم تمہارے ساتھ جو بھی معاملہ کریں گے وہ تمہارے ظاہری حالات اور اعمال کے مطابق ہو گا۔ ظاہراً جس نے خیر و بھلائی کا رویہ اپنایا ہماری طرف سے اسے امن وامان کی ضمانت ہے۔ باطنی حالت اور چھپے ہوئے راز کی ٹوہ ہم نہیں لگائیں گے۔ یہ معاملہ بندے اور اللہ کے درمیان ہے اور اللہ باطن کے مطابق اور نیتوں کے لحاظ سے بندوں سے حساب لے لے گا۔ اسی طرح جس شخص سے شر اور فساد ظاہر ہوا ہم اس کے خلاف قانونی کارروائی کریں گے۔ اگر وہ کہتا بھی رہے کہ دل اور نیت سے اس کا ارادہ فتنہ وفتور کا نہ تھا تو ہم اس کے ظاہری عمل کے مقابلے پر اس کے اس دعوے کو قبول نہ کریں گے۔"

اس بنیادی اصول کے مطابق سیدنا عمرؓ نے خلافت کی ذمہ داریاں نبھائیں۔ وحی فی الحقیقت منقطع ہو چکی تھی اور اس کے اصول قرآن کی صورت میں واضح اور محکم تھے، پس مخلوق کے لئے اگرچہ وہ حاکمِ وقت ہی کیوں نہ ہو یہ حق نہ تھا کہ وہ ظاہری اعمال سے صرفِ نظر کر کے یہ فیصلہ دینا شروع کر دے کہ لوگوں کے دلوں میں کیا ہے۔ دلوں کا حال محض اللہ رب العزت کو معلوم ہوتا ہے۔ وہ چاہے تو کسی شخص کو اس کی خفیہ حرکتوں اور پوشیدہ ارادوں پر دنیا میں عذاب دے یا چاہے تو اسے یوم قیامت تک مؤخر کر دے اور اسی روز اس سے پورا پورا حساب لے لے۔ اسی مضمون کو خود صاحبِ وحی علیہ الصلوۃ والسلام نے یوں بیان فرمایا ہے "مجھے یہ حکم نہیں دیا گیا کہ لوگوں کے دل چھید کر دیکھوں یا ان کے پیٹ چاک کر کے راز معلوم کروں۔" (احمد والبخاری)

اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمتِ بالغہ سے انسانوں کی بھلائی کی خاطر ہی حکم دیا کہ ان کے پوشیدہ راز معلوم کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔ اس میں انسانوں کی

بھلائی اور مصلحت ہے۔ یہ کوئی نقص یا عیب نہیں بلکہ نظام عدل کے لئے ضروری امر ہے۔ اس میں نہ کوئی تلخی ہے نہ خامی۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "حکمران جب لوگوں کی ٹوہ میں لگ جائے تو ان کے درمیان فساد پھیلا دیتا ہے۔" (ابو داؤد اور حاکم) حضورِ اکرمؐ کا اللہ تعالیٰ سے وحی کے ذریعہ رابطہ تھا مگر آپ نے کبھی کسی قضیئے کا فیصلہ اس کے ظاہری شواہد و واقعات سے ہٹ کر نہ کیا تھا۔ آپ کے بعد آنے والے حکام تو بدرجہ اولیٰ اس بات کے مکلّف ہیں کہ وہ ظاہری حالات کو پیش نظر رکھ کر فیصلے صادر کیا کریں۔ رہا اسرار کا معاملہ تو انہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا ہے؟ ظن وگمان حرام ہے اور ظن و تخمین سے فیصلے کرنے والا ٹھیک فیصلے نہیں کر سکتا۔ غیب پر ثواب اور عذاب دینا اللہ تعالیٰ کا اپنا حق ہے جس میں کسی بندے کو اس کا شریک نہیں بننا چاہئے۔

منافقین کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اطلاع بھی دیدی تھی مگر آنحضورؐ منافقین سے بھی قانونی معاملہ ان کے ظاہری اعمال اور دعووں ہی کے مطابق کرتے تھے۔ اسلامی وراثت اور نکاح وطلاق کے جملہ اصول ان پر باقاعدہ لاگو ہوتے تھے۔ پس اس زندہ مثال کے بعد کسی کو یہ اختیار کہاں سے مل سکتا ہے کہ وہ لوگوں کی نیتوں سے باخبر ہونے کا دعویٰ کرے اور ان کے لئے اپنی مرضی سے خصوصی فیصلے صادر کرتا پھرے؟ پتہ نہیں ہمارے مسلمان حکمران آج کس بنیاد پر لوگوں کی نیتوں کو جاننے کا دعویٰ کر کے ان کے خلاف احکام صادر کرتے رہتے ہیں؟

حقوق و فرائض کا کامل نظام

امتِ مسلمہ کا ہر فرد اگر اپنے فرائض سے باخبر ہو اور ان کی ٹھیک طریقے سے ادائیگی کرتا رہے تو کسی کو اس پر ہاتھ اٹھانے کی اجازت ہے نہ ضرورت۔ البتہ جو کسی قصور اور زیادتی کا مرتکب ہو اسے قانون سے اس عذر کی بنیاد پر نہیں بچایا جا سکتا کہ اس کی نیت اچھی تھی۔ نیتوں کا حال بھی محض اللہ کے

Marfat.com

علم میں ہے اور اسے ہر جزا و سزا بھی وہی دے گا۔ اس دنیا میں تو قانون کا فیصلہ ظاہری اعمال پر ہی مبنی ہو سکتا ہے۔ یہ بنیادی اصول اپنا لیا جائے اور افراد اور قانون نافذ کرنے والے ادارے سب اس سے واقف ہوں تو بہت زیادہ عملے اور پولیس اور فوج اور سی آئی ڈی کی بھی ضرورت باقی نہ رہے گی۔ مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارے لئے دو بنیادی اصول ہیں' دین اور اخلاق۔ یہ حکمرانوں کے لئے باعثِ راحت ہوتے ہیں جن سے ان کا بہت سے معاملات میں دردِ سر ختم ہو جاتا ہے اور رعایا کے لئے باعثِ امن ہوتے ہیں جن سے ان کے دلوں سے خوف و خطر دور ہو جاتا ہے۔ ان دونوں عناصر کے بغیر نہ اصلاح ہو سکتی ہے نہ حقیقی امن مل سکتا ہے جس کا کوئی دین نہ ہو اس کا اخلاق کیا ہو گا! اور جو اخلاق سے عاری ہو اس کا دین سے کیا تعلق۔ جو اللہ کی ذات کو نہ پہچانے اس سے کسی خیر کی توقع عبث ہے۔ دین سے تعلق رکھنے والا شخص یقیناً اعلیٰ اخلاق کا مالک ہو گا کیونکہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "مومنوں میں سے سب سے زیادہ مکمل ایمان اسی کا ہے جو سب سے زیادہ اچھے اخلاق کا مالک ہے۔"

اخلاق کا مرتبہ اسلام میں بڑا بلند ہے اسی لئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر بڑا زور دیا ہے۔ آپ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا "حسنِ اخلاق پر اللہ تعالیٰ اتنا بڑا اجر عطا فرماتا ہے جتنا دن رات جہاد میں مصروف رہنے والے مجاہد کو ملتا ہے۔" اسی طرح آپ نے فرمایا۔ "اللہ تعالیٰ جس شخص کو حسنِ صورت عطا فرماتا ہے پھر اسے حسنِ سیرت سے بھی مزین کر دے تو اسے دوزخ میں نہیں پھینکے گا۔" ہر انسان کو اللہ تعالیٰ نے احسن تقویم میں پیدا کیا ہے گویا صورت کے لحاظ سے ہر شخص کو اس نے اچھا بنایا ہے۔ سیرت کی خوبی اللہ کی توفیق سے ہی ملتی ہے مگر اس معاملے میں اللہ نے بندے کو آزادی انتخاب و عمل عطا فرمائی ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "اللہ کے نزدیک بداخلاقی سے زیادہ بڑا کوئی جرم نہیں ہے۔ حسنِ خلق گناہوں کو یوں پگھلا دیتا ہے جس طرح سورج کی تمازت سے برف پگھل جاتی ہے۔ اس طرح سوءِ خُلق تمام اعمال کو برباد کر دیتا ہے۔ جس طرح سرکہ شہد کو خراب کر دیتا

Marfat.com

ہے۔ " ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا "اللہ کے نزدیک سوءِ خُلق سے بڑا کوئی گناہ نہیں۔ اسی لئے بد خلق آدمی اگر ایک گناہ کو چھوڑ بھی دے تو فوراً دوسرے گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ "

کسی شخص میں دینی کمزوری اور اخلاقی بگاڑ پایا جاتا ہو تو حکمران کو شرعی اور قانونی اصولوں کے مطابق اس کی اصلاح کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اسلامی ریاست کے سارے وسائل اور مشینری شہریوں کی اچھی تربیت اور اصلاح کے لئے بھرپور انداز میں استعمال ہونے چاہئیں۔ اس میں شہریوں کی بھلائی کے ساتھ حکمرانوں کا بھی بھلا ہے۔ اس طریقے سے جب ہر فرد دینی اور اخلاقی لحاظ سے اچھا نمونہ بن جائیگا تو خود بخود وہ اپنے دینی فرائض خوش اسلوبی سے ادا کرے گا اور معاشرتی و سماجی اور قانونی واجتماعی ذمہ داریوں کو بطریقِ احسن پورا کرے گا۔ اسے نہ پولیس کے ڈراوے کی ضرورت ہوگی نہ کسی دوسرے جبر واکراہ کے استعمال کی حاجت پیش آئے گی۔ فرد اور معاشرہ دونوں عزت وقوت سے مالا مال ہو جائیں گے اور یوں ایک قابلِ رشک صورت حال پیدا ہو جائے گی۔

سمع وطاعت جماعت وریاست کے وجود کے لئے لازمی ہے۔

چودہ صدیاں قبل حضرت عمرؓ نے ایک صالح معاشرہ کے لئے بنیادی اصول وضع کر دیئے تھے۔ حکمران کے حقوق بھی ہوتے ہیں اور فرائض بھی۔ اسی طرح رعایا کے بھی حقوق اور فرائض ہوتے ہیں تنظیم خیر خواہی اور اطاعت کے ستونوں پر قائم ہوتی ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا "اطاعت ہوگی تو جماعت قائم رہے گی۔ اطاعت کے بغیر جماعت قائم نہ رہ سکے گی۔ " سچی بات یہ کہ اطاعت کے بغیر نہ کوئی جماعت قائم رہ سکتی ہے' نہ ادارہ' نہ خاندان' نہ تنظیم۔ ایک اینٹ گر جائے تو دوسری اس کے پیچھے گرتی ہے۔ شہتیر گر جائے تو کڑیاں اپنی جگہ قائم نہیں رہ سکتیں۔ پھر انسانی جماعت اور معاشرہ تنظیم اور اطاعت کے بغیر کیسے قائم رہ سکتا ہے۔ اس دین میں اطاعت فرضِ عین ہے۔ حکم ربانی ہے۔

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو' اطاعت کرو اللہ کی
اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں

Marfat.com

سے صاحب امر ہوں۔ پھر اگر تمہارے درمیان
کسی معاملہ میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی
طرف پھیر دو' اگر تم واقعی اللہ اور روزِ آخر پر ایمان
رکھتے ہو۔ یہی ایک صحیح طریقِ کار ہے اور انجام کے
اعتبار سے بھی بہتر ہے۔"

مسلمان اس بات پر متفق ہیں کہ ساری سماوی شریعتیں انسانیت کو سیدھا راستہ دکھانے کے لئے نازل ہوئیں۔ انہوں نے انسانوں کو بہترین راستہ دکھا کر ان کی دنیوی زندگی کو بھی آرام دہ بنایا اور آخرت میں بھی ان کی سرخروئی کا سامان فراہم کیا۔ اس بہترین نظامِ زندگی کی جان اطاعت اور پابندیٔ احکام ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو حکم دیا "اے لوگو تمہارے اوپر سمع وطاعت ضروری ہے ان معاملات میں بھی جنہیں تم پسند کرتے ہو اور ان میں بھی جنہیں تم ناپسند کرتے ہو۔ جان لو کہ جس نے حکم سنا پھر نافرمانی کی اس کی کوئی حجت قابل قبول نہ ہوگی اور جس نے حکم سنا اور اطاعت کی اس کے خلاف کسی حجت کا کوئی وزن نہ ہوگا۔"

صحیحین میں ایک روایت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی گئی کہ حضورؐ نے فرمایا "جس کسی نے امیر کی کوئی ایسی چیز دیکھی جو اسے ناپسند ہے تو اسے اس پر صبر کرنا چاہیئے کیونکہ جماعت سے علیحدگی خطرناک ہے۔ جو جماعت سے بالشت بھر الگ ہو گیا پھر اسے موت آ گئی تو اس کی موت جاہلیت کی موت تصور ہوگی۔" نیز فرمایا "اللہ کی تائید جماعت کے ساتھ ہوتی ہے۔" جماعت سے الگ راستہ اختیار کرنے کے عواقب ونتائج سے ڈراتے ہوئے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "شیطان انسان کا بھیڑیا ہے۔ جس طرح بھیڑیا ریوڑ سے بچھڑ جانیوالی بھیڑ کو چیر پھاڑ کھاتا ہے اسی طرح شیطان جماعت سے علیحدگی اختیار کر لینے والے شخص کو گمراہ کر ڈالتا ہے۔ تمہیں تفرقے سے ہمیشہ بچ کر رہنا چاہئے اور جماعت سے وابستہ رہ کر عامۃ الناس سے تعلق اور مساجد سے دل لگانا چاہیئے۔" صحیح بخاری میں اطاعت امیر کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مندرجہ ذیل دو

Marfat.com

ارشادات کس قدر واضح اور روشن ہیں! فرمایا "لوگو! سنو اور اطاعت کرو اگرچہ تمہارے اوپر نکٹے غلام ہی کو امیر کیوں نہ مقرر کر دیا جائے۔" اس کی مزید تشریح میں فرمایا "اگر تمہارا امیر کسی غلام کو بھی بنا دیا جائے اور وہ تمہیں کتاب اللہ کے مطابق حکم دے تو اس کی بات سنو اور اس کا حکم مانو۔"

سمع و طاعت کے بارے میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کو مسلمانوں نے اچھی طرح سمجھ لیا اور انہیں محفوظ کر لیا اور اپنی زندگیاں ان کے مطابق ڈھال لیں۔ ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر کھڑے خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ حضرت عبداللہؓ بن رواحہ مسجد میں داخل ہونے والے تھے۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لوگو! بیٹھ جاؤ۔" حضرت عبداللہؓ نے یہ الفاظ سنے اور اسی جگہ بیٹھ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبے سے فارغ ہو کر ان کی تعریف فرمائی اور کہا "اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے جذبے اور شوق میں اللہ اور اضافہ فرمائے۔" اسی طرح ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر بیٹھے اور لوگوں سے کہا "بیٹھ جاؤ" عین اس لمحے حضرت عاصؓ بن اسود مسجد کے دروازے پر پہنچے۔ وہ یہ حکم سن کر وہیں بیٹھ گئے۔ حضورؐ منبر سے اترے تو حضرت عاصؓ حاضر خدمت ہوئے۔ آپؐ نے پوچھا "اے عاص نماز میں تم اگلی صفوں میں نظر نہیں آئے؟" انہوں نے عرض کیا "اللہ کے رسول، میرے ماں باپ آپ پر قربان، میں نے آپ کا حکم سنا "بیٹھ جاؤ" بس میں وہیں بیٹھ گیا۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش ہو کر فرمایا "تم تو عاص نہیں بلکہ مطیع ہو۔"

یزید بن معاویہ کی خلافت پر امت میں اختلاف پیدا ہوا۔ صاحب الرائے حضرات کے نزدیک یزید اس منصب کا کسی صورت بھی اہل نہ تھا نہ عمل کے لحاظ سے، نہ فہم و تقویٰ کے لحاظ سے۔ حضورؐ کے صحابی حضرت امیر معاویہؓ نے لوگوں سے کہا "میں بھی یزید کے بارے میں وہی کچھ کہتا ہوں جو آپ لوگ کہتے ہیں مگر میرے پیشِ نظر امتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اتحاد و اتفاق ہے۔ میں ان کے درمیان افتراق و انتشار کو سخت ناپسند کرتا ہوں۔" اطاعت اللہ اور اطاعت الرسول ہر چیز پر مقدم ہے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ

Marfat.com

قعقاعؓ بن عمروؓ سے پوچھا "تم نے جہاد کے لئے کیا تیاری کی ہے؟" تو انہوں نے جواب دیا "اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اور گھوڑا" آپ نے فرمایا "یہی مطلوب و مقصود ہے۔"

صدرِ اول کے مسلمان اطاعت کا مفہوم سمجھتے تھے اور اس کی پابندی بھی کیا کرتے تھے۔ وہ اپنی ذاتی مصلحتوں سے بے پروا ہو کر اسلامی نظام کی مصلحتوں کو مقدم سمجھتے تھے۔ حضرت عثمانؓ بن عفان نے حضرت عبداللہؓ ابن مسعود کو حکم دیا کہ عراق سے مدینہ واپس آجائیں۔ اہلِ عراق ابن مسعودؓ سے استفادہ کیا کرتے تھے اور ان کے ساتھ محبت و عقیدت کا تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے ابنِ مسعودؓ سے کہا کہ وہ اس حکم کو ٹھکرا دیں اور اگر کوئی خطرہ محسوس ہوا تو سب لوگ ان کی حمایت میں سینہ سپر ہو جائیں گے۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا "جس نے حکم دیا ہے اس کی اطاعت کا قلاوہ میری گردن میں ہے۔ میں ہرگز نہیں چاہتا کہ فتنے کا دروازہ کھولنے والا بن جاؤں۔"

حضرت عمرؓ اور قانون کی تنفیذ۔

حضرت عمرؓ کا ذہن وسیع اور نگاہ دور رس تھی۔ آپ ہمیشہ اس بات کا خیال رکھتے تھے کہ رعایا اور حکمراں سب قانون کا احترام کریں۔ جو حکم جاری ہو جائے اس کی تنفیذ اور اطاعت میں کسی قسم کا تساہل آپ کو ہرگز پسند نہ تھا۔ آپ جس طرح اپنے گرد و نواح میں بسنے والے اہلِ مدینہ پر نظر رکھتے تھے اسی طرح اسلامی ریاست کے بعید ترین کونوں میں رہنے والوں پر بھی آپ کی نگاہ رہتی تھی۔ قوانین کی کثرت کی ضرورت ہوتی ہے نہ فائدہ۔ اصل چیز یہ ہے کہ قوانین نافذ کئے جائیں اور ان کی پابندی کرائی جائے۔ اس طرح تھوڑے قوانین بھی معاشرے کے لئے کافی ہوتے ہیں۔ حیلے بہانوں سے قوانین کو غیر موثر بنانے کے راستے اور غرض کے بندوں کے ہتھکنڈوں کے دروازے بند کر دیئے جائیں تو حکم عدولی اور غیر قانونی حرکتوں کا خاتمہ بآسانی کیا جاسکتا ہے۔ حضرت عمرؓ کے دور میں ایک فوجی شریک بن سمی نے آپ سے زراعت کی اجازت مانگی۔ آپ نے اجازت نہ دی۔ اس کے باوجود انہوں نے مصر میں کاشتکاری

Marfat.com

شروع کر دی۔ آپ نے گورنر کو لکھا کہ شریک کو مدینہ بھیج دیں۔ انہوں نے شریک کو مدینہ بھیج دیا۔ وہ سخت خوفزدہ ہوئے۔ مدینہ پہنچ کر حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے پوچھا "تم کس لشکر سے تعلق رکھتے ہو؟" انہوں نے جواب دیا "جنودِ مصر سے۔" آپ نے کہا "تو شاید تم شریک بن سمی ہو؟" عرض کیا "جی ہاں" فرمایا "میں تمہیں سزا دوں گا۔" انہوں نے کہا "اللہ اپنے بندوں کی غلطیوں پر ان کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ آپ بھی میری خطا معاف فرمادیں۔" فرمایا "تم واقعی تائب ہوگئے ہو؟" عرض کیا "یقیناً" فرمایا "ٹھیک ہے جاؤ جا کر اپنی ذمہ داریاں ادا کرو۔" پھر گورنر کے نام یہ پیغام لکھا "شریک نے میرے پاس آکر اعتراف کیا کہ اس سے غلطی ہوگئی ہے اور آئندہ اس نے ایسا نہ کرنے کا وعدہ کیا ہے لہٰذا میں نے اسے معاف کر دیا ہے۔"

مسلمان ہر میدان میں حتیٰ کہ میدانِ جہاد میں بھی اس روح کو پیش نظر رکھتے تھے۔ حضرت عبادہؓ بن صامت نے اسکندریہ کی جنگ میں سپاہیوں کو جنگ سے روکا مگر وہ نہ رکے۔ اس پر حضرت عبادہؓ میدان سے چلے گئے۔ واپس ہوئے تو لوگوں نے پوچھا "کیا کوئی قتل ہوا ہے؟" انہوں نے جواب دیا "نہیں" اس پر فرمایا "اللہ کا شکر ہے کہ ان میں سے کوئی نافرمانی کرتا ہوا دنیا سے رخصت نہیں ہوا۔" یہ جلیل القدر صحابی جانتے تھے کہ میدانِ جہاد میں مشرکین سے قتال و جہاد کے موقع پر بھی اطاعتِ امیر سے منہ موڑنے والے گنہ گار کی موت مرتے ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے منہ موڑنا تو ایمان سے محرومی کے مترادف ہے۔ خدا کا حکم ہے "کسی مومن مرد اور مومن عورت کے لئے یہ حلال نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کسی معاملے کا فیصلہ کر دیں تو پھر یہ اپنے اس معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار مانگے اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا۔" اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی روشنی اور مطابقت میں معاشرے کے بزرگان، خاندان کے سربراہان اور حکومت کے ذمہ داران کی اطاعت بھی ضروری ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ

Marfat.com

وسلم کا ارشاد ہے ”جس نے میرے مقرر کردہ امیر کی اطاعت کی اس نے گویا میری اطاعت کی اور جس نے میری اطاعت کی اس نے فی الحقیقت اللہ کی اطاعت کی۔ جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی وہ گویا میری نافرمانی کا مرتکب ہوا اور جو میرا نافرمان ہے وہ دراصل اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہے۔“

جماعت اور فرد کا تعلق چولی دامن کا ہے۔ جماعت فرد کے لئے نعمت ہے اور فرد جماعت کی بنیاد و اساس۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”تو جماعت کے ساتھ رہے گا تو تجھے خیر و بھلائی ہی ملے گی۔“ اسی طرح ارشادِ نبوی ہے ”جماعت رحمت ہے اور تفرقہ عذاب۔“ سمجھدار اور مخلص مسلمانوں نے ذاتی مصلحتوں کو بالائے طاق رکھ کر جماعتی مفاد کی حفاظت کی۔ بسا اوقات مشکلات بھی برداشت کیں مگر جماعت کا التزام رکھا۔ ابوذر غفاریؓ کو حضرتِ عثمانؓ نے مدینہ سے ربذہ منتقل ہونے کا حکم دیا تھا۔ ربذہ میں اہلِ عراق کی ایک جماعت ان کے پاس آئی اور ان سے کہا کہ اس شخص (حضرت عثمان) نے آپ کے ساتھ بڑی زیادتی کی ہے۔ اگر آپ علمِ بغاوت بلند کر دیں تو جتنی فوج آپ حکم دیں ہم جمع کر دیں گے۔ حضرت ابوذرؓ نے ان کی باتیں سن کر کہا ”اے اہلِ اسلام ایسی باتیں مت کرو اور شیطان کے اشاروں پر مت چلو۔ بے شک جو حاکمِ عادل کو نیچا دکھانا چاہے اس کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ خدا کی قسم اگر عثمان مجھے تختۂ دار پر بھی لٹکا دے یا مجھے سلطنت کے ایک دور دراز کونے سے دوسرے دور دراز کونے کی طرف مسلسل سفر کا حکم دیدے تو بھی میں اس کی اطاعت کروں گا اور صبر کے ساتھ یہ سمجھتے ہوئے کہ اس میں میرے لئے اجر و ثواب اور بہتری ہے سرِ تسلیم خم کر دوں گا۔“ یوں آپ نے فتنہ پردازوں کا منہ بند کر دیا۔

قانون کی بالادستی

حضرت عمرؓ نے امت کو حکمرانوں کے حقوق بتانے کے ساتھ امت کے حقوق بھی واضح کئے۔ آپ نے فرمایا ”جس کسی پر کوئی امیر یا گورنر کوئی

Marfat.com

زیادتی کرے وہ مجھے اس کی اطلاع دیدے میں اس سے بدلہ دلواؤں گا۔" یہ سن کر مصر کے گورنر عمرؓو بن العاص کھڑے ہوئے اور کہا "امیر المومنین یہ تو عجیب حالت ہو جائے گی ہم میں سے کوئی اگر تادیب کے لئے اپنی رعایا کے کسی فرد کو کچھ کہہ سن لے تو اس سے بھی آپ بدلہ دلوائیں گے؟" فرمایا "کیوں نہیں میں نے تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ وہ اپنی ذات کو لوگوں کے سامنے بدلے اور انتقام کے لئے پیش فرمایا کرتے تھے۔"

جب امرأ کسی شخص پر زیادتی کرتے تو ضرور ان سے بدلہ دلوایا جاتا مگر جہاں تک لوگوں کے جرائم پر حدود و تعزیر کے قیام کا تعلق تھا ظاہر ہے وہ تو عین مطلوب و مقصود تھا۔ اس کے ذریعے اسلامی ریاست میں امن و امان قائم رہتا ہے اور رعایا کے حقوق کی حفاظت کی جاتی ہے۔ غیر قانونی طور پر دی جانیوالی عقوبت کو حضرت عمرؓ کبھی معاف نہ فرماتے تھے۔ یوں حکمران بھی اپنی حدود میں مقید تھے اور رعایا بھی قانون کی پابند۔ حضرت عمرؓ نے انصاف کو یقینی بنانے کے لئے انتظامیہ اور عدلیہ کو الگ الگ کر دیا تھا۔ اگر قانون نافذ کرنے اور تنازعات کے فیصلے کرنیکی طاقت و اختیار ایک ادارے یا فرد میں جمع ہو جائے تو انصاف کے تقاضے کیونکر پورے ہو سکتے ہیں؟ اسلام کسی حکمران کو اپنی حدود سے تجاوز کرنیکی اجازت نہیں دیتا۔

حدود اللہ کی حقیقت اور ان کا قیام۔

اسلامی نقطۂ نظر سے ہر مولود آزاد پیدا ہوتا ہے اور اس کی آزادی محترم و مقدس ہے جو زندگی بھر اسے حاصل رہنی چاہئے۔ اگر وہ کسی دوسرے پر زیادتی کا مرتکب ہو تو اس کے جرم کی نسبت سے اسے سزا ضرور ملے گی کیونکہ جس طرح اس کی حریت کی ضمانت دی گئی ہے اسی طرح دوسرے لوگوں کی حریت بھی محفوظ رکھنا اسلامی حکومت کا مقصود ہے، ارضی و سماوی کسی بھی قانون میں جرائم سے اغماض برتنے کی گنجائش نہیں ہے۔ البتہ یہ اصول پیش نظر رہے کہ جس طرح مجرمین سے نرمی نہیں برتی جا سکتی اسی طرح ان کے جرم کے تناسب سے زیادہ سزا بھی ظلم ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود دراصل انسانوں کی زندگیوں میں

امن وامان قائم کرنے کا ذریعہ ہیں۔ انہیں انتقام کا ذریعہ بنا کر جرم سے زیادہ سزا دینا خود ان حدود کی توہین ہے۔ ایسی حرکت کرنے والے کو دنیا میں بھی سزا ملنی چاہئے اور آخرت میں بھی وہ عذاب کا مستحق ہو گا۔

انسان کو ساری مادی سہولتیں مل جائیں مگر اسے آزادی حاصل نہ ہو تو گویا وہ اپنی انسانیت سے محروم ہو گا۔ انسان کی عزت و عظمت اس کی حریت کی بدولت ہے۔ جو لوگ انسانوں کی گردنیں اپنے سامنے جھکوانے کے لئے ان پر ظلم و ستم ڈھاتے اور ایذا و تعذیب کے کوڑے برساتے ہیں انہیں جان لینا چاہئے کہ اس جرم سے وہ دوسروں کا اتنا نقصان نہیں کر رہے جتنا خود اپنا ستیاناس مار رہے ہیں۔ دنیا میں ان کا حال یہ ہے کہ لوگ ان سے شدید نفرت کرتے ہیں اور آخرت میں ان کا انجام حضور صلی اللہ عیہ وسلم کی اس حدیث سے واضح ہو جاتا ہے۔ فرمایا "بعض اشخاص کو جنت کے دروازوں سے جہنم کی جانب لوٹا دیا جائے گا کیونکہ انہوں نے کسی مسلم کا سینگی بھر ناحق خون گرایا ہو گا۔"

فقہا نے تو حدود و تعزیر کے بارے میں بھی بحثیں کی ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر کسی پر کوڑوں کی حد قائم ہو جائے تو کوڑے ایسے لگانے چاہئیں جن سے مجرم کو درد تو ہو مگر ان سے زخم نہ ہوں نہ گوشت ادھڑے۔ شرابی کو ہلکے کوڑے لگانے کا حکم ہے جن سے وہ درد تو محسوس کرے مگر مجروح نہ ہو۔ قانون کی روح کو نہ جاننے والے ایسے کوڑے لگاتے ہیں کہ ان سے زخم کیا خون کی ندیاں پھوٹ نکلتی ہیں اور کھال ہی نہیں ادھیڑتے بلکہ اعضا ناکارہ کر دیتے ہیں۔ دین اسلام تو رحمت ہے۔ سزا دینے میں بھی اس نے یہ اصول پیش نظر رکھا ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "جس شخص کے دل میں انسانوں کے لئے رحم و شفقت نہیں وہ ہر لحاظ سے خائب و خاسر اور تباہ و برباد ہے۔" دوسری حدیث میں فرمایا "اللہ اس پر رحم نہیں کرے گا جو انسانوں پر رحم نہیں کرتا۔" حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث بیان کی ہے۔ " اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بعید ترین شخص وہ ہے جو سنگدل اور ظالم ہے۔" (ابن کثیر جلد اول صفحہ ۱۶۴)

مشہور بزرگ مالکؒ بن دینار کہا کرتے تھے "کسی شخص پر اللہ کا اس

Marfat.com

سے بڑا کوئی عذاب نہیں آسکتا کہ وہ اسے سنگدل بنادے اور کسی قوم پر اللہ کا اس سے بڑا غضب نازل نہیں ہوسکتا کہ ان کے دلوں سے اللہ رحم نکال لے۔"

جواب دہی کا احساس

حضرت عمرؓ نے بطور حاکم اپنی ذمہ داری اور رعایا کے بنیادی حقوق کا اعلان فرماتے ہوئے کہا "اگر میرے کسی عامل نے کسی شخص پر ظلم کیا اور مجھے اس کی اطلاع مل گئی اور اس کے باوجود میں نے مظلوم کی دادرسی نہ کی تو سمجھو کہ میں اس ظلم میں نہ صرف شریک ہوں بلکہ حقیقت میں میں ہی ظلم کا مرتکب ہوں۔

حضرت عمرؓ چونکہ سربراہِ مملکت تھے اس لئے وہ اپنے آپ کو مسئول سمجھتے تھے۔ مظالم سے لوگوں کی حفاظت ان کے نزدیک حاکمِ وقت کی اولین ذمہ داری تھی جس کی جوابدہی اسے اللہ کے ہاں کرنی ہوگی۔ آپ کا تصورِ جوابدہی ایسا کامل اور اعلیٰ تھا کہ آپ نے بارہا کہا "جن مظالم کی اطلاع اور شکایت مجھ تک پہنچتی ہے ان کا ازالہ کرنا تو میری ذمہ داری ہے ہی مگر جن مظالم سے میں بے خبر رہتا ہوں ان کی مسئولیت بھی مجھی پر ہوگی۔" اس احساسِ فرض اور پاکیزہ تصور کا نتیجہ یہ تھا کہ آپ لوگوں کو تاکید فرمایا کرتے تھے کہ ظلم و زیادتی پر خاموشی اختیار کرنیکی بجائے وہ اس پر احتجاج کیا کریں تاکہ ظلم کا خاتمہ کیا جاسکے۔ یہ حاکمِ وقت کے فہمِ سلیم اور احساسِ ذمہ داری کی قابلِ رشک مثال ہے۔

قومی خزانہ ایک امانت کی حیثیت رکھتا ہے۔ حاکم وقت اور ذمہ داران اس کے امین ہوتے ہیں اور اس کے بارے میں ان سے باز پرس بھی سخت ہوگی۔ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے "بیت المال کے ساتھ میرا معاملہ ویسا ہی ہے جیسا یتیم کے مال کے ساتھ اس کے سرپرست کا ہوتا ہے۔ اگر میں محتاج ہوا تو حسب ضرورت بیت المال سے لوں گا۔ حالات درست ہوگئے تو واپس کروں گا اور اگر مالدار ہوگیا تو بیت المال سے کچھ نہ لونگا۔

Marfat.com

اس اہم اور نازک معاملے کی مزید وضاحت یوں فرمائی ”اس بیت المال سے میں اسی قدر وصول کرونگا جس قدر میں اپنے کمائے ہوئے مال سے خرچ کیا کرتا تھا۔ بیت المال آپ کے تصرف میں تھا مگر آپ نے نہ تو کوئی ذاتی محل تعمیر کیا اور نہ اس سے ذاتی منافع حاصل کیا۔ آپ فوت ہوئے تو مقروض تھے۔

معاشی معاملات میں آپ کی حزم واحتیاط کا یہ عالم تھا تو امت کی تربیت و اصلاحِ عامہ کے باب میں بھی آپ کی توجہ گہری اور نگاہ دور رس تھی۔ آپ امت کے افراد میں جرأت و مردانگی پیدا کرنا چاہتے تھے۔ بزدلی اور مداہنت سے آپ کو نفرت تھی۔ آپ ایک مربی کی حیثیت سے لوگوں سے کہا کرتے تھے۔ ”شجاعت اور بزدلی انسانی فطرت کے خصائل ہیں۔ بہادر آدمی بہادری کے ساتھ ان دشمنوں کا مقابلہ کرتا ہے جنہیں وہ جانتا تک نہیں اور بزدل آدمی اپنی ماں سے بھی ڈر کر بھاگ جاتا ہے۔ انسان کا شرف اس کے دین سے وابستہ ہے اور اس کا حسب ونسب اس کا اخلاق ہوتا ہے خواہ وہ فارسی الاصل ہو یا قبطی النسل“۔

سوءِ ظن کی بجائے حسنِ ظن

حضرت عمرؓ سوءِ ظن کی بجائے حسنِ ظن کا مظاہرہ کیا کرتے تھے۔ یہی طرزِ عمل در حقیقت انسانی معاشرے کی ترقی وعظمت کی بنیاد بنتا ہے۔

اس سے بھائیوں کے درمیان جذبات محبت اور باہمی احترام کی فضا پروان چڑھتی ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے ”تمہارے بھائی کی زبان سے کوئی لفظ نکلے تو ہرگز سوئے ظن نہ کیا کرو اگر حسن ظن کی ذرا بھی گنجائش موجود ہو۔“

خود احتسابی

خود احتسابی بڑی عظیم صفت اور اخلاقی خوبی ہے۔ آپ کہا کرتے تھے ”محاسبے کے وقت سے پہلے اپنا محاسبہ کرلو اور اعمال کا ترازو لگنے سے قبل

Marfat.com

خود اپنے اعمال کا وزن کر لو۔ ایسا طرز عمل اختیار کر لو گے تو کل حساب میں آسانی رہے گی اور بڑی پیشی کے لئے اپنے آپ کو اچھی طرح تیار کر لو۔ قرآن کا حکم ہے"

یومئذ تعرضون لا تخفی منکم خافیہ
یعنی وہ دن ہو گا جب تم لوگ پیش
کئے جاؤ گے تمہارا کوئی راز بھی چھپا نہ رہ جائے
گا۔ (الحاقہ ۱۸)

بے شک وہ شخص خوش قسمت ہے جس سے گناہ سرزد ہو جائے تو احساسِ ندامت سے وہ رو پڑے اور نیکی کا کام سرانجام دے تو خوشی اور شکر کے جذبات سے مالا مال ہو جائے۔ ایسا انسان اپنے لئے، اپنے معاشرے اور امت کے لئے اور سب سے بڑھ کر حاکم وقت کے لئے باعثِ سعادت ہوتا ہے۔

حضرت مدرکؓ کے ماموں بہادری سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے حالانکہ اگر وہ چاہتے تو بھاگ کر جان بچا سکتے تھے۔ لوگوں نے کہا کہ وہ خود اپنے آپ کو ہلاک کرنیکا سبب بنے ہیں۔ مدرکؓ نے حضرت عمرؓ سے ذکر کیا تو فرمایا جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ مدرک کے ماموں نے خود اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالا ہے وہ غلط کہتے ہیں۔ اس موقع پر بہادری کا تقاضا یہی تھا کہ دشمن کے مقابلے پر پیش قدمی کی جاتی۔"

حضرت عمرؓ حکومت کے اداروں کو اجازت نہیں دیتے تھے کہ وہ ان کی ذات کی تعریف میں رطب اللسان ہو جائیں۔ انہیں معلوم تھا کہ وہ انسان ہیں اور ان کا علم اور صلاحتیں محدود ہیں وہ اس بات سے بخوبی واقف تھے کہ بعض اوقات انسان ہونے کی وجہ سے ان سے غلطی ہو سکتی ہے اور وہ کسی مفید کام سے رکنے کا اور غیر مفید کام کے کرنے کا حکم دے سکتے ہیں۔ پس وہ لوگوں کو سمجھایا کرتے تھے کہ وہ اپنے دین کا فہم حاصل کریں اور اندھی تقلید نہ کیا کریں تاکہ حرام چیزوں سے دامن بچا سکیں، اسلام میں کسی بھی مخلوق کی اطاعت اللہ کی معصیت میں نہیں کی جا سکتی۔ اس معاملے میں آپ وضاحت سے فرمایا کرتے تھے "ممکن ہے میں تمہیں ایسے کاموں سے منع کر دوں جن میں تمہارا

Marfat.com

فائدہ اور مصلحت ہو اور تمہیں ایسے کاموں کا حکم دے دوں جن سے تمہیں نقصان ہونے کا احتمال ہو۔ اس لئے تم میری اصلاح کرتے رہا کرو" قرآن مجید کی آخری آیت سود سے متعلق نازل ہوئی اور اس کی تفصیل رسول اللہؐ نے ہمارے سامنے بیان نہ فرمائی پس ان کاموں کو چھوڑ دو جن میں شک ہو اور ان کاموں کو اختیار کر لو جن کا حق ہونا واضح اور ثابت ہو سود کی ہر قسم کو ترک کر دو۔

تقویٰ کی تعریف

حضرت عمرؓ کا مقام و مرتبہ کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ تقویٰ میں بھی آپ نمایاں اور ممتاز تھے مگر آپ کی شان دیکھئے کہ مسلمانوں کی تربیت کا اہتمام یوں فرمایا کہ حضرت ابیؓ بن کعب سے پوچھا "تقویٰ کیا ہے؟" انہوں نے جواب دیا "امیر المومنین کبھی آپ ایسے جنگل میں سے گزرے ہیں جہاں گھنی کانٹے دار جھاڑیاں ہوں اور ان کے بیچوں بیچ تنگ پگڈنڈی ہو؟" امیر المومنین نے کہا "ہاں ایسے راستوں سے گزرا ہوں" انہوں نے پوچھا "پھر ایسے راستے سے گزرتے ہوئے آپ کیا کرتے ہیں؟" کہا "دامن سمیٹ لیتا ہوں اور بہت محتاط ہو کر قدم اٹھاتا ہوں کہ دامن کسی کانٹے سے نہ الجھ جائے" حضرت ابیؓ نے کہا "تقویٰ یہی ہے"۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت عمرؓ خود تقویٰ کا معنی خوب جانتے تھے بلکہ حضرت ابیؓ سے زیادہ بہتر جانتے ہونگے' وہ علم کا مینار تھے اور تقویٰ کا معیار۔ مگر لوگوں کی تربیت کے لئے انہوں نے یہ سوال پوچھا تاکہ وہ تقویٰ کے بارے میں حقیقت سے باخبر ہو جائیں اور یہ بھی جان جائیں کہ سوال پوچھنے سے عزت نہیں گھٹتی۔

قحط سالی میں حضرت عمرؓ کا طرزِ عمل

جب رعایا کو کسی بات کا حکم دیتے تو خود اس پر پہلے کاربند ہو جاتے تاکہ

Marfat.com

عامۃ الناس کے لئے اچھا نمونہ پیش کریں۔ لوگوں سے سادگی اور قناعت اختیار کرنیکا مطالبہ کیاتو خود اس کی بہترین عملی مثال بن گئے۔ قحط سالی میں اپنے لئے ہروہ چیز ممنوع سمجھ لی تھی جس تک عام لوگوں کی رسائی ممکن نہ تھی قحط کے زمانے میں رعایا کی بھوک اور تنگی کا اس قدر احساس تھا کہ یوں معلوم ہونے لگا کہ اس فکر سے ہلکان ہوجائیں گے۔ یہ زمانہ پانچ چھ سال کے عرصے پر محیط تھا۔ اس پورے دور میں آپ نے زندگی کی ہر پر لطف چیز کو خیرباد کہہ دیا تھا۔ مورخین کا بیان ہے کہ اس زمانے میں ایک سال یا دو سال خصوصی طور پر سخت تھے کہ ان میں بھوک اور طاعون نے لوگوں کی زندگی اجیرن کر دی تھی۔ حضرت عمرؓ خلافت کو ذمہ داری اور امانت سمجھتے تھے۔ اس احساسِ ذمہ داری نے حضرت عمرؓ کے قول و فعل میں ایسا تطابق پیدا کر دیا تھا کہ انہوں نے امانت کا حق ادا کر دیا۔

حضرت عمرؓ اپنے اہل و عیال کو قانون کا احترام کرنیکی تاکید عام لوگوں سے بھی زیادہ شدت کے ساتھ کیا کرتے تھے۔ اس کا اثر عام لوگوں پر خود بخود پڑتا ہے اور بہت اچھے نتائج بر آمد ہوتے ہیں۔ قحط کے زمانے میں اپنے بچوں میں سے ایک بیٹے کے ہاتھ میں خربوزہ دیکھ لیا تو ڈانٹ کر فرمایا۔ "اے امیرالمومنین کے بیٹے یہ کیا کر رہے ہو؟ امتِ محمدؐ بھوکوں مر رہی ہے اور تم پھل کھاتے ہو۔" لڑکا روتا ہوا ماں کی جانب بھاگا مگر حضرت عمرؓ کو اس وقت تک اطمینان نہ ہوا جب تک انہیں بتانہ دیا گیا کہ خربوزہ بیت المال سے نہیں لیا گیا بلکہ بچے کی ماں نے اسے اپنی جیب سے خرید کر دیا ہے۔

آج مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ جو پیٹ بھر کر کھاتا ہے اور ضروریاتِ زندگی وافر مقدار میں موجود پاتا ہے وہ انسانی جذبات سے عاری ہوجاتا ہے۔ وہ اپنی عیش و عشرت میں مست رہتا ہے اگرچہ اس کے گردونواح ہزاروں مسلمان بھوک کی چکی میں پس رہے ہوں۔ اسے کسی سے کیا واسطہ؟ وہ اپنی عیاشیوں میں مگن ہے۔ ذرا سوچئے کہ ایسے افراد کا اسلام سے کیا تعلق کہ جو رات پیٹ بھر کر سوجائیں اور ان کے ہمسائے بھوک کی شدت اور اضطرار سے کروٹیں بدلتے رات آنکھوں میں کاٹ دیں؟

Marfat.com

بیت المال کی جواب دہی اور احتیاط

ایک مرتبہ ایک نیک دل گورنر نے حضرت عمرؓ کے بیٹوں کو کچھ فائدہ پہنچانا چاہا جس میں بیت المال یا عامۃ الناس کا کوئی نقصان بھی نہ تھا مگر حضرت عمرؓ نے اس کی بالکل اجازت نہ دی۔ آپ کے دو بیٹے حضرت عبداللہ اور عبیداللہ لشکر اسلام کے ساتھ جہاد کے لئے عراق گئے۔ واپسی پر وہ بصرہ سے گزرے جہاں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ گورنر تھے۔ گورنر نے امیرالمومنین کے بیٹوں کی آؤ بھگت کی اور محبت سے اپنے پاس ٹھہرایا۔ پھر رخصت کرتے وقت کہا "میرے پاس کچھ رقم ہے جو میں امیرالمومنین کے پاس بھیجنا چاہتا ہوں۔ تم یہ رقم لیکر یہاں عراق سے مالِ تجارت خرید لو۔ مدینہ جا کر مال بیچ ڈالنا اور یہ رقم بیت المال میں جمع کرا دینا۔ جو نفع ہو گا وہ تمہارا ہو گا۔" اسی مضمون کا ایک خط انہوں نے امیرالمومنین کے نام بھی لکھ دیا۔

جب امیرالمومنین کے بیٹے مدینہ پہنچے اور خبر دی تو فوراً پوچھا "کیا سارے لشکریوں کو گورنر نے رقم دی ہے کہ تجارت کر کے نفع کما لیں؟" انہوں نے کہا "نہیں" فرمایا "اچھا تو پھر راس المال اور اس سے حاصل ہونے والا سارا نفع بیت المال میں جمع کرا دو۔" یہ سن کر حضرت عبداللہ تو خاموش رہے مگر حضرت عبیداللہ نے کہا "امیرالمومنین آپ کا یہ حکم درست نہیں کیونکہ مال کے ضائع ہو جانے یا تجارت میں خسارہ ہو جانیکا احتمال بھی تھا۔ ایسی صورت میں ہم یہ رقم بیت المال کو لوٹانے کے ضامن تھے۔" حضرت عمرؓ نے فرمایا "حجت بازی مت کرو۔ بیت المال میں رقم اور منافع جمع کرا دو۔" حضرت عبیداللہ نے "اپنی بات دوبارہ دہرائی مگر حضرت عبداللہؓ خاموش رہے۔ اہلِ مجلس میں سے کسی صاحبِ رائے نے فیصلہ دیا کہ نفع میں سے نصف راس المال کے لئے اور نصف عاملین کے لئے ہونا چاہئے۔ حضرت عمرؓ نے اس کے فیصلے کو قبول کر کے نصف منافع بیت المال میں جمع کرا دیا اور نصف ان دونوں کو دیدیا۔

Marfat.com

حضرت عمرؓ جس بات کی دوسروں کو اجازت نہ دیتے تھے اس کی اجازت اپنے بیٹوں کے لئے بھی جائز نہ سمجھتے تھے۔ ابو موسیٰ اشعریؓ کی تجویز غیر شرعی تجویز نہیں تھی مگر حضرت عمرؓ نے اپنے زہد و تقویٰ کے مقام سے اسے فروتر جانا اور رخصت کی بجائے عزیمت کی راہ کو ترجیح دی۔ ہر صاحبِ مرتبہ شخصیت کو چاہئے کہ وہ شکوک و شبہات کے کاموں سے اپنا دامن بچا کر رکھے۔ آپ کو خلافت کے مقام رفیع اور اس کے تقاضوں کا پوری طرح ادراک تھا۔ آپ خلافت کو ہر شک اور سوئے ظن کی گنجائش سے بلند و بالا رکھنے کے قائل تھے۔ اسی لئے آپؓ ذمہ داران حکومت کے معاملات کی کڑی نگرانی کیا کرتے تھے۔ اپنے اہل و عیال پر بھی ہمیشہ نظر رکھتے تھے کہ ان سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہو جائے جس کی بناء پر لوگوں کی انگلیاں اٹھنے لگیں کہ سربراہِ مملکت کے اہل و عیال غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ آپؓ کی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ بظاہر معمولی معمولی چیزوں کو بھی آپؓ پوری اہمیت دیتے تھے۔ جو شخص سرحد کے اوپر پہنچ جائے اس کے لئے ہر وقت یہ خدشہ موجود رہتا ہے کہ وہ اس سے تجاوز بھی کر جائے گا۔ اس لئے عقل مند وہی ہے جو سرحد پر پہنچنے سے پہلے ہی اپنے قدم روک لے۔

ہدیئے قبول کرنے سے انکار اور اس کی وجہ

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے حضرت عمرؓ کی بیوی عاتکہؓ کیلئے ایک حلہ بھیجا مگر حضرت عمرؓ نے وہ حلہ ابو موسیٰ اشعریؓ کو واپس لوٹا دیا اور سخت سرزنش بھی کی۔

ہدیئے دینا اور لینا اسلامی نقطۂ نظر سے جائز بلکہ مستحسن ہے مگر حکمرانوں کو عموماً ہدیئے غلط انداز میں دیئے جاتے ہیں۔ صاف ستھرے نظام حکومت میں جہاں قانون کی حکمرانی ہو، حکمرانوں کو ہدیوں سے کیا واسطہ؟ عام حکمران اگر بہت قابل رشک مثال بھی پیش کریں تو ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ اپنی ذات کے لئے تو ہدیہ قبول نہیں کرتے مگر اپنے اہل و عیال کیلئے بخوشی وصول کر لیتے

ہیں۔ مگر سیدنا عمرؓ کا معاملہ یہ تھا کہ نہ تو اپنے لئے کوئی تحفہ قبول کرتے تھے اور نہ اپنے اہل و عیال کیلئے اور اگر کوئی عزیز ایسا ہدیہ قبول کر لیتا تھا تو اس پر مناسب انداز میں سرزنش فرماتے تھے جو سربراہِ مملکت ہدیئے قبول کرنے کی عادت ڈال لے وہ اپنے ماتحتوں کیلئے ان کا جواز پیدا کر دیتا ہے جس سے معاملات کے فیصلے انصاف اور رعایا کی مصلحت کی بجائے تحفوں کے حوالے سے ہونے لگتے ہیں بلکہ یہ راستہ اگر کھول دیا جائے تو ایسے ایسے خطرناک اور مضر طریقے رائج ہو جاتے ہیں جو کسی بھی معاشرے کیلئے تباہی کا باعث بن جاتے ہیں۔

اس موقع پر مجھے وہ واقعہ یاد آ رہا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن اللتبیہ کو کسی علاقے میں زکوۃ و صدقات کی وصولی کیلئے بھیجا تھا۔ واپسی پر اس نے آنحضورؐ سے کہا "یہ صدقات ہیں جو میں نے ان لوگوں سے وصول کیئے۔" صدقات کی پوری رقم جمع کرانے کے بعد بھی جب عامل زکوۃ کے پاس کچھ باقی رہ گیا اور اس کے بارے میں پوچھا گیا تو اس نے کہا "یہ لوگوں نے مجھے بطور ہدیہ دیا تھا۔" اس پر حضور اکرمؐ سخت ناراض ہوئے اور آپؐ نے فرمایا "تم میں سے کوئی شخص اپنے باپ یا اپنی ماں کے گھر میں بیٹھ جائے اور پھر دیکھے کہ کون اس کے پاس ہدیئے بھیجتا ہے۔"

زہد و سادگی

جس بات کا رعایا کو حکم دیتے تھے خلیفۂ راشد سب سے پہلے خود اس پر عمل پیرا ہوتے تھے۔ لوگوں کو سادگی اور زہد کی تلقین کرنے سے پہلے خود اس کا عملی نمونہ بن گئے تھے۔ حالت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ آپؓ کی بیٹی اُمّ المومنین حضرت حفصہؓ نے آپ کو توجہ دلائی کہ اپنے آپ پر اتنی مشقت نہ ڈالیں جس سے صحت ہی تباہ ہو جائے۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے حضرت حفصہؓ کو یاد دلایا کہ رسول اللہؐ اور ان کے یارِ غار ابو بکر صدیقؓ کتنی سخت اور پُر مشقت زندگی گزارا کرتے تھے۔ جب کچھ واقعات کی یاد دہانی انہوں نے کرائی تو حضرت حفصہؓ رونے لگیں، پھر حضرت عمرؓ نے فرمایا "بخدا اگر مجھے توفیق ملے تو میں چاہتا ہوں کہ انہی کی طرح مشقت کی زندگی

Marfat.com

گزاروں تاکہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی اخروی زندگی میں ان کا ساتھ عطا فرمائے جس میں وہ ان سے راضی اور خوش ہے۔"

اسی سادگی اور زہد کے سائے میں اپنی خلافت کے دور میں آپؓ حج کیلئے نکلے اور کوئی خیمہ نہیں لگایا۔ دھوپ سے بچنے کے لئے کسی جھاڑی کی اوٹ میں بیٹھ جاتے۔ چمڑے کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا ساتھ تھا کبھی اس کا سایہ کر لیتے۔ تپتے ہوئے ریگستان میں وہ سایہ کیا حیثیت رکھتا تھا! آپؓ اس بات سے خائف تھے کہ اپنے لئے کوئی ایسا سایہ فراہم کریں جس کا مہیا کرنا رعایا کے ہر فرد کے لئے ممکن نہ ہو۔ ان کے پیشِ نظر سورج کی گرمی سے بچنا نہیں تھا بلکہ وہ اس گرمی سے بچنا چاہتے تھے جو سورج سے کہیں زیادہ گرم ہے جس کے مقابلے میں سورج کی تپتی ہوئی شعاعیں ٹھنڈی اور آرام دہ ہیں۔

اے کاش کہ مسلمان حکمران ان مثالوں کو اپنائیں۔ خود بھی خوش بخت ہو جائیں اور ان کے وجود سے معاشرہ بھی سعادت مند ہو جائے اس سے زیادہ سادگی اور زہد اور کیا ہو گا کہ حضرت عمرؓ کے کرتے میں کئی پیوند لگے رہتے تھے۔

اگر ہر صاحبِ استطاعت مسلمان اپنے آپ سے پوچھے کہ کیا اس کے گرد و نواح میں لوگوں کو بنیادی ضروریاتِ زندگی میسر ہیں اور اگر نہیں ہیں تو اس کی کیا ذمہ داری ہے تو امتِ مسلمہ کی حالت سدھر جائے' یہ احساس زندہ ہو جائے تو ہم یقیناً اس پستی سے نکل سکتے ہیں جس میں آج مبتلا ہیں۔ مصیبت تو یہ ہے کہ خوابِ غفلت میں پڑے ہوئے لوگ آنکھیں ہی نہیں کھولتے وہ ایسی نیند کا شکار ہیں جس کی کہیں مثال نہیں ملتی۔

حضرت عمرؓ خشک سالی کے زمانہ میں لوگوں کو حکم دیا کرتے تھے کہ جن کے پاس کھانے پینے کا سامان ہو وہ ان لوگوں کو اپنی خوراک میں شامل کر لیں جن کے پاس قوتِ لایموت نہیں ہے۔ آپ کہا کرتے تھے کہ جب تک اللہ تعالیٰ اس مصیبت کو دور نہ کر دے پوری خلافتِ اسلامیہ میں لوگوں کو اس بات کا اہتمام کرنا ہو گا۔

حضرت عمرؓ مفلوک الحال لوگوں سے زبانی ہمدردی کے قائل نہ تھے۔

Marfat.com

زبانی ہمدردی سے بھوکے کا پیٹ نہیں بھرتا نہ ننگے کو کپڑا ہی ملتا ہے' محرومی کا ذکر کر دینا منفی سوچ ہے اور منفی سوچ بے بسی کی دلیل ہوتی ہے۔ حضرت عمرؓ ایسی بے بسی اختیار کرنا پسند نہ فرماتے تھے۔ آپؓ نے حرماں نصیب لوگوں کے ساتھ فاقہ کشی اختیار کرنے کی بجائے ضروریاتِ زندگی بقدرِ استطاعت سب کو فراہم کرنے کا راستہ اختیار کیا۔ یہ مثبت سوچ اور مسائل کا صحیح حل ہے۔ خدانخواستہ آج بھی اگر ایسی صورتحال پیدا ہو جائے تو لوگوں کو ضروریاتِ زندگی مہیا کرنے کے لئے حضرت عمرؓ کی یہ فکر بہترین حل پیش کر سکتی ہے۔

آج کل کے حکمران اس قسم کے احکام نافذ کرنے سے قاصر ہیں اور اس کی وجہ قانون سازی کا فقدان نہیں بلکہ ضمیر زندہ اور حمیتِ دینی مفقود ہے' مسلمان حکمرانوں کو خشیتِ الٰہی اختیار کر کے اپنے مردہ ضمیر زندہ کرنے کی فکر کرنی چاہئے۔ یہ کامیابی اسی صورت میں حاصل ہو سکتی ہے جبکہ حکمران اپنی بھی اصلاح کر لیں اور اپنی رعایا کے دلوں میں بھی دینی جذبات اور دین کی طرف رجوع کی صفت پیدا کر دیں۔

حضرت عمرؓ مسلمانوں کے بیت المال کے بارے میں اللہ سے بہت ڈرتے تھے۔ ایک مرتبہ حج کے لئے گئے اور مدینہ سے مکہ اور وہاں سے واپسی کا سفر صرف اَسّی درہم میں مکمل کر لیا۔ اس کے باوجود اپنا محاسبہ کرنے لگے اور کفِ افسوس ملتے ہوئے کہا "ہم کتنے بے خوف ہو گئے ہیں کہ بیت المال میں اسراف کرنے لگے ہیں۔"

دیکھا آپ نے حضرت عمرؓ نے کیا فرمایا۔ آج ہر ملک کا سرکاری قافلہ حجاج مسلمانوں کے بیت المال سے لاکھوں روپے خرچ کرتا ہے اور کسی کے ضمیر میں کوئی خلش پیدا نہیں ہوتی۔ حج جو سادگی اور زہد کا متقاضی ہے فضول خرچی کی علامت بن گیا ہے۔ حضرت عمرؓ کے نزدیک سچائی اور مومنین کی بھلائی ہر چیز پر مقدم تھی۔ اس معاملے میں آپ کبھی سستی اور مداہنت نہ برتا کرتے تھے' خواہ حالات کیسے ہی نازک کیوں نہ ہوں۔ اپنی شہادت سے پہلے خلافت کے لئے چھ آدمیوں کی ایک کمیٹی مقرر کی اور فرمایا کہ اپنے میں سے بہترین آدمی کو چن لو اور مسلمانوں سے اس کے بارے میں رائے لے لو۔ آپ جانتے تھے

Marfat.com

کہ خلافت کا قیام اور تسلسل مسلمانوں کی مصلحتِ عامہ ہے۔ اور اس میں تعطل امت کے لئے نقصان دہ ثابت ہو گا چنانچہ آپ نے انصار سے کہا "ان چھ آدمیوں کو تین دن کی مہلت دو۔ اس دوران انہیں فیصلہ کرنے کے لئے کسی گھر میں بٹھا دو۔ تین دنوں میں انہوں نے فیصلہ کر لیا تو خیر ورنہ اس گھر میں داخل ہو کر ان سب کی گردنیں اڑا دینا۔"

اچھے مصاحبین کی تلاش

حضرت عمرؓ جانتے تھے کہ ایک بیدار مغز حاکم کو جوہرِ قابل کو تلاش کرنا چاہئے اور باصلاحیت لوگوں کو ذمہ داریاں سونپنی چاہئیں۔ ایسے لوگوں کے وجود سے حکمران کی ذمہ داریوں میں ان کی شرکت اور جواب دہی سے تقسیم کار بھی ہوتی ہے اور انتظامیہ اور حکومت کی شان بھی دوبالا ہو جاتی ہے، ان لوگوں کی سنجیدگی، اصابتِ رائے اور ثمر آور اعمالِ بھلائی اور خیر کا موجب ہوتے ہیں۔ ہر حاکم باصلاحیت لوگوں کی خدمات کا محتاج ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کی مخلصانہ کوششوں سے حاکم اور رعایا، دونوں اپنے مقاصد میں کامیابی حاصل کرتے ہیں اور حکومت کی نیک نامی ہوتی ہے۔ حضرت عمرؓ اپنی شوریٰ منتخب کرتے میں ہمیشہ یہی اصول پیش نظر رکھتے تھے۔ ان لوگوں کی قدر افزائی فرماتے ہوئے کبھی کہتے "اگر علیؓ نہ ہوتا تو قریب تھا کہ عمر ہلاک ہو جائے۔" اور کبھی فرماتے "اگر معاذؓ نہ ہوتا تو عمر ہلاک ہو جاتا۔" آپ کو یہ کہتے ہوئے بھی سنا گیا ہے کہ "ہم میں سے سب سے بہترین فیصلہ کرنے والے علیؓ ہیں۔"

حضرت عمرؓ کے پیشِ نظر کوئی دنیوی مقصد نہیں تھا کیونکہ دنیا اور اس کے سارے مال و متاع کو وہ اتنی اہمیت نہ دیتے تھے کہ اس کے چھن جانے کو ہلاکت سے تعبیر کرتے۔ حقیقت میں وہ آخرت کی جواب دہی کے احساس سے ڈرتے رہتے تھے اور خوفِ خدا ان کا امتیازی وصف تھا۔ آپ ہر معاملے میں کھرے اور سچے انسان تھے۔ مردانِ کار کی قدر و قیمت بھی کوئی مرد ہی جان سکتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جب حکمران کسی کارندے کی قدر افزائی کرتا

ہے تو وہ کارندہ اپنے کام میں خلوص کے ساتھ دلچسپی لیتا ہے اور حصولِ مقصد میں اپنی جان کھپاڈالتا ہے۔ اچھے کام کرنے والوں کی قدر افزائی تعلیماتِ ربانی کا حصہ ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

"جن لوگوں نے بھلائی کا طریقہ اختیار کیا ان کے لئے بھلائی ہے اور مزید فضل۔ ان کے چہروں پر روسیاہی اور ذلت نہ چھائے گی۔ وہ جنت کے مستحق ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔" (سورۃ یونس آیت۲۶)

اللہ تعالیٰ نیک کام کرنے والوں کی تکریم فرماتا ہے تاکہ وہ نیکی کے کاموں کو جاری رکھیں۔ قرآن مجید کی اس ہدایت سے رہنمائی حاصل کرنے کے آج ہم بہت زیادہ محتاج ہیں۔ واجبات کی ادائیگی پر ہمارے دین نے شکر وسپاس کی تعلیم دی ہے۔ ہمارے ہاں یہ مقولہ چل پڑا ہے۔ «لا شکر علی الواجب» یہ مقولہ غلط بھی ہے اور نقصان دہ بھی۔ آپ خود سوچئے کہ اگر فرض شناسی پر ہم شکریہ ادا نہیں کریں گے تو پھر کس بات پر شکریہ ادا کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے

"اگر تم شکر ادا کرو گے تو میں اپنی نعمتیں اور زیادہ عطا کروں گا" (سورہ ابراہیم)

کیا ہم اپنے دینِ حق کی تعلیمات کو کسی غلط فکر رکھنے والے شخص کی تقلید میں چھوڑ دیں؟

حضرت عمرؓ نوجوانوں کو ان کی صلاحیتوں کے مطابق ذمہ داریاں سونپ دیا کرتے تھے۔ اس سے ان میں خود اعتمادی بھی پیدا ہوتی تھی اور ان کی صلاحیتیں بھی مزید پروان چڑھتی تھیں، مثلاً آپ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو اپنی مجلس میں بٹھایا کرتے اور مشکل مسائل میں ان سے مشورہ کیا کرتے تھے اور کئی مرتبہ ان کی رائے کو قبول کر لیا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہؓ بن عتبہ کہا

کرتے تھے کہ حضرت عمرؓ کا مقام و مرتبہ بہت بلند اور قابلیت بے مثال تھی مگر پھر بھی آپ دوسروں کی قابلیت سے استفادہ کرنے میں کبھی کوتاہی نہیں کرتے تھے' حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا دربارِ خلافت میں قرب حاصل کرنا بعض بزرگ صحابہ کو عجیب لگا اور انہوں نے کہا "امیر المومنین اس نوجوان کو اپنی مجلس میں بلاتے ہیں جبکہ ہمارے بیٹوں کو نہیں بلاتے" تو آپ نے فرمایا کہ "ان کے بلانے کی وجہ ان کی اصابتِ رائے' عقلِ رسا اور زبان و کلام پر قدرت ہے۔"

ہر شعبے کے لئے موزوں افراد کی تلاش

آپ ہر میدان کے لئے مردانِ کار کی تلاش میں رہتے اور اپنی خداداد صلاحیتوں کی بدولت فوراً مناسب آدمی کو ڈھونڈ لیتے تھے۔ حضرت عمرو بن عاصؓ کو ایک مرتبہ چلتے ہوئے دیکھا تو فرمایا "ابو عبداللہ کے لئے مناسب یہ ہے کہ یہ کسی علاقے کی امارت کی ذمہ داری سنبھالے" جیسا کہ کہا جاتا ہے "ہر کسے را بہر کار ساختند" اسی طرح ہر شعبے کے لئے مخصوص صلاحیتوں کے افراد کی ضرورت ہوتی ہے۔ کوئی شخص مشورہ دینے کا اہل ہوتا ہے تو کوئی مدیر و منتظم ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ کوئی قضا کا محکمہ سنبھال سکتا ہے تو کسی میں مالیات کو چلانے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ غرض ہر کام کے لئے ہر شخص موزوں نہیں ہو سکتا۔ حضرت عمرؓ جس کام کے لئے کسی کو منتخب کرتے تھے وہ اس کام کا اہل ثابت ہوتا تھا۔

عمروؓ بن العاص

عمروؓ بن العاص نے حضرت عمرؓ کی خلافت کا پورا دور امیر سپاہ یا گورنر کے طور پر گزارا عمروؓ بن العاص معروف صحابہ میں سے تھے۔ انہیں معاملات کو سمجھنے اور تنفیذِ احکام کا خصوصی ملکہ حاصل تھا۔ کئی مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی انہیں امیرِ لشکر مقرر کیا اور حضرت ابو بکرؓ نے بھی یہ ذمہ داری انہیں سونپی۔ حضرت عمرؓ عمرو بن العاصؓ کو خود بھی اچھی طرح سے جانتے تھے

Marfat.com

مگر انہوں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے بھی عمروؓ بن العاص کی تعریف سن رکھی تھی۔ علقمہ بن رمشہ البلوی کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمروؓ بن العاص کو ایک مہم پر بحرین کی جانب روانہ فرمایا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ عمروؓ بن العاص کو رخصت کرنے کے لئے مدینہ سے باہر نکلے۔ ایک جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اونگھ آئی۔ اس کے بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ عمرو پر رحم فرمائے" راوی کہتے ہیں کہ ہم نے ہر اس شخص کے بارے میں سوچا جس کا نام عمرو تھا۔ اس کے بعد پھر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر غنودگی طاری ہوئی اور جاگنے پر فرمایا "اللہ تعالیٰ عمرو پر رحم فرمائے"۔ تیسری مرتبہ پھر ایسا ہی ہوا تو ہم نے پوچھا "یا رسول اللہؐ کون سے عمرو کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعائیں دیں" آپ نے فرمایا "عمرو ابن العاصؓ کو" ہم نے پوچھا "اس کی کون سی خاص بات ہے" آپؐ نے فرمایا "مجھے یاد آیا کہ جب میں نے لوگوں کو صدقہ دینے کی ترغیب دی تو وہ بہت سا مال لے کر آیا۔ میں نے پوچھا "اے عمرو یہ مال کہاں سے لائے ہو؟" تو اس نے کہا "یا رسول اللہ یہ اللہ کی دین ہے۔" اس نے سچ کہا تھا۔ بے شک اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں خیر کثیر ہے۔"

عمروؓ بن العاص بہت قابل اور بابرکت جرنیل تھے۔ انہوں نے مصر فتح کیا اس کے بعد امیر المومنین نے ان کا ذکر کرتے ہوئے تعریف اور تشکر کے الفاظ استعمال کئے۔ اس تاریخی فتح کے بعد مصر ملت اسلامیہ کا حصہ بن گیا اور آج تک اسے مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ یہ اسلام کا مضبوط قلعہ ہے جسے گرانے کی ہر کوشش ہمیشہ ناکام ہوئی ہے۔ بدقسمتی سے بعض واقعات کی وجہ سے حضرت عمروؓ بن العاص کی شخصیت کے بارے میں تاریخ میں کافی غلط فہمیاں پیدا ہو گئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمروؓ بن العاص اور ان کے بھائی ہشامؓ بن عاص کے خلوص اور صدقِ ایمانی کی تصدیق فرمائی جیسا کہ مُسندِ احمد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ مذکور ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شہادت اتنی بڑی دلیل ہے کہ اس کے بعد عمروؓ بن العاص کے مقام و مرتبہ کے متعین کرنے میں کوئی اشکال باقی

Marfat.com

نہیں رہتا۔ مورخین نے بیان کیا ہے کہ عمرؓو بن العاص کے قبولِ اسلام کے بعد ان کی ذہانت اور شجاعت کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ان کو اپنی مجلس میں اپنے قریب جگہ دیا کرتے تھے۔ عمرؓو بن العاص نے اپنی وفات کے وقت اپنے سب غلاموں اور کنیزوں کو اللہ کی خاطر آزاد کر دیا تھا۔ مسند احمد میں عمرؓو بن العاص کی زبانی ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے ہزار مثالیں مختلف موضوعات پر سنیں تھیں اور یاد کر لی تھیں۔

عمرؓو بن العاص کا قبولِ اسلام

قبولِ اسلام سے پہلے عمرؓو بن العاص نے اسلام کے خلاف بہت کچھ کیا تھا جب ان کا دل اسلام کے لئے کھلا تو اپنے دورِ جاہلیت کو یاد کر کے افسوس کرنے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قبولِ اسلام کے لئے حاضر ہوئے مگر بیعت کرنے سے پہلے عرض کیا کہ ان کے ماضی کے گناہ معاف کروا دیئے جائیں۔ یہ فکرِ آخرت کی بہترین مثال ہے، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر حضرت عمرؓو سے فرمایا تھا "قبولِ اسلام اور اللہ کی راہ میں ہجرت پچھلے گناہوں کی معافی کا باعث بن جاتے ہیں"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرؓو بن العاص کو عمان کا گورنر مقرر کیا تھا۔ آپ عرب کے بہادر ترین اور زیرک ترین لوگوں میں سے تھے۔ جب آخری وقت آیا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی "یا اللہ تو نے حکم دیئے جن پر میں پورا نہ اتر سکا اور تو نے منع کیا جس سے میں پوری طرح نہ رک سکا۔ یا اللہ کوئی قوت نہیں ہے۔ محض تیری مدد درکار ہے۔ میں گناہوں سے پاک نہیں ہوں لیکن تیرے سامنے معذرت پیش کرتا ہوں۔ میں تیری مغفرت کا طلب گار ہوں۔ کوئی بڑائی اور تکبر میرے دل میں نہیں ہے۔" یہی الفاظ دہراتے رہے یہاں تک کہ روح پرواز کر گئی۔

یہ انکساری اور خشیت اور اپنی غلطیوں کا اعتراف وہی شخص اللہ کے سامنے پیش کرتا ہے جس کا تعلق اللہ کے ساتھ قریبی اور گہرا ہو۔ حضرت عمرؓ بن خطاب بھی اپنی وفات کے وقت یہ کہتے سنے گئے "اگر میں برابر سرابر چھوٹ گیا تو اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھوں گا"

Marfat.com

عمروؓ ابن العاص میدانِ جہاد میں

عمرو بن العاصؓ نے میدان جہاد میں بڑے بڑے کارنامے سرانجام دیئے۔ بعض اوقات جذبات کو بالائے طاق رکھ کر انہوں نے بڑے بڑے دُور رس فیصلے صادر کئے۔ وہ انسانی جذبات سے عاری نہ تھے مگر وقت کی نزاکت کو بھی خوب جانتے تھے۔ جنگِ اجنادین میں رومی فوجیں شکست کھا کر بھاگیں تو مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا۔ ایک پل پر سے رومی فوجیں دریا کے پار اتر گئیں۔ پل اتنا تنگ تھا کہ اس پر سے صرف ایک شخص گزر سکتا تھا۔ رومیوں نے بڑھتی ہوئی مسلمان فوجوں کو پل کے کنارے روک لیا۔ حضرت عمروؓ بن العاص کے بھائی ہشامؓ بن عاص سب سے آگے تھے وہ رومیوں کے ساتھ لڑتے ہوئے شہید ہوگئے اور ان کی شہادت کے بعد پل پر سے گزرنا ممکن نہ رہا۔ مسلمان اپنے گھوڑوں پر سوار اس پل کو عبور کرنا چاہتے تھے مگر ہشامؓ کی نعش کو دیکھ کر رک گئے۔ اس نازک موقع پر عمروؓ بن العاص نے کہا۔ ”اے لوگو ہشام کو اللہ تعالیٰ نے شہادت عطا فرمادی ہے اور اس کی روح اللہ کے ہاں جاچکی ہے۔ یہ جسم گھوڑوں کی ٹاپوں کے نیچے کچلا جائے مگر اس کے نتیجہ میں مسلمانوں کو فتح مل جائے تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں۔ سب سے پہلے خود اپنے گھوڑے پر سوار اس راستے سے گزرے اور ان کے پیچھے مسلمان افواج حضرت ہشامؓ کی لاش کے اوپر سے گزرتی رہیں۔ رومی فوجوں کو شکست دینے کے بعد جب پلٹے تو عمروؓ بن العاص نے ہشامؓ ابن العاص کے جسم کے ٹکڑے اور ہڈیاں جمع کیں پھر انہیں ایک بساط میں لپیٹا اور دفن کر دیا۔ حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ جو عشرہ مبشرہ میں سے تھے عمروؓ بن العاص کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ وہ صالحین قریش میں سے ہیں۔

عمروؓ بن العاص خود بیان کرتے ہیں ”ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں مدینہ پر دشمنوں کے حملے کی خبر پہنچی۔ اہلِ مدینہ گھبرا گئے اور مختلف باتیں سوچنے لگے۔ میں نے دیکھا کہ سالم مولیٰ ابی حذیفہؓ مسجد میں کھڑے ہیں اور اپنی تلوار گلے سے لٹکا رکھی ہے جیسے جنگ کے لئے بالکل تیار

Marfat.com

ہوں۔ میں نے بھی اپنی تلوار اسی طرح لٹکالی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس موقعہ پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا "تم لوگ گھبرائے ہوئے کیوں ہو۔ اللہ اور اس کے رسول پر بھروسہ کرو اور جس طرح ان دو مومن مردوں نے اپنے آپ کو تیار کر رکھا ہے اسی طرح تم بھی تیار ہو جاؤ۔"

مسیلمہ کذّاب سے مکالمہ

عمرؓو بن العاص بہت عقلمند اور بہادر آدمی تھے۔ ان کی یہ خوبیاں زمانہ جاہلیت میں بھی سب پر عیاں تھیں۔ جب مسیلمہ کذاب نے نبوت کا دعویٰ کیا تو عمرؓو بن العاص اس کے پاس گئے۔ وہ اس زمانے میں ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ مسیلمہ نے ان سے پوچھا کہ "تمہارے شہر کے نبی پر کیا کچھ نازل ہوا ہے" عمرؓو بن العاص نے جواب دیا چند چھوٹی چھوٹی مگر نہایت پراثر سورتیں اس ﷺ پر نازل ہوئیں ہیں۔" مسیلمہ نے کہا "ان میں سے کوئی سورہ مجھے بھی تو سناؤ۔" اس پر عمرؓو بن العاص نے سورۃ عصر پڑھ کر سنائی۔ مسیلمہ سوچ میں پڑ گیا اور سر جھکا لیا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کہا "میرے اوپر بھی ایسی ہی سورتیں نازل ہوتی ہیں۔" عمرؓو نے پوچھا "وہ کون سی سورتیں ہیں؟" اس نے کہا "یا وبر یا وبر انما انت اذنان وصدر وسائرو ک حقر نقر»

(اے خرگوش اے خرگوش تو کیا ہے سوائے دو کانوں کے اور سینے کے تیرا باقی جسم تو حقیر اور معمولی ہے)

پھر اس نے داد طلب نگاہوں سے عمرؓو بن العاص کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "اے عمرو سناؤ کیسا ہے؟"

عمرؓو بن العاص نے جواب دیا "بخدا تجھے اچھی طرح سے معلوم ہے کہ میں تجھے جھوٹا سمجھتا ہوں۔" دیکھا آپ نے کیسی صراحت اور جرأت سے انہوں نے جھوٹے کو اس کے گھر تک پہنچایا!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرؓو بن العاص کے بارے میں کہا تھا۔ "بہترین گھرانہ ابو عبداللہؓ کا گھرانہ ہے۔ جس میں ابو عبداللہ اُمِّ عبداللہ اور عبداللہ رہتے ہیں"۔ ابو عبداللہ حضرت عمرؓو بن العاص کی کنیت تھی جو ان کے بیٹے عبداللہ بن عمرؓو بن عاص کی وجہ سے مشہور ہوئی۔ اس تعریف کے

Marfat.com

بعد کسی مسلم کے لئے اور کس تعریف کی ضرورت رہ جاتی ہے۔

حضرت علیؓ بن ابی طالب اور حضرت معاویہؓ کے درمیان اختلافات پیدا ہوئے جو جنگ پر منتج ہوئے۔ سوئے اتفاق سے عمروؓ بن العاص حضرت معاویہؓ کے کیمپ میں تھے۔ جنگ میں مشہور صحابی حضرت عمار بن یاسرؓ امیر المومنین علیؓ بن ابی طالب کے ساتھ تھے۔ حضرت عمارؓ شہید ہوگئے توان کا سر کاٹ کر حضرت معاویہؓ کے سامنے لایا گیا' اس موقع پر دو شخص آپس میں جھگڑ رہے تھے اور ہر ایک کا دعویٰ یہ تھا کہ عمارؓ کو اس نے قتل کیا ہے" عمروؓ بن العاص نے دیکھا تو فرمایا خدا کی قسم یہ لوگ دوزخ کی آگ حاصل کرنے کے لئے آپس میں جھگڑ رہے ہیں۔ اے کاش میں آج سے بیس سال قبل مر گیا ہوتا"۔

صحابۂ کرام سارے قابلِ احترام ہیں

مورخین نے صحابہؓ کے حالات تفصیل کے ساتھ لکھے ہیں۔ اکثر مصنفین عمروؓ بن العاص اور معاویہ بن ابی سفیانؓ کا ذکر کرتے ہوئے ان پر ایسی تنقید کر جاتے ہیں جس سے پرہیز کیا جاتا تو بہتر ہوتا۔ صحابۂ کرامؓ سارے کے سارے قابلِ عزت واحترام ہیں۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ فرمایا کرتے تھے کہ صحابہ کرامؓ کے شرفِ صحابیت کی وجہ سے ان کا ایک گھڑی کا عمل ہمارے زندگی بھر کے اعمال سے بہتر ہے۔

صحابۂ کرامؓ میں سے کسی کو بھی کم درجہ نہیں سمجھنا چاہئے۔ ان کے مقابلے میں ہمارا کیا مقام و مرتبہ ہے کہ ہم ان پر انگلیاں اٹھائیں؟ ایک صحابیٔ رسول صحابہ کی شان بیان کرتے ہوئے یہ نکتہ خوب واضح کرتے ہیں' عبداللہ بن زیاد نے اپنے دربار میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی عائذ بن عمرو سے کہا "بیٹھ جاتو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی بھوسی ہے" عائذؓ نے جواب دیا "کیا صحابہ کے درمیان کوئی ایسا ہو سکتا ہے جسے بھوسی کہا جائے؟ بھوسی تو ان کے بعد والے لوگوں میں یا ان کے دور میں غیر صحابہ میں پائی جا سکتی ہے"

امام نوویؒ نے اس بارے میں ارشاد فرمایا "بے شک صحابۂ کرامؓ

Marfat.com

سارے کے سارے انسانیت کے چیدہ افراد اور امت کے سردار ہیں اور اپنے بعد آنے والے سب لوگوں سے افضل ہیں۔ وہ سارے کے سارے عدول اور قابلِ تقلید ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی گرا پڑا نہیں ہے"۔

ایک دن امام ابراہیم نخعیؒ نے کہا جبکہ ان کے سامنے صحابہ کا ذکر ہورہا تھا "علیؓ مجھے عثمانؓ سے زیادہ محبوب ہیں۔ لیکن عثمانؓ کا ذکر برائی سے سننے کی بجائے میں یہ پسند کرتا ہوں کہ آسمان کی بلندیوں سے گرا دیا جاؤں۔" ابنِ عبدالبرؒ کہتے ہیں "جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کی صحبت کے لئے چن لیا تھا ان سے زیادہ عادل کوئی نہیں ہوسکتا"۔ ابنِ حجرؒ کہتے ہیں کہ "اہل سنت کا اس بات پر اجماع واتفاق ہے کہ صحابہ سارے کے سارے عدول ہیں۔ اس رائے سے سوائے کچھ بدعتی لوگوں کے کسی نے اختلاف نہیں کیا۔"

ایک شخص حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کے پاس آیا اور صحابۂ کرام کے درمیان لڑی جانے والی جنگوں کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا "میں نے اپنا ہاتھ روکے رکھا اور جنگ میں حصہ نہ لیا البتہ میں یہ کہتا ہوں کہ حق کے لئے لڑنے والا بیٹھے رہنے والے سے افضل ہے۔"

حضرت انسؓ بن مالک سے کسی نے کہا کہ علی اور عثمان رضی اللہ عنہم کی محبت کسی ایک دل میں جمع نہیں ہوسکتی، آپ نے فرمایا کہ "یہ صریح جھوٹ ہے خدا کی قسم ان دونوں کی محبت ہمارے دلوں میں ایک ساتھ موجود ہے۔"

ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ علماء کی ایک جماعت کی رائے صحابۂ کرام کو گالی دینے والوں کی تکفیر جائز ہے۔ امام قرطبیؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں "صحابہ سارے کے سارے شرف صحابیت میں شریک ہیں مگر اپنی اپنی کوشش، نصیب اور اعمال کی وجہ سے ان کے مناقب اور فضائل میں فرق ہے۔ اس کے باوجود صحبت، عدالت اور ذکر خیر میں سب برابر ہیں"۔ حضرت عروہؓ سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے ایک روایت بیان کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا "اے میرے بھانجے لوگوں کو حکم دیا گیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کے لئے دعائے مغفرت کریں مگر انہوں نے صحابہؓ کو سب وشتم کا نشانہ بنالیا ہے۔"

Marfat.com

امام مالکؒ فتویٰ دیا کرتے تھے کہ "صحابۂ کرام کو گالی دینے والے کا (ـفی) کے مال میں کوئی حق نہیں ہے"۔

اوپر جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کی روشنی میں واضح طور پر معلوم ہو سکتا ہے کہ ایک مسلمان کو صحابہ کا ادب کس طرح ملحوظ رکھنا چاہئے' اس ادب کی حدود میں رہتے ہوئے ہم میں سے کسی شخص کا رجحان اور قلبی میلان بعض صحابہ کی طرف ہو جائے تو اس میں کوئی حرج اور گناہ نہیں' البتہ صحابۂ میں سے کسی کی نیت پر حملہ کرنا گناہ اور خطا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو معاف فرمائے اور اپنی مغفرت سے نوازے۔ ہمیں یہ یقین رکھنا چاہئے کہ صحابہ کرام نے جو موقف بھی اختیار کیا اس میں ان کے پیش نظر نہ دنیا کا حصول تھا اور نہ کوئی نفسانی خواہشات۔ بلکہ انہوں نے اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے ہر قدم اٹھایا۔ وہ مجتہد تھے اور انہیں انبیاء کی طرح سے عصمت کا مقام حاصل نہ تھا۔ مجتہد کا فیصلہ ٹھیک بھی ہوتا ہے اور غلط بھی لیکن مجتہد اپنے فیصلے میں نیک نیتی کے ساتھ رضائے الٰہی کے حصول کی کوشش کرتا ہے' یہ میرا ذاتی خیال نہیں بلکہ شیخ الاسلام احمد بن تیمیہؒ نے بھی اس خیال کا اظہار کیا ہے۔ تفصیلات کے لئے ان کی کتاب "العقیدہ الوسیطة" دیکھ لیجئے۔

امام نوویؒ صحابہ کے درمیان ہونے والی جنگوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ جہاں تک ان جنگوں کا تعلق ہے تو ہر فریق اپنے آپ کو حق پر سمجھتا تھا' وہ سارے عادل تھے۔ اور اپنے اجتہاد میں انہوں نے دوسروں کے اجتہاد سے اختلاف کیا' اسی لئے ان کی باہمی جنگوں کے باوجود اس بات پر اجماعِ امت ہے کہ ان صحابہ کی شہادتیں (گواہیاں) اور روایات قبول کی جائیں اور ان سب کی عدالت کو مانا جائے۔

علماءِ دین نے وضاحت کی ہے کہ صحابۂ کرامؓ کے بارے میں حُسنِ ظن رکھا جائے اور ان کے باہمی قتال کی ایسی تاویل کی جائے جس سے کسی کی تنقیص نہ ہوتی ہو۔ حضرت علیؓ اور اور حضرت معاویہؓ کے درمیان ہونے والی جنگوں میں فریقین اپنے آپ کو حق پر سمجھتے تھے مگر اہلِ سنت کا عقیدہ ہے کہ حضرت علیؓ کا اجتہاد ٹھیک تھا اور وہی حق پر تھے جبکہ دوسرا فریق اپنے اجتہاد میں غلطی کھا گیا

Marfat.com

تھا۔ بعض صحابۂ کرام نے کسی بھی فریق کا ساتھ نہ دیا بلکہ وہ غیر جانبدار رہے۔

اللہ اللہ فی اصحابی

ہر مسلمان پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حق ہے کہ وہ ان کی غیر مشروط اطاعت کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "جب میرے صحابہؓ کا تمہارے سامنے ذکر کیا جائے تو (ان کی تنقیص سے) باز رہو۔" ایک دوسری حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "میرے صحابہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ میرے بعد انہیں نشانۂ تنقیص نہ بنانا۔ جو ان سے محبت کرے گا وہ میری محبت کی وجہ سے ایسا کرے گا اور جو ان سے بغض رکھے گا وہ مجھ سے بغض رکھے گا۔ جس نے انہیں ایذا پہنچائی اس نے مجھے ایذا پہنچائی اور جس نے مجھے ایذا پہنچائی اس کو اللہ تعالیٰ پکڑ لے گا۔"

صحابۂ کرامؓ پر بدنیتی کا اتہام لگانا بہت بڑا گناہ ہے اور شاید اس سے بڑی اور کوئی ایذا نہیں ہو سکتی۔ اس لئے اس ایذا کا انجام اللہ تعالیٰ کی شدید پکڑ کی صورت میں سامنے آتا ہے' اللہ تعالیٰ مہاجرین اور انصار سے راضی ہوا اور اپنی کتابِ کریم میں ان کی مدح بیان کی۔ جس کی مدح اللہ تعالیٰ کرے اور اسے اپنی رضا کی یقین دہانی کرائے' اس سے کون عقلِ سلیم رکھنے والا مسلمان دشمنی رکھ سکتا ہے؟۔ کیا ہم اللہ تعالیٰ سے زیادہ علم رکھتے ہیں کہ اس کے فیصلے پر اپنا فیصلہ صادر کریں؟ جس قوم نے اپنے کاندھوں پر اقامتِ دین اور دعوتِ اسلامیہ کی نشر و اشاعت کی ذمہ داری اٹھائی اور اسے بطریقِ احسن پورا کیا' ان پر طعن و تشنیع کیسے جائز ہو سکتی ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے "جس نے میرے صحابہ سے محبت کی اور ان کا دوست بنا اور ان کیلئے مغفرت کی دعا مانگتا رہا اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن جنت میں ان کا ساتھ عطا فرمائے گا۔" یا اللہ ہم تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے محبت اور دوستی رکھتے ہیں اور ان کیلئے دعائے مغفرت کرتے ہیں

Marfat.com

بس تو اپنی رحمت سے جنت میں ہمیں ان کا ساتھ عطا فرمائیو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا "میرے صحابہ کو گالیاں نہ دو۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر تم میں سے کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو بھی ان میں سے کسی کے درجے کو بلکہ اس کے نصف کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔"

عوامؒ بن حوشب کہا کرتے تھے "میں نے اس امت کے ابتدائی لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے محاسن بیان کئے جائیں تاکہ لوگوں کے دل ان سے مانوس و مالوف ہو جائیں اور ان کے باہمی اختلافات کا ذکر نہ کیا جائے کیونکہ اس سے لوگ صحابہ پر زبان درازی شروع کر دیتے ہیں۔" حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے کسی نے پوچھا کہ عثمانؓ اور علیؓ کے بارے میں ان کی کیا رائے ہے تو انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ تیرا چہرہ بگاڑ دے تو ان دو آدمیوں کے بارے میں مجھ سے موازنہ چاہتا ہے جن میں سے ہر ایک مجھ سے بدرجہا بہتر تھا' تو یہ چاہتا ہے کہ میں ان میں سے ایک کو اوپر اٹھاؤں اور دوسرے کو نیچے گراؤں؟"

حضرت امیر معاویہؓ

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے زہد و تقویٰ سے کوئی بھی بے خبر نہیں۔ وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر کام میں مکمل اتباع کیا کرتے تھے یہاں تک کہ جن راستوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر گزرے ابن عمرؓ کی ہر سفر میں یہ کوشش ہوتی تھی کہ ان کی اونٹنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کے نقش پا پر چلے۔ ابن عمرؓ کہا کرتے تھے "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد معاویہؓ کی قیادت جیسی کوئی قیادت میں نے نہیں دیکھی۔ بخدا ابو بکرؓ و عمرؓ اور عثمانؓ و علیؓ معاویہؓ سے بہتر اور افضل تھے مگر معاویہؓ کی سیادت سب سے زیادہ مضبوط ہے۔"

حضرت معاویہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی محبت کرتے

Marfat.com

تھے۔ وفات کے وقت انہوں نے وصیت کی کہ انہیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کرتا مبارک میں کفن دیا جائے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ناخن مبارک ان کی آنکھوں پر رکھ دیئے جائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہؓ کے حق میں دعا کی تھی کہ اللہ انہیں ہدایت بھی دے اور دوسروں کی ہدایت کا ذریعہ بھی بنا دے۔

حضرت معاویہؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان اختلافات تو پیدا ہوئے تھے مگر ہمارا عقیدہ ہے کہ حق پر حضرت علیؓ تھے۔ حضرت علیؓ کی شہادت پر امیر معاویہؓ نے افسوس کے ساتھ کہا "علی کی موت کے ساتھ علم اور عفت دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں۔" یہ بات سن کر ان کے بھائی عتبہ نے کہا "اہل شام کے سامنے یہ بات نہ کہنا۔" حضرت معاویہؓ نے ناراض ہو کر کہا "تم اپنا کام کرو مجھے اپنا کام کرنے دو۔"

خلیفۂ راشد حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کا اسوہ ہمارے لئے اس معاملے میں بہترین مثال ہے۔ آپ نے اپنی مجلس میں بعض لوگوں کو صحابہؓ کرام کے اختلافات کا ذکر کرتے ہوئے سنا تو فرمایا "جس معاملے سے اللہ نے اپنے فضل و کرم سے تمہارے ہاتھوں اور تلواروں کو بچالیا ہے اس میں تم اپنی زبانوں کی بھی حفاظت کرو۔" امام نوویؒ نے حضرت معاویہؓ کے بارے میں کہا ہے کہ وہ عادل اور صاحب فضل و علم تھے اور عالی مقام صحابہ میں شامل تھے۔

حضرت امیر معاویہؓ کے فضائل میں بہت کچھ لکھا گیا ہے مگر ہم مختصر طور پر محض ایک آدھ واقعہ یہاں نقل کر کے موضوع کو آگے بڑھاتے ہیں۔ حضرت امیر معاویہؓ بطور حکمران انصاف وعدل کے علم بردار تھے۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو مقدم جانتے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے عبد الرحمٰن بن خالدؓ بن ولید کو کسی علاقے کا گورنر مقرر کیا۔ جب انہیں تقرری کی دستاویز دے چکے تو پوچھا "میرے احکام کے ساتھ کیا معاملہ کرو گے" انہوں نے جواب دیا "آپ کے احکام کو اپنا امام بناؤں گا اور کبھی نافرمانی نہ کروں گا۔" یہ سن کر فرمایا "میری دستاویز واپس کر دو۔" اس کے بعد سفیان بن عوف کو بلایا اور انہیں یہ عہدہ سپرد کیا۔ پھر ان سے بھی وہی سوال

پوچھا جو عبدالرحمٰن سے پوچھ چکے تھے۔ انہوں نے کہا "ٹھیک حکم ہو گا تو اطاعت کروں گا۔ غلط حکم ہو گا تو مخالفت کروں گا۔" فرمایا "ٹھیک ہے جاؤ اور اللہ کی برکت سے اپنے فرائض سرانجام دو۔"

حضرت معاویہؓ بڑے خوش خلق اور عفوو درگزر کا مجسمہ تھے۔ اچھی بات کو سنتے اور قبول کرتے تھے۔ اپنی رائے سے رجوع کر لیا کرتے تھے اور دل میں کسی کے خلاف ناراضگی نہ رکھا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ اپنے دو گورنروں کو حکم بھیجا کہ ان کیلئے خمس میں سے بہترین مال چن کر نکالیں۔ ایک گورنر مالک بن عبداللہ بن سنان الجثعمی نے تو یہ حکم سنا اور اسے ماننے سے انکار کر دیا۔ دوسرے گورنر عبداللہ بن قیس الفزاری نے اطاعت کی۔ جب یہ دونوں امیر معاویہؓ کے پاس آئے تو آپ نے مالک بن عبداللہؓ کو پہلے شرف باریابی بخشا انہیں انعام بھی دیا اور ان کا ادب و احترام بھی کیا۔ یہ دیکھ کر عبداللہ بن قیس نے شکایت کی کہ "جو احکام کی تعمیل کرتا ہے اسے تو احترام کی بجائے سرد مہری اور باریابی کی بجائے انتظار کرایا جاتا ہے اور جو حکم نہ مانے اسے سر آنکھوں پر بٹھایا جاتا ہے۔"

امیر معاویہؓ نے ان کی شکایت سن کر کہا "مالک نے میری نافرمانی کی اور اللہ کی اطاعت کی جب کہ تو نے میرا حکم مانا اور اللہ کی نافرمانی کی۔" مالک سے انہوں نے پوچھا "تم نے میرا حکم کیوں نہ مانا؟" انہوں نے جواب دیا "میں نہیں چاہتا تھا کہ ہم دونوں کل کو جہنم کے کسی گوشے میں پڑے ہوں اور آپ مجھے لعنت کرتے ہوئے کہیں کہ یہ تیرا عمل ہے اور میں آپ پر لعنت بھیجتے ہوئے کہوں کہ یہ آپ کا عمل ہے۔" یہ سن کر امیرؓ خوش ہو گئے۔

عدل وانصاف کے اساسی اصول

حضرت امیر معاویہؓ کو بھی حضرت عمرؓ نے ان کی ذہانت و دیانت اور علم و حلم کی وجہ سے گورنر مقرر کیا تھا۔ حضرت عمرؓ نہایت متواضع اور منکسر المزاج تھے مگر آپ کے نزدیک خلافت کا مقام و مرتبہ اور رعب و ہیبت ضروری امر تھا

Marfat.com

جس کی آپ حفاظت فرمایا کرتے تھے۔ آپ نے ایسی فضا قائم کر دی تھی کہ ہر بڑا چھوٹا قانون کا پابند اور حدود اللہ کے اندر مقید تھا۔ خلیفہ کی نظروں میں سب لوگ برابر تھے۔ ہر ایک کے حقوق کی ضمانت بھی دی جاتی تھی اور فرائض کی پابندی بھی کرائی جاتی تھی۔ رشتہ و پیوند اور تعلق و تقرب کو حقوق و فرائض کے تعین اور ادائیگی میں ہر گز کوئی دخل حاصل نہ تھا۔ سچی بات یہ ہے کہ خویش پروری جہاں کہیں در آئے کمزوروں کے حقوق سلب ہو جاتے ہیں اور ظلم و ستم کا دور دورہ ہوتا ہے۔ ایسی حالت سے بدتر صورتحال کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

کسی کمزور کی کمزوری اسے حکمران عادل سے دور نہیں کر سکتی اور کسی طاقت ور کی قوت اس کے لئے فتح ابواب کا ذریعہ نہیں بن سکتی۔ جہاں کمزوروں کے حقوق تلف ہونے لگیں وہاں خرابی جراثیم سے امت کا کوئی حصہ بھی محفوظ نہیں رہ سکتا۔ لوگوں کا احساسِ محرومی نفرت کے بیج دلوں میں بوتا ہے اور الفت و محبت کی جڑیں کٹ جاتی ہیں۔ حقوق کے حصول کیلئے بھی ناپاک اور خبیث طریقے اختیار کرنے پڑتے ہوں تو پھر اس کے بعد روشنی کی کون سی کرن باقی رہ جاتی ہے ؟!

وطن کیا ہے ؟

وطن کی تعریف کیا ہے ؟ ریت اور مٹی کے ذرے اور زمین و آسمان کا وجود ؟ نہیں وطن اس سے زیادہ اعلیٰ و ارفع چیز ہے۔ یہ زمین اور اس کے باسی ' ان کا معاشرتی ڈھانچہ اور روایات ' آباؤ اجداد کی تاریخ اور کارنامے اور تاریخی ورثے اور یادگار واقعات کا مجموعہ ہے۔ وطن کا تصور ان لوگوں کے بغیر جو اس سے محبت کرتے اور اس پر اپنی جان چھڑکتے ہیں ناقص اور ادھورا ہے۔ جہاں قطعۂ زمین سے محبت کا دعویٰ کیا جائے مگر اس زمین کے رہنے والوں کی عزتِ نفس اور انسانی حقوق پامال ہو رہے ہوں وہاں نفرت پروان نہیں چڑھے گی تو کیا ہو گا؟ حب الوطنی اہلِ وطن کی کرامت و عزت کا نام ہے۔ حضرت عمرؓ اس اہم

نکتے سے باخبر تھے۔ آپ نے اسے عملی طور پر لوگوں کے سامنے پیش کیا جسے مسلمانوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا۔

حضرت عمرؓ کے پاس ایک مرتبہ کہیں سے مال آیا۔ آپ وہ مال لوگوں کے درمیان تقسیم کر رہے تھے۔ لوگوں نے آپ کے گرد ہجوم کی صورت اختیار کر لی۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص لوگوں کو ادھر ادھر دھکیلتے ہوئے حضرت عمرؓ تک جا پہنچے۔ حضرت عمرؓ نے اپنا درہ لہرایا اور حضرت سعدؓ کو ڈانٹتے ہوئے کہا "تم لوگوں کو پیچھے ہٹا کر خود آگے بڑھ آئے ہو۔ زمین پر سلطان اللہ (خلافت) کے آداب کا پاس بھی تم نے ملحوظ نہیں رکھا۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہیں سبق سکھاؤں اور بتاؤں کہ سلطان اللہ تم سے مرعوب نہیں ہو سکتا۔

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔ آپ کا مقام و مرتبہ اسلامی معاشرے میں مسلم تھا۔ حضرت عمرؓ ان سے محبت بھی کرتے تھے اور ان کی قدر افزائی بھی فرماتے تھے مگر آپ مربی تھے۔ آپ نے محسوس کیا کہ اپنی قدر و منزلت کی وجہ سے حضرت سعدؓ نے دوسروں کو پیچھے دھکیل کر ان کے حقوق پر دست درازی کی ہے۔ اس طرح تو شرفا کمزوروں کی حق تلفی کرنے لگیں گے اور ضعفا مایوسی کا شکار ہو جائیں گے۔ راعی اور رعیت کے درمیان تعلق اسی صورت میں مستقیم رہ سکتا ہے جبکہ سارے لوگوں کو ایک ہی نظر سے دیکھا جائے۔

حضرت عمرؓ بہت قابل اور مدبر انسان تھے۔ آپ جانتے تھے کہ ہر کام ٹھیک وقت پر ہونا چاہئے۔ ٹھیک فیصلہ بھی غلط وقت پر غیر مؤثر ہو جاتا ہے اور نظامِ حکومت کے موثر ہونے کے لئے ضروری ہے ہر شخص پر واضح ہو جائے کہ غلط کام کا بروقت نوٹس لیا جاتا ہے اور اس پر مناسب فیصلہ صادر ہی نہیں بلکہ نافذ بھی ہو جاتا ہے۔ دیرپا اور صالح نظام حکومت محکم اصولوں پر قائم ہوتا ہے۔ اور رعایا کو بھی پوری طرح سے جان لینا چاہئے کہ اصولوں کی پابندی حکمران سے زیادہ خود ان کی اپنی مصلحت اور مفاد میں ہوتی ہے۔ جب کوئی نظام بن جائے تو پھر اس کے مطابق سارے امور سرانجام پانے چاہئیں۔ ایک مرتبہ ایک شخص حضرت عمرؓ کے پاس آیا۔ اور آکر کہا "امیر المومنین فلاں آدمی نے میرے ساتھ

Marfat.com

زیادتی کی ہے آیئے اور میری مدد کیجئے۔" اس وقت امیر المومنین مسلمانوں کے کسی کام میں مصروف تھے۔ اس شخص کی بات سن کر کوڑا اٹھایا۔ اور اس سے کہا "تم دیکھتے نہیں ہو کہ میں کس کام میں مصروف ہوں؟ وقت بے وقت چلے آتے ہو اور مدد کیلئے پکارنے لگتے ہو؟"

حضرت عمرؓ نے اوقاتِ کار مقرر کر دیئے تھے جن کے مطابق ذمہ داران اپنی ذمہ داریاں ادا کرتے تھے۔ آج کے دن تک دنیا بھر میں وزارتوں اور اداروں کیلئے اوقاتِ کار کا تعین ہوتا ہے تاکہ افراد اور معاشرہ سب کی ضروریات اور مسائل کو ملحوظ رکھا جائے۔ ہمارے خیال میں یہ طریق کار حضرت عمرؓ نے حکومتی اداروں میں شروع کیا تھا۔

مردانِ کار اور گمنام سپاہی

حضرت عمرؓ مردانِ کار کی قابلیت کا صحیح اندازہ لگاتے تھے اور مناسب لوگوں کو مناصب عطا فرماتے تھے۔ آپؓ کے نزدیک اہم چیز کام تھا نہ کہ افراد۔ جو شخص کسی کام کو اچھی طرح سے سرانجام دے سکتا ہو اس کا انتخاب کر لینا چاہئے خواہ اس سے آپ کا تعارف ہو یا نہ ہو۔ تعلقات جذبات اور ذاتی مصلحتیں تو بدلتی رہتی ہیں مگر اقدار اپنی جگہ قائم رہتی ہیں۔ اسلام میں بنیادی قدر یہ ہے کہ کسی شخص کو ذمہ داری سونپتے وقت اس کی قابلیت اور اسلام اور مسلمانوں کیلئے اس کی خدمات کو پیشِ نظر رکھا جائے۔ یہ اصول اپنانے سے معاملات ٹھیک چلتے ہیں اور کوئی کدورت پیدا نہیں ہوتی۔ ذاتی تعلقات کا انکار نہیں کیا جا سکتا مگر دیر پا چیز انسان کے اعمال اور کردار ہیں۔ جنہیں ہم گمنام سمجھتے ہیں وہ اللہ کے نزدیک قابلِ قدر ہوتے ہیں۔ نعمانؓ بن مقرن کا ایک ایلچی حضرت عمرؓ کے پاس آیا تو آپ نے اس سے لوگوں کے حالات پوچھے اس نے کہا "فلاں فلاں تو شہید ہو گئے ہیں اور بہت سے دوسرے بھی میدان میں کام آ گئے ہیں جن کو ہم نہیں جانتے۔" یہ سن کر حضرت عمرؓ نے کہا "تم جانو یا نہ جانو اللہ تو جانتا ہے۔" حضرت عمرؓ کے اس قول سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اللہ کی

Marfat.com

راہ میں کام کرنے والے لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ بھی ہوں توانہیں کوئی غم نہیں ہوتااور نہ اس گمنامی سے انہیں کوئی نقصان ہی پہنچتا ہے۔

حقیقت میں انسانوں کی قدر و قیمت اللہ کی نظروں میں ہونی چاہئے اور وہ سب کچھ جانتا ہے۔ مخلوق کے علم میں کسی کے کارنامے آبھی جائیں تو اس سے اس کی قدر و قیمت میں اضافہ نہیں ہو سکتا اور چھپے رہیں تو اس سے اس کا اجر ضائع نہیں ہوتا۔ کتنے ہی گمنام مخلص لوگ ہوتے ہیں جن کے بال بکھرے ہوئے اور جسم گرد آلود نظر آتا ہے۔ لوگوں کی نگاہوں میں ان کی کوئی قدر نہیں ہوتی مگر اللہ کے ہاں ان کا یہ مقام ہوتا ہے کہ اگر وہ قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو جھوٹا نہیں ہونے دیتا۔

میں اگر یہ کہوں کہ دنیا بھر میں گمنام سپاہی کا جو تصور پایا جاتا ہے اس کی بنیادی فکر حضرت عمرؓ نے دی تھی تو اس میں مبالغہ نہ ہو گا کیونکہ حضرت عمرؓ لوگوں کے اعمال کو دیکھتے تھے۔ بیشک وہ غیر معروف ہی کیوں نہ ہوں۔

صحبتِ ہم نشین

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلق اور جاں نثاری حضرت عمرؓ کے نزدیک بہت بڑی نیکی اور قابل قدر صفت تھی۔ حضرت عمرؓ نے عمر بن ابی سلمہ کیلئے چار ہزار درہم وظیفہ مقرر کیا تو محمد بن عبداللہ بن جحش نے کہا "عمر بن ابی سلمہ کو ہمارے اوپر کیوں فضیلت دی گئی ہے جبکہ ہمارے باپ ہجرت کر کے گھر سے نکلے اور میدانِ جہاد میں شہید بھی ہوئے۔" حضرت عمرؓ نے جواب دیا "میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق خاطر کی وجہ سے اسے فوقیت دی ہے۔ کوئی شخص ام سلمہؓ جیسی ماں تولائے پھر میں اس کا مطالبہ پورا کر دوں گا۔" حضرت عمرؓ اس قاعدہ کلیہ کو ہر موقع پر پیشِ نظر رکھتے تھے تاکہ لوگوں کو اچھی طرح سے معلوم ہو جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت اور آپ کی سنت پر عمل کرنے والے لوگوں کا خاص مقام ہے۔

ایک دن آپؓ نے اپنی چچازاد بہن شفاءؓ بنت عبداللہ کو اپنے ہاں بلا بھیجا وہ کہتی

Marfat.com

ہیں "جب میں عمر کے دروازے پر پہنچی تو عاتکہؓ بنت اسید بن ابی العیص وہاں کھڑی تھی۔ پس ہم دونوں اندر داخل ہوئیں اور ایک گھنٹہ بات چیت ہوتی رہی۔ پھر عمرؓ نے ایک نمدہ منگوایا اور وہ عاتکہؓ کو دے دیا۔ اس کے بعد ایک کمتر درجے کا نمدہ منگوایا اور وہ مجھے دے دیا میں نے کہا "عمر تیرے ہاتھ گرد آلود ہو جائیں میں عاتکہ سے پہلے اسلام میں داخل ہوئی اور میں تیرے چچا کی بیٹی بھی ہوں اور مجھے تو نے خود بلوا بھیجا تھا جبکہ عاتکہؓ اپنے آپ آئی ہے۔ پھر تو نے مجھے اس سے کمتر درجے کا نمدہ کیوں دیا؟"

عمرؓ نے کہا "میں نے ارادہ تو یہی کیا تھا کہ اچھا نمدہ تجھے دوں گا مگر جب تم دونوں ایک ساتھ آ گئیں تو مجھے یاد آیا کہ عاتکہؓ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے تیری نسبت زیادہ قریبی رشتہ رکھتی تھی۔ پس میں نے اسے ترجیح دی۔"

ریشم کے کپڑوں کا معاملہ

حضرت عمرؓ جو لوگوں کی عزت و تکریم ان کی دین سے وابستگی کی وجہ سے کیا کرتے تھے وہ اگر کسی ایسے شخص میں سنت کے معاملے میں تساہل دیکھتے تھے۔ تو مواخذہ بھی خوب کرتے تھے۔ وہ چھوٹی سے چھوٹی بات پر بھی گہری اور دور رس نگاہ رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ عبدالرحمٰنؓ بن عوف آپ کے پاس آئے۔ ان کا بیٹا ابو سلمہ بھی ساتھ تھا جس نے ریشم کا کرتا پہن رکھا تھا۔ حضرت عمرؓ نے دیکھا تو پوچھا "یہ کیا ہے۔؟" پھر اپنا ہاتھ اس کے گریبان میں ڈالا اور نیچے تک کرتا پھاڑ دیا۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے کہا "کیا آپ کو علم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے خصوصی طور پر ریشم پہننے کی اجازت دی تھی۔" حضرت عمرؓ نے فرمایا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں اجازت دی تھی کیونکہ تم نے شکایت کی تھی کہ دوسرے کپڑوں میں جوئیں پڑ جاتی ہیں۔ یہ اجازت صرف تمہارے لئے تھی۔ تمہاری اولاد کیلئے نہیں۔"

یہ ایک معیار ہے جس میں کوئی خلل واقع نہیں ہو سکتا کہ ہر معاملے میں اور ہر مقام پر شرع کا حکم پیش نظر رکھا جائے۔ اگر یہ معیار ہر مسلمان حکمران

اپنے سامنے رکھے اور بلا امتیاز تفریق سب انسانوں کے ساتھ اس کے مطابق معاملہ کرے تو عالمِ اسلام میں پائے جانے والے بہت سے مسائل خود بخود حل ہو جائیں۔

حج کے بارے میں حضرت عمرؓ کا حکم

حضرت عمرؓ سب سے زیادہ جس بات پر توجہ دیتے تھے وہ مسلمانوں کی فرائض وواجبات کی پابندی تھی۔ کیونکہ اسی پابندی پر دنیا و آخرت کی بھلائی اور سلامتی کا دارومدار ہے جو لوگ فرائض میں کوتاہی برتتے ان کو سخت وعید سنایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ فرمایا۔ "میں چاہتا ہوں کہ ان شہروں میں جہاں مسلمان بستے ہیں اپنے نمائندے بھیجوں اور جن لوگوں نے استطاعت کے باوجود حج نہیں کیا ان پر جزیہ عائد کر دوں۔ ایسے لوگ مسلمان نہیں ہیں۔ ایسے لوگ مسلمان نہیں ہیں۔" حج کی برکات سے حضرت عمرؓ بخوبی واقف تھے۔ اس میں مسلمانوں کیلئے بے پایاں خیر اور بھلائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بلاوجہ حج کو فرض قرار نہیں دے دیا۔ حضرت عمرؓ اس بات کے خواہش مند تھے کہ مسلمان حج کی بھلائیوں سے اپنا دامن بھرلیں۔ جو حکم وہ نافذ کرنا چاہتے تھے اس کی دلیل بھی قرآن مجید کی اس آیت سے لی

> "اور لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ جو اس گھر تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے اور جو کوئی اس حکم کی پیروی سے انکار کرے تو اسے معلوم ہو جانا چاہئے کہ اللہ تمام دنیا والوں سے بے نیاز ہے۔" (آل عمران - ۹۷)

حاجیوں کے ساتھ حضرت عمرؓ بڑی محبت کرتے تھے۔ ان کے آرام کو ملحوظِ رکھتے ہوئے آپ نے اہلِ مکہ کو حکم دے دیا تھا کہ وہ موسم حج میں اپنے دروازے بند نہ کیا کریں، تاکہ باہر سے آنے والے حجاج جہاں جگہ ملے ڈیرہ لگا

Marfat.com

لیں میں یہ تو نہیں کہتا کہ آج کل کے دور میں بھی ایسا حکم جاری کر دیا جائے کیونکہ آج کل حالات بدل چکے ہیں۔ اور ہر چیز کی قیمتیں آسمان سے باتیں کرتی ہیں اس لئے اہلِ مکہ کو بھی اپنی ضروریات پوری کرنے کیلئے مکان کرائے پر دینے پڑتے ہیں۔ البتہ عالمِ اسلام کے حکمرانوں کو حجاج کیلئے مکہ میں مکانات تعمیر کر دینے چاہئیں کیونکہ اللہ نے اپنے گھر کے گردونواح بہت وسیع و عریض زمین پھیلادی ہے۔ جہاں لاکھوں کروڑوں انسانوں کے رہنے کی گنجائش موجود ہے۔

انسانی قدر وقیمت کے پیمانے

انسانوں کی قدر وقیمت کا تعین کرنے کیلئے ہر شخص اور ہر نظام کے اپنے اپنے پیمانے ہوتے ہیں۔ حضرت عمرؓ کے نزدیک پیمانہ یہ تھا کہ کسی شخص نے امتِ مسلمہ کیلئے کیا خدمات پیش کی ہیں۔ اس معاملے میں آپؓ نے اتنا عظیم الشان معیار قائم کیا کہ اس کی بدولت تمام لوگوں کو ان کا جائز مقام ومرتبہ بھی ملا اور ان کے دل بھی سکون سے مالا مال ہوئے۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کی مجلس میں عمرو بن طفیلؓ حاضر ہوئے۔ ان کا ایک ہاتھ یمامہ کی جنگ میں کٹ گیا تھا۔ مجلس کے دوران کھانے کا وقت ہوا تو حاضرین کیلئے دستر خوان بچھ گیا اور کھانا چن دیا گیا۔ حضرت عمرو بن طفیلؓ ایک جانب ہٹ کر بیٹھ گئے۔ حضرت عمرؓ نے دیکھا تو ان سے کہا "شاید آپ اپنے ہاتھ کی وجہ سے الگ جا بیٹھے ہیں؟" عمروؓ نے جواب دیا "جی ہاں۔ حضرت عمرؓ نے اس موقع پر فرمایا "خدا کی قسم میں اس وقت تک یہ کھانا نہیں چکھوں گا جب تک تم اپنے ہاتھ سے اس کو تہہ وبالا نہ کر دو۔ حاضرین میں سے تمہارے سوا کوئی بھی ایسا نہیں جس کے جسم کا کوئی حصہ جنت میں پہنچ چکا ہو۔"

عمرو بن طفیلؓ پتہ نہیں کیوں دستر خوان سے دور جا بیٹھے تھے۔ حضرت عمرؓ کی مجلس میں بھلا کون ان سے کراہت محسوس کر سکتا تھا۔ وہاں تو اپنے

Marfat.com

مقدس فریضوں کو ادا کرنے کے دوران زخم کھانے والوں کی انتہائی قدر کی جاتی تھی۔ یہ ایک بے نظیر مثال تھی جو انسانوں کو قربانی پر ابھارتی اور ان سے کارہائے نمایاں سرانجام دلواتی تھی۔ جس کے جسم کا کوئی حصہ راہ خدا میں کام آجاتا تھا اسے حقارت سے دیکھنے کی بجائے نہایت احترام کا مستحق سمجھا جاتا تھا۔ صدیاں گزر جانے کے بعد بھی حضرت عمر کے قائم کئے ہوئے یہ سنگِ میل آج بھی بڑا وزن رکھتے ہیں۔ حضرت عمرؓ لوگوں کی نفسیات سے خوب واقف تھے۔ آپؓ ایسے طریقے سے علاج کرتے تھے جو فائدہ مند ہو اور ان چیزوں سے اجتناب برتتے تھے جو لوگوں کیلئے مضر ثابت ہو سکتی تھیں۔ آپ کا طریقہ علاج ایسا کامل تھا کہ مذموم عادتیں ترک کر دی جاتی تھیں اور اوصافِ حمیدہ غالب آجاتے تھے۔ ہوا و ہوس کے جذبات دب جاتے تھے اور للٰہیت پروان چڑھتی تھی۔

مجاہدؒ بیان کرتے ہیں کہ کسی نے امیر المومنین کی خدمت میں خط لکھا اور پوچھا "اس آدمی کے بارے میں کیا خیال ہے جو نافرمانی کی خواہش بھی نہیں رکھتا اور اس کا ارتکاب بھی نہیں کرتا؟" حضرت عمرؓ نے اس کے جواب میں لکھا "جو لوگ نافرمانی کی خواہش رکھنے کے باوجود اللہ کے خوف کی وجہ سے اپنا دامن بچائے رکھتے ہیں انہی لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کیلئے چن لیا ہے۔"

لوگوں کی اکثریت خواہشاتِ نفس کی غلامی اختیار کر لیتی ہے۔ بہت کم لوگ نفس کے دھوکے اور شیطان کے ورغلانے کو سمجھتے اور اپنا مناسب دفاع کرتے ہیں۔ ایسے لوگ اللہ کی توفیق سے کامیاب ہو جاتے ہیں۔ حضرت عمرؓ ایسے لوگوں کو بشارت دیا کرتے تھے کہ ان کے رب کے ہاں ان کے لئے بلند درجات ہیں۔ آپ انہیں ترغیب دلاتے کہ وہ اس کٹھن راستے پر ثابت قدمی اور دوام کے ساتھ چلتے رہیں۔ اور متزلزل لوگوں کو آپؓ غیرت دلایا کرتے تھے کہ وہ برائی کی ترغیبات میں آنے کی بجائے اپنے ایمان اور پاکیزگی پر ڈٹ جائیں۔ حضرت عمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے یہ مفہوم سمجھا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "جو شخص کسی حرام کام کو کرنے کی قدرت رکھتا ہو مگر اسے اللہ کے خوف کی وجہ سے چھوڑ دے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس دنیا میں اس شخص کو حلال طریقے سے اس حرام چیز سے زیادہ بہتر چیز عطا فرما

Marfat.com

دیتا ہے اور آخرت کا ثواب تو بدرجہا اعلیٰ وارفع ہے۔ ”

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابو بکرؓ کا درجہ ہے

حضرت عمرؓ صرف اپنے دور کے زندہ لوگوں کی ہی قدر نہیں کرتے تھے بلکہ جو اصحاب فضیلت و کرامت رحلت فرما چکے تھے ان کا ذکر خیر بھی کرتے رہتے تھے۔ اس سے ان کے پیش نظر ایک تو یہ ہوتا تھا کہ ان عظیم لوگوں کے کارناموں کو لوگ اپنے لئے مثال بنالیں اور دوسرا یہ کہ جن لوگوں نے عظمتوں کے مینار تعمیر کئے تھے ان کو لوگ بھول نہ جائیں۔ ایک مرتبہ عمرو بن بذاقہ آپ کے پاس حاضر ہوئے۔ وہ دور دراز کے علاقے سے آئے تھے۔ مدینہ میں یہ ان کی پہلی آمد تھی وہ اس وقت بہت عمر رسیدہ ہو چکے تھے۔ انہوں نے حضرت عمرؓ کی مدح میں یہ شعر کہے۔

ما ان رایتک الخطابی۔ ابر بالدین والکتاب
بعد النبی صاحب الکتاب

(اے خطاب کے بیٹے عمر میں نے تجھ سے زیادہ دین دار اور کتابِ الٰہی پر عمل کرنے والا کوئی نہیں دیکھا۔ صاحبِ کتاب نبیٔ اکرم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمہارا ہی درجہ ہے)

حضرت عمرؓ یہ سن کر بہت غصے ہوئے اور فرمایا ”جو کچھ ابو بکرؓ نے کیا، کیا تم اسے بھول گئے ہو؟“ اس آدمی نے عرض کیا ”بخدا مجھے اس کے بارے میں کوئی علم نہیں۔“ حضرت عمرؓ کا غصہ ٹھنڈا ہوا اور فرمایا ”اگر تو ابو بکرؓ کو جاننے کے باوجود ان کے مقام و مرتبہ کا انکار کرتا تو میں ضرور تجھے سزا دیتا۔“

اس شخص نے حضرت عمرؓ کی تعریف کی اور کسی دوسرے کی تنقیص نہیں کی مگر عمرؓ نے فوراً اسے ٹوکا اور دنیا بھر کو بتا دیا کہ ابو بکرؓ ان پر فضیلت رکھتے ہیں۔ اور ان کے مرتبے کو فراموش کرنا حقائق کو جھٹلانے کے مترادف ہے۔ حضرت

Marfat.com

عمرؓ تربیت کے ہر پہلو کا خیال رکھتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے یہ اصول اللہ کی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے حاصل کیے تھے۔ جس قوم میں اپنے محسنین کی قدر افزائی کا جذبہ باقی نہ رہے اس کی تباہی میں کوئی شک باقی نہیں رہ جاتا۔ تربیتِ انسانی کے موضوع پر لکھی جانے والی کتابیں جو قرآن و سنت کی روشنی سے بے نیاز ہوں ان سے اخلاقِ عالیہ پرورش نہیں پا سکتے۔

حصولِ علم عبادت ہے

میں علم اور سائنس کے خلاف تعصب نہیں رکھتا کیونکہ مسلمان تعصب سے بالاتر ہوتا ہے۔ مسلمان کا تعصب جھوٹ اور عصبیت کے خلاف ہوتا ہے۔ مسلمان کا دین قوی ہے جس کے اصولوں اور اعلیٰ مثالوں کو دنیا کے کسی بھی نظریہ کے مقابلے پر پیش کیا جا سکتا ہے۔ اسلام انسانیت کیلئے سراسر بھلائی اور سعادت کا پیغام ہے۔ اسلام ایجادات' انکشافات اور مظاہرِ قدرت کے مطالعہ سے نہیں روکتا۔ مسلمان بخوبی جانتا ہے کہ قرآن علم اور جہالت کے درمیان حدِ فاصل کھینچتا ہے۔ اس کے نزدیک علم رکھنے والے اور علم سے محروم برابر نہیں ہو سکتے۔ یہ قرآن تو جہالت اور پس ماندگی کے خلاف اعلانِ جنگ ہے۔ کائنات کی ہر چیز پر غور و فکر کرنا اور بشریت کی بھلائی کیلئے ان چیزوں کو استعمال میں لانا قرآن کے نزدیک عین مطلوب ہے۔ اللہ تعالیٰ علیم و خبیر مدبر ہے اور تفکر کی دعوت دیتے ہوئے ہمیں حکم دیتا ہے کہ ہم کائنات کے سربستہ رازوں سے واقفیت حاصل کریں۔

> "بے شک آسمانوں اور زمین کی ساخت میں' رات اور دن کے پیہم ایک دوسرے کے بعد آنے میں' ان کشتیوں میں جو انسان کے نفع کی چیزیں لئے ہوئے دریاؤں اور سمندروں میں چلتی پھرتی ہیں' بارش کے اس پانی میں جسے اللہ اوپر سے برساتا ہے۔ پھر اس کے ذریعے سے زمین کو زندگی

Marfat.com

بخشتا ہے اور اپنے اسی انتظام کی بدولت زمین پر ہر قسم کی جاندار مخلوق کو پھیلاتا ہے' ہواؤں کی گردش میں اور ان بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان مسخر کر دیئے گئے ہیں' عقل سے کام لینے والوں کیلئے بے شمار نشانیاں ہیں۔" (البقرہ آیت نمبر ۱۶۴)

موسیٰ علیہ السلام کا خضر علیہ السلام کے پاس جانا اور یہ سوال کرنا کہ "کیا میں تمہارے ساتھ چلوں تاکہ تم اللہ کے دیئے ہوئے علم میں سے مجھے بھی کچھ سکھا دو۔" اس بات کی دلیل ہے کہ علم کے حصول کے لئے سفر باعث عزت و شرف ہے نیز یہ کہ عالم خواہ کتنے بلند مقام پر پہنچ جائے وہ علم کے حصول اور اس میں مزید اضافے سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کسی بڑے سے بڑے عالم کو بھی اپنے سے کمتر درجے کے آدمی سے کچھ سیکھنے میں عار نہیں ہونا چاہئے بلکہ یہ تو اعزاز ہے۔ علماء کا درجہ بہت بلند ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

"تم میں سے جو ایمان لائے اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کرے گا اور جنہیں علم عطا کیا گیا ہے ان کے درجات تو اور بھی بلند ہیں۔" (سورۃ المجادلہ آیت ۱۱)

اَن پڑھ اور جاہل لوگوں کو تعلیم کی ترغیب تو ہر ملک اور ہر نظام میں دی جاتی ہے مگر اسلام نے تو صاحب علم لوگوں کو بھی اپنے علم میں اضافے' پختگی اور تبحر کیلئے بار بار تاکید کی ہے۔ اجنبی زبانیں سیکھنے پر بھی اسلام نے بڑا زور دیا ہے۔ غیر قوموں کی زبانیں سیکھ کر مسلمان ان کی سازشوں کو سمجھ سکتے ہیں اور ان کا توڑ کر سکتے ہیں۔ خفیہ بین الاقوامی مراسلت میں وہی لوگ سلامتی میں رہتے ہیں جو عالمی زبانوں پر عبور رکھتے ہوں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت

Marfat.com

زیدؓ بن ثابت کو ہدایت کی تھی کہ وہ عبرانی زبان سیکھ لیں چنانچہ انہوں نے سترہ دنوں میں اس زبان پر عبور حاصل کر لیا تھا۔

گھوارے سے لحد تک حصولِ علم کی مسلسل جدوجہد

اسلام نے ہر مسلمان پر حصولِ علم فرض قرار دیا ہے۔ علم و حکمت جہاں کہیں بھی ہو وہ مسلمان کی متاعِ گم گشتہ ہے اسے حاصل کر لینا چاہئے۔ مختلف علوم و فنون میں اعلیٰ درجے کی مہارت حاصل کرنے کیلئے دور دراز کا سفر اختیار کرنا پڑے تو اسے بھی ثواب سمجھ کر اختیار کیا جاتا ہے۔ علم حاصل کرنے کے لیے زندگی کا کوئی مخصوص دور ہی کافی نہیں ہوتا بلکہ پوری زندگی یہ عمل جاری رہنا چاہئے۔ گھوارے سے لے کر لحد تک کا پورا زمانہ بندۂ مومن طلبِ علم میں گزار دیتا ہے۔ مسلمان اپنے رسولِ محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس قول سے واقف ہے کہ ”اللہ کے فرشتے طالبِ علم کے قدموں کے نیچے اپنے متبرک پر بچھاتے ہیں۔“

علم ایسی دولت بے بہا اور نعمتِ عظمیٰ ہے کہ اس سے انسان اپنی زندگی ہی میں نفع نہیں اٹھاتا بلکہ موت کے بعد بھی یہ اس کے حق میں نافع ہوتا ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے ”جب ابنِ آدم مر جائے تو اس کے اعمال کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے مگر تین چیزیں اسے موت کے بعد بھی فائدہ پہنچاتی رہتی ہیں۔ (۱) علمِ نافع جو اس نے کسی کو پڑھایا، سکھایا اور لوگ اس سے آگے استفادہ کر رہے ہیں۔ (۲) صدقۂ جاریہ جس سے خلقِ خدا کا بھلا ہو رہا ہے۔ (۳) اولادِ صالح جو نیک عمل کریں اور اس کے لئے دعائے مغفرت کرتے رہیں۔“

حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک طلبِ علم نفل نمازوں سے زیادہ ضروری اور واجب ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ ”حصولِ علم میں جدوجہد کرنے والا شخص اگر علم پالے تو اس کے لئے پورا اجر لکھ دیا جاتا ہے اور اگر وہ اپنی کوشش کے باوجود اس میں پوری طرح کامیاب نہ ہو

Marfat.com

پائے تو بھی اجر کا ایک حصہ اس کیلئے مقدر ہو جاتا ہے۔ "

جس طرح اوپر ایک حدیث تین اعمال کے بارے میں نقل کی گئی ہے اسی طرح ایک اور حدیث میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سات اعمال گنوائے ہیں جو بعد از موت بھی فائدہ مند ہوتے ہیں۔ فرمایا "سات اعمال ایسے ہیں کہ ان کا اجر انسان کو پہنچتا ہی رہتا ہے حالانکہ وہ قبر میں ہوتا ہے۔

(۱) کسی کو علم پڑھایا (۲) کنواں کھدوایا (۳) نہر جاری کی (۴) کھجور یا کوئی پھل دار و سایہ دار درخت لگایا (۵) مسجد تعمیر کرائی (۶) اپنے پیچھے قرآن مجید وراثت میں چھوڑ گیا اور (۷) ایسی اولاد چھوڑی جو نیک ہو اور اس کے حق میں استغفار کرے۔ "

حضرت مجاہد تابعیؒ کی ایک حدیث میری نظر سے گزری ہے جو انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کی ہے "اللہ تعالیٰ نے کائنات کی ہر چیز کو "کن" کا حکم دیا اور ہر چیز وجود میں آ گئی مگر چار چیزوں کو اپنے دست مبارک سے تخلیق کیا۔ قلم، عرش، جنتِ عدن اور آدم علیہ السلام۔ قلم علم کی مفتاح ہے۔ اسی سے علم کی حفاظت ہوتی ہے اور یہ ایک نسل سے اگلی نسل کی تحویل میں چلا جاتا ہے۔ امام وکیع رحمۃ اللہ علیہ حضرت سفیان ثوریؒ کا یہ قول نقل کیا کرتے تھے "جس طرح جسم کیلئے روٹی ضروری ہے اسی طرح دین کیلئے علم لازمی ہے۔ " ایک اثر میں طالب علم کو جہلا کے درمیان وہی مقام دیا گیا ہے جو زندہ کا مردوں کے درمیان ہوتا ہے۔

صدرِ اول کے مسلمان علم کے قدر شناس تھے۔ وہ حصولِ علم کیلئے سب کچھ قربان کر دیا کرتے تھے۔ ہیثمؒ بن جمیل نے دو مرتبہ طلبِ علم میں اپنا سارا اثاثہ یوں لٹا دیا کہ بالکل مفلس ہو گئے۔

صفوان بن عنان المرادیؓ کا بیان ہے "میں حضورِ اکرم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ مسجد میں تشریف فرما تھے اور سرخ رنگ کی یمنی چادر اوڑھے کسی چیز سے ٹیک لگا رکھی تھی۔ میں نے عرض کیا "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں طلبِ علم کیلئے حاضر ہوا ہوں۔ " آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش ہو کر فرمایا "طالبِ علم کو خوش آمدید۔ علم کی طلب میں نکلنے والے کو فرشتے اپنے پروں کے نیچے ڈھانپ

لیتے ہیں۔"

کتابِ الٰہی، حدیثِ رسول اور اقوال و آرائے آئمہ و فقہاء کے سامنے آجانے کے بعد کون سلیم العقل انسان یہ باور کر سکتا ہے کہ اسلام علم کے راستے میں کوئی رکاوٹ کھڑی کرتا ہے؟ جو لوگ ایسا خیال کرتے اور اسلام کے خلاف یہ پروپیگنڈہ کرتے ہیں وہ بہت برا کام کر رہے ہیں اور نہایت جھوٹی بات زبان سے نکالتے ہیں۔ ہمارے دین کی بنیاد توحیدِ الٰہی ہے۔ توحید کا مضمون جگہ جگہ قرآنِ مجید میں بیان ہوا ہے۔ ایک جگہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ علم کی یوں تعریف کی ہے "اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ اس کے سوا کوئی الہ نہیں اور اللہ کے فرشتے بھی یہ گواہی دیتے ہیں اور اہلِ علم بھی انصاف پر قائم رہتے ہوئے یہ شہادت پیش کرتے ہیں۔"

جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو کسی چیز کی زیادتی طلب کرنے کی ہدایت فرمائی تو انہیں علم طلب کرنے کی یہ دعا سکھائی

"وقل رب زدنی علماً۔"

یعنی اے نبی کہو میرے پروردگار مجھے علم میں اضافہ عطا فرما۔ (طٰہٰ آیت ۱۱۴)

علم کی اس اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ جابر بن عبداللہؓ ایک حدیث سننے کیلئے عبداللہؓ بن انیس کے پاس پہنچے اور ایک مہینے کا سفر کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو علم حاصل کرنے کیلئے نکلا اس کا سفر اس کے سابقہ گناہوں کا کفارہ بن گیا۔"

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں بڑی حکیمانہ اور جامع ہیں۔ آپ کی ایک دعا ہے

"اللھم انفعنی بما علمتنی وعلمنی ما ینفعنی وزدنی علماً۔ والحمد للہ علی کل حال۔"

(اے اللہ تو نے جو علم مجھے عطا کیا ہے اس سے مجھے نفع پہنچا۔ اور مجھے ایسا علم سکھا جو نفع بخش ہو اور میرے علم میں اضافہ فرما۔ اور ہر حال میں حمد اللہ ہی کیلئے ہے۔)

Marfat.com

مسلمانوں کو بخوبی علم ہے کہ جنگِ بدر کے قیدیوں سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مطالبہ کیا تھا کہ وہ ناخواندہ مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھادیں تو انہیں فدیہ کے بغیر رہا کر دیا جائے گا۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھے لکھے مسلمانوں کو حکم دیا کرتے تھے کہ اپنے ان پڑھ بھائی بندوں کو پڑھایا کریں۔ حکم بن عاصؓ کو آپ نے اہلِ مدینہ کو کتابت سکھانے کا حکم دیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہمیشہ ہر مسلمان کو پیشِ نظر رکھنا چاہئے۔ ”جو دنیا کمانا چاہے اس کیلئے علم ضروری ہے' جو آخرت کا طلب گار ہو اس کیلئے علم ضروری ہے اور جو ان دونوں کی کامیابی چاہتا ہو اس کیلئے علم ضروری ہے۔“

خونِ شہیداں اور عالِم کے قلم کی روشنائی

علمائے حق کے قلم کی روشنائی کو بھی بڑی فضیلت حاصل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ”قیامت کے دن شہداء کا خون اور علماء کے قلم کی روشنائی آپس میں برابر ہوں گے۔ کسی ایک کو دوسرے پر فضیلت حاصل نہ ہوگی۔“

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابِ محکم میں دوات اور قلم کی قسم کھائی ہے۔ قلم اور دوات علم کی حفاظت' تحریر اور تثبیت کا ذریعہ ہیں۔ ابو ہریرہؓ نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ”سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم پیدا کیا پھر نون اور نون سے مراد دوات ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”لکھ“ قلم نے پوچھا ”کیا لکھوں؟“ حکم ہوا ”لکھ جو ہوا اور جو ہو گا' اعمال' رزق اور اجل کو لکھ دے۔“ چنانچہ یہ سارے امور قیامت تک کیلئے لکھ دیئے گئے۔ یہی قولِ ربانی ”ن والقلم وما یسطرون ○“ کا مفہوم ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے القلم پر مہر لگادی۔ پس وہ قیامت تک کچھ نہ بولے گا۔ اس کے بعد عقل پیدا کی گئی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”میری عزت کی قسم اے عقل میں جس سے محبت کروں گا اس میں تجھے مکمل ودیعت کر دوں گا اور جس سے نفرت کروں گا اسے ناقص العقل رکھوں گا۔“ یہ ہمارا دین ہے جس کے

Marfat.com

بارے میں کہاجاتا ہے کہ وہ علم کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا اور پسماندگی و جہالت کا سبب ہے!

طریقۂ تدریس اور استاد و شاگرد کا باہمی تعلق

مسلمان محض علماء و فضلا ہی نہ تھے بلکہ وہ طریقۂ تدریس و تعلیم کے بھی ماہر تھے۔ کس شخص کو کیا علم پڑھانا چاہئے اور کس وقت کون سا مضمون زیرِ تعلیم لانا چاہئے یہ سارے امور غور و فکر سے طے کئے جاتے تھے۔ تعلیم کے اصول و قواعد جب تک اچھی طرح واضح نہ کر دیئے جائیں وہ مفید ثابت نہیں ہو سکتی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ "جب تم کسی قوم کے سامنے ایسی باتیں پیش کرو گے جوان کے فہم و شعور سے بالا ہوں تو تم ان میں سے بعض لوگوں کو فتنے میں مبتلا کر دو گے۔"

استاد اور شاگرد کا باہمی تعلق بھی تعلیم کے میدان کا اہم ترین موضوع ہے۔ اس پر بھی ہمارے علماء نے بہت تفصیلی ہدایات اور واضح اصول وضع کئے ہیں۔ آدابِ معلم و متعلّم کو نکھار کر پیش کر دیا ہے۔ تعلیم کا پیشہ پاکیزہ پیشہ ہے۔ دنیا کا حصول اور مادی مفاد اس کی بنیاد نہیں ہونا چاہئے بلکہ وہ احترام جو شاگرد کے دل میں اپنے استاد کیلئے اور وہ محبت جو استاد کے سینے میں اپنے طلبہ کیلئے موجزن رہتی ہے اصل چیز ہے۔ استاد کو اپنے طلبہ کو مطمئن کرنا چاہئے اور ان کے سوالوں کا علمی جواب دینا چاہئے اور طلبہ کو استاد کے سامنے تواضع اختیار کرنی چاہئے اور استاد کی سختی کو ہمیشہ خندہ پیشانی سے برداشت کرنا چاہئے۔ یوں دونوں جانب سے رضائے الٰہی منتہائے مقصود بن جائے۔ یہ وہ روح ہے جو اسلامی ماہرین تعلیم نے اس شعبے میں پیدا کر دی تھی۔ ہمارے آج کے دور میں اس موضوع پر بہت کچھ کہا اور لکھا جاتا ہے مگر روح کے بغیر خالی قالب کا کیا فائدہ؟

مغرب کا علمی سرقہ

حسن اتفاق سے میں نے الاہرام اخبار میں ۱۸ اگست ۱۹۷۳ء بروز بدھ صفحہ ۶ پر ایک سائنسی مضمون پڑھا ہے۔ یہ مضمون مصری اٹامک انرجی کمیشن

کے ممبر اور سائنس دان ڈاکٹر علی علی السکری نے لکھا ہے۔ مضمون لائق مطالعہ ہے۔ انہوں نے بتایا ہے کہ علوم ارضیات میں مسلم ماہرین نے بہت تحقیق اور عرق ریزی سے ایسے حقائق معلوم کئے تھے جو موجودہ دور کے یورپ اور مغربی دنیا کے سائنس دانوں نے اخذ کر لئے ہیں۔ فاضل مضمون نگار نے دوسری صدی ھجری سے ساتویں صدی ھجری تک کے دو سو سے زائد عرب مسلمان علماء کی کاوشوں کا تذکرہ کیا ہے۔ ان کی تالیفات اور علمی بحوث اور اس کے نتائج بیان کئے ہیں۔ پھر یہ بھی ثابت کیا ہے کہ مغربی سائنس دانوں نے یہ سارے حقائق لے لئے مگر ان کا حوالہ تک نہ دیا۔ یہ ایک لحاظ سے علمی سرقہ اور بد دیانتی ہے کہ انسان کسی دوسرے عالم کی محنتِ شاقہ کا پھل سمیٹ لے اور اسے حوالے اور شکریے کا مستحق بھی نہ گردانے۔ آپ خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ تعصب کا شکار کون ہے؟ اسلام یا مغرب؟

مسلمان علم کے خلاف ہو ہی نہیں سکتا۔ وہ حکمت و دانائی کا طلب گار ہے اور اس کی جستجو میں دنیا بھر کی خاک چھاننے کا اسے حکم دیا گیا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ بدقسمتی سے مسلمان اس حقیقت سے بے پرواہ ہو گئے ہیں۔ وہ اپنے گھر میں خزانہ رکھتے ہیں مگر کشکولِ گدائی لئے لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلا رہے ہیں۔ وہ حکمت کے موتی چننے کی بجائے دوسروں کے دستر خوان کے ٹکڑے جمع کرنے کی فکر میں ہیں۔ یہ پستی کی انتہا ہے۔ حضرت عمرؓ جیسا مربّی جس قوم میں پیدا ہوا اس کے پاس کس چیز کی کمی رہ جاتی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے ورثے کی قدر و قیمت پہچانیں اور اس کی حفاظت کا حق ادا کریں۔

دل مانندِ آبگینہ

انسانی زندگی میں اخلاص اور باہمی محبت و مودت کا بڑا مقام ہے۔ انسانوں کی قدر و قیمت اور ان کے کارناموں کی تحسین وہی کر سکتے ہیں جو حساس ذہن اور درد مند دل رکھتے ہوں۔ حضرت عمرؓ بن خطابؓ کو مشہور سپہ سالار اور صحابیٔ رسول صلی علیہ وسلم حضرت نعمانؓ بن مقرن کی شہادت کی اطلاع ملی تو آپ کو بڑا صدمہ پہنچا۔ نعمانؓ کی خدمات اور دشمنوں کے مقابلے پر قابلِ فخر

Marfat.com

کارنامے ان کی آنکھوں کے سامنے تھے۔ وہ مسجدِ نبوی میں منبرِ رسول پر چڑھے، آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے اور چہرے سے غم اور حزن نمایاں تھا۔ دیکھنے والے بھی رونے لگے اور مسجدِ نبوی میں موجود ہر شخص اشک بار ہو گیا۔ بظاہر یہ ایک معمولی سا واقعہ ہے جسے عمرؓ کے سیرت نگاروں نے لکھا ہے مگر اس کے پیچھے ایک بہت بڑی حقیقت جلوہ گر ہے۔ حضرت عمرؓ نے دنیا کو بتا دیا کہ کارنامے سرانجام دینے والے سر بکف مجاہدوں کو محض الفاظ کا خراج یا کسی انعام واکرام اور تمغے کا اعزاز ان کی خدمات کا حقیقی اعتراف نہیں ہے بلکہ ان لوگوں کے لئے دل میں مقام و مرتبہ ہونا چاہئے۔ موت اور قبر کی مٹی کی تہیں انہیں ظاہری طور پر تو ہم سے دور کر دیتی ہیں مگر ہمارے دلوں میں وہ زندہ رہتے ہیں۔ ایسے حکمرانوں کے ساتھ ان کے ماتحتوں کا معاملہ رسمی نہیں ہوتا بلکہ براہِ راست دلوں سے دل جڑے ہوتے ہیں۔

اہلِ بدر صحابۂ کرامؓ

حضرت عمرؓ کے نزدیک سابقون الاولون کی بڑی منزلت تھی۔ اہلِ بدر کا ہماری تاریخ میں عظیم مقام ہے۔ حضرت عمرؓ بھی ان کی بڑی قدر کیا کرتے تھے۔ ان لوگوں نے اپنے پر خلوص عمل اور بے لوث قربانی سے ثابت کر دیا تھا کہ وہ اللہ کے دین کے سچے سپاہی ہیں۔ وہ تعداد میں تھوڑے اور ساز و سامان میں بے سہارا تھے مگر ایک بڑی طاقت سے مردانہ وار بھڑ گئے۔ انہوں نے ثابت کر دیا کہ ایمان اسلحے سے زیادہ قوی اور یقینِ محکم مادی وسائل سے زیادہ فیصلہ کن ہوتا ہے۔ چھوٹے چھوٹے بچے بھی سر بکف میدانِ جہاد میں اتر آئے تھے۔ انہوں نے باطل کا سرِ پُر غرور توڑ دیا تھا۔ ان کا یہ کارنامہ اسلام کی کامیابیوں اور فتوحات کی مفتاح بن گیا تھا۔ اسے حضرت عمرؓ نے ہمیشہ یاد رکھا۔ اہلِ بدر سے زیادہ اگر کسی کا درجہ تھا تو وہ ازواجِ مطہرات، امہات المومنینؓ تھیں۔

اُمّہاتُ المومنینؓ

امہات المومنین نے متاعِ دنیا کو چھوڑ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ

Marfat.com

وسلم کی رفاقت اختیار کی تھی۔ تخییر کے بعد قرآن مجید نے انہیں تمام مومنین کے لئے ماں کا درجہ دیدیا اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان کے لئے کسی سے نکاح حرام قرار پایا کیونکہ ساری امت ان کے لئے ان کے بیٹوں کا درجہ رکھتی تھی۔ ان کو حضرت عمرؓ عطاو اکرام کے معاملے میں اہلِ بدر پر بھی ترجیح دیا کرتے تھے۔

جعفر طیارؓ کی قدر دانی

حضرت عمرؓ بڑے زیرک اور صاحبِ حکمت و بصیرت تھے۔ اعلیٰ کارکردگی دکھانے والے عاملین کی عزت و تکریم کے ساتھ ان کے پس ماندگان سے بھی خصوصی تعلق رکھتے تھے۔ اس کا بہت مثبت نتیجہ یہ نکلا کہ لوگوں کو حوصلہ ملا کہ اچھے کام کر کے دنیا سے رخصت ہوں گے تو ان کے لواحقین کو بھی اس سے فائدہ ہوگا۔ اس طرح بھلائی پروان چڑھنے لگی اور کوتاہی و تقصیر کی حوصلہ شکنی ہوئی۔ اس ایک بات پر ہی نظر ڈال لیجئے کہ حضرت عمرؓ جب بھی حضرت عبداللہ بن جعفرؓ بن ابی طالب کو دیکھتے تو محبت اور عزت سے فرمایا کرتے تھے۔ «السلام وعلیک یا بن ذی الجناحین۔ ۲یعنی اے دو پروں والے (جعفر) کے بیٹے تجھ پر سلامتی ہو۔ حضرت جعفرؓ جنگ مؤتہ میں شہید ہوئے تھے اور ان کے دونوں بازو کٹ گئے تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جعفرؓ کو اللہ تعالیٰ نے دو پر عطا فرمائے ہیں اور وہ جنت میں اڑتے پھرتے ہیں۔ انہیں اسی وجہ سے جعفر الطیار بھی کہا جاتا ہے۔ یہ الفاظ گویا اس عظیم قربانی کی نشاندہی اور قدر افزائی کے مترادف تھے۔

نوجوانوں سے جب حاکم وقت عوام الناس کے سامنے یوں مخاطب ہو کر ان کے آباؤ اجداد کے مجد و شرف کا تذکرہ کرے تو نوجوانوں کے حوصلے فزوں ہوتے ہیں اور انہیں اپنی منزل آسماں کی بلندیوں میں نظر آتی ہے۔ حضرت عمرؓ دلوں پر حکومت کرتے تھے۔ ان کے دورِ حکومت میں امتِ اسلامیہ اپنی سعادت کے اعلیٰ مدارج پر تھی۔ اس دور میں نہ کوئی شورش برپا ہوئی نہ کہیں اضطراب کے جذبات پائے گئے۔ حکمران اپنی رعایا کے قریب تھا اور وہ اس کے حکم پر لبیک کہتے تھے۔ وہ پر سکون زندگی اور باسعادت دور کتنا

Marfat.com

عظیم تھا!

ابنِ مسعود...... عالمِ و مفسّرِ قرآن

کسی بھی طرز حکومت کی کامیابی کے لئے جو امور لازمی ہیں ان میں لوگوں کے درمیان حقوق و واجبات کی منصفانہ تقسیم اور اس کی عادلانہ تنفیذ اہم ترین امر ہے۔ اسلام کا فلسفہ حکومت اسی اصول پر کار فرما ہے۔ حقوق و واجبات میں تو برابری ہوتی ہے مگر اصحاب علم و فضل اور ارباب حل و عقد کا مناسب مقام ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ جہلا اور سفہاء کو ان کے بنیادی حقوق سے کوئی محروم نہیں کر سکتا مگر معاملات کا فیصلہ کرنے کے لئے اصحاب رائے ہی سے رجوع کیا جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے تہہ بند کا دامن زمین پر لٹکا رکھا تھا۔ انہوں نے اسے ہدایت کی کہ دامن اونچا کر لے۔ اس نے پلٹ کر کہا "اے ابن مسعود، تم پہلے اپنے تہہ بند کو تو دیکھو تم نے بھی اپنے ٹخنوں سے نیچے تک لٹکا رکھا ہے" انہوں نے جواب دیا "بھائی میری ایک مجبوری ہے کہ میری پنڈلیاں نہایت باریک ہیں اور لوگوں کے نزدیک مضحکہ خیز نظر آتی ہیں۔ تمہارا معاملہ اس سے مختلف ہے۔" (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غالباً اسی وجہ سے ابن مسعودؓ کو خصوصی طور پر پنڈلیوں سے نیچے ازار لٹکانے کی اجازت دی ہوگی۔)

حضرت عمرؓ کو اس گفتگو کا پتہ چلا تو اس شخص کو بلا بھیجا اور سخت سرزنش کی۔ پھر فرمایا "تو ابن مسعودؓ کی بات کو ٹھکراتا اور ان سے حجت بازی کرتا ہے"

عالم خیر خواہی کے جذبے سے نصیحت کرتا ہے جبکہ بیوقوف فخر اور بڑائی کا اظہار کرتا ہے۔ اگر ایسے حالات میں حاکم ٹھیک فیصلہ کرے اور حالات کو قابو میں رکھے تو حکومت مستحکم ہوتی ہے اور حکمران کامیابی پا لیتا ہے۔

اذانِ بلالی

حضرت عمرؓ اپنی وسیع و عریض سلطنت میں جب بھی سفر کرتے تھے تو لوگوں کو اپنے حال اور مستقبل کے حوالے سے ماضی کی یاد دلایا کرتے تھے۔

Marfat.com

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دور سارے ادوار سے بہتر دور تھا۔ وحی نازل ہوتی تھی اور اللہ کے نبی خود لوگوں کے درمیان جلوہ فرما تھے۔ اس دور کی یادیں بھی حضرت عمرؓ کو عزیز تھیں۔ شام کے سفر پر گئے اور وہاں مدت بعد مؤذن رسول حضرت بلالؓ کی اذان سنی تو عجیب کیفیت طاری ہوگئی۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا دورِ مسعود یاد آ گیا۔ آنکھوں سے بے ساختہ آنسو جاری ہوگئے۔ خود بھی روئے اور جملہ حاضرین کو بھی رُلا دیا۔

حضرت عمرؓ کے قلبی شوق اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے گہری محبت کا اندازہ اس ایک واقعہ سے بھی بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ صرف اذان کی آواز سنکر اشکوں کا سیلِ رواں اور عامۃ الناس کی ہچکیاں آخر کسی بات کی تو دلالت کرتی ہیں۔ بلالؓ کی اذان مدینہ میں سنتے تھے۔ آج مدینہ سے دور ارضِ شام میں یہ آواز سنی تو ماضی آنکھوں کے سامنے گھوم گیا۔ یہ دلوں کے معاملے ہیں اور دلوں کی باتیں دل والے ہی سمجھ سکتے ہیں۔ نزولِ وحی کا دور کتنا بابرکت اور امن و سلامتی کا دور تھا! عذاب سے تحفظ کی ضمانت حاصل تھی۔ اللہ کا حکم ان لوگوں کے سامنے تھا" اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو عذاب میں مبتلا نہ کرے گا جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے درمیان موجود ہیں۔ یہ یادیں کتنی خوشگوار تھیں اور ان کا تذکرہ کس قدر دلربا تھا!!

اب وہ امان اور سلامتی کی ضمانت واپس لی جاچکی تھی۔ اس کی پاکیزہ اور حسین یادیں قیمتی سرمائے کی حیثیت سے دل میں موجزن تھیں یہ یادیں ان لوگوں کا ہاتھ پکڑے انہیں خیر و بھلائی کی راہیں دکھاتی تھیں۔ لوگ جب تک خیر کی طرف رہنمائی کرنے والوں کو یاد رکھیں ان کے اندر خیر باقی رہتا ہے۔ جب یہ رشتہ ٹوٹ جائے یا کمزور ہوجائے تو کوئی نتیجہ خرابی اور فساد کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔

خدا خود محافظِ اسلام ہے

اسلام دشمن عناصر کا سب سے بڑا ہدف ہمیشہ یہ رہا ہے کہ مسلمانوں کا تعلق ان کے اسلاف سے توڑ دیا جائے۔ انہیں بخوبی یہ معلوم ہے کہ اس تعلق

Marfat.com

کے منقطع ہو جانے کے بعد مسلمانوں میں دین کے اصولوں سے انحراف اور مداہنت پیدا ہو جائے گی مگر ان لوگوں کی یہ تمنا کبھی پوری نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے اس دین کی حفاظت کی ذمہ خود اٹھا رکھی ہے۔ قرآن مجید جو ہمارے دین کی بنیاد اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا زندہ معجزہ ہے اس کے بارے میں اللہ کا حکم ہے "بے شک ہم نے یہ نصیحت نازل کی ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔"

صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ارشاد فرمایا ہے "یہ دین ہمیشہ قائم رہے گا۔ ایک جماعت مسلمین اس کی خاطر قیامت کے دن تک ہر دور میں لڑتی رہے گی۔" اس طرح آپؐ کا یہ قول بھی ہمارے لئے امید کی کرن ہے۔ "میری امت میں سے ایک گروہ قیامِ حشر تک حق کی خاطر قتال کرتا رہے گا اور وہ دشمنوں پر غالب رہیں گے۔" (غلبے سے مراد جنگی غلبہ ہی نہیں بلکہ دلیل و برہان اور جنگ دونوں مراد ہیں) ہم سب مسلمانوں کا ایمان ہے کہ کتاب اللہ میں جو کچھ فرمادیا گیا ہے وہ حق ہے اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر ارشاد سچا ہے۔ مسلمان جب بھی خلوصِ نیت کے ساتھ دین کی طرف رجوع کرتے ہیں انہیں یہ حقائق اپنی اصلی صورت میں نظر آجاتے ہیں اور آئندہ بھی یہی اصول کارفرما رہے گا۔

اذان کی حقیقت واہمیت

بات سے بات نکلتی ہے۔ ابھی اوپر اذان کا ذکر ہوا ہے تو میں قارئین کی توجہ اذان کی طرف دلانا چاہتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ بندے اور رب کا تعلق ذرا وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا جائے۔ یہی میرا اصل ہدف ہے۔ میں نے سیدنا عمرؓ بن خطّاب کی سیرت پر قلم اٹھایا ہے تو یہ کوئی مورخانہ کاوش نہیں، نہ میرا انداز روایتی تاریخ نویسوں اور سوانح نگاروں کا سا ہے۔ میں اپنی ہر تحریر کے ذریعے ایک ہی نکتہ قارئین کی خدمت میں پیش کیا کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ ایک مسلمان کو کیا ہونا چاہئے اور اسلام اس سے کیا تقاضا کرتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ موضوع میں یقیناً اتنی وسعت ہے کہ یہ پہلو زیرِ بحث لایا جائے۔ آج

Marfat.com

مسلمانوں اور اسلام میں بدقسمتی سے بُعد پیدا ہو گیا ہے۔ اسلام کچھ کہتا ہے اور مسلمان کچھ کرتے ہیں۔

اذان اللہ جلّ جلالہٗ کی طرف سے بندوں کے نام پکار اور ندا ہے کہ وہ اس مالکِ حقیقی کے سامنے حاضر ہو جائیں۔ اس کی جناب میں حاضری دیں تو پوری عاجزی اور خشوع کے ساتھ کھڑے ہوں۔ پاکیزہ خیالات و پاک نظر' صاف لباس و مصفیٰ دل۔ ہر جانب سے منہ موڑ کر اور ہر خیال دل سے جھٹک کر خالصتاً رضائے الٰہی کے جذبات سے سرشار یہ حاضری بندے اور خالق کے درمیان راز و نیاز کا ذریعہ ہے۔ نماز محض کچھ حرکات و سکنات کا نام نہیں بلکہ یہ کامل خود سپردگی ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ نماز کا وزن کیا جاتا ہے اور اس کے وزن کے لئے معیار متعین اور پیمانے معلوم ہیں۔ جو معیار پر پورا اترے اسے بدلہ بھی پورے کا پورا ملتا ہے اور جو اس میں کمی کرے اس کے لئے بربادی ہے۔

اذان اصطلاح میں اللہ کے حکم کو کہا جاتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔ "واذن فی الناس بالحج۔" (اور لوگوں کو حج کے لئے عام منادی کر دو) پس معلوم ہوا کہ اذان محض مؤذن کی پکار ہی نہیں بلکہ یہ اللہ کی دعوت ہے۔ مؤذن اللہ کی طرف بلاتا ہے۔ اس موقع پر مجھے قرآن مجید کی آیت یاد آ رہی ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے۔

"اور اس سے بڑھ کر اچھی بات کس کی ہو سکتی ہے
جس نے (لوگوں کو) اللہ کی طرف دعوت
دی"۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اذان سننے کے بعد دعا مانگا کرتے تھے۔
"اللھم رب ھذہ الدعوۃ التامۃ والصلوۃ القائمۃ......" "یعنی اے اللہ اس اکمل و مکمل دعوت کے پروردگار اور قائم ہونے والی نماز کے رب' محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ اور فضیلت عطا فرما اور انہیں مقام محمود پر مبعوث کر جس کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے۔) یوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان کو

Marfat.com

"دعوت تامۃ یعنی کامل دعوت کہا ہے۔ اسی وجہ سے اذان کے وقت خاموشی واجب ہے اور یہ کہ مؤذن کو بوقت اذان طہارت میں ہونا چاہئے اور قبلہ رو ہو کر اذان پڑھنی چاہئے اور یہ کہ اذان سے مقصد اقامتِ صلوۃ ہو۔ مؤذن کو معاوضہ بھی دیا جاسکتا ہے۔ (یہ ضمناً عرض کر دیا گیا ہے۔)

اوپر سورہ حٰم السجدہ کی جس آیت کا حوالہ دیا گیا ہے اس کے بارے میں سیدہ عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ یہ مؤذنین کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ اذان پڑھنے کا بڑا درجہ ہے۔ حضرت عمرؓ کہا کرتے تھے "اگر خلافت کی ذمہ داریوں کے ساتھ میں اذان پڑھنے کی طاقت رکھتا تو ضرور اذان دیا کرتا" حضرت سعدؓ بن ابی وقاص اور حضرت عبداللہؓ بن مسعودؓ دونوں جلیل القدر صحابی تھے۔ ان دونوں کا یہ قول نقل کیا گیا ہے "اذان کی استطاعت ہو تو ہم اسے عمرے اور نفلی حج سے زیادہ محبوب سمجھیں۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ "اذان کی آواز جس کسی انسان اور جن بلکہ کسی بھی چیز نے سنی تو قیامت کے روز وہ اس کی گواہی دیں گے" ۔ یہ وہی اذان ہے جو بہت سے انسانوں کے کانوں سے یوں ٹکرا کے گزر جاتی ہے گویا وہ بہرے ہوں۔ کھیل تماشے میں پڑے رہتے ہیں غفلت کا شکار ہوتے ہیں اور دنیا کے کاموں کی مشغولیت انہیں محو رکھتی ہے۔ نہ اذان کی اہمیت کو سمجھتے ہیں نہ نماز کی توفیق ملتی ہے۔

اذان کا تو ہمارے اوپر یہ حق ہے کہ ہم اس کے سنتے ہی سراپا گوش بن جائیں۔ ہمارا پورا جسم اور اس کا ہر رواں اذان کی آواز پر متوجہ ہو جائے۔ ادب اور خوف کے جذبات ہمارے اوپر طاری ہو جائیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آپؐ جب اذان سنتے تھے تو آپؐ پر ایسی کیفیت طاری ہو جاتی تھی گویا گردونواح کی ہر چیز سے بے خبر ہو گئے ہوں۔ شبِ معراج حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان کی آواز آسمانوں پر سنی تھی اور عبداللہؓ بن زید انصاری کو خواب میں اذان دکھائی اور سنائی گئی تھی۔

حضرت امام مالکؒ اور ان کے اصحاب کے نزدیک مساجد اور جماعت کرانے کے مقامات پر اذان پڑھنا واجب ہے۔ ان کے بعض ساتھیوں کی

Marfat.com

رائے میں شہروں اور بڑے دیہات میں یہ فرض کفایہ ہے۔ فقہامیں سے بعض نے اذان کو فرض بھی قرار دیا ہے اور بعض نے سنت۔ کئی علماء کہتے ہیں کہ مسافر اگر عمداً یا سہواً اذان دیئے بغیر نماز پڑھ لیں تو ان کی نماز ہو جاتی ہے۔ بہر حال اذان کا بہت بڑا اجر ہے

مؤذن کا صلہ

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "تین آدمی قیامت کے دن عمدہ قسم کی کستوری کے ڈھیر پر ہوں گے اور انتہائی گھبراہٹ کی گھڑی میں انہیں غم سے نجات ملے گی۔ ایک وہ شخص جو کسی قوم کو بلا معاوضہ محض ثواب کی خاطر نماز پڑھائے (امامت) دوسرا وہ شخص جو لوگوں سے معاوضہ لئے بغیر اذان دے اور تیسرا وہ شخص جسے غلامی کی آزمائش میں مبتلا کیا جائے اور پھر بھی وہ اپنے رب کی اطاعت سے غافل نہ ہو۔

جہاں تک آج ہمارا تعلق ہے تو ہماری حالت قابل رحم ہے۔ اول تو اذان کی آواز سنکر ہم سمجھتے ہیں کہ بلانے والا ہمیں نہیں بلکہ کسی اور کو بلا رہا ہے۔ ہم سُنی اَن سُنی کر دیتے ہیں۔ اور اگر ہم میں سے کوئی اذان کی آواز سن کر نماز کے لئے اٹھتا بھی ہے تو دل سوز سے خالی رہتا ہے اور اللہ کے جلال اور ہیبت کے احساس سے بے پروا محض ایک رسم پوری کرنے کے لئے چل دیتا ہے۔ نماز کے دوران ایک لمحے کے لئے بھی ہمارا دل و دماغ نماز میں مشغول نہیں رہتا اور نماز پڑھ کر ہم نکلتے ہیں تو اس کا کوئی اثر ہماری زندگی میں ظاہر نہیں ہوتا۔ نہ تقرّبِ الٰہی حاصل ہوتا ہے اور نہ ہماری نماز ہمیں ان کاموں سے روکتی ہے جن سے ہمیں منع کیا گیا ہے۔

اے مردِ مسلمان! اگر نماز کے ساتھ ہمارا یہ معاملہ ہے اور فرائض کو ہم مدتِ مدید سے یوں سر سے ٹالتے چلے آرہے ہیں تو پھر ہمیں اللہ کی نصرت کے لئے بھی طویل انتظار ہی کرنا پڑے گا۔ یہ نصرت انہی کے شامل حال ہوتی ہے جو اس کے اہل ہوں۔ اور اس کے اہل کون لوگ ہیں؟ صرف وہی لوگ جو اللہ رحمان سے بن دیکھے ڈرتے رہتے ہیں اور اس کی جانب قلبِ سلیم کے ساتھ دیوانہ وار لپکتے ہیں۔ رہا ہمارا معاملہ تو آج ہم بہت نیچے گر چکے ہیں خاص طور پر

نماز سے تو ہمیں کچھ حاصل نہیں ہوتا کیونکہ اس کی روح سے نا آشنا ہیں۔ کیا آپ نے حضرت ابو ذر غفاریؓ کا یہ قول نہیں سنا ''اگر مجھے یہ یقین ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے میری ایک نماز قبول فرمالی ہے تو مجھے یہ دنیا مافیہا سے زیادہ عزیز ہے کیونکہ اللہ کا ارشاد ہے «انما یتقبل اللہ من المتقین» اللہ تعالیٰ صرف متقی لوگوں کی عبادت اور صدقہ قبول کرتا ہے۔''

ہم سب کو اس بات کی کوشش کرنی چاہئے کہ جوں ہی اذان کی آواز سنائی دے ہم فوراً سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اپنے مولیٰ کے سامنے حاضری کی تیاری کرلیں۔ وہ مولا جو بندے اور اس کے قلب کے درمیان حائل ہے۔ اذان سے قبل ہی ہمیں اپنے آپ کو حاضری کے لئے قلبِ خاشع اور نفسِ مطمئنہ کے ساتھ تیاری کرلینا چاہئے۔ سعید التابعین حضرت سعیدؒ ابن المُسَیَّبؓ فرمایا کرتے تھے ''تیس سال کا عرصہ گزرا ہے کہ میں نے کبھی کوئی اذان اپنے اہل و عیال کے درمیان نہیں سنی۔ یعنی وہ ہمیشہ ہر اذان سے پہلے ہی مسجد میں پہنچ جایا کرتے تھے۔ سعیدؒ ابن المسیبؓ تو ایک اچھے اور مبارک دور میں گزرے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ آج کے اس پُرفتن دور میں ہم ایسی تیاری اور اس قسم کی روح کے ازحد محتاج ہیں کیونکہ عظمتِ رفتہ کی بازیابی کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے رجوع الی اللہ۔

سیدنا عمرؓ بن خطاب اذان کی اہمیت اور اس کے سننے کے وجوب سے باخبر تھے۔ آپ نے جمعہ کے دن کے لئے حکم دے رکھا تھا کہ مؤذن مسجد میں اذان دینے سے قبل بازار میں منادی کردے کہ اذان کا وقت ہو گیا ہے تاکہ بازاروں میں تمام کاروبار بند کر کے لوگ مسجد کی جانب لپکیں اور جب وہ مسجد میں آجائیں تو پھر اذان کہی جائے۔ حضرت عثمانؓ نے اپنے دورِ خلافت میں جمعہ کے روز دو اذانیں مسجد کے اندر ہی دینے کا حکم جاری کیا۔

ہمارے اسلاف اذان کی قدر و قیمت جانتے تھے۔ سعیدؒ ابن المُسَیَّبؓ سے کہا گیا کہ طارق آپ کو قتل کرنا چاہتا ہے اس لئے آپ روپوش ہو جائیں فرمایا ''وہ کون سی جگہ ہے جہاں میں اللہ کے فیصلے اور قضا و قدر کی پہنچ سے بچ سکوں گا؟'' ان سے کہا گیا ''آپ گھر میں مقیم ہو جائیں'' اس کے جواب میں

کہا "کیا میں حی علی الفلاح کی آواز سنوں اور اس پر لبیک نہ کہوں؟"۔ گویا کہ اذان سنکر اس کا جواب دینا (نماز کے لئے لپکنا) سعیدؒ ابن المسیبؒ کے نزدیک جان سے زیادہ اہم تھا۔

ربیع بن ہیثم مشہور تابعی تھے۔ ان کو فالج ہو گیا۔ ہاتھ پاؤں بیکار ہو گئے اور وہ چلنے پھرنے سے معذور ہو گئے۔ وہ اصرار کیا کرتے تھے کہ انہیں اٹھا کر مسجد پہنچایا جائے تاکہ وہ نماز با جماعت ادا کر سکیں۔ ان سے کہا گیا کہ اس معذوری کی حالت میں ان کے لئے اللہ کی جانب سے رخصت ہے۔ انہوں نے فرمایا "یہ ٹھیک ہے اور میں جانتا بھی ہوں مگر فلاح کی جانب آنے کی ندا سنکر کیسے بیٹھا رہ سکتا ہوں؟"

کئی مفسرین نے قرآن مجید کی سورہ الم نشرح کی آیت سے «ورفعنا لک ذکرک» (اور ہم نے (اے نبیؐ) آپ کا ذکر خیر بلند کر دیا ہے) کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس سے مراد اذان ہے۔ گویا کہ رب العالمین نے سید الانام کا اسمِ گرامی اذان کی بدولت زندۂ جاوید اور ارفع و اعلیٰ کر دیا ہے۔ اس سے اذان کی قدر و اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ سورہ فاطر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "اب کوئی تو ان میں سے اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ہے اور کوئی بیچ کی راس ہے اور کوئی اللہ کے اِذن سے نیکیوں میں سبقت کرنے والا ہے۔ مفسرین کی رائے ہے کہ نفس پر ظلم کرنے والا وہ ہے جو مسجد میں اس وقت داخل ہو جبکہ جماعت کھڑی ہو چکی ہو اور بیچ کی راس والے سے مراد ہے اذان ہو جانے کے بعد مسجد میں آنے والا اور نیکیوں میں سبقت کرنے والا وہ شخص ہے جو اذان سے پہلے مسجد میں پہنچ جائے۔

ہماری حالت آج ناگفتہ بہ ہے۔ ہم اپنے مالک سے دور ہو چکے ہیں اور جواب میں اس کی رحمتوں سے بھی محرومی ہمارا مقدر بن چکی ہے۔ اس غفلت کی نیند سے اب بھی نہ جاگے تو پھر ہماری داستان بھی نہ ہوگی داستانوں میں! ہم قرآن مجید کی آیات پڑھتے اور سنتے ہیں جن میں وعید سنائی گئی ہے اور احادیث ہماری نظر سے گزرتی ہیں جن میں تنبیہ و تنذیر ہے مگر ہمارے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ان آیات و احادیث کا مخاطب کوئی اور ہے ہم

Marfat.com

نہیں۔

حضرت عمرؓ آیات واحادیث سنکر ڈر جاتے تھےاور خوف خدا سے تھر تھر کانپنے لگتے تھے۔ انہیں ہر بات پر یہ احساس ہوتا تھا کہ میں ہی اس کا مخاطب اول ہوں۔ حضرت ام سلمہؓ نے ایک روایت بیان کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا "میرے صحابہ میں ایک شخص ہے کہ میری وفات کے بعد نہ تو وہ کبھی مجھے دیکھے گا اور نہ میں اسے دیکھوں گا۔ " حضرت عمرؓ نے یہ حدیث سنی تو فوراً ام المؤمنین حضرت اُمِّ سلمہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوچھا "میں خدا کی قسم دیکر آپ سے پوچھتا ہوں کہ یہ میرے بارے میں تو نہیں ہے؟" انہوں نے فرمایا "یہ تمہارے بارے میں نہیں اور اب تمہارے بعد میں اس معاملے میں کسی کو سوال کا جواب نہ دوں گی۔ "

حضرت عمرؓ نے ایک حدیث سنی وہ کسی شخص کے ساتھ مختص تھی مگر کسی کا نام نہ لیا گیا تھا۔ حضرت عمرؓ لرز گئے حالانکہ ان کا مقام ایسا تھا کہ ان کے ہاتھ میں کنکریاں بھی تسبیح پڑھتی تھیں۔ ہم اذان سنتے ہیں جو ہمارے لئے خصوصی دعوت ہے مگر ہمارے اوپر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اگر کبھی نماز ادا کرنے کیلئے کھڑے ہو بھی جائیں تو حضوریٔ قلب کے بغیر محض ایک رسمی پوجا کر لیتے ہیں۔ ایسی خطرناک بیماری کے باوجود ہمیں یہ احساس تک نہیں کہ ہم اس مرض میں مبتلا ہو چکے ہیں!

اسلامی معاشرے میں مسجد کا مقام ومرتبہ

حضرت عمرؓ کی خواہش ہوتی تھی کہ لوگ مسجدوں سے دل لگائیں اور مسجدیں دن رات ذکر وفکر اور تلاوت وعبادت کرنے والوں سے آباد رہیں۔ حضرت عمرؓ نے مساجد میں روشنی کا اہتمام کیا۔ رمضان میں مسجدوں میں زیادہ چراغ روشن کئے جاتے تھے کیونکہ مسجد مدرسہ کا درجہ بھی رکھتی تھی۔ حضرت عمرؓ کا یہ عظیم کام مسلمانوں کی نظروں میں بہت قابلِ قدر سمجھا گیا چنانچہ حضرت علیؓ بن ابی طالب تو حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد جب ان کا ذکر کرتے تھے تو فرماتے تھے "اللہ عمرؓ کی قبر کو اسی طرح نور سے بھر دے جس طرح اس نے ہماری

Marfat.com

مساجد کو منور کر دیا تھا۔"

مسجدوں میں چراغاں کر دینا مطلوب بالذات نہیں ہے۔ آج مسلمان مساجد کو قمقموں سے روشن کر کے خود ان سے دور رہتے ہیں۔ حضرت عمرؓ لوگوں کو ترغیب دلایا کرتے تھے کہ وہ زیادہ سے زیادہ وقت مساجد میں گزارا کریں۔ انہوں نے لوگوں کو یہ بھی فرمار کھا تھا کہ مسجد میں بیٹھ کر ذکر و فکر کیا کریں اور اگر تھکاوٹ محسوس ہو تو ذرا سی دیر کے لئے کمر سیدھی کرنیکی خاطر مسجد میں لیٹ جانے میں بھی حرج نہیں ہے۔

اگر آج مسلمان مساجد کی جانب توجہ دیں تو ان کا بہت بھلا ہو گا۔ مساجد عبادت کی جگہ ہونے کے ساتھ ساتھ علم و تربیت کا گھوارہ بھی ہیں۔ مسافروں کی جائے قرار اور درس و تدریس کا مرکز بھی۔ فکری غذا اور روحانی بالیدگی کا منبع بھی۔ غرض کہ مسلمانوں کی دینی اور دنیوی ہر بھلائی مسجد سے وابستہ ہے۔

مساجد کی آبادی اور خدمت اعلیٰ ترین کام ہے۔ اسکے پیچھے شہرت کی خواہش اور مدح کی طلب نہ ہونی چاہئے بلکہ خالصتاً لوجہ اللہ یہ کام کرنا چاہئے۔ انسانوں کے پاس کیا ہے جو ان سے کوئی امید باندھی جائے؟ جو کچھ ہے اللہ کے پاس ہے جیسا کہ قرآن مجید نے کہا۔

"جو کچھ تمہارے پاس ہے فنا اور زوال کے گھاٹ اتر جائے گا اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہ جائیگا۔" (النحل آیت ۹۶)

لا اکراہ فی الدین

حضرت عمرؓ خلیفۂ راشد تھے۔ اور سلطنت میں احکام الٰہی کی تنفیذ میں کوئی تساہل گوارا نہ کرتے تھے۔ عام حالات میں بہر حال وہ کسی کو اسکی طبیعت اور مرضی کے خلاف حکم نہ دیا کرتے تھے۔ آپ جبر کی بجائے نصیحت اور ترغیب سے کام لیتے تھے۔ آپ غلاموں پر بھی کوئی چیز بزور ٹھونس دینے کو ناپسند کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور ملوکیت کے باوجود لوگوں کو

Marfat.com

اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا۔ وہ کہتا ہے۔

"دین کے معاملے میں کوئی زور زبردستی نہیں ہے۔" (البقرہ ۲۵۶)

اس طرح اپنے نبی برحق کو فرمایا۔

"کیا آپ لوگوں کو مجبور کر دیں گے کہ وہ لازماً ایمان لے آئیں۔ (یونس ۹۹)

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اپنی عبادت اور اطاعت کا حکم دیا ہے اور حق اور باطل کی ان کے سامنے پوری وضاحت کر دی ہے مگر انہیں آزادئ انتخاب اور آزادئ عمل عطا کی ہے۔ ارشادِ باری ہے۔

"اور کہہ دیجئے کہ حق تمہارے رب کی طرف سے ہے۔ پس تم میں سے جو (اپنی آزاد مرضی سے) ایمان لانا چاہے وہ ایمان لے آئے اور جو کفر پر قائم رہنا چاہئے وہ کفر پر رہے۔" (الکہف ۲۹)

اللہ تعالیٰ مالکِ حقیقی' خالقِ کائنات اور رب العالمین ہوتے کے باوجود اپنے دین کے معاملے میں لوگوں پر زبردستی حکم ٹھونسنے کی بجائے انہیں دعوتِ فکر دیتا ہے اور خود فیصلہ کرنیکی حریت بخشا ہے تو مخلوق کو یہ حق کیسے حاصل ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی مرضی دوسروں پر ٹھونس دیں۔ حضرت عمرؓ کے پاس ایک نصرانی غلام تھا جس کا نام اسق تھا اسق نے خود بیان کیا کہ حضرت عمرؓ مجھ سے کہا کرتے تھے "اے اسق تم مسلمان ہو جاؤ تو ہم مسلمانوں کے بعض معاملات میں تمہاری مہارت اور فن سے استفادہ کر سکیں گے۔" (یعنی اسے کوئی منصب عطا کر دیتے) مگر میں انکار کر دیتا تھا۔ اس انکار پر آپ نے کبھی ناراض ہونے یا سرزنش کرنیکا راستہ اختیار نہ کیا۔"

یہ اسلام کی وسیع الظرفی ہے جس میں قول و عمل میں حریتِ فکر کا نمونہ نظر آتا ہے۔ حضرت عمرؓ اپنے دور کے سب سے طاقتور حکمران تھے۔ وہ جو چاہتے کر سکتے تھے مگر اسلام کے سامنے وہ دم نہ مار سکتے تھے۔ اسلام نے ان کے

Marfat.com

ہاتھ باندھ رکھے تھے۔ وہ کسی بے کس انسان کو مجبور نہ کرسکتے تھے کہ وہ اپنی مرضی چھوڑ کر ان کی مرضی کا پابند ہو جائے۔ ایک غلام بھی اپنی مرضی اور حرّیت کا یہ مظاہرہ کرتا تھا کہ امیرالمومنین کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ یہ ہے حقیقی آزادی اور مکمل عدل وانصاف۔

فراستِ مومنانہ

حضرت عمرؓ خشیتِ الٰہی کی زندہ تفسیر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس خشیت کی بدولت ایسی فراستِ مومنانہ عطا کی تھی جو کبھی انہیں ناکام نہ ہونے دیتی تھی۔ وہ نورِ خداوندی سے دیکھتے تھے۔ ان کے اندازے درست اور ان کے فیصلے برحق ہوتے تھے۔ وہ انسانوں کے چہرے اور پیشانیاں دیکھ کر ان کی صفات کا پتہ چلا لیتے تھے۔ ایک مرتبہ ابو صفرہ حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت ان کے دس فرزند بھی ان کے ساتھ تھے۔ حضرت عمرؓ نے ابو صفرہ کے لڑکوں کو غور سے دیکھا اور ان میں سے سب سے چھوٹے لڑکے مہلب کے بارے میں کہا "ابو صفرہ تمہارا یہ لڑکا سردار ہوگا۔ یہ اپنے اندر جوہرِ قابل رکھتا ہے۔" مہلب اس وقت بہت چھوٹا تھا۔ وقت گزرتا گیا یہاں تک کہ لوگوں نے دیکھا مہلب کیسی قابل شخصیت بن کر ابھرا۔ تاریخ گواہ ہے کے مشاہیرِ اسلام میں مہلب بن ابی صفرہ کا مرتبہ کتنا عظیم ہے!

اس فراست کی بدولت حضرت عمرؓ انسانوں کی مشکلات ومسائل کے حل کرنے میں ہر وقت سرگرم عمل رہتے تھے۔ لوگوں کے چہرے سرخ ہونے سے قبل ہی ان کے مسائل حل کر دیئے جاتے تھے۔ حاجت مند کے ساتھ ترش روئی کی بجائے نرمی اور محبت کا مظاہرہ ہوتا تھا اور سائل کی عزت وتکریم کی جاتی تھی۔

عبدالرحمٰن بن یزید نے اپنے باپ کی زبانی روایت بیان کی ہے کہ وہ حضرت عمرؓ کے پاس یہ مسئلہ پوچھنے کے لئے گئے کہ کیا موزوں پر مسح جائز ہے؟ آپ نے ہماری بات سنی تو کوئی جواب نہ دیا بلکہ اٹھے اور پیشاب کرنے چلے گئے۔ واپس آئے تو وضو کیا اور اپنے موزوں پر مسح کر لیا۔ ہم نے کہا کہ آپ سے ہم نے سوال پوچھا تھا۔ آپ نے جواب دیا "میں نے تمہارے سوال کا عملی

Marfat.com

جواب دیدیا ہے اور اس وقت میں تمہاری خاطر ہی اٹھ کر گیا تھا۔ ''

بعض لوگ کسی چیز کے متعلق جانتے نہیں مگر سوال پوچھنے سے شرم محسوس کرتے ہیں۔ یہ اچھی بات نہیں ہے۔ سوال پوچھنے سے انسان کی شان نہیں گھٹتی۔ وہ لوگ کتنے عظیم اور خوش بخت ہیں جو لوگوں کے سوال کرنے سے قبل ہی ان کی حاجات پوری کر دیتے ہیں!

حضرت عمرؓ کی فراستِ مومنانہ انہیں امورِ مملکت چلانے میں بھی مدد دیا کرتی تھی۔ اپنے عمال کے بارے میں صدقِ نظر اور ژرف نگاہی کا مظاہرہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت حذیفہؓ بن یمانؓ سے پوچھا ''کیا میرے عمال میں کوئی منافق ہے؟'' حضرت حذیفہؓ کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین کے بارے میں بتادیا تھا لہٰذا وہ جانتے تھے۔ انہوں نے جوابدیا ''ہاں ایک ہے''۔ پوچھا ''کون ہے؟'' تو انہوں نے جواب دیا'' میں اس کا نام ہرگز نہ لوں گا۔ '' (چونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نام لینے سے منع کیا ہوا تھا اس لئے حضرت حذیفہؓ کسی منافق کو نامزد نہ کیا کرتے تھے۔) حذیفہؓ کہتے تھے کہ حضرت عمرؓ نے اس عامل کو معزول کر دیا گویا کہ انہیں علم ہو گیا تھا۔ '' یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہے کیونکہ حضورِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا تھا۔ ''مومن کی فراست سے بچا کرو بے شک وہ اللہ کی دی ہوئی روشنی سے دیکھتا ہے۔ '' اللہ تعالیٰ کا ارشادِ ربانی بھی ہے۔

''بے شک ان واقعات میں صاحبِ فراست لوگوں
کے لئے نشانیاں ہیں۔ '' (الحجر آیت ۷۵)

حضرت انسؓ بن مالک سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں جو لوگوں کی حقیقت کو اپنی فراست سے پا جاتے ہیں۔ ''

حضرت عمرؓ ان بچوں کے بارے میں جنہیں پیدائش کے وقت کسی جگہ پھینک دیا جاتا تھا اور جن کے بارے میں کوئی پتہ نہ چلتا تھا کہ ان کے والدین کون ہیں یا جن کے والدین فوت ہو جاتے ۔ اور ان کا کوئی رشتہ دار نہ ہوتا تھا بڑے

Marfat.com

فکر مند رہتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ یہ بھی رعیت کا حصہ ہیں اور بے چارے بالکل بے گناہ ہیں۔ ان بچوں کی تعلیم وتربیت کے لئے ان پر سرکاری خزانے سے اخراجات اٹھتے تھے اور ان کا وظیفہ مقرر کیا جاتا تھا۔ آپ ان کے بارے میں اچھے سلوک اور ان کی دیکھ بھال کی ہمیشہ نصیحت کیا کرتے تھے۔

یہ اعلیٰ انسانی اخلاق اور شعور آج مفقود ہے۔ مہاجرین اور یتامیٰ بے کس اور فقراء بوڑھے اور بیوگان دھکے کھاتے ہیں ان کی کوئی مدد نہیں کرتا اگر کوئی حاتم کی قبر پر لات مار کر ان کی کچھ مدد کر بھی دیتا ہے تو ان کی عزتِ نفس کو احسان جتلا کر اور ان کے آبگینۂ دل کو جھڑکیاں دیکر مجروح و شکستہ کر دیتا ہے۔ کہاں حضرت عمرؓ کا اسوہ اور کہاں آج کی ملتِ اسلامیہ!

ہمارے بعض مسلمان بھائی اجتماعی و معاشرتی معاملات میں دوسروں کی جانب دیکھتے ہیں۔ یہ افسوس کی بات ہے۔ بھلا اسلام میں کس چیز کی کمی اور نقص ہے جو ہم ادھر ادھر دیکھیں؟

الدین یسر

حضرت عمرؓ مسلمانوں پر از حد مہربان تھے۔ ان کے لئے دینی و دنیوی ہر معاملے میں آسانی تلاش کرتے تھے اور تنگی سے انہیں بچانے کی فکر کیا کرتے تھے۔ لوگ اگر اپنے لئے مشکل راستہ ڈھونڈتے تو بھی آپ انہیں آسانی اور فراخی کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ بشر بن فخیف سے مروی ہے کہ وہ حضرت عمرؓ کے پاس گئے اور کہا "میں آپ کی بیعت کرتا ہوں کہ ہر معاملے میں جسے میں پسند کرتا ہوں اور جسے ناپسند کرتا ہوں آپکی اطاعت کروں گا۔" آپ نے فرمایا۔ "ایسا نہ کہو بلکہ یہ کہو کہ میں حسبِ استطاعت آپکی اطاعت کروں گا۔"

حضرت عمرؓ خود سخت کوش اور جفاکش تھے مگر لوگوں کے لئے آسانی چاہتے تھے۔ اپنی سخت کوشی کا ڈھنڈورا کبھی نہ پیٹتے تھے۔ جو لوگ سستی شہرت کی خاطر بلند بانگ دعوے کرتے ہیں وہ ڈھول کا پول ثابت ہوتے ہیں اور وقت آنے پر ان کا راز کھل جاتا ہے کہ وہ کتنے بودے اور ناکارہ ہیں۔

Marfat.com

مثالی نظامِ حکومت

حضرت عمرؓ کی خلافت ہر پہلو سے مثالی تھی۔ ہر معاملے میں خلیفۂ راشد اپنے آپکو مسئول اور ذمہ دار گردانتے تھے اور رعایا کی ہر ضرورت کا خیال رکھتے تھے۔ نظمِ حکومت مضبوط بنیادوں پر قائم تھا۔ ادارے منظّم تھے۔ مواصلات کا نظام بہترین تھا اور راستے محفوظ اور بہترین انداز میں بنائے گئے تھے۔ آج کے ترقی یافتہ دور میں سڑکیں بنتی ہیں تو اگلے دن ٹوٹ پھوٹ جاتی ہیں جبکہ اس دور میں سڑکیں بنتی تھیں تو مدتوں ان میں خرابی پیدا ہونیکا خطرہ نہ ہوتا تھا۔ مصر اور مدینہ کا فاصلہ بے پناہ تھا مگر حضرت عمرؓ کے ذہنِ رسا نے یہ فاصلہ پاٹ دیا اور وہ یوں کہ مصر سے غلہ لانے کے لئے بحری جہاز استعمال کئے۔ جہازوں کے ذریعے غلہ جار کی بندر گاہ تک لایا جاتا تھا۔ وہاں سے پھر اونٹوں پر لاد کر محفوظ سڑک کے ذریعے ایک دن اور ایک رات میں کارواں مدینہ پہنچ جاتا تھا۔ جار بحرِ احمر پر بندر گاہ تھی۔ حضرت عمرؓ سے قبل مصر سے حجاز تک سارا سفر صحرا اور خشکی کے ذریعے ہوتا تھا جو بڑا پُر صعوبت تھا اور اس میں کافی مدت بھی لگتی تھی۔

حضرت عمرؓ کے دور میں آپ کا گھر ہر شخص کے لئے جائے قرار تھا۔ حاجت مندوں کے لئے آپ کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا تھا۔ جو شخص آتا اس کا استقبال ہوتا تھا اور اسکی دادرسی کی جاتی تھی۔ کسی کو کسی دوسرے پر فضیلت نہ تھی۔ ایک اصول تھا جس سے ہر خاص و عام واقف تھا کہ جو زیادہ نیک اور متقی تھا وہ زیادہ معزز و محترم سمجھا جاتا تھا۔ جس نے اعمالِ خیر اور جہادِ اسلامی میں زیادہ خدمات سرانجام دی تھیں وہ دوسروں پر فوقیت رکھتا تھا۔ اسکے علاوہ کوئی دوسرا معیار نہ تھا جس سے لوگوں کا مرتبہ متعین کیا جاتا۔

جب حقداروں کو ان کا حق نہ ملے اور صاحبِ استحقاق کے مقابلے میں بااثر لوگوں کو ترجیح دی جانے لگے تو فساد پھیل جانا فطری امر ہے۔ حکمران اگر یہ اصول پیشِ نظر رکھیں کہ جس شخص نے امت کے لئے زیادہ قابلِ قدر خدمات سرانجام دی ہیں اسکی عزت افزائی اور قدر کی جائے تو اس سے بہت

Marfat.com

صحت مند رجحان پروان چڑھتا ہے۔ لوگ نیکی اور خیر کے کاموں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں اور نیکیاں برائیوں پر غالب آجاتی ہیں۔

جریدبن حازم بن حسن سے مروی ہے "کچھ لوگ امیرالمومنین عمرؓ بن خطاب کے دروازے پر آئے۔ ان میں اصحابِ بدر بھی تھے اور شیوخِ قریش بھی۔ ان لوگوں نے اندر آنیکی اجازت مانگی۔ اصحابِ بدر میں سے صہیبؓ، خبابؓ، عمارؓ اور بلالؓ کو اندر آنیکی اجازت مل گئی جبکہ ابو سفیانؓ، حارثؓ بن ہشام اور سہیلؓ بن عمرو کو باھر انتظار کرنا پڑا۔ یہ سب بزرگ فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے تھے۔ اس صورتِ حال کو دیکھ کر ابو سفیانؓ نے کہا "آج کے دن سے زیادہ میں نے اپنی بے قدری کبھی نہ دیکھی تھی۔ رؤسائے قریش باہر بیٹھے ہیں اور غلاموں کو اندر بلالیا گیا ہے۔ یہ سنکر سہیلؓ بن عمرو نے کہا اور سہیلؓ بہت عقل منداور متقی تھے۔ "اے سردارانِ قریش میں نے تمہارے چہروں پر ناراضنی کے آثار دیکھ لئے ہیں۔ اگر غصہ کرنا ہے تو اپنے آپ پر کرو۔ سارے لوگوں کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی گئی تھی اور تمہیں بھی مخاطب کیا گیا تھا۔ وہ لوگ جلدی سے آگے بڑھے اور تم پیچھے رہ گئے۔ تمہیں اس دروازے سے ان کا پہلے داخل ہونا ناگوار گزر رہا ہے۔ خدا کی قسم یہ تو کوئی بات نہیں وہ تو اپنے درجات کی بلندی میں تم سے اتنے آگے بڑھ گئے ہیں کہ اگر تم اس کا احساس کرو تو اپنی محرومی پر کفِ افسوس ملتے رہ جاؤ۔" پھر مزید کہا "اے لوگو یہ راہِ خدا میں جہاد اور سبقتِ اسلام کی وجہ سے تم سے آگے بڑھ گئے ہیں۔ اب تمہارے لئے ایک ہی راستہ ہے کہ تلافیٔ مافات کر سکو اور وہ جہاد کا راستہ ہے۔ شاید اللہ تعالیٰ تمہیں شہادت کا رتبہ عطا کر کے تمہارے درجات بلند فرمادے۔"

حضرت سہیلؓ اس کے بعد اسلامی لشکروں کے ساتھ شام میں جا شامل ہوئے اور میدانِ جہاد میں شہادت پائی۔ حسن ان کے بارے میں مندرجہ بالا واقعہ بیان کرنے کے بعد کہا کرتے تھے "خدا کی قسم سہیلؓ نے سچ کہا جو بندہ اللہ کی طرف تیزی سے آگے بڑھ جائے اسکے برابر دعوت کو ٹھکرا دینے والا کیسے

Marfat.com

ہو سکتا ہے۔

کسی شخص کے قُرب اور بُعد اور تقدیم و تاخیر کے لئے یہ معیار قائم ہو جائے تو سمجھئے کہ معاشرہ ٹھیک سمت میں جا رہا ہے اور اگر کسی کا ذاتی جاہ و مال اور مادّی قوت و گروہ بندی وجہ امتیاز بن جائے تو یہ بگاڑ کا راستہ ہے۔ اصل چیز کردار اور اعمالِ صالح ہیں نہ کہ حسب نسب اور ٹھاٹھ باٹھ۔ سورۂ زلزال میں فرمایا گیا ہے۔

"جس کسی نے ذرہ برابر نیکی کی وہ اسے دیکھ لے گا
اور جس کسی نے ذرہ برابر برائی کی وہ بھی اسے دیکھ
لے گا۔"

ادائیگی فرض کا لطف

حضرت عمرؓ بطور حاکم اپنے فرائض کی ادائیگی میں سرگرم عمل رہتے تھے۔ بہت سے نیک نفس حکمران اور بھی ہیں جو اپنے واجبات کی ادائیگی کا اہتمام کرتے تھے اور آج بھی اگر کوئی حکمران سنجیدگی سے کمرِ ہمت باندھ لے تو یہ کام کر سکتا ہے مگر حضرت عمرؓ کا اس معاملے میں کمال یہ ہے کہ وہ ان فرائض کی ادائیگی میں لطف محسوس کرتے تھے۔ ان کے نزدیک یہ عبادت کا حصہ تھا۔ رعایا کے لئے جذبات محبت اور نیکی کے کاموں کے لئے ہمیشہ کمربستہ رہنا ان کی شان تھی۔ انہوں نے خلافت کا بھاری بوجھ جس کے اٹھانے سے پہاڑ عاجز تھے اٹھایا اور اس کا حق ادا کر دیا۔ اس بوجھ کے باوجود وہ دوسروں کا بوجھ کم کرنے اور اپنے اوپر زیادہ بوجھ لادنے کی فکر میں رہتے تھے۔ حقداروں کو ان کے پاس پہنچ کر حق ادا کیا کرتے تھے۔ وہ راتوں کو گلی کوچوں میں گھوم پھر کر لوگوں کے حالات معلوم کرتے اور ان کی ضروریات پوری کرنے کے لئے اپنے کندھوں پر بوجھ اٹھایا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ خود رجسٹر اٹھائے بنو خزاعہ کے پاس قدید پہنچے اور ان کے وظیفے انہیں دیتے ہوئے فرمایا۔ "یہ ان کا حق ہے۔ انہیں اپنا یہ حق وصول کر کے اتنی خوشی نہیں ہوئی ہوگی جتنی خوشی مجھے ادا کر کے ہو رہی ہے۔ تم

Marfat.com

لوگ میری تعریف نہ کرو۔ میں نے کیا تیر مارا ہے بس اپنا فرض ادا کیا ہے۔ "

یہ عظمتِ کردار کہاں مل سکتی ہے؟ سربراہِ مملکت اپنی پیٹھ پر سامان لادے لوگوں تک پہنچتا ہے اور نہ کوئی اعلان ہوتا ہے نہ تشہیر' نہ سپاسنامہ نہ قصیدہ خوانی! وہ اللہ کے سامنے حاضری اور جوابدہی کے احساس سے مالامال تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ بندوں کے معاملے میں اللہ نے ان پر کیا کچھ واجب کر رکھا ہے۔

آج صورتِ حال یہ ہے کہ حقدار بے چارے جوتیاں چٹخاتے رہتے ہیں اور پوری زندگی اپنے جائز حقوق کے حصول اور داد رسی کے لئے مارے مارے پھرتے ہیں۔ کبھی کوئی حق مل جاتا ہے ورنہ اکثر ان لوگوں کے حصے میں حرمان نصیبی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ حکومتی اداروں کو چلانے والوں کے دلوں میں اگر خوفِ خدا پیدا ہو جائے تو ہر حقدار کو اس کا حق مل سکتا ہے مگر ایسا نہیں ہوتا۔ کیوں؟ اس کا جواب آسان بھی ہے اور مشکل بھی۔ حقیقت واضح ہے کہ خدا کا خوف دلوں میں نہیں ہے مگر اس کا اظہار کوئی نہیں کر سکتا کیونکہ "نازک مزاجِ شاہاں تابِ سخن ندارد۔ "

سختی و نرمی کا حسین امتزاج

حضرت عمرؓ سخت گیر بھی تھے مگر اسکے ساتھ نرم دل بھی تھے۔ جہاں سختی کی ضرورت ہوتی تھی وہاں آپ سے زیادہ سخت کوئی نہ تھا اور جہاں نرمی کا موقع محل ہوتا وہاں آپکی رقتِ قلب بے مثال ہوا کرتی تھی۔ ایک مرتبہ ایک نوجوان جوڑا زنا میں پکڑا گیا۔ دونوں غیر شادی شدہ تھے۔ آپ نے لڑکے اور لڑکی دونوں پر حدِ تازیانہ جاری کی اور اس میں بالکل نرمی نہ دکھائی۔ حد جاری ہو چکی تو آپ نے ان دونوں سے کہا "آپس میں شادی کر لو" مگر لڑکے نے انکار کر دیا۔ آپ نے اس کے انکار پر نہ برا مانا اور نہ اسے کوئی دھمکی دی۔ حدود اللہ کا قیام اللہ کا حق ہے جس میں کوئی کمی بیشی قابلِ قبول نہیں اور افراد کی شخصی آزادی ان کا بنیادی حق ہے جس پر قدغن نہیں لگائی جا سکتی۔

آج برائی پھیل چکی ہے اور اس پر کوئی پکڑنے والا نہیں۔ ان حالات

Marfat.com

میں مسلمان لڑکیوں کو اپنی عزت و عفت کی حفاظت کے لئے خود بیدار اور محتاط رہنا چاہئے۔ شیطان انسان کا بھیڑیا ہے اور اسکے حملے ہر وقت جاری رہتے ہیں۔ شیاطین الجن اور شیاطین الانس کے غول کے غول پھرتے ہیں۔ ان کے نزدیک کسی کی عزت اور شرف کا کوئی تقدس اور حرمت نہیں ہے۔ انہیں یہ بات یاد ہی نہیں رہی کہ جیسا کرو گے ویسا بھرو گے کا اصول اٹل ہے۔ وہ ذاتِ بابرکات جو ہر شخص کے ہر عمل سے باخبر ہے اسکے سامنے حاضری کے دن سب کو اپنے اپنے اعمال کا پورا بدلہ مل جائے گا۔ وہ سب کچھ جانتا ہے اور حی و قیوم ہے۔

وقت قیمتی اثاثہ

حضرت عمرؓ اپنی رعایا کے ہر معاملے میں دلچسپی لیتے تھے جس طرح والدین اپنی اولاد کے جملہ امور کی نگرانی کرتے ہیں آپ اس بات کا بھی خیال رکھتے تھے کہ لوگ اپنے وقت کا استعمال کس طرح کرتے ہیں۔ کبھی آپ انہیں پیار محبت سے سمجھاتے اور کبھی درہ لہرا کر انہیں تاکید کرتے تھے۔ رات کو دیر تک جاگتے رہنا آپکو ناپسند تھا۔ آپ لوگوں کو حکم دیا کرتے تھے کہ جلد سونے کی عادت ڈالیں تاکہ جلد اٹھ سکیں اور اگر توفیق مل جائے تو تہجد کی سعادت حاصل کر سکیں۔ آپکی خلافت میں فضول کاموں اور عبث باتوں کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ آپ جانتے تھے کہ وقت بہت قیمتی متاع ہے اور کام بے شمار ہیں جن کی تکمیل کے لئے وقت کا ایک ایک لمحہ احتیاط سے استعمال میں لانا چاہئے۔ اگر لوگ عشاء کی نماز کے بعد کہانی قصے سننے سنانے کے لئے بیٹھ جاتے تو حضرت عمرؓ کو سخت ناگوار گزرتا۔ آپ انہیں سرزنش فرماتے اور کہتے "پہلی رات کہانی قصوں کی نذر کر دیتے ہو اور پچھلی رات لمبی تان کر سو جاتے ہو یہ عشاء کے بعد کراماً کاتبین کو بھی ذرا آرام کرنے دیا کرو۔

اللہ تعالیٰ نے کائنات میں بڑی حکمت اور اپنے بندوں کے مفاد کو ملحوظ رکھا ہے۔ وہ بندوں کے نفع و نقصان کو خوب جانتا ہے۔ اس نے دن کو کام کاج اور تلاش معاش کے لئے اور رات کو آرام و راحت کے لئے پیدا کیا ہے۔ رات کو جلد ہی سو جانے والا شخص اگلے دن اپنے کاموں میں پوری چستی

Marfat.com

اور نشاط کے ساتھ علی الصباح مشغول ہو جاتا ہے۔ نہ اس پر سستی اور کاہلی کا غلبہ ہوتا ہے اور نہ وہ اونگھتا ہے۔ راتوں کو لمبی محفلیں جما کر بیٹھے رہنا انسان کے لئے ہر لحاظ سے نقصان دہ ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز سے قبل سونے اور عشاء کے بعد باتیں کرنے کو ناپسند فرمایا کرتے تھے۔

حضرت عمرؓ نے جب لوگوں کو یہ حکم دیا کہ رات کو جلد سو جایا کریں تو ان کے پیش نظر یہی حدیثِ رسول اور حکمِ ربانی جو سورۂ مزمل کی آیت ۶ میں دیا گیا ہے رہا ہو گا۔ اس آیت میں اللہ کا ارشاد ہے۔ "بے شک (پچھلی) رات کو اٹھنا (اور عبادت میں مصروف ہو جانا) نفسِ امّارہ کو کچلنے اور صحیح اور سچی بات کہنے کی عادت ڈالنے کے لئے بہت مفید ہے۔"

رات کی خاموشی اور تنہائی میں اللہ کی اطاعت و عبادت کا جو لطف آتا ہے وہ ناقابلِ بیان ہے۔ سکونِ قلب حاصل ہوتا ہے۔ خاموش فضا میں دل و دماغ، آنکھیں اور کان، سوچ اور دھڑکن ہر چیز اللہ کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ رات کی سیاہ زلفیں خشوع و خضوع سے دل کو بھر دیتی ہیں اور رکوع و سجود، قیام و قعود، دعا و مناجات ہر مرحلہ کیف و سرور سے مالا مال کر دیتا ہے۔

حضرت عمرؓ نوجوانوں کے اندر قوت و صحت اور زندگی و مردانگی کے آثار دیکھنے کے خواہش مند تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ مسلم نوجوان ظاہر و باطن ہر لحاظ سے اسلام کی شوکت و قوت کا مظہر بن جائیں۔ ایک نوجوان کو مریل چال چلتے ہوتے دیکھا تو پوچھا "کیا تم بیمار ہو" اس نے کہا "نہیں امیر المومنین میں بالکل تندرست ہوں۔" اس پر آپ نے درہ لہرایا اور فرمایا "پھر یہ مردنی تم پر کیوں چھائی ہوئی ہے۔ جوانمردوں کی طرح چلو۔"

حضرت عمرؓ اپنی رعایا کے ہر خاص و عام کو تذکیر و نصیحت کرتے رہتے تھے۔ امہات المومنینؓ کا مقام و مرتبہ کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ حضرت عمرؓ نے نماز پڑھاتے ہوئے سورۂ احزاب کی تلاوت کی اور ان آیات پر پہنچے جن میں رب العزت نے ازواجِ مطہراتؓ کو یا النساء النبی " کہہ کر خطاب کیا ہے تو آواز بلند ہو گئی نماز کے بعد لوگوں نے اسکی وجہ پوچھی تو بتایا کہ امہات المومنینؓ کو وہ عہد

Marfat.com

یاد دلانا مقصود تھا جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے خصوصی طور پر نازل فرمایا تھا۔ سچی بات یہ ہے کہ مومن مرد اور مومن عورتیں تذکیر اور یاد دہانی سے بے نیاز نہیں ہو سکتے۔ تذکیر کا اہلِ ایمان کو فائدہ ہوتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے "

نصیحت کیا کرو۔ بے شک نصیحت سے اہلِ
ایمان کو نفع پہنچتا ہے۔ " (ذریات آیات ۵۵)

میاں بیوی کا جھگڑا

ایک مرتبہ آپ کے پاس ایک ازدواجی جھگڑا پیش کیا گیا۔ ایک عورت نے اپنے خاوند سے سرکشی کا معاملہ کیا۔ وہ اپنے خاوند کے ساتھ جانے کے لئے آمادہ نہ تھی بلکہ علیحدگی کا مطالبہ کر رہی تھی۔ آپ نے حکم دیا کہ عورت کو کسی خوفناک اور ویران گھر میں بند کر دیا جائے۔ اگلی صبح آپ نے اسے بلا بھیجا اور پوچھا "تم نے رات کیسے گزاری؟" اس نے جواب دیا "جب سے میں اس شخص کے گھر گئی ہوں آج پہلی رات ہے جو میں نے راحت اور سکون سے بسر کی ہے۔" یہ سن کر آپ نے مرد کو حکم دیا کہ اس عورت کو طلاق دیدے اگرچہ اسکے بدلے میں عورت کان کی ایک بالی ہی پیش کرے۔ (خلع کی صورت میں عورت کو حقِ مہر واپس اور کچھ اپنی طرف سے ادا کرنا پڑتا ہے)

حضرت عمرؓ نے معمولی سی تفتیش اور سوال و جواب سے حقیقت پالی تھی آپ نے محسوس کیا کہ اتنی شدید نفرت کے ساتھ میاں بیوی کا اکٹھے رہنا اخلاقی دینی، سماجی، معاشرتی کسی بھی لحاظ سے مناسب نہ تھا۔ دینِ اسلام نے طلاق کو انتہائی غیر پسندیدہ عمل قرار دیا ہے مگر جہاں میاں بیوی کا نباہ کسی صورت نہ ہو سکے وہاں آخری چارۂ کار کے طور پر علیحدگی کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔

آپؓ مسجد میں آتے تھے تو ہر جانب نظر ڈالتے تھے۔ نمازیوں کو بھی دیکھتے اور مسجد کی صفائی پر بھی توجہ فرماتے تھے۔ مسجد میں نماز ادا کرتے اور لوگوں کی تربیت کا اہتمام کرتے تھے۔ ایک دن مسجد میں تشریف فرما تھے کہ حجاج بن ایمنؓ آئے۔ یہ حجاج اسامہ بن زیدؓ کے بھائی تھے۔ حضرت عمرؓ نے حجاج کو

Marfat.com

نماز پڑھتے دیکھا اور نماز کے بعد فرمایا "اپنی نماز لوٹاؤ۔ پھر انہیں نماز پڑھنے کا صحیح طریقہ سمجھایا۔ نماز دین کا ستون ہے۔ اگر اسے درست نہ کیا جائے تو عمارت کیسے ٹھیک اور مضبوط ہوگی۔

رعایا کی خبر گیری

دن بھر کی مصروفیات اور ذمہ داریوں سے تھک جاتے ۔ پہلی رات ذرا سا آرام کرتے اور پھر لوگوں کے احوال معلوم کرنے اور مصیبت زدگان کی داد رسی کے لئے مدینہ کی گلیوں مدینہ کی باہر کی آبادیوں کا چکر لگاتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ تجار کا ایک قافلہ مسجدِ نبوی کے باہر آکر رکا۔ رات کو امیر المومنین نے عبدالرحمٰنؓ بن عوف کو ساتھ لیا اور کہا "آؤ ان تاجروں کے مالِ تجارت کی حفاظت کے لئے آج رات پہرہ دیں۔" چنانچہ دونوں جلیل القدر صحابی تاجروں کے مال کے پاس رات نوافل پڑھنے اور ذکر و تلاوت میں مشغول رہے۔ حضرت عمرؓ چاہتے تو پولیس کے پہرہ داروں کو بھی حکم دے سکتے تھے مگر آپ نے دنیا کے حکمرانوں کے لئے یہ اعلیٰ ترین مثال قائم کی۔ تاجروں کو علم بھی نہیں تھا کہ امیر المومنین خود ان کے مالِ تجارت کا پہرہ دے رہا ہے۔

خدا اور رسول کے احکام کی پابندی

حضرت عمرؓ لوگوں کے حقوق اور آرام و راحت کا اسقدر خیال رکھتے تھے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے مگر حدود اللہ کی خلاف ورزی پر کبھی نرم رویّہ اور تسامح نہ برتتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک عورت نے جاہلیت کے طرز پر نوحہ شروع کیا اور منع کرنے پر بھی نہ رکی تو حضرت عمرؓ نے اسے مارا۔ اسی طرح حضرت ابوبکرؓ کے ایک بیٹے کی وفات پر حضرت ابو بکرؓ کی ایک بیٹی نے بین اور نوحہ شروع کر دیا۔ عمرؓ بن خطاب ابو بکرؓ اور ان کے خاندان کی بہت تکریم کرتے تھے مگر خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے منع کئے ہوئے کام کی کسی صورت میں کسی شخص کو اجازت دینے کے روادار نہ تھے۔ حضرت ابو بکرؓ کی اس بیٹی کو فوراً حکم دیا کہ نوحہ بند کر دے ورنہ اسے باہر نکال دیا جائے گا۔

Marfat.com

حضرت عمرؓ کی ترجیحات میں سرِفہرست احکامِ قرآنی اور ارشادات نبوی کا احترام و اتباع تھا۔ اس معاملے میں وہ کبھی مدافعت یا سستی نہ کرتے تھے۔ ایک شخص غیلان بن ابی سلم نے اپنی بیویوں کو طلاق دیدی اور اپنا سارا مال اپنے بیٹوں کے درمیان تقسیم کر دیا۔ حضرت عمرؓ کو اس کی اطلاع ملی تو فوراً غیلان کے پاس پہنچے اور فرمایا" خدا کی قسم میرا خیال ہے کہ تمہاری اجل قریب آ گئی ہے اور شیطان نے اس بارے میں سن گن پالی ہے پھر اس مردود نے تیرے دل میں یہ بات ڈالی ہے۔ یہ کام جو تو نے کیا ہے شیطانی کام ہے۔ خدا کی قسم تمہیں یہ فیصلہ بدلنا ہو گا۔ مال کی غیر اسلامی تقسیم کا فیصلہ منسوخ کرو اور اپنی عورتوں سے رجوع کر لو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو میں تمہارا مال اسلامی قانونِ وراثت کے مطابق حقداروں میں تقسیم کروں گا اور ابو رغال کی طرح تمہاری قبر پر پتھر برساؤں گا۔

ابو رغال وہ شخص تھا جسے بنو ثقیف نے ابرہہ کے لشکر کے ساتھ راستہ بتانے کے لئے مکہ بھیجا تھا۔ عرب اسکی قبر پر مدتوں سنگ باری کرتے رہے۔ بعض لوگ تقسیم وراثت میں حدود اللہ کی خلاف ورزی کرتے ہیں اور ورثا میں سے بعض کو بعض پر ترجیح دیکر ظلم کا دروازہ کھولتے ہیں۔ یوں فی الحقیقت وہ ان کے دلوں میں عداوت کا بیج بوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے وراثت کے قوانین بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ ان قوانین کی مثال حدود اللہ کی سی ہے جو ان پر کاربند ہو گا اسے انعام ملے گا اور جو اس سے روگردانی کرے گا اسے ذلت ناک عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔ سورۂ نساء کی آیات ۱۳، ۱۴ میں حکمِ ربانی ہے۔

"یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں۔ جو اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کرے گا اسے اللہ ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور ان باغوں میں وہ ہمیشہ رہیگا اور یہی بڑی کامیابی ہے۔ اور جو اللہ اور اسکے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اسکی مقرر کی ہوئی حدوں سے تجاوز کر جائے گا اسے اللہ آگ میں ڈالے گا جس میں وہ ہمیشہ رہیگا اور اسکے لئے رسوا کن سزا ہے۔"

Marfat.com

اگر کوئی مسلمان حدود اللہ سے تجاوز کرنیکی کوشش کرتا تھا تو سیدنا عمرؓ اسکی اجازت نہ دیتے تھے۔ قانونِ آسمانی میں ردو بدل کا کسی کو حق ہے نہ اختیار۔

نمازِ تراویح کا باجماعت اہتمام

حضرت عمرؓ اپنی امت کی وحدت کا خاص خیال رکھتے تھے۔ دین اسلام اتحادِ ملت کا پیغام ہے۔ جو قومیں اپنی صفوں میں اتحاد برقرار نہ رکھ سکیں ان کا وجود بھی باقی نہیں رہ سکتا۔ نوفل بن ایاس ہذلی سے مروی ہے "ہم حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں رات کو مسجدِ نبوی میں مختلف گروپوں کی صورت میں عبادت میں مشغول رہا کرتے تھے۔ جس قاری کی آواز زیادہ میٹھی ہوتی تھی اس کے گرد زیادہ لوگوں کا حلقہ بن جاتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے دیکھا تو کہا "کہ ان لوگوں نے قرآن مجید کو بھی راگنی کا ذریعہ بنا رکھا ہے۔ بخدا میں اس صورت حال کو بدل کے رہوں گا۔" اس کے بعد تین راتیں گزریں تو آپ نے ابیؓ بن کعب کو حکم دیا کہ وہ نمازِ تراویح کی امامت کرائیں۔ حضرت ابیؓ کی اقتدا میں صفیں بن گئیں اور حضرت عمرؓ سب سے آخری صف میں کھڑے ہوئے۔ مسجد نمازیوں سے بھری ہوئی تھی اور نور کی ندیاں رواں تھیں۔ برکاتِ آسمانی کا نزول ہو رہا تھا۔ ابیؓ خوش الحانی اور ترتیل سے قرآن مجید کی تلاوت کر رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اس موقع پر کہا "اگرچہ یہ ایک نئی چیز ہے مگر یہ نئی چیز بہت اچھی ہے۔"

فضلاء صحابہ کرام امت کی وحدت کا بڑا اہتمام کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ کی طرح وہ سب اس بات کے حریص تھے کہ امت میں انتشار نہ پیدا ہو۔ حضرت عبداللہؓ ابن مسعود منیٰ میں نمازِ قصر کے حق میں تھے مگر انہوں نے وہاں نماز ظہر پڑھائی تو چار رکعت پوری کیں ان سے اس بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا "اختلاف بری چیز ہے۔ حضرت عثمانؓ منیٰ میں قصر نہیں پڑھتے اس لئے میں نے پوری نماز پڑھائی ہے۔ ویسے میرا خیال یہی ہے کہ قصر یہاں افضل ہے مگر اتحادِ امت اس سے اولیٰ ہے۔"

فوری اصلاح

حضرت عمرؓ اپنی رعایا کے جملہ امور سے دلچسپی رکھتے تھے اور ان کی رفاہ و

Marfat.com

بھلائی کا خاص خیال فرماتے تھے۔ لوگوں کی تکالیف کا ازالہ کرنا ان کے نزدیک خلیفۂ راشد کے بنیادی وظائف کا حصہ تھا۔ کہیں کوئی نازیبا حرکت دیکھتے تو فوراً اسکی اصلاح کی فکر کرتے کہ وہ ناسور نہ بن جائے۔ علاج کا بہترین طریقہ ہے بھی یہی کہ بیماری کا فوراً نوٹس لیا جائے اور اس کا معالجہ کیا جائے۔

ایک غلام نے ایک مرتبہ کچھ شعر کہے جن میں اس بات کا احتمال موجود تھا اس نے کسی کنیز پر تہمت لگائی ہے۔ اس پر قذف کی حد جاری ہو سکتی تھی۔ آپ نے معاملے کی تحقیق کی اور صاحبِ نظر حضرات کی رائے پوچھی۔ تحقیق سے پتہ چلا کہ قذف کا ارتکاب نہیں ہوا تو آپ نے حد جاری کرنے سے منع فرما دیا مگر اس غلام کو آئندہ محتاط رہنے کی تلقین کی۔

شعروشاعری کی حدود

شعروشاعری فنون و آداب میں اعلیٰ درجے کا فن ہے۔ حضرت عمرؓ نے شعروشاعری کو ممنوع قرار نہیں دیا تھا مگر اسے پاکیزہ اور صاف ستھرا رکھنے کے لئے حدود مقرر فرمائے تھے۔ اگر اس صنفِ ادب کو کھلی چھٹی دیدی جائے تو بسا اوقات بندگانِ حرص و ہوس اس کا ایسا غلط استعمال کرتے ہیں کہ شعر حکمت اور جذبۂ ایمان پیدا کرنے کی بجائے فحاشی و عریانی اور اخلاق باختگی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ کسی قوم کا ادب اور شعر اس قوم کی اخلاقی حالت کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ احساسِ ذمہ داری رکھنے والا حکمران اس معاملے میں بے اعتنائی کبھی نہیں برت سکتا۔

ہماری بدقسمتی ہے کہ آج ہمارے شعراء و ادبا اور فنکار وہدایت کار سبھی لھو و لعب اور عریانی و بے حیائی کے سوا کوئی فن پیش ہی نہیں کر سکتے۔ انہی لوگوں کا صحافت اور ابلاغِ عامہ پر قبضہ ہے۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن ہو یا سینما و تھیٹر ہر جگہ انہی کا طوطی بولتا ہے۔ تہذیب کے نام ہر بدتہذیبی کرتے اور ثقافت کے نام پر اخلاق سوز حرکات کو سندِ جواز پیش کرتے ہیں۔ ہمارے ممالک کے ذمہ داران کو کیا ہو گیا ہے؟ برائی اور سیہ کاری کا دور دورہ ہے۔ جہاں نیکیوں کی فصلِ بہار پروان چڑھ سکتی ہے وہاں برائیوں کے جھاڑ جھنکاڑ کا ایک بدنما اور مہیب

Marfat.com

جنگل اگ رہا ہے۔ جو وسائل تقویٰ کا پیغام عام کر سکتے ہیں وہ برائی کے علمبردار بن چکے ہیں۔

ہمہ صفت خلیفہ

حضرت عمرؓ کا معاملہ اپنی رعایا کے ساتھ محض حاکم و محکوم کا معاملہ نہ تھا۔ آپ نے محض اپنے جسم کو ہی دن رات لوگوں کی خدمت کا خوگر نہ بنا رکھا تھا بلکہ آپ کے قلبی جذبات اور ہمدردی و محبت کا احساس ہر لمحے آپکو رعایا کی خدمت اور بھلائی کے لئے سرگرم رکھتے تھے۔ عوام الناس کی خوشی اور غم میں آپ برابر شرکت فرمایا کرتے تھے۔ ان کے دکھ بانٹتے اور مصائب پر انہیں تسلی دیکر صبر کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ بیماروں کی عیادت اور مصیبت زدوں کی اعانت کے لئے ان کے گھروں میں حاضری دیا کرتے تھے۔ کوئی حادثہ کسی فردِ امت کو پیش آ جاتا تو سب سے پہلے اس سے اظہارِ ہمدردی کے لئے آنیوالا خود خلیفۂ وقت ہوا کرتا تھا۔ سعیدؓ بن یربوع کی بینائی ختم ہو گئی تو حضرت عمرؓ ان کے ہاں تشریف لے گئے۔ اظہار ہمدردی بھی کیا اور ساتھ ہی محبت کے ساتھ نصیحت فرمائی۔ "نمازِ جمعہ اور پانچ وقت کی با جماعت نماز مسجدِ نبوی میں ادا کرنے کی کوشش کرنا۔" انہوں نے عرض کیا "امیر المومنین میری بھی یہی خواہش ہے مگر مجھے مسجد تک لے جانیوالا کوئی نہیں ہے۔" اسی وقت حضرت عمرؓ نے ان کی خدمت کے لئے ایک غلام مقرر کر دیا۔

راستہ چلتے ہوئے بھی آپ ہر چیز پر نظر رکھتے اور ہر آواز پر کان دھرتے تھے۔ کہیں کوئی فساد دیکھا یا ٹیڑھ پن پایا تو فوراً اسکی اصلاح فرما دی۔ اپنے آرام کے لئے بھی وقت مقرر تھا مگر وہ بڑا محدود اور مختصر تھا۔ دن رات کا زیادہ حصہ فرائض کی ادائیگی میں صرف ہو جاتا تھا۔ فارغ بیٹھنا ان کے نزدیک ضیاعِ وقت تھا۔ ایک مرتبہ کسی راستے سے گزرے۔ وہاں کچھ نوجوان تیر اندازی کی مشق کر رہے تھے۔ ان میں سے ایک کا نشانہ خطا ہوا تو اس نے کہا "اسیت" دراصل وہ کہنا چاہتا تھا "اسات" حضرت عمرؓ نے اس کا لفظ سنکر فوراً ٹوکا اور فرمایا "تیر اندازی میں چوک ہو جانے سے زبان کی چوک زیادہ بری اور خطرناک ہے۔" پھر اسکے لفظ کی تصحیح فرمائی۔

Marfat.com

عربی زبان کی اہمیت

حضرت عمرؓ نے محسوس کیا کہ عربی زبان میں کمزوری عسکری تربیت میں کمزوری سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ میں حضرت عمرؓ کے اس احساس کی داد دیتا ہوں۔ حضرت عمرؓ جانتے تھے کہ محض عربی زبان کا زندہ وسلامت رہنا امتِ اسلامیہ کے وجود وبقا کے لئے کافی نہیں بلکہ اس زبان کا اسلامی روح اور اثر سے مالامال ہونا خود اس زبان کے تحفظ کے لئے ضروری ہے اور یہی امت کے حق میں ہے۔ آپ فصیح عربی زبان کی حفاظت کے لئے لوگوں کی لسانی غلطیوں کی فوراً تصحیح فرما دیا کرتے تھے۔ عرب ملکوں میں بعض لوگ بڑے زور شور سے یہ پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ فصیح عربی زبان کی بجائے علاقائی تلفظ اور ملکی لہجوں کا چلن ہونا چاہئے۔ ان لوگوں میں سے بعض تو سوچی سمجھی اسکیم کے تحت یہ بات کہتے ہیں اور بعض سادہ لوحی میں ان کی ہاں میں ہاں ملا دیتے ہیں۔ ان سادہ لوح لوگوں کو اگر معلوم ہو جائے کہ اس دعوت کا امتِ مسلمہ پر بحیثیت مجموعی اور عربی بولنے والے لوگوں مسلم اور غیر مسلم سبھی پر خصوصاً کیا اثر پڑے گا تو شاید وہ ایسی فاسد دعوت کا نام بھی نہ لیں۔

دین اسلام کے بے شمار دشمن ہیں۔ وہ مختلف میدانوں میں اس دین کے خلاف گھات لگائے بیٹھے ہیں۔ مختلف ذرائع استعمال کر کے وہ مسلمانوں کو ان کے دین سے برگشتہ کرنیکی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ ان کی ایک زبردست تحریک یہ ہے کہ مسلمانوں کا تعلق عربی زبان سے کاٹ دیا جائے۔ ان کی خواہش ہے کہ مسلمان بول چال اور تحریر وتقریر میں فصیح عربی زبان کو چھوڑ دیں۔ ان لوگوں کی یہ خواہش کبھی پوری نہیں ہو سکے گی۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر غالب ہے اور وہ اپنے دین کا محافظ ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عرب تھے۔ قرآن مجید عربی میں ہے اور اہل جنت کی زبان عربی ہو گی۔ پس جو شخص عربی زبان سے نفرت رکھے وہ کہاں کا مسلمان ہے۔ ہم بطور مسلمان اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ عربی زبان دنیا کی زبانوں میں محض ادبی فصاحت کے لحاظ سے ہی ممتاز نہیں ہے بلکہ یہ اشرف ترین زبان ہے کہ اس میں دنیا کی سب سے اشرف کتاب دنیا کے اشرف ترین انسان

Marfat.com

پر نازل ہوئی۔ زمین کے اشرف ترین شہر میں نازل ہوئی۔ اشرف ترین مہینے میں اس کا نزول شروع ہوا۔ حضرت عمرؓ کے سامنے یہ ساری باتیں بالکل واضح تھیں چنانچہ آپ نے مسلمانوں کے نام ایک جامع پیغام میں یہ حکم جاری کیا "عربی زبان سیکھا کرو کیونکہ یہ تمہارے دین کا حصہ ہے۔"

حضرت عمرؓ کے نزدیک عربی زبان کی حفاظت اور عقیدے کی حفاظت کا آپس میں گہرا تعلق تھا۔ آپ نے عربی زبان کو دین اسلام میں ایک موثر عنصر کا درجہ دیکر اسکی اہمیت واضح کی۔ آج کچھ لوگ اپنی راگنی الاپ رہے ہیں مگر حق بھی واضح ہے اور خطا بھی ظاہر ہے۔ ہم حضرت عمرؓ کی رائے کو چھوڑ کر ان نام نہاد ترقی پسندوں کی رائے کو کیسے قبول کر سکتے ہیں؟

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم افصح العرب تھے اور اس بات پر فخر کیا کرتے تھے۔ آپ گرے پڑے الفاظ یا بازاری زبان استعمال کرنے سے پرہیز کیا کرتے تھے۔ ہمارے لئے حضور اکرم صلی علیہ وسلم کی زندگی کے ہر معاملے میں اسوۂ حسنہ ہے۔ ہم آپؐ کے اسوۂ حسنہ کو چھوڑ کر کیسے فصیح عربی زبان ترک کر کے عامی زبان اور سوقیانہ بولی اختیار کر لیں؟

یہ داعیانِ تجدد دعویٰ کرتے ہیں کہ انہیں زبان پر عبور حاصل ہے۔ اور یہ عربی زبان کے خیر خواہ ہیں مگر یہ سب دعوے بلا دلیل ہیں۔ ان کا شیخ الاسلام احمد بن تیمیہ کے سامنے کیا مقام و مرتبہ ہے؟ شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ کتاب اللہ اور سنت رسولؐ اللہ کو جاننا اور سمجھنا فرض ہے۔ ظاہر ہے کہ فصیح عربی زبان جاننے کے بغیر کوئی مسلمان نہ قرآن کو سمجھ سکتا ہے نہ سنت کو۔ اس مثال سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ عربی زبان اور اسکی تعلیم کتنی ضروری ہے۔ جس چیز کے بغیر کسی واجب کی ادائیگی ممکن نہ ہو اسے بھی وجوب کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے۔

امام ابو جعفر طبریؒ فرمایا کرتے تھے کہ انہوں نے جرمیؒ سے سنا۔ وہ کہتے تھے "میں تیس سال سے سیبویہ کی کتاب سے فقہی علوم میں لوگوں کو فتوے دے رہا ہوں۔" محمد بن یزید نے اسکی یوں تشریح کی "جرمی صاحبِ حدیث تھے مگر جب انہوں نے عربی زبان اور صرف و نحو پر سیبویہ کی کتاب پڑھی تو حدیث کا صحیح فہم اور تفقہ حاصل ہوا۔"

Marfat.com

عربی زبان اور اس کا رسم الخط امتِ اسلامیہ کے اتحاد کی علامت ہے

یہ اللہ کا فضل اور عربی زبان کا کمال ہے کہ اگر اسکی فصاحت و بلاغت اور باریکیوں کو کوئی سمجھ لے تو اپنے شعبۂ علم میں یکتائے زمانہ ہو جاتا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اگر عربی زبان کو چھوڑ کر اور اسکے رسم الخط کو منسوخ کر کے ہر ملک کے مسلمان الگ الگ زبانوں یا عربی کی علاقائی بولیوں میں لکھنا اور بولنا شروع کر دیں تو ایک دوسرے کا مفہوم کیونکر سمجھ سکیں گے۔ جو کتابیں، رسالے اور اخبارات عربی رسم الخط میں طبع ہوتے ہیں انہیں اکثر مسلمان پڑھ سکتے ہیں اور جو تحریر فصیح عربی زبان میں لکھی ہوئی ہو اسے دنیا کے بہت سے غیر عرب مسلمان بھی سمجھ سکتے ہیں لیکن اگر اس تحریکِ فسادِ لسانِ عربی کے محرکین کی بات مان لی جائے تو مصر کے ساحلی علاقوں کی عربی زبان مصر کے قبائلی علاقوں کی عربی زبان سے اس قدر مختلف ہے کہ ایک علاقے کی زبان دوسرے علاقے کے لوگوں کے لئے بالکل اجنبی ہوگی۔ اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ عامی زبان کو رائج کرنیکا پروگرام کس قدر خطرناک نتائج کا حامل ہو سکتا ہے۔

ہمارے اسلاف نے عربی زبان کی حفاظت کی کیونکہ وہ اسکی اہمیت سے بخوبی واقف تھے۔ ولید بن عبد الملک نے اپنے دورِ حکومت میں مسلمانوں کے لئے یہ قانون بنا دیا تھا کہ ہر تحریر عربی زبان میں لکھی جایا کرے۔ اسکی خلاف ورزی باعثِ عقوبت تھی۔ آج اسلام دشمنوں نے سوچ سمجھ کر یہ فتنہ کھڑا کیا ہے اور بدقسمتی سے بعض مسلمان بھی ان کے چنگل میں پھنس گئے ہیں۔ شریعتِ اسلامیہ ہماری بقا کی ضمانت ہے اور یہ شریعت عربی زبان میں محفوظ کی گئی ہے۔ اس تک رسائی اس کی بنیادی ماخذ کے بغیر ممکن نہیں اور یہ مآخذ فصیح عربی زبان سے مدون ہیں۔

حضرت عمرؓ اور فنونِ حرب

حضرت عمرؓ جسمانی ورزش کا خصوصی اہتمام کیا کرتے تھے۔ پوری خلافتِ اسلامیہ میں نوجوانوں کو عسکری تربیت اور فنونِ حرب کی تعلیم دی جاتی تھی۔ آپ خود بہت اچھے جنگ جُو تھے۔ تلوار زنی، تیر اندازی، نیزہ بازی اور

Marfat.com

گھوڑ سواری کے ماہر تھے اور ان فنون میں اپنے ہنر کو اعلیٰ اور ممتاز رکھنے کے لئے مسلسل مشق کرتے رہتے تھے۔ گھوڑ سواری کے ایسے اسلوب آپ نے ایجاد کئے تھے جو آپ سے پہلے اور آپ کے بعد کی گھوڑا سواری کی تاریخ میں اپنی مثال آپ ہیں۔ گھوڑے پر سوار ہونے کے لئے گھوڑے کا ایک کان اپنے ایک ہاتھ میں پکڑ لیتے اور دوسرے ہاتھ سے خود اپنا کان پکڑ کر چھلانگ لگاتے اور گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھ جاتے۔

حضرت عمرؓ اپنے مصروف ترین معمولاتِ زندگی میں سے کچھ وقت نکال کر نوجوان نسل کی جسمانی ریاضتوں کا معائنہ کیا کرتے تھے۔ آپ کے بھتیجے عبدالرحمٰن بن زیدؓ بن خطاب بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں اور عاصم بن عمرؓ بن خطاب سمندر میں پیراکی کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ میں اس دوران میں کوشش کرتا کہ عاصم کو پانی میں غوطہ دوں اور عاصم کوشش کرتے کہ مجھے غوطہ دیں مگر ہم میں سے ہر ایک اپنی مشاقی سے طرح دے جاتا۔ حضرت عمرؓ کنارے پر کھڑے ہمیں تحسین کی نظر سے دیکھتے رہے۔ اس وقت ہم سب حالتِ احرام میں تھے۔

خلیفۂ راشد عمرؓ بن خطاب خود بھی کئی مرتبہ دیگر صحابۂ کرام کے ساتھ ریاضتِ جسمانی کے مقابلوں میں شریک ہوا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حالتِ احرام میں مدینہ سے مکہ جارہے تھے۔ سمندر کے کنارے پہنچے تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے فرمایا "عبداللہ آؤ پانی میں غوطہ لگائیں اور دیکھیں کہ ہم میں سے کس کا سانس لمبا ہے۔ اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں صحیح روایات میں آیا ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ ابو بکرؓ اور عمرؓ سے کہا کہ وہ ان کے ساتھ دوڑ میں حصہ لیں۔ چنانچہ دوڑ میں حضورؐ آگے نکل گئے۔ ابو بکرؓ دوسرے نمبر پر رہے اور عمرؓ تیسرے نمبر پر۔ اور یہ واقعہ تو معروف ہے کہ حضورِ اکرم صلی علیہ وسلم نے قریش کے معروفِ زمانہ پہلوان رکانہ سے کشتی لڑی اور تین مرتبہ اسے چت گرادیا۔

سیدنا ابو عبیدہؓ ابن الجراح جنگِ یرموک میں امیرِ سپاہ تھے۔ انہوں نے اپنے فوجیوں سے کہا "کون میرے ساتھ گھوڑ سواری کا مقابلہ کرے گا؟" ایک نوجوان نے کہا "جناب میں مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہوں اگر آپ غصے

نہ ہوں۔" فرمایا "ٹھیک ہے آؤ" مقابلے میں حضرت ابو عبیدہؓ بہت آگے نکل گئے اور نوجوان کا گھوڑا پیچھے رہ گیا۔ نوجوان کے سر کے بالوں کی لٹیں دونوں کنپٹیوں پر یوں پیچھے اڑ رہی تھیں جیسے مینڈھے کے سینگ ہوں۔ وہ گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر سوار تھا۔

میدانِ جنگ میں بھی صحابہؓ کرام ورزش اور مشق جاری رکھتے تھے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بڑی تاکید کے ساتھ فرمایا ہے کہ مسلمان کو ہر لمحے دشمن کے مقابلے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ آپ کا ارشاد ہے "اپنے بچوں کو پیراکی اور تیر اندازی سکھاؤ۔" ایک دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا "عنقریب اللہ تعالیٰ ملکوں کے ملک تمہارے قبضے میں دے دیگا۔ اللہ دشمنوں کے مقابلے کے لئے تمہاری مدد کو کافی ہے مگر تم میں کوئی شخص اپنے تیروں اور سامانِ حرب سے غافل نہ ہو جائے۔"

مومن جب ریاضت و مشقت کرتا ہے تو اس میں اسکے لئے اجر ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بھی حکم دیا ہے اس میں[1] اہل ایمان کے لئے بھلائی ہی بھلائی ہے۔ دینی بھی اور دنیوی بھی۔ آپ کا حکم ہے "قوی مومن کمزور مومن سے بہتر ہے اور اللہ کو زیادہ محبوب ہے مگر قوی اور کمزور دونوں میں خیر اور بھلائی ہے۔

حسنینؓ کی جسمانی ریاضت

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم اپنے نواسوں حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو جسمانی ریاضت اور کسرت کی ترغیب دیا کرتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضورِ اکرمؐ اپنے دونوں نواسوں کی کشتی کرایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپؐ کی موجودگی میں دونوں بھائیوں کی کشتی ہو رہی تھی اور حضور کہتے جاتے تھے "واہ حسن واہ۔" حضرت فاطمہؓ نے پوچھا "آپ حسن کو کیوں واہ واہ کہہ رہے ہیں؟" تو آپ نے فرمایا "اس لئے کہ جبرئیل بھی یہی کہہ رہے ہیں حضرت عبداللہ بن حارثؓ سے مروی ہے کہ حضورِ اکرمؐ اپنے چچا زاد بھائیوں عبداللہ بن عباسؓ اور کثیر بن عباسؓ کو ایک سیدھ میں کھڑا کر دیتے

Marfat.com

تھے اور پھر فرماتے تھے کہ فلاں ہدف تک دوڑ کر جاؤ اور پھر میری طرف بھاگتے ہوئے واپس آؤ دیکھتے ہیں کون فتح پاتا ہے۔ جو کامیاب ہو گیا اسے یہ اور یہ انعام دونگا۔ پھر وہ بھاگتے ہوئے آپکے پاس پہنچتے تو آپکی پیٹھ اور سینے پر آ گرتے۔ آپ انہیں چومتے اور اپنے ساتھ لپٹا لیتے تھے۔ مسلمانوں کے درمیان بعض لوگ بہت تیز دوڑنے والے تھے۔ خراش ھذلی جو مشہور شاعر تھے بہت سبک رفتار تھے۔ بعض مرتبہ وہ دوڑ میں گھوڑوں سے آگے نکل جایا کرتے تھے۔

حضرت عمرؓ۔ اپنی رعایا کی قدر و قیمت خوب جانتے تھے۔ جو دین سے زیادہ قریب ہوتا تھا وہ زیادہ محترم و مقرب گردانا جاتا تھا۔ آزاد اور غلام دونوں کا مرتبہ متعین کرنے کے لئے یہی اصول کار فرما تھا۔ سالمؓ مولیٰ ابو حذیفہؓ کا حضرت عمرؓ کی نظروں میں بڑا بلند مقام تھا۔ خلافت میں اپنی جانشینی کے وقت فرمایا "اگر سالم زندہ ہوتا تو میں اسے خلیفہ بنا دیتا۔" اس طرح سیدنا ابو عبیدہؓ ابن الجراح کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا "اگر ابو عبیدہؓ زندہ ہوتا تو میں اسے خلیفہ نامزد کر دیتا۔

اپنے آپ پر دوسروں کو ترجیح دینا

ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں کہیں سے مالِ غنیمت آیا جس میں بہت سے قیمتی پارچہ جات تھے۔ آپ نے سب صحابۂ کرام کو لباس دیا۔ ایک قیمتی حلہ بچ گیا تو آپ نے صحابہ سے کہا۔ "کسی ایسے نوجوان کی نشان دہی کرو جس نے ہجرت کی ہو اور اس کے باپ نے بھی ہجرت کی ہو تاکہ میں یہ حلہ اسے دیدوں۔" لوگوں نے بلا توقف کہا "عبداللہ بن عمرؓ۔" آپ نے فرمایا "نہیں وہ تو اس کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ پھر آپ نے سلیط بن سلیطؓ کو حلہ عطا کر دیا۔

صحابۂ کرام نے جب عبداللہ بن عمرؓ کا نام پیش کیا تو بالکل بجا تھا کیونکہ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ نے ہجرت کی تھی اور حضرت عمرؓ نے بھی ہجرت کی تھی۔ حضرت عبداللہ کے تاریخ اسلام میں اور بھی بے شمار کارنامے تھے۔ انہوں نے چودہ سال کی عمر میں جنگِ احد میں دادِ شجاعت دی تھی۔ جو معیار حضرت عمرؓ نے پیش کیا تھا حضرت عبداللہؓ اس پر بدرجہ اتم پورے اترتے تھے مگر آپؓ حد درجہ

Marfat.com

محتاط اور عادل تھے۔ مسلمانوں کو اپنے آپ پر اور اپنی اولاد پر ترجیح دیتے تھے۔ آج ایسے لوگ کہاں مل سکتے ہیں!

دینِ اسلام کی وسیع الظرفی

دین آسانی کا داعی ہے۔ اس کا مقصد لوگوں کے لئے تنگی پیدا کرنا نہیں۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے وضو کرنا چاہا مگر کہیں سے پانی نہ مل سکا۔ ایک عیسائی عورت کے پاس پانی تھا آپ نے بلا کراہت اس کے گھڑے میں سے پانی لیا اور وضو کر لیا۔ اس نصرانی عورت پر امیر المومنین کے اس عمل کا بڑا مثبت اثر پڑا۔ اس نے سوچا کہ امیر المومنین نے اسے نصرانی ہونے کی وجہ سے نجس اور ناپاک نہیں سمجھا نہ اس کے بارے میں کوئی مذہبی تنگ نظری اور تعصب ہی دکھایا ہے۔

حضرت عمرؓ بعض شعبوں میں مسلمان افسروں کے ساتھ عیسائی اور یہودی افسروں کو بھی ذمہ داریاں سونپ دیا کرتے تھے۔ خصوصاً جبکہ اس خاص شعبے کے لئے مسلمانوں کے اندر موزوں افراد نہ مل سکتے ہوں۔ یہ عہدے عموماً مالیات کے شعبے میں ہوتے تھے البتہ انتظامی اور کلیدی مناصب پر مسلمانوں ہی کو متعین کیا جاتا تھا۔ صحیح مسلم میں ایک حدیث جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودی اور عیسائی ذمیوں سے سرکاری خدمات لی جا سکتی ہیں۔ حضرت عمرؓ نے ابو یزید طائی کو اپنی قوم کی صدقات اور زکوٰۃ وصول کرنے کی ذمہ داری سونپی تھی، حالانکہ وہ عیسائی تھا۔

جزیہ کی اصل حقیقت

جزیہ کے بارے میں بڑا غلط اور گمراہ کن پروپیگنڈا کیا جاتا ہے۔ جزیہ دراصل ذمیوں پر اسلامی حکومت کی طرف سے ایک ٹیکس ہے جس کی وصولی میں نرمی کا حکم ہے اور جس کے تعین میں بھی بڑی احتیاط برتی جاتی ہے۔ غیر مسلم

ذمیوں کی ضروریات پوری کرنا اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے۔ اگر وہ مفلس اور تنگ دست ہوں تو ان کی کفالت اسلامی حکومت بیت المال سے کرتی ہے۔ ذمیوں پر سے اسلامی حکومت میں بہت سی ذمہ داریاں ساقط ہوتی ہیں۔ مثلاً ان کو فوجی خدمات سے مستثنیٰ قرار دیدیا جاتا ہے۔ اگر وہ رضا کارانہ طور پر اسلامی ریاست کی کوئی خدمت سرانجام دیں تو جزیہ بھی ساقط کر دیا جاتا ہے۔ اس طرح ان کی جان، عزت، مال جائیداد اور عبادت گاہوں کی حفاظت کی ذمہ داری اسلامی ریاست پر ہوتی ہے۔ حضرت عمرؓ جس طرح مسلمانوں کے حقوق کی ادائیگی میں کمربستہ رہتے تھے اسی طرح اپنی غیر مسلم رعایا کے بنیادی انسانی حقوق کا بڑا خیال رکھتے تھے۔ محتاجوں کا نہ صرف یہ کہ جزیہ معاف فرما دیتے تھے بلکہ بیت المال سے ان کے وظیفے بھی لگا دیا کرتے تھے۔ ایسے کئی واقعات تاریخ کے سینے میں محفوظ ہیں۔

حضرت علیؓ نے بھی اپنے دور میں حضرت عمرؓ کی اعلیٰ مثال کی پوری پابندی کی۔ عبدالملک بن عمر کہتے ہیں کہ بنو ثقیف کے ایک شخص نے ان کو بتایا کہ حضرت علیؓ نے اسے عامل بنا کر کسی علاقے میں بھیجا اور روانہ کرتے وقت حکم دیا "کسی ذمی کو ایک درہم کی وصولی کے لئے ہرگز کبھی کوڑا نہ مارنا۔ نہ ان کا غلہ اور رزق فروخت کرنا۔ نہ ان کے سردیوں اور گرمیوں کے کپڑے نیلام کرنا اور نہ ان کے سواری اور کھیتی باڑی کے جانور ضبط کرنا بلکہ درہم کی وصولی کے لئے کسی شخص کو کھڑا رہنے کی سزا مت دینا۔ "میں نے عرض کیا" امیر المومنین پھر تو میں اسی طرح خالی ہاتھ آپ کے پاس آجاؤں گا جس طرح خالی ہاتھ جا رہا ہوں" آپ نے فرمایا "تیرا بھلا ہو ہم ان پر ظلم کرنے کے مجاز نہیں ہیں۔ ہم انہیں ضروریاتِ زندگی سے محروم کر کے جزیہ وصول نہیں کر سکتے۔ اگر ان کے پاس ضرورت سے زائد مال ہو گا تو ہمیں جزیہ وصول کرنے کا حق ہے۔ تم خالی ہاتھ آجاؤ تو اسکی فکر نہیں مگر ظلم کے ساتھ رقم وصول کرنیکی ہرگز اجازت نہیں۔"

مسلمان دنیا کی کئی حکومتوں کے تحت اقلیت کی حیثیت سے زندگی گزار رہے ہیں۔ انہیں ان حقوق کا لاکھواں حصہ بھی میسر نہیں جو حقوق ایک اسلامی

ریاست میں غیر مسلم رعایا کو حاصل ہوتے ہیں۔ ان کی بات بات پر توہین کی جاتی ہے' ان کا قتلِ عام ہوتا ہے اور ان کی فریاد رسی کی بجائے انہیں کے خلاف تفتیش اور مقدمے بنائے جاتے ہیں اگر ہم ان مسلمانوں کے بنیادی حقوق کے لئے محض تمنا اور آرزو کا سہارا لیں تو یہ تمنا ان کے کسی کام نہ آسکے گی۔ ان کے مسائل کا حل یہ ہے کہ ملتِ اسلامیہ قوت حاصل کرے یہ دنیا قوت کا احترام کرتی ہے۔ اگر دنیا کے کسی خطے میں کوئی مصیبت نازل ہو جائے یا کہیں کوئی حصہ آبادی کسی ظلم و ستم کا شکار ہو جائے تو پوری غیر مسلم دنیا اور اس کے ذرائع ابلاغ زمین و آسمان سر پر اٹھا لیتے ہیں مگر ظلم و ستم یا قحط و بھوک کا شکار ہونے والے مسلمان ہوں تو یہ ذرائع ابلاغ چپ سادھ لیتے ہیں گویا کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ مغربی ملکوں میں پٹرول کی کمی کی وجہ سے اگر اتوار کے روز ٹریفک رک جائے تو صحافت میں طوفان آجاتا ہے مگر مسلمان ظلم کے شکنجے میں جکڑ دیئے جائیں یا ہر قسم کے حقوق سے محروم ہو جائیں تو اس کا کوئی نوٹس نہیں لیا جاتا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ کسی اخبار کے اندر کے کسی صفحے پر دو سطری خبر چھپ جاتی ہے۔

حدود اللہ جاری کرنے کے آداب

حضرت عمرؓ کے بارے میں اس سے پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے کہ وہ حدود اللہ کے قیام کے سلسلے میں کبھی مداہنت یا تساہل نہ برتتے تھے حدود نافذ کرنے میں حضرت عمرؓ عدل و انصاف اور رحم دلی و نرمی ہر چیز کو ملحوظ فرماتے تھے۔ مختلف لوگوں کی طبیعتیں اور مزاج مختلف ہوتے ہیں۔ کوئی نرم دل ہوتا ہے تو کوئی سنگدل۔ حدود جاری کرنے والے لوگوں کے اختلاف طبع کی وجہ سے ایسا ہو سکتا ہے کہ کبھی کوئی شخص ایک جرم پر سخت عقوبت میں مبتلا ہو جائے اور کوئی دوسرا شخص اسی جرم میں معمولی سزا پائے حالانکہ ظاہری طور پر جرم میں اور سزا میں کوئی تفاوت نہیں ہوتا۔ اس وجہ سے حضرت عمرؓ اپنے ججوں اور حدود نافذ کرنے والے ذمہ داران کو مسلسل بتاتے رہتے تھے کہ حد جاری کرتے وقت کیا آداب وحدود ملحوظ رکھنے چاہئیں' حدود اللہ بندوں کے لئے باعثِ رحمت ہوتی ہیں نہ کہ باعثِ عذاب اگر کوئی جج یا حاکم سزا دینے میں بے احتیاطی برتتا ہے

Marfat.com

تو اسے اپنا معاملہ ایک دن اس عدالت میں کھڑے ہو کر نپٹانا پڑے گا جہاں علیم و خبیر اور عادل ہستی فیصلے صادر کرے گی۔ عوفؓ بن جابر ازدی بیان کرتے ہیں کہ "ہم مسجد میں بیٹھے تھے۔ جب حضرت عمرؓ ہمارے پاس شام تشریف لائے تو آپ نے خطاب فرمایا اور کہا "کسی حد جاری کرنے والے یا کوڑے مارنے والے شخص کے لئے جائز نہیں کہ وہ کوڑا مارتے وقت اپنا ہاتھ اتنا اٹھائے جس سے اسکی بغل نظر آنے لگے۔"

دینِ اسلام کی بنیاد ہی نرم دلی اور رحمت ہے۔ ہر معاملے میں یہ چیز ملحوظ رکھی جاتی ہے۔ سختی اور ظلم کا خاتمہ اس دین کا مقصدِ اولین ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو نرمی سے محروم ہے وہ بھلائی اور خیر سے تہی دامن ہے۔" ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہے "جسے نرم دلی سے حصہ مل گیا اس نے خیرو بھلائی سے وافر حصہ پالیا۔

مقدمات کے فیصلے اور انصاف کے تقاضے

حاکم اور رعایا اور رعایا کے مختلف طبقات کے درمیان ایک دوسرے کے بارے میں اچھی رائے اور باہمی اعتماد کا فقدان بہت بڑی مصیبت کے مترادف ہوتا ہے۔ جس معاشرے کے افراد ایک دوسرے سے بد ظن ہوں اور کوئی بھی دوسرے کے ہاتھوں اپنے آپکو محفوظ و مامون نہ سمجھے اس معاشرے کی بد بختی میں کیا کسر باقی رہ جاتی ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "سب سے بدتر قوم وہ ہے جس میں مومن آپس میں ایک دوسرے پر اعتماد کرنے کی بجائے بد اعتمادی اور عدمِ اطمینان کا شکار ہوں۔"

ارضی وسماوی ہر قانون میں ایک بنیادی اصول مسلّم ہے کہ کوئی بھی فیصلہ اس وقت تک صادر نہ کیا جائے جب تک طرفین کی بات پوری طرح نہ سن لی جائے۔ شریعت اسلامیہ میں جب معاملہ مشتبہ ہو جائے تو حد جاری نہیں کی جاسکتی۔ ایک حدیث کی تاویل میں فقہا اور مسلم ماہرین قانون نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ شک کا فائدہ ملزم کو دیا جائے۔ ایک جانب یہ عظیم اصول کار فرما ہیں اور دوسری جانب بدقسمتی سے مسلمان ممالک کے حکمرانوں نے دورِ

Marfat.com

انحطاط میں ان اصولوں کی دھجیاں بکھیر دی ہیں۔ کیا بلندی تھی اور اب کیا پستی ہے! شکوک و شبہات کو بنیاد بنا کر اپنے مخالفین کو فوری اور ناقابلِ برداشت سزائیں سنا دینے کی ایسی ریت چلی ہے کہ خدا کی پناہ۔ استغاثہ کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ الزام کا ثبوت پیش کرے مگر ہمارے ممالک میں اس اصول کو الٹ دیا گیا کہ ملزم اپنی بے گناہی ثابت کرے۔ اگر ملزم اس سکھا شاہی نظام میں اپنی بے گناہی ثابت کر بھی دے تو ضروری نہیں کہ عقوبت سے بچ نکلے کیونکہ انصاف کا گلا گھونٹنے والوں سے انصاف کی توقع عبث ہے۔

ام المومنین صفیہؓ کی عظمتِ شان

ام المومنین صفیہ بنت حیّ بن اخطب رضی اللہ عنہا بہت عاقل و فاضل اور نہایت حلیم الطبع خاتون تھیں۔ ان کی ایک کنیز ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کی خدمت میں آئی اور شکایت کی کہ حضرت صفیہ سبت سے بہت محبت کرتی ہیں اور یہودیوں سے راہ و رسم رکھتی ہیں۔ حضرت عمرؓ نے ام المومنین صفیہؓ سے اس بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا "جب سے اللہ تعالیٰ نے مجھے اسلام کی دولت سے نوازا ہے اور سبت کی جگہ مجھے جمعہ کا مبارک دن عطا کیا ہے میں نے یومِ سبت کو کبھی محبوب نہیں جانا رہا یہود کا معاملہ تو چونکہ وہ میرے رشتے دار ہیں اس لئے میں ان سے صلہ رحمی کرتی ہوں۔"

حضرت صفیہؓ نے بعد میں اس کنیز سے پوچھا "تجھے کس چیز نے یہ شکایت کرنے پر ابھارا تھا؟" اس نے جواب دیا "شیطان نے۔" آپؓ نے اس کا جواب سنکر فرمایا جا میں نے تجھے آزاد کر دیا ہے۔" یہ اتہام خاصا خطرناک تھا کیونکہ اس میں دینِ اسلام سے وابستگی اور عقیدے کی پختگی کو مشکوک بنانے کی کوشش کی گئی تھی مگر ایسی صورتِ حال میں بھی تحقیق کے بغیر کوئی رائے قائم کرنا اور فیصلہ صادر کرنا اسلامی روح کے خلاف ہے۔

اس واقعہ سے بہت سے سبق حاصل ہوتے ہیں۔ ام المومنین صفیہؓ ملت اسلامیہ کی عالی مقام اور جلیل القدر خاتون تھیں مگر شریعت نے تحقیق کا جو

Marfat.com

حکم دیا ہے اسکی حکمت سے وہ بخوبی واقف تھیں اس لئے استفسار پر انہوں نے برا منانے کی بجائے حقیقتِ حال واضح کر دی۔ اسی طرح یہ بھی معلوم ہوا کہ مسلمان کی بنیادی صفت عفوو کرم ہے۔ چنانچہ حضرت صفیہؓ نے اتہام لگانے والی کنیز کو نہ صرف معاف کر دیا بلکہ اس پر احسان کرتے ہوئے اسے آزادی بھی عطا فرما دی۔ اسلام اپنے پیرو کاروں کو صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے اور اس صلہ رحمی کے صرف مسلمان رشتہ دار ہی مستفید نہیں ہوتے بلکہ غیر مسلموں کے لئے بھی یہ چشمۂ صافی جاری رہتا ہے۔ غیر مسلموں کا یہ وتیرہ رہا ہے کہ اگر ان کے خاندان کا کوئی ایک فرد اپنا مذہب چھوڑ کر اسلام میں داخل ہو جائے تو وہ اس کا مکمل طور پر بائیکاٹ کر دیتے ہیں اور اسکی جان کے دشمن بن جاتے ہیں مگر جواب میں بندۂ مسلمان صلہ رحمی کا مظاہرہ کرتا رہتا ہے۔ حضرت صفیہؓ بھی اپنے غیر مسلم رشتہ داروں سے صلہ رحمی کا معاملہ کرتی تھیں۔

بچوں کی تربیت ایک نازک ذمہ داری

ہماری تمنا ہے کہ ہمارے دور کے مسلمان حکمران زندگی کے ہر پہلو پر خصوصی توجہ دیں۔ بچوں کی تربیت زندگی کا اہم ترین شعبہ ہے۔ بچوں کو پیار، محبت اور توجہ کے ساتھ اپنے قریب لایا جائے اور انہیں سمجھایا جائے کہ اپنے بزرگوں کے ساتھ کس طرح برتاؤ کرنا چاہئے تو آنے والی نسلیں بہتر نمونہ پیش کر سکتی ہیں۔ سربراہانِ مملکت اپنی شان سے فروتر سمجھتے ہیں کہ بچوں کے ساتھ بات چیت کریں مگر یہ ان کی کم فہمی ہے۔

بچے گلی کوچوں میں فٹ بال، کرکٹ، ہاکی اور ہر قسم کے کھیلوں میں مصروف رہتے ہیں۔ کھیل بچوں کے لئے ضروری ہے مگر اسکی جگہ گلی کوچے نہیں ہیں۔ گلی کوچوں سے گزرنے والوں کو ناقابلِ بیان زحمت کا سامنا کرنا پڑتا ہے کیونکہ بچوں کی ہڑبونگ کے درمیان سے گزرتے ہوئے اپنی پگڑی بچانا بھی مشکل ہوتا ہے۔ بچے کبھی نچلے نہیں بیٹھ سکتے انہیں ہر لمحے کوئی نہ کوئی حرکت درکار ہوتی ہے۔ ان کی روح ان کے جسم سے کہیں زیادہ بڑی اور طاقتور ہوتی ہے۔ یہ روح ان کے جسم میں برقی رو دوڑاتی رہتی ہے۔ اگر انہیں ان کے حال

Marfat.com

پر چھوڑ دیا جائے تو وہ بے قابو ہو جاتے ہیں۔ انہیں حدود کا پابند بنانے کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ حدود کی یہ پابندی سختی سے ممکن نہیں۔ اس کے لئے اپنائیت ضروری ہے۔ اپنائیت کے ساتھ کبھی کبھار سختی بھی کرلی جائے تو بچے اسے ہضم کر لیتے ہیں۔ حضرت عمرؓ اپنی ہیبت و جلال کے باوجود بچوں کے ساتھ بے تکلفی سے گھل مل جایا کرتے تھے۔ ان سے ہنسی مذاق بھی کرتے اور ان کے کھیل میں بھی دلچسپی دکھاتے تھے۔

حضرت عمرؓ کا بچوں سے حسنِ سلوک

سنان بن مسلمہ بن الحق ھذلی تابعی تھے۔ ان کی روایت ہے کہ وہ مدینہ کے دیگر چھوکروں کے ساتھ ایک باغ میں کھجوریں چن رہے تھے۔ اچانک حضرت عمرؓ تشریف لائے۔ بچوں نے انہیں دیکھا تو ادھر ادھر بھاگ گئے مگر میں اپنی جگہ پر جما رہا۔ میری جھولی میں کھجوریں تھیں۔ یہ کھجوریں جو پوری طرح پکنے سے قبل کسی وجہ سے نیچے گر پڑتی ہیں انہیں خلال کہا جاتا ہے۔ حضرت عمرؓ میرے پاس آئے تو پوچھا "کیا تم کھجوریں چرا رہے تھے؟" میں نے عرض کیا "نہیں امیر المومنین یہ ہوا اور آندھی کی وجہ سے نیچے گری پڑی تھیں۔ ہم نے چن لی ہیں۔" فرمایا "اچھا مجھے دکھاؤ۔" میں نے کھجوریں دکھائیں تو دیکھ کر فرمایا "تو نے سچ کہا۔" باقی لڑکے اپنی کھجوریں ادھر ادھر پھینک کر بھاگ گئے تھے۔ میں نے عرض کیا "امیر المومنین اگر میں یہاں سے باہر نکلوں گا تو لڑکے مجھ سے چھینا جھپٹی کریں گے۔" یہ سن کر آپ میرے ساتھ چل پڑے اور مجھے میرے گھر پہنچا کر رخصت ہوئے۔"

اس ایمان افروز واقعہ سے آپ بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کی سیرت میں کتنے عظیم الشان دروس پائے جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ بچوں نے اپنے ساتھی سے ساری روداد سنی ہوگی تو انہیں احساس ہوا ہوگا کہ امیر المومنین کس قدر پیاری شخصیت کے مالک ہیں۔ حضرت عمرؓ کے یہ واقعات اس قدر عام اور معروف ہیں کہ ہر شخص ان سے باخبر ہے۔ جب کبھی حکمرانوں سے کہا جائے کہ انہیں اس اسوۂ حسنہ کی پیروی کرنی چاہئے تو وہ عذرِ لنگ پیش کرتے ہیں کہ

حضرت عمرؓ تو ایک مختصر سے معاشرے کے درمیان رہتے تھے اس لئے وہ ان باتوں کا اہتمام کر سکتے تھے مگر یہ دلیل بڑی کمزور ہے کیونکہ آج کے حکمرانوں کے پاس جو ذرائع و وسائل ہیں وہ حضرت عمرؓ کے دور میں کہاں میسر تھے؟

حضرت عمر اور بوڑھا راہب

میں حضرت عمرؓ کی عظمتوں کو سلام کرتا ہوں۔ رحمت و شفقت ان کا امتیازی وصف تھا۔ وہ نہ صرف مسلم رعیت کے لئے سراپا رافت و محبت تھے بلکہ غیر مسلم رعایا کے لئے بھی ان کا دل ہر وقت دھڑکتا رہتا تھا۔ وہ ان کی دنیوی بھلائی کے علاوہ ان کی اخروی نجات کے لئے بھی تڑپتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ شام تشریف لے گئے۔ ایک بوڑھا راہب ان سے ملنے کے لئے آیا۔ اس نے پوری زندگی گرجا گھر میں گزاری تھی۔ بڑھاپے کی وجہ سے اس کا جسم کمزور ہو چکا تھا اور اسکی حالت بڑی ناگفتہ بہ تھی۔ حضرت عمرؓ نے اسے دیکھا تو آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ کسی نے ان سے رونے کی وجہ پوچھی تو فرمایا "یہ مسکین آدمی زندگی بھر نجات کے لئے ہاتھ پاؤں مارتا رہا ہے مگر ہدایت سے محرومی کی وجہ سے اسکی زندگی نجات سے محروم ہے۔ یہ اللہ کے ہاں جائے گا تو اسکے لئے وہاں سوائے مایوسیوں کے کچھ نہ ہو گا۔ یہ کتنی حسرت اور افسوس کی بات ہے۔" اسکے بعد آپؓ نے قرآن مجید کی سورہ غاشیہ کی آیت ۲ سے آیت ۴ تک تلاوت کی "کچھ چہرے اس روز خوف زدہ ہوں گے، سخت مشقت میں مبتلا ہوں گے، تھکے جاتے ہوں گے۔ شدید آگ میں جھلس رہے ہوں گے۔"

رحم دلی نعمتِ عظمٰی

رحم دلی ایک عظیم نعمت ہے۔ وہ دل سعادت مند ہے جس میں رحمت موجود ہو۔ اگر ہم مسلمان حکمران اور عوام اس رحم دلی سے کچھ حصہ پا لیں تو ہماری زندگیاں بدل جائیں اور عالم اسلام کی سعادتوں میں بے پناہ اضافہ

Marfat.com

ہوجائے۔ رحم کرنے والوں پر رحمان بھی مہربان ہوتا ہے۔ زمین والوں پر جو رحم کرے آسمان والا بھی اسے اپنی رحمت سے ڈھانپ لیتا ہے۔ جس دل میں رحم نہیں وہ بدبخت اور شقی ہے۔ اگر دل پتھرا جائیں تو زندگی ہر خیر سے خالی ہوجاتی ہے۔ آنکھوں سے شرم وحیا بھی رخصت ہوجاتی ہے اور گناہوں کو دھونے والے آنسو بھی خشک ہوجاتے ہیں۔ احساس مردہ ہوجاتا ہے اور رقتِ قلب عنقا ہوجاتی ہے۔ ایسے معاشرے میں کیا کشش باقی رہ جاتی ہے جس کے باسیوں کے دل بنجر ہوجائیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "بدبختی کی چار علامات ہیں (۱) آنکھوں کا آنسوؤں سے محروم ہوجانا۔ (۲) دل کا پتھر ہوجانا۔ (۳) آرزوؤں کا بڑھتے چلے جانا اور (۴) دنیا کی حرص میں مبتلا ہوجانا۔

دور اندیش حکمران

حضرت عمرؓ بڑے عقل مند اور زیرک حکمران تھے۔ وہ اپنے دور ہی کے لئے نہیں سوچتے تھے بلکہ مستقبل کے اوپر بھی ان کی نظر رہتی تھی۔ انہوں نے اپنے دور میں دیکھا کہ مسلمانوں کی جزیرہ عرب میں مالی حالت خستہ تھی۔ علاقہ خشک اور بنجر تھا۔ پیداوار بہت کم ہوتی تھی۔ غذائی ضروریات پوری کرنے کیلئے دوسرے علاقوں سے غلہ منگوایا جاتا تھا۔ مواصلات کی صعوبتوں کے سبب بارہا وہ غلہ بروقت نہ پہنچ سکتا تھا۔ زراعت موسمی حالات کی وجہ سے زیادہ نفع بخش نہ تھی۔ آپ نے ایک مرتبہ لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا "ممکن ہے حالات مزید سخت ہوجائیں۔ لوگوں کو چاہیئے کہ " زراعت کے علاوہ دیگر ہنر بھی سیکھیں۔

حضرت عمرؓ نے صدیوں پہلے امت کو یہ ہدایت کی تھی کہ وہ اپنے ہاتھ اور ذہن کو استعمال کریں اور صنعت کی طرف توجہ دیں۔ صنعت وحرفت میں ترقی سے ہی قومیں عروج پاتی ہیں اور حضرت عمرؓ نے مختصر الفاظ میں وہ اصول پیش کئے جن کے مقابلے میں مجلّات بھی ہیچ ہیں۔ ہمارے اسلاف صالحین سے ہم تک جو قیمتی افکار منتقل ہوئے ہیں اگر ہم ان کی قدر پہچانیں تو ہماری تقدیر بدل

جائے۔ یہ قیمتی افکار ہمارے مخالفین نے اپنا لئے ' ان کو استعمال کیا اور بام عروج پر پہنچ گئے۔ یہی نہیں بلکہ انہی افکار کو انہوں نے اپنے نام سے بھی منسوب کرلیا۔ ہم سنتے ہیں کہ ہمارے تعلیم یافتہ مسلمان بھائی کہتے ہیں "فلاں اصول...... یہ مسٹر فلاں کے ذہن رسا کی اختراع ہے۔ فلاں قاعدہ...... یہ موسیو فلاں نے دنیا کو بتایا۔" ہم اپنے رب کو بھول گئے ہیں اس لئے مخلوق پر انحصار کرتے ہیں۔ انحصار کے قابل صرف خالق ہے۔

حضرت عمرؓ اور فنِ تعمیرات

فنِ تعمیرات موجودہ دور کے اہم ترین فنون میں سے ہے۔ حضرت عمرؓ کو اس فن میں سبقت کا امتیاز حاصل ہے۔ شہروں کی منصوبہ بندی کا جو تصور حضرت عمرؓ نے دیا تھا وہ آج تک اپنی مثال آپ ہے۔ منصوبہ بندی کا مقصد اہالیان شہر کو سہولیات مہیا کرنا ہوتا ہے۔ حفظانِ صحت ' ہوا ' دھوپ ہر چیز کا خیال رکھنا منصوبہ بندوں کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ حضرت عمرؓ نے پوری خلافتِ اسلامیہ میں اپنے عمال کو خط لکھا اور حکم دیا "اپنی عمارتوں کو منزل در منزل بلند نہ کرنا۔ تمہارے بدترین ایام وہ ہوں گے جب تم بلند عمارتیں بنانے لگو گے جن سے لوگ دھوپ اور ہوا سے محروم ہو جائیں گے۔"

حضرت عمرؓ نے نہ کسی میڈیکل کالج میں تعلیم حاصل کی تھی اور نہ کسی انجینئرنگ یونیورسٹی کی ڈگری یا ڈپلومہ ان کے پاس تھا۔ آپ نے اپنی خداداد قابلیت اور نورِ ایمانی کی بدولت دیکھ لیا تھا کہ فلک شگاف عمارتوں اور گنجان آباد شہروں کی وجہ سے انسانیت کرب و اذیت میں مبتلا ہو جائے گی۔ آپ آج کے حالات دیکھ لیں۔ ایک جانب فلک بوس عمارتیں ہیں دوسری جانب کارخانوں کا دھواں اور گیس ہے ' تیسری جانب ایٹمی تاب کاری کے مہلک اثرات اور زہریلی گیسیں ہیں۔ یہ سب چیزیں انسانیت کی صحت ' سکون اور سلامتی کے لئے چیلنج ہیں۔ چھوٹے چھوٹے شہر اور نیچی چھت والے مکانات ماحول کو صاف رکھنے اور حفظانِ صحت کے اصولوں کی پابندی کرنے میں ممد و معاون ثابت ہوتے ہیں۔

Marfat.com

لایعنی بحثوں سے اجتناب

حضرت عمرؓ فضول کاموں اور لغو مشغلوں کو ہرگز پسند نہ کرتے تھے۔ آپ ہر اس کام کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے جو مفید اور نتیجہ خیز ہو جبکہ لایعنی افعال پر سرزنش فرمایا کرتے تھے۔ مسلمان کی زندگی بامقصد ہے۔ اس کا کوئی لمحہ بھی بلامقصد نہیں گزرنا چاہئے حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا کہ عراق سے ایک شخص مدینہ آیا ہے جو قرآن مجید کے متشابہات کے بارے میں سوال جواب کی محفلیں سجاتا ہے اور لوگوں کے ذہن ان مباحث کے نتیجے میں پراگندہ ہو رہے ہیں۔ آپ نے اسے منع کیا مگر اس نے اپنا مشغلہ جاری رکھا۔ حضرت عمرؓ نے اسے اپنے پاس بلایا۔ آپ نے کھجور کی دو تازہ چھڑیاں تیار کر لیں۔ وہ آیا تو آپ نے پوچھا "تم کون ہو؟" اس نے کہا "میں اللہ کا بندہ ہوں اور میرا نام صبیغ بن عسل ہے آپ نے فرمایا "میں اللہ کا بندہ عمر بن خطاب ہوں۔" پھر چھڑی اٹھائی اور اسکی خوب مرمت کی۔ اس نے مار کھانے کے بعد کہا "امیر المومنین اب بس کیجئے۔ میرے سر میں جو خناس تھا اب نکل گیا ہے۔ میں اب ایسی حرکت نہیں کروں گا۔ آپ نے اسے مدینہ سے جلا وطن کر کے بصرہ بھیج دیا۔

ترقی پسند یا ایمان کے ڈاکو؟

آج امتِ مُسلمہ کا حال ملاحظہ کیجئے۔ آزادیٔ فکر کے نام پر کئی نام نہاد منکرین لوگوں کے ایمان و عقیدہ پر ڈاکے ڈال رہے ہیں۔ یہ چبا چبا کر باتیں کرنے والے فلاسفر اور ادبا بڑی عیاری سے ہماری ایمانی بنیادوں کو کھوکھلا کر رہے ہیں۔ ایسے ایسے مباحث میں نوجوانوں کو الجھاتے ہیں جن سے ان کا ایمان متزلزل ہو جائے۔ ان لوگوں کو کھلی چھٹی ہے۔ نہ ان پر قدغن ہے نہ ان کی ہرزہ سرائی پر پابندی' یہ صورتِ حال اللہ کے عذاب کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔

بعض نام نہاد ترقی پسند اور متجدِّدین صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر زبان طعن دراز کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض کے بارے میں کہا

جاتا ہے کہ انہیں مرگی کی بیماری تھی۔ بعض کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان کے دماغ میں خلل تھا یا ان کی سمجھ ناقص تھی۔ یہ اپنی مغربی تہذیب اور مادہ پرستانہ تصورات کے غلام صحابۂ کرام پر الزام تراشیاں کرتے ہیں۔ حقیقت میں یہ احمق اور بیوقوف ہیں۔ ان احمقوں کی زبان درازیوں کا نوٹس لینے والا کوئی نہیں۔ مسلم حکمرانوں پر غفلت اور بے حسی طاری ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم ان کی نظروں سے پوشیدہ ہے۔ آپؐ نے فرمایا تھا "اپنے درمیان احمقوں کو کھلی چھٹی نہ دیدینا بلکہ ان کا ہاتھ پکڑ لینا۔ اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ اسلام کے اولین جاں نثاروں پر الزام تراشی سے بڑی حماقت اور کیا ہو سکتی ہے ؟۔

اسلام اپنے پیروکاروں کے ہر عمل میں حسن دیکھنا چاہتا ہے۔ اسے پھوہڑ پن اور برائی سے نفرت ہے۔ برائی سے محض خود بچنا ہی کافی نہیں بلکہ برائی کو روکنا اور بھلائی کو فروغ دینا مسلمان کا فرض ہے۔ جو شخص خود نیک ہو مگر معاشرے کی برائیوں پر فکر نہ کرے وہ دیگر لوگوں کے ساتھ ہی تباہ ہو جائے گا۔ ایک مرتبہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انصار صحابیہ سے فرمایا "جب زمین میں برائی پھیل جائے اور اس پر کوئی ٹوکنے والا نہ ہو تو اللہ تعالیٰ زمین پر عذاب نازل کر دیتا ہے۔" اس عورت نے پوچھا "اگرچہ اس معاشرے میں نیک لوگ بھی موجود ہوں ؟" فرمایا "ہاں اگرچہ نیک لوگ بھی موجود ہوں۔ وہ نیک لوگ بھی اس عذاب میں دیگر لوگوں کے ساتھ مبتلا ہو جائیں گے پھر اللہ تعالیٰ ان صالحین کی مغفرت فرمادے گا مگر دنیا میں اس کے ساتھ وہی کچھ ہو گا جو عامتہ الناس کے ساتھ ہو گا۔

ایک دلچسپ واقعہ

عربوں کی طبیعت میں فطرتاً سختی اور مزاج میں شدت پائی جاتی تھی۔ اس شدت کا علاج آسان کام نہیں تھا۔ حضرت عمرؓ نے سربراہِ مملکت کی حیثیت سے بڑے حلم اور بردباری کے ساتھ لوگوں کا علاج کیا۔ برائی کا جواب بھلائی سے دیتے تھے اور سختی کے مقابلے پر بردباری اور نرمی کا مظاہرہ فرماتے تھے حارث بن وجرہ اموی ایک لمبے تڑنگے شخص تھے اور مزاج میں حد درجہ اکھڑ پن

Marfat.com

تھا۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ نے سورہ منافقون کی تلاوت کی۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے منافقوں کے بارے میں کہا ہے کہ "گویا لکڑی کے کندے ہیں جو دیوار کے ساتھ چن کر رکھ دیئے گئے ہوں۔" حارث نے یہ آیت سنی تو تلملایا نماز کے بعد غصے سے کہا "اے ابن خطاب تم نے نماز میں میرا مذاق اڑایا ہے۔ بخدا میں اب تمہارے پیچھے کبھی نماز نہیں پڑھوں گا۔

اس اکھڑپن اور بے علمی کے جواب میں حضرت عمرؓ نے خاموشی اختیار کرلی۔ اور ایسے مواقع پر خاموشی ہی بہترین جواب ہوتا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ حضرت عمرؓ کبھی کبھار غصے کا اظہار بھی کیا کرتے تھے مگر وہ غصہ بھی برموقع ہوتا تھا۔ اسلامی ریاست کے بارے میں غلط الزامات یا حدود اللہ کی تنفیذ کا معاملہ ہوتا تو حضرت عمرؓ کبھی تسامح یا مداہنت نہ برتتے تھے۔ عینیہ بن حصن ایک بدوی سردار تھے۔ ان کے مزاج میں بھی روایتی بدویانہ شدت پائی جاتی تھی۔ انہوں نے اپنے بھتیجے حربن قیس بن حسن سے کہا کہ انہیں حضرت عمرؓ کے پاس لے چلیں۔ جب خلیفۂ راشد کے ہاں پہنچے تو عینیہ نے چھوٹتے ہی کہا "تم بخیل ہو اور بیت المال میں گڑبڑ کرتے ہو، تقسیم غنائم میں بے انصافی برتتے ہو۔" یہ بالکل بے بنیاد اور جھوٹا الزام تھا۔ حضرت عمرؓ نہ بخیل تھے اور نہ بے انصاف بلکہ وہ تو عدل کے لئے ضرب المثل تھے آپ کو یہ اتہام سن کر سخت غصہ آیا اور اس اتہام پر عینیہ کو سزا مل سکتی تھی مگر حربن قیس نے موقع کی نزاکت کو بھانپ لیا اور فوراً قرآن مجید کی آیت پڑھی "واعرض عن الجاھلین۔" یہ آیت سن کر حضرت عمرؓ نے فوراً اپنا غصہ پی لیا اور بالکل ٹھنڈے ہوگئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے حرکات وسکنات قرآن کی تعلیمات کے عین مطابق تھے گویا ان کا اخلاق اور سیرت ہی قرآن تھا۔ اے کاش ہمیں بھی اس کی توفیق اور سعادت مل جائے!۔

اچھی نصیحت قبول کرنی چاہیئے

ناصح کی بات سنکر غور کرتے اور اچھی نصیحت پر ناصحین کا شکریہ ادا کرتے

تھے۔ آپکی مجلس میں ہر شخص حریت سے بات کر سکتا تھا۔ نصیحت کرنے والوں کو کبھی شرمساری یا سبکی کا احساس نہ ہونے دیا جاتا تھا ایک مرتبہ آپ کی مجلس میں کچھ حضرات بیٹھے تھے۔ آپ نے بو محسوس کی اور کہا "میرا ارادہ ہے کہ جس شخص کا وضو ٹوٹا ہے اسے حکم دوں کہ اٹھے اور وضو کر کے آئے۔" حضرت عبداللہ بن جریرؓ نے فوراً عرض کیا "امیر المومنین بہتر یہ ہے کہ ہم سبھی تجدید وضو کر لیں۔ لہٰذا آپ سب کو حکم دے دیں۔" یہ بہت اچھی نصیحت تھی کیونکہ مجلس کے سامنے اس شخص کا راز فاش ہو جانیکی بجائے بہتر یہی تھا کہ اسکی پردہ پوشی کی جاتی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے فرمایا "چلو سبھی وضو کریں۔" پھر کہا۔ "اے عبداللہ خدا تیرا بھلا کرے تو زمانۂ جاہلیت میں بھی سردار تھا اور اسلام میں بھی سردار ہے۔"

عمرؓ انسانی نفسیات سے باخبر تھے

حضرت عمرؓ انسانوں کی نفسیات سے باخبر تھے۔ آپ اہلِ ہنر و فن کی قدر کیا کرتے تھے۔ اسلام انسان کی صلاحیتوں کو اجاگر کرتا ہے اور انہیں پروان چڑھا کر اسے انسانِ کامل بناتا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ حج کے لئے نکلے۔ اس قافلہ حجاج میں ابو عبیدہؓ ابن الجراحؓ، عبدالرحمٰنؓ بن عوفؓ اور دیگر اعلیٰ مقام صحابہ شامل تھے۔ حضرت خواتؓ بن جبیر انصاری بھی ساتھ تھے۔ ان کی آواز بہت اچھی تھی۔ کچھ صحابہ نے حضرت خواتؓ سے فرمائش کی کہ ضرار کے شعر سنائیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا "نہیں بلکہ ابو عبداللہ (خوات بن جبیر) کو اپنے ہی شعر سنانے دو۔" حضرت خواتؓ نے اپنے شعر پڑھنے شروع کئے تو سحری تک پڑھتے رہے اور لوگ سنتے رہے۔ سحری کے وقت حضرت عمرؓ نے ان سے کہا کہ شعر بس کریں تاکہ لوگ نوافل اور نماز کی تیاری کر سکیں۔

کسی فن کار کے لئے خصوصاً جبکہ وہ خود شاعر ہو دوسرے شاعر کا کلام سنانے کی بجائے اپنا کلام پیش کرنے میں زیادہ کشش ہوتی ہے۔ حضرت عمرؓ

Marfat.com

نے جناب خوات کی تکریم بھی فرمائی اور لوگوں کو ایک اہم نفسیاتی نکتہ بھی سمجھا دیا۔

اسلام کا رہبانیت سے کوئی تعلق نہیں

اس واقعہ سے بظاہر یہ اشکال سامنے آتا ہے کہ سیدنا عمرؓ کیسے رات بھر شعری نغمات سنتے رہے خصوصاً جبکہ سفر بھی حج کا تھا۔ اس میں تعجب کی کوئی بات بھی نہیں، دین اسلام روح اور جذبات کا پاس رکھتا ہے۔ اسلام نہ رہبانیت سکھاتا ہے نہ دنیا اور اسکی طیبات سے قطع تعلقی کی تعلیم دیتا ہے۔ جابرؓ بن سمرہؓ کی روایت ہے جس میں انہوں نے کہا "میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں سو سے زیادہ مرتبہ حاضری کا شرف حاصل کیا۔ آنحضور کے صحابہ مسجد نبوی کے اندر شعر گنگنایا کرتے تھے۔ اور زمانۂ جاہلیت کی بعض باتیں جن کے اندر حکمت و دانش ہوتی تھی بیان کیا کرتے تھے حضورِ اکرمؐ نے نہ کبھی ناگواری کا اظہار کیا نہ صحابہ کو اس سے منع فرمایا بلکہ کبھی کبھار تو آپ سن کر تبسم فرمایا کرتے تھے۔

سیدہ عائشہ صدیقہؓ کہا کرتی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب انسانوں سے زیادہ نرم دل اور سب سے زیادہ سخی تھے۔ آپ انسان تھے اور ہنستے مسکراتے تھے۔ اسلام نے اگر تہذیب و تمدن اور سماج و معاشرت کے لئے وسعتِ نظر کا مظاہرہ نہ کیا ہوتا تو اسکی نشر و اشاعت میں بے شمار رکاوٹیں پیدا ہو جاتیں۔ اسلام دینِ فطرت ہے اسی لئے یہ دین مختصر ترین وقت میں دنیا کے وسیع و عریض حصوں میں پھیل گیا تھا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ عالیہ کے بارے میں سیدہ عائشہؓ مزید بیان کرتی ہیں کہ آپؐ حسنِ معاشرت کا مکمل نمونہ تھے، ہمیشہ خندہ پیشانی سے پیش آیا کرتے تھے۔ اپنے اہل و عیال کے ساتھ دل لگی اور تفریح کیا کرتے۔ خود بھی ہنستے اور انہیں بھی ہنساتے اور از حد محبت کیا کرتے تھے۔ آپؐ اکثر اپنی ساری ازواج کو عشاء کی نماز کے بعد ایک گھر میں (جہاں آپ کو وہ رات بسر کرنا ہوتی تھی) جمع کر لیا کرتے تھے اور سبھی مل کر رات کا کھانا کھاتے تھے۔ کھانے کے دوران میں بھی مزاح اور خوش طبعی کا مظاہرہ ہوتا تھا۔ کھانے کے بعد ساری ازواج اپنے اپنے

Marfat.com

حجروں میں چلی جاتی تھیں اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس بیوی کے ہاں مقیم ہوتے وہاں سو جایا کرتے تھے۔ سوتے وقت بھی آپ ایک چٹائی پر لیٹ جاتے اور اسی چٹائی پر آپ کی زوجہ محترمہ لیٹ جاتی تھیں۔ سونے سے قبل آپ اپنے اہل وعیال کے ساتھ مختصر سی گفتگو اور کبھی پندو نصیحت کرتے تھے۔

زیدؓ بن ثابتؓ آنحضورؐ کی مجلسِ مبارک کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ آپؐ اکثر آخرت کی یاد دہانی کرایا کرتے تھے مگر موقع محل کے مطابق دنیا کی باتیں بھی زیر بحث آجایا کرتی تھیں۔ لوگ کھانے پینے کے بارے میں کچھ کہتے تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس گفتگو میں حصہ لیا کرتے تھے۔ گویا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں زندگی اور زندہ دلی نظر آتی ہے۔ وہاں مردنی نہیں چھائی ہوتی تھی نہ لوگوں کے چہروں پر خوف وہراس ہی ہوتا تھا۔ اس مجلس میں گناہ ومعصیت اور بد اخلاقی کا گزر نہ ہو سکتا تھا۔ اسکے علاوہ وہ مجلس ہر قسم کی دل لگی کی متحمل تھی۔

گیت اور نغمے

گیت اور ترانے اور مترنم شعروشاعری جائز ہے بشرطیکہ اس میں کوئی غیر اخلاقی اور غیر اسلامی افکار نہ ہوں۔ حضرت عمرؓ نے سفرِ حج کے دوران رات بھر ایک صحابی سے اشعار سنے۔ اس سے قبل یہ بات گزر چکی ہے کہ سیدنا عمرؓ عشاء کے بعد مجالس اور محافل کی اجازت نہ دیا کرتے تھے اور اس اصول کی خلاف ورزی پر لوگوں کو سزا بھی دیا کرتے تھے۔ ممکن ہے آپ کے ذہن میں یہ خیال گزرے کہ حضرت عمرؓ کا اپنا یہ عمل ان کے سابقہ بیان شدہ موقف کے خلاف ہے مگر ایسا نہیں ہے۔ یہاں کوئی تضاد اور تناقض نہیں پایا جاتا کیونکہ سفر اور حضر میں صورت حال مختلف ہوتی ہے۔ سفر کے دوران میں اوقات کی تقسیم بھی حضر سے مختلف ہو جاتی ہے۔ مصلحتِ عام کے پیشِ نظر کسی چیز کو مباح قرار دیا جا سکتا ہے جو دیگر حالات میں مکروہ ٹھہرتی ہے۔ سفر کے دوران لوگ راتوں کو چلا کرتے تھے اور دن کو آرام کرتے تھے جبکہ مقیم کو اگلے دن کے فرائض کی ادائیگی کے لئے رات کو جلد سو جانا ضروری تھا۔

سرود و غنا کے بارے میں میری نظر سے مطالعہ کے دوران میں کچھ چیزیں گزری ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ یہاں اختصار کے ساتھ ان کا تذکرہ کر دوں۔ عامر بن سعد کا بیان ہے "میں قرظہ بن کعبؓ ثابت بن زیدؓ اور ابو سعید انصاریؓ کی مجلس میں گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ان کے پاس ان کی لونڈیاں تھیں اور وہ شعر سن رہے تھے۔ میں نے تعجب کے ساتھ ان سے پوچھا "تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہو اور یہ کیا کر رہے ہو!" انہوں نے جواب دیا "بھائی اگر سننا چاہتے ہو تو بیٹھ جاؤ ورنہ تشریف لے جاؤ۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشی کے مواقع پر اظہارِ مسرت اور حزن کے مواقع پر اظہارِ غم کی اجازت دی تھی عامر بن سعد نے یہ سنکر نہ تو ان پر نکیر کی اور نہ ان کا معاملہ خلیفۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا۔

ایک مرتبہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسانؓ بن ثابت کے پاس سے گزرے۔ ان کے پاس کئی اور لوگ بھی مجلس لگائے بیٹھے تھے۔ ایک کنیز جس کا نام سیرین تھا شعر سنا رہی تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو انہیں منع کیا اور نہ ان کی تحسین فرمائی۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں حضرت عائشہ کی ایک رشتے دار لڑکی کا نکاح ایک انصاری صحابی سے ہوا۔ حضرت عائشہؓ نے لڑکی کو رخصت کر دیا۔ حضورؐ نے پوچھا "کیا تم نے دلہن کی رخصتی کر دی؟" انہوں نے عرض کیا "جی ہاں۔" پوچھا "انصاری شادی کے وقت گیت گانے پسند کرتے ہیں۔ کیا تم نے عروس کے ساتھ کسی گیت گانے والی کو بھیجا ہے؟" انہوں نے جواب دیا "نہیں۔" آپ نے فرمایا "زینب کو بھیج دو کہ ان کی دلجمعی ہو جائے۔" زینب مدینہ کی ایک خاتون تھیں جو شادی بیاہ کے وقت عورتوں کے درمیان بیٹھ کر گیت گایا کرتی تھی۔ چنانچہ اسے قبا بھیجا گیا۔

سلف کے نزدیک خاص مواقع پر ترانے اور نغمے جائز تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ ان کا ایسا مشغلہ نہ تھا جس میں وہ ہر وقت مشغول رہتے ہوں بلکہ فارغ اوقات میں مختصر وقفوں کے لئے وہ کچھ گانے سن لیتے تھے۔ شادی، فتح، عید، اور مشقت طلب کاموں کی تکمیل پر کوئی نہ کوئی تقریب منعقد ہو جایا کرتی تھی۔

Marfat.com

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں ایسے کئی واقعات اور مثالیں موجود ہیں۔ خندق کھودنے کے وقت دو نوجوان انجشہؓ اور سلمہؓ بن اکوع خوش الحانی سے شعر پڑھتے تھے۔

جس روز حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ منورہ میں ورودِ مسعود ہوا تو اہلِ مدینہؓ نے دُف بجائی اور چھوٹی بچیوں نے استقبالی ترانے گائے۔ حضرت ابو بکرؓ نے انہیں منع کرنا چاہا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "ابو بکر انہیں چھوڑ دو۔ یہ بھی خوش ہو جائیں اور مدینہ کے یہودی بھی سمجھ جائیں کہ ہمارے دین میں وسعت ہے تنگی نہیں۔

عورتوں سے مردوں کا گانا سننا حرام ہے

عورتوں سے مردوں کا گانا سننا جائز نہیں ہے البتہ مرد اپنی لونڈی سے گانا سن سکتا ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ گانے میں کوئی غیر اسلامی اور غیر اخلاقی بات نہ ہونی چاہئے ورنہ وہ ہر حال میں حرام ہے۔ عبید بن عبداللہ بن حسن العنبری، ابو بکر الخلال اور ان کے ساتھی عبدالعزیز، ابو بکر بن العربی اور ابو الفرج الجوزی مشروط غنا کو جائز سمجھتے تھے۔ الجوزی نے حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے اس موضوع پر تین روایات نقل کی ہیں جن سے اباحت ثابت ہوتی ہے۔

تجوید القرآن

یہ تو تھا اشعار کا معاملہ۔ جہاں تک قرآن مجید کا تعلق ہے اسکی ترتیل و تجوید اور حسنِ صوت پر علماء کا اجماع ہے۔ قرأت میں گانے کا انداز مکروہ ہے مگر ترتیل کے ساتھ خوش الحانی اور ترنم و غنا عین مطلوب ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے "قرآن مجید کو خوش الحانی سے مزین کرو" دوسری روایت کے الفاظ یوں ہیں "اپنی آوازوں کو قرآن مجید سے زینت بخشو۔

ھیثم الفارسی بہت اچھے قاری اور مجود تھے۔ انہیں خواب میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی تو آپؐ نے ان سے

Marfat.com

پوچھا ''کیا تو حبیثم ہے جو قرآن مجید کی خوش الحانی سے تلاوت کرتا ہے؟ اللہ تعالیٰ تجھے جزائے خیر دے۔''

جنگِ خندق کے موقع پر صحابہ کرام رجزیہ شعر پڑھ رہے تھے۔ ایک شعر جو بار بار دہرایا جاتا تھا اس کے پہلے مصرع کے آخر میں ''عمرا'' اور دوسرے مصرع کے آخر میں ''ظہرا'' کی ردیف تھی۔ آنحضورؐ بھی صحابہ کے ساتھ ''عمرا'' اور ''ظہرا'' کے الفاظ دہراتے تھے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری صحابی کی مجلسِ نکاح میں تشریف لے گئے اور آپ نے فرمایا ''خیر و برکت اور الفت و محبت، رزق کی فراوانی اور اہل و عیال کی مسرت ہو۔'' پھر فرمایا ''دولہے کے سر پر کھڑے ہو کر دف بجاؤ۔'' چنانچہ دف بجائی گئی۔ مجلس میں چھوہارے اور شیرینی تقسیم کرنے کے لئے بڑے بڑے تھال لائے گئے۔ انصار کے ہاں ایسے مواقع پر رواج یہ تھا کہ لوگ آگے بڑھ کر چھوہارے وغیرہ چھینتے اور پھر ایک دوسرے کی جانب پھینکتے تھے اس روز لوگوں نے ہاتھ روکے رکھے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا ''چھینا جھپٹی کیوں نہیں کرتے؟'' تو لوگوں نے عرض کیا ''یارسول اللہ آپ نے خود ہی چھینا جھپٹی سے منع فرما دیا'' آپ نے فرمایا ''میں نے مالِ غنیمت کی چھینا جھپٹی سے منع کیا ہے۔ شادی کی چھینا جھپٹی سے تو منع نہیں کیا۔'' اسکے بعد حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی جانب چھوہارے پھینکے اور لوگوں نے بھی آپ کی جانب پھینکے۔

حضرت اُمِّ نبیطؓ بیان کرتی ہیں ''ہم نے بنی نجار کی ایک لڑکی کو شادی کے بعد اسکے خاوند کے پاس بھیجا۔ اس تقریب میں بہت سی خواتین تھیں۔ میرے پاس دف تھی۔ میں دف بجا کر شعر پڑھ رہی تھی۔ اتینا کم اتینا کم فحیونا نحییکم۔ ولولا الذھب الاحمر۔ ماحلت بوادیکم۔

(ہم تمہارے پاس آئے ہیں ہم تمہارے پاس آئے ہیں تم ہمیں سلام کرو ہم تمہیں سلام کرتے ہیں، اور اگر سرخ سونا (مہر میں دیا گیا) نہ ہوتا تو یہ دلہن تمہاری وادی میں نہ اترتی) حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس آکر رک گئے اور پوچھا ''اُمِ نبیط یہ کیا ہے؟'' میں نے عرض کیا ''میرے ماں باپ

Marfat.com

آپ پر قربان۔ یارسول اللہ بنی نجار کی ایک لڑکی کا نکاح ہوا ہے اور ہم اسے رخصت کر رہے ہیں۔ " آپ نے پوچھا " تم گا کیا رہی ہو؟ " میں نے اوپر کے مصر دہرائے تو آپؐ محظوظ ہوئے اور فرمایا " کہو لولا الخطة السمراء ماسمن عذار یکم یعنی اگر ہموار راستے اور گندم کے کھیت نہ ہوتے تو (مشقت اور بھوک کی وجہ سے) تمہاری کنواری لڑکیاں نحیف و نزار ہوتیں۔ "

حضرت عبداللہ بن جعفرؓ نہایت سخی اور فیاض اور بذلہ سنج اور پاک سیرت صحابی تھے۔ آپ کی فیاضی کی وجہ سے بحر سخاوت آپ کا لقب تھا۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کے دور میں آپ سے بڑا سخی کوئی نہ تھا۔ وہ گانا سننے میں ہرج نہیں سمجھتے تھے۔ زیدؓ بن ثابتؓ کو حضرت عثمانؓ نے بیت المال کا نگران مقرر کیا تھا ایک دن حضرت عثمانؓ زید کے پاس گئے تو گانے کی آواز سنی۔ پوچھا " یہ کون ہے؟ " حضرت زیدؓ نے جواب دیا " میرا غلام وہیب ہے۔ شعر پڑھ رہا ہے۔ " حضرت عثمانؓ نے وہیب کو ایک ہزار درہم انعام دیا۔

حسن صوت بھی ایک نعمت ہے

حسن صوت اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔ سورہ فاطر میں ارشاد ہے " اللہ اپنی مخلوق کی ساخت میں جیسا چاہتا ہے اضافہ کرتا ہے مفسرین کی ایک جماعت کی رائے ہے کہ اس اضافے سے مراد خوش الحانی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ لقمان میں آواز کے بھدے پن کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے۔ " آوازوں میں سب سے بری آواز گدھے کی آواز ہے۔ " پس حسن صوت ایک خوبی ہے اور اللہ کی دین ہے جبکہ بری آواز محرومی کی علامت ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ایک موذن سے کہا " بلال کی آواز تمہاری آواز سے بلند تر اور جمیل تر ہے۔ " اذان دینے والے کی آواز کا حسن کانوں میں رس گھول دیتا ہے۔ دل متوجہ ہو جاتے ہیں اور قدم بے ساختہ مسجد کی جانب اٹھ جاتے ہیں۔

ایک مرتبہ کچھ لوگ حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے امام

Marfat.com

کی شکایت کی کہ وہ نماز کے بعد کچھ گانے لگتا ہے۔ آپ نے فرمایا "چلو اسکے پاس چلتے ہیں۔" چنانچہ کئی صحابہؓ کرام سیدنا عمرؓ کے ساتھ چل دیئے۔ اس مسجد میں پہنچے تو امام موجود تھا۔ اس نے امیر المومنین کا استقبال کیا۔ آپ نے پوچھا "بندۂ خدا مجھے تمہارے متعلق ایک شکایت پہنچی ہے جس سے مجھے افسوس ہوا ہے۔" اس نے عرض کیا "امیر المومنین وہ کیا شکایت ہے؟" آپ نے فرمایا "کیا تم عبادت میں گنگناتے اور گاتے ہو؟" اس نے جواب دیا "امیر المومنین میں گاتا واتا کچھ نہیں ہوں۔ بس اپنے نفس کو نصیحت کرتا ہوں۔" بتاؤ کیا کہتے ہو؟ اگر کلام اچھا ہوا تو میں بھی تمہارے ساتھ اس کا اعادہ کروں گا اور اگر برا ہوا تو تجھے منع کر دوں گا۔" اس نے شعر پڑھا

نفسی لا کنت ولا کان الھوی۔
راقبی المولی وخاف وارھبی۔ (اے میرے نفس تیرا کوئی وجود نہ تھا نہ خواہشات کا تانا بانا تھا۔ تو عدم سے وجود میں لایا گیا۔ پس اپنے مولائے کریم کے حقوق پہچان اور انہیں ادا کر۔ ڈر تارہ اور خوف سے کانپ)

امیر المومنین نے شعر سنا تو جھوم اٹھے۔ بار بار اسے دھرایا اور پھر وہاں پر موجود لوگوں سے فرمایا "جو کوئی گنگنانا چاہے تو اس قسم کے اشعار گنگنائے۔"

Marfat.com

پانچواں باب

اِسلام میں عورتوں کے حقوق ومراتب

سیدنا عمرؓ بن خطاب کے دور خلافت میں عورتوں کے حقوق کا بھرپور تحفظ کیا جاتا تھا۔ انہیں اسلام نے بطور انسان مردوں کے برابر حقوق عطا کئے ہیں۔ حضرت عمرؓ عورتوں کی رائے کا احترام کیا کرتے تھے اور صنفِ نازک کو اپنے حقوق کا شعور اور اپنی قوت کا ادراک حاصل تھا۔

حضرت عمرؓ کا مجاہدین کو حکم

اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت دونوں کو بڑی حکمت کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ دونوں ایک دوسرے پر انحصار رکھتے ہیں۔ نسلِ انسانی کی نمو اور بقا ان دونوں سے ہے۔ مجاہدین جہاد کیلئے گھروں سے نکلتے تھے اور بسا اوقات طویل مدت تک واپس نہ آسکتے تھے۔ ان کی بیویاں گھروں میں ہوتی تھیں۔ سیدنا عمرؓ اس بارے میں متفکر تھے چنانچہ ایک مرتبہ اپنی بیٹی ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا "عورت اپنے خاوند کے بغیر زیادہ سے زیادہ کتنا عرصہ صبر کر سکتی ہے؟" انہوں نے فرمایا "چار ماہ یا زیادہ سے زیادہ چھ ماہ۔" اس کے بعد آپ نے حکم جاری کر دیا کہ کوئی بھی مجاہد چھ ماہ سے زائد اپنے اہل وعیال سے دور نہ رہا کرے۔

آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ سیدنا عمرؓ کس قدر دقیق نگاہ رکھتے تھے۔ بظاہر جن امور کے بارے میں لوگ گفتگو کرنا شرم وحیا کی وجہ سے معیوب سمجھتے ہیں ان کے بارے میں بھی تحقیق کر کے عورتوں کے حق کا تحفظ فرمایا۔ بعض شرپسند لوگ یہ گمراہ کن پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ اسلام میں عورت کے حقوق کا

کوئی ذکر نہیں ہے۔ انہیں یا تو شرم نہیں آتی یا ان کی نیتوں میں فتور ہے اور عقل پر قفل لگے ہوئے ہیں۔

حضرت عمرؓ ایک شفیق والد کی حیثیت سے اپنی رعایا کی خواتین کو بہت اچھی اچھی نصیحتیں کرتے رہتے تھے۔ وہ انہیں گھر کو سلیقے سے سجانے اور بچوں کی تربیت کے زریں اصول سمجھاتے۔ خاوند کو خوش کرنے کیلئے آداب سکھاتے حتیٰ کہ کھانا پکانے اور آٹا گوندھنے تک کے طریقے سکھاتے تھے۔ تاریخ و سیرت کی کتابوں میں اس کی تفصیلات ملتی ہیں۔ طبقاتِ ابن سعد میں اس موضوع پر بہت دلچسپ واقعات درج ہیں۔

حضرت عمرؓ بے پناہ مردانہ خصوصیات کے ساتھ ساتھ کھانا پکانے کے بھی ماہر تھے۔ لذیذ کھانا پکانا بذات خود ایک فن ہے۔ حضرت عمرؓ کی عبقریت کے دلائل میں سے یہ بھی ایک دلیل ہے کہ فرائضِ خلافت کی بے پناہ مصروفیات میں سے وقت نکال کر وہ مزیدار کھانے تیار کر لیا کرتے تھے۔ کھانوں کے بارے میں ماہرانہ معلومات کے باوجود آپ نے خود نہایت سادہ زندگی اختیار کر لی تھی۔ کھانا اتنا سادہ اور روکھا سوکھا ہوتا تھا کہ کسی کو اپنے ساتھ کھانے کی دعوت دیتے تو مدعو جان بچاتا پھرتا۔ حفصؓ بن عاص کئی مرتبہ حضرت عمرؓ کے ہاں کھانے کے وقت آتے تھے مگر کھانے میں شریک نہ ہوتے تھے۔ ایک دن امیر المومنین نے اس کی وجہ پوچھی تو کہا "میں نرم، لذیذ اور مرغن کھانا کھانے کا عادی ہوں۔ آپ کا روکھا سوکھا کھانا نہیں کھا سکتا۔" حضرت عمرؓ نے فرمایا "کیا تمہارا خیال ہے کہ مجھے اچھا کھانا مہیا نہیں ہو سکتا یا میں اچھے کھانے پکوا نہیں سکتا؟ بخدا میں چاہوں تو بہترین قورمہ اور کباب اور لذیذ گندم کی گرم گرم روٹیاں میسر ہو سکتی ہیں۔" اس کے بعد آپ نے مختلف کھانے پکانے کی ترکیب بیان کی تو حفصؓ پکار اٹھے۔ "بخدا امیر المومنین آپ تو ہر کھانے کی ایسی ترکیب بیان کر رہے ہیں کہ واقعی آپ اس میدان کے بھی استاد ہیں۔" آپ نے فرمایا "ہاں! اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر اپنی ذمہ داریوں کا احساس اور اپنی نیکیوں کو بچا بچا کر رکھنے کی فکر نہ ہو تو میں بھی تمہاری طرح زندگی کے مزے لوٹوں۔"

Marfat.com

حضرت عمرؓ کی سادگی اور اس کی حکمت

حضرت عمرؓ اس حقیقت سے بخوبی واقف تھے کہ زندگی سے لطف اندوز ہونا اور حلال و طیب چیزوں سے استفادہ کرنا ممنوع نہیں مگر آپ نے جو زہد اور سادگی اختیار کر رکھی تھی اس کے پیچھے ایک نہایت عظیم جذبہ کارفرما تھا۔ آپ کو معلوم تھا کہ رعایا میں بہت سے لوگ وہ ہیں جو مشقت اور افلاس کی زندگی گزارتے ہیں۔ آپ نے وہ طرزِ بود و باش اختیار کیا جس سے غربا کے اندر خود اعتمادی پیدا ہو اور وہ اپنے اندر احساسِ کمتری نہ پیدا ہونے دیں۔ جب وہ یہ دیکھتے تھے کہ ان کا حکمران بھی انہی کی سطح کا معیارِ زندگی رکھتا ہے تو ان کے اندر ایک ناقابلِ بیان قناعت اور فخر و اعتماد پیدا ہوتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے عملی نمونے سے عوام الناس کے دلوں میں اپنے لئے ایک ایسا محترم مقام پیدا کر لیا تھا جس کی مثال کہیں نہیں ملتی۔ آپ نے سادگی کے باوجود کھاتے پیتے مسلمانوں پر کبھی قدغن نہ لگائی تھی۔ آپ کے بیٹے سیدنا عبداللہ ابن عمرؓ تقویٰ و للّٰہیت کیلئے بطور مثال پیش کئے جاتے ہیں مگر وہ ناز و نعمت کی زندگی گزارتے تھے۔ بکرے کا گوشت، انڈے، مرغ اور دیگر لذیذ کھانے ان کے دسترخوان پر موجود رہتے تھے۔ اسی طرح دیگر متمول گھرانوں کا حال تھا۔

اسلام میں تصوف کا ایسا کوئی تصور نہیں پایا جاتا کہ انسان ترکِ دنیا کر کے کسی گوشے میں بیٹھ جائے یا غار میں چھپ رہے۔ حلال نعمتوں سے تمتع اور زیب و زینت کا استعمال جائز ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چمڑے کا ایک بہت خوبصورت اور قیمتی خیمہ تھا۔ یہ طائف سے منگوایا گیا تھا اور صنعت کا نادر نمونہ تھا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں مسافر کی طرح زندگی گزار کر چلے گئے۔ نہ کبھی اسراف کیا نہ دنیا سے دل لگایا مگر رہبانیت سے آپ کوسوں دور تھے۔

صحیحین میں ایک روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں روزے بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں۔ سوتا بھی ہوں اور

Marfat.com

رات کو اٹھتا بھی ہوں۔ کھانے بھی کھاتا ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ یہ میری سنت ہے۔ پس جو میری سنت سے منہ موڑ لے وہ مجھ سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ "

اللہ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے۔

جسم کو اذیتیں پہنچانا اسلام میں کوئی نیکی نہیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میٹھی چیزیں رغبت سے کھاتے تھے۔ شہد کا شربت پیا کرتے تھے' بھنا ہوا گوشت استعمال فرماتے تھے اور گرمیوں میں ٹھنڈا یخ پانی نوش فرماتے تھے۔ آپ کبھی کبھار اپنے اہل و عیال کیلئے غلہ جمع بھی کر لیا کرتے تھے۔ اس کا ذکر صحیح بخاری و صحیح مسلم دونوں میں ہے۔ اکثر صحابۂ کرام اور ان کے بعد ائمۂ اسلام اور صلحا و متقین کا بھی یہ عمل رہا کہ سال بھر کا غلہ خرید کر گھر میں رکھ لیتے تھے۔ اسد الغابہ میں عبداللہ بن حارث کی ایک روایت نقل کی گئی ہے جس کے راویوں میں اسحاق بن عبداللہ بن حارث' قتادہ اور ھمام ہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حلہ ستائیس اونٹنیوں کے بدلے میں خریدا تھا اور آپ اسے پہنا کرتے تھے۔ حضرت مکحول نے سیدہ عائشہ صدیقہ سے ایک حدیث نقل کی ہے۔ وہ فرماتی تھیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظار میں صحابۂ کرام دروازے کے باہر بیٹھ جاتے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے باہر نکلنے سے قبل پانی کے ایک صاف شفاف برتن میں اپنا سر مبارک اور چہرۂ انور دیکھتے۔ پھر سر اور داڑھی کے بال درست کرتے' اس کے بعد باہر تشریف لے جاتے۔ ایک روز میں نے عرض کیا "یارسول اللہؐ آپ اللہ کے پیغمبر ہیں۔ پھر بھی آپ یہ کام کرتے ہیں؟" آپ نے فرمایا "ہاں۔ جب کوئی شخص اپنے احباب اور بھائیوں سے ملنے کیلئے گھر سے نکلے تو اسے اپنا حلیہ درست کر لینا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ بہت خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے۔ "

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا اور آخرت میں سالن کی

قسم کے تمام کھانوں میں گوشت کو فوقیت حاصل ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی ملحوظ رہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی بھر کبھی کسی کھانے میں نقص نہیں نکالا تھا۔ جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہے انہیں بلاوجہ ترک کر دینا ہرگز کوئی نیکی کی بات نہیں ہے۔ امام مالکؒ نے حضرت علی بن حسین بن علیؓ کے بارے میں بروایت بیان کی ہے کہ وہ سردیوں کے موسم میں خز کی بنی ہوئی چادر استعمال کیا کرتے تھے جس کی قیمت پچاس دینار ہوتی تھی۔ جب گرمیوں کا موسم آتا تو چادر کسی کو صدقہ کے طور پر دے دیتے یا اسے فروخت کر کے اس کی قیمت خیرات کر دیتے تھے۔ تمیم داریؓ نے ایک حلہ ہزار دینار میں خریدا تھا۔ اسی حلے میں وہ نماز کیلئے مسجد آیا کرتے تھے۔ مالک بن دینارؒ کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ بڑے خوش پوشاک تھے۔ عدن کے بنے ہوئے بہترین کپڑے زیب تن کیا کرتے تھے۔

انسان کا جسم اس کی سواری ہے۔ انسان اپنی روح اور دل و دماغ کے ساتھ اس پر حکم چلاتا ہے۔ سواری کی مناسب دیکھ بھال نہ کی جائے تو وہ سوار کو منزل تک نہیں پہنچا سکتی۔ اسلام نے اچھے لباس' لذیذ کھانوں اور مقوی و مشتہی مشروبات سے منع نہیں کیا۔ ابراہیم بن ادھمؒ نے شاہانہ کروفر چھوڑ کر درویشی اختیار کر لی تھی۔ ایک مرتبہ کسی نے انہیں دیکھا کہ بازار سے بہت سا سامان خرید رہے ہیں۔ مکھن اور پنیر بھی تھا۔ شہد اور روٹی بھی تھی اور پھل اور میوے بھی تھے۔ ان سے کہا گیا "اتنا سامان؟" انہوں نے جواب دیا "جب اللہ تعالیٰ دیتا ہے تو ہم مردوں کی طرح کھاتے ہیں اور جب فاقے کی نوبت آتی ہے تو بھی مردوں کی طرح صبر کرتے ہیں۔" سفیان ثوریؒ اپنے دور کے عظیم المرتبت عالم دین اور مرجع خلائق تھے۔ آپ گوشت' انگور اور فالودہ کھا کر نماز کیلئے گھر سے نکلتے تھے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو پراگندہ حال دیکھا۔ اس سے پوچھا "کیا تمہارے پاس کچھ مال و دولت ہے؟" اس نے عرض کیا "جی ہاں ہر قسم کا مال و متاع میرے پاس موجود ہے۔" فرمایا "پھر تم نے اپنا کیا حال بنا رکھا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے پر انعام فرماتا ہے تو چاہتا ہے کہ

Marfat.com

بندے کے جسم پر اس انعام کے آثار نظر آئیں۔ اللہ تعالیٰ پراگندگی اور مصنوعی بدحالی کو پسند نہیں فرماتا۔"

صحابۂ کرام حلال اور جائز طریقوں سے دولت کماتے اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ کیا کرتے تھے۔ کئی صحابۂ کرام نے وفات کے وقت اپنے پیچھے بڑی بڑی جائدادیں اور ترکہ چھوڑا۔ حضرت طلحہؓ بن عبیداللہ، زبیرؓ بن عوام اور عبداللہؓ بن مسعود کو رسول اللہؐ نے جنت کی بشارت ان کی زندگی ہی میں دے دی تھی۔ ان صحابہ نے اپنے پیچھے لاکھوں کا ترکہ چھوڑا۔

حضور پاکؐ کی نفاستِ طبع

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بہت نفاست پسند تھے۔ سفر میں ہوں یا حضر میں اپنا لباس اور جسم بہت صاف ستھرا رکھتے تھے۔ سفر پر جاتے تو اپنے سامان میں کنگھی، شیشہ، تیل، مسواک اور سرمہ ضرور رکھتے تھے۔ آپ کے پاس ہاتھی دانت کی بنی ہوئی ایک کنگھی تھی۔ شاہ مصر مقوقس نے آپ کو شیشے کا ایک گلاس ھدیے میں بھیجا تھا۔ آپ اس میں مشروبات نوش فرمایا کرتے تھے۔ اسلام نے زیب وزینت کو پسندیدہ قرار دیا ہے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن گھر سے نکل کر صحابہ کے پاس آئے۔ آپ نے خوشبو لگا رکھی تھی اور تازہ تازہ غسل فرمایا تھا۔ صحابہ نے پوچھا "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے خوشبو لگا رکھی ہے؟" آپ نے فرمایا "ہاں الحمدللہ۔" پھر آپ نے لوگوں کے مال ومتاع کا ذکر کیا اور فرمایا "جو اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرے اس کے مال متاع میں کوئی خرابی نہیں اور صحت مال ومتاع سے بھی بڑی دولت ہے اگر انسان اس کا حق پہچانے اور اللہ سے ڈرتا رہے اور خوشبو اللہ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے۔"

اسلام میں عریانی اور ننگے پاؤں چلنا معیوب ہے۔ حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک جنگ میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا "ہمیشہ جوتے پہن کر نکلا کرو۔ جب تک انسان کے پاؤں میں جوتا ہو

Marfat.com

وہ سوار کی مانند ہوتا ہے۔"

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسواک استعمال فرمایا کرتے تھے۔ آپ بڑے نفیس الطبع اور صفائی پسند تھے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ وضو سے قبل اور سونے سے پہلے اور بیدار ہونے کے بعد مسواک فرمایا کرتے تھے۔ آج کل بعض مسلمان بلکہ بڑے بڑے علماء کرام نماز کیلئے صفیں بندھ جانے اور اقامت کہے جانے کے بعد جیب سے مسواک نکالتے ہیں اور دانتوں میں مل کر بغیر کلی کئے یا ٹھیک طرح صفائی کا اہتمام کئے غلاظت کے ساتھ مسواک جیب میں ڈال لیتے ہیں۔ اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث اس طرح کی موجود ہے تو میری نظر سے نہیں گزری۔ میں اپنی کم علمی کا اعتراف کرتا ہوں مگر علماء کو اس معاملے میں تحقیق کر کے صحیح رہنمائی فرمانی چاہئے۔ مجھ سے اگر کوئی غلطی ہو گئی ہے تو میں اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتا ہوں۔ حدیث اور سنت ہمارے لئے حجت ہے۔ ایک حدیث میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم لوگوں کو کیا ہو گیا ہے۔ زرد اور گندے دانتوں کے ساتھ آجاتے ہو۔ مسواک کیا کرو۔ یعنی آنے سے قبل مسواک کر کے دانتوں کو صاف کر لیا کرو۔ ظاہر ہے کہ مسواک کا مقصد دانتوں کی نظافت اور منہ کو بدبو سے پاک رکھنا ہے۔ اب ہر شخص سوچ سکتا ہے کہ پانی استعمال کئے بغیر دانتوں میں محض مسواک مار لینے سے دونوں میں سے کوئی مقصد بھی پورا نہیں ہوتا۔ اس پر تو اجماعِ امت ہے کہ مسواک نہ فرض ہے نہ واجب۔ یہ سنت ہے اور سنت کی ادائیگی ہو جاتی ہے جب انسان وضو کے وقت مسواک کر لیتا ہے۔ صحیح مسلم جلد اول صفحہ ۵۳۸ پر اس مضمون کی حدیث موجود ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بھی حال میں مسواک کو فرض قرار نہیں دیا۔

عورت کی شادی میں اس کی رضا ضروری ہے۔

اسلام نے عورت کو اپنی زندگی کے معاملات طے کرنے کیلئے آزادی

Marfat.com

بخشی ہے۔ شوہر کا انتخاب ایک اہم معاملہ ہے۔ عورت کی رضا کے بغیر اس کی شادی نہیں کی جا سکتی۔ حضرت عمرؓ نے اس معاملے میں اپنی عملی مثال پیش کی ہے۔ آپ نے حضرت عاتکہؓ بنت زید قرشیہ کے پاس نکاح کا پیغام بھیجا۔ انہوں نے کہلا بھیجا کہ پیغام اس شرط پر قبول ہے کہ آپ انہیں مسجد میں جانے سے منع نہیں کریں گے اور نہ مار پیٹ کریں گے۔ حضرت عمرؓ نے یہ شرائط بادلِ نخواستہ قبول کر لیں۔ آپ نے دیکھا کہ سربراہ مملکت نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام بھیجا۔ اس نے شرائط پیش کیں۔ یہ شرائط اسلام میں حرام نہ تھیں مگر سربراہِ مملکت ذاتی طور پر ایسی شرائط کے حق میں نہ تھا تاہم اس نے عورت کی یہ شرائط قبول کر لیں اور نکاح ہو گیا۔

ام ابانؓ بنتِ عتبہ صحابیہؓ کو چار صحابہ کے پیغام موصول ہوئے ان میں حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ کے نام تھے۔ اُمّ ابانؓ نے حضرت طلحہؓ کا پیغام قبول کر لیا اور ان سے شادی ہو گئی۔ امیر المومنین کا پیغام ٹھکرا دیا گیا مگر اس سے نہ کوئی امن و امان کا مسئلہ پیدا ہوا نہ کسی نے تعجّب ہی کیا کیونکہ عورت فیصلہ کرنے میں مکمل طور پر آزاد تھی۔ اسلام نے اسے جو حق دیا تھا اسے کوئی نہ چھین سکتا تھا۔

اسلامی معاشرے میں اللہ تعالیٰ نے مردوں اور عورتوں کے حقوق واضح طور پر بیان کر دیئے ہیں اور کسی کو اجازت نہیں کہ دوسروں کے حق پر دست درازی کرے۔ ارشادِ ربانی ہے "عورتوں کیلئے بھی معروف طریقے پر ویسے ہی حقوق ہیں جیسے مردوں کے حقوق ان پر ہیں۔ البتہ مردوں کو ان پر ایک درجہ حاصل ہے۔" اور یہ درجہ بھی اس وجہ سے ہے کہ عورت کی کفالت اور نان نفقہ کی مکمل ذمہ داری مرد پر ہے۔ قرآن نے مردوں کو منع کر دیا ہے کہ وہ عورتوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کریں، سورۃ طلاق کی آیت ۶ میں فرمایا۔ "اور تم عورتوں کو تنگ کرنے کیلئے مت ستایا کرو۔"

سمرہؓ بن جندب کی والدہ ام سمرہؓ بہت خوبصورت خاتون تھیں۔ وہ بیوہ تھیں، وہ جب مدینہ تشریف لائیں تو بہت سے لوگوں نے انہیں نکاح کا پیغام دیا۔ انہوں نے کہا "میں اس شخص سے نکاح کروں گی جو میری یہ شرط منظور

Marfat.com

کر لے کہ میرے بیٹے سمرہ کے بالغ ہونے تک اس کی پرورش کرے گا۔ چنانچہ ایک انصاری صحابی نے ان کی شرط مان لی اور ان سے حضرت ام سمرہؓ نے نکاح کر لیا۔

ایک تاریخی شادی

اکثر اوقات مسلم خواتین رشتہ طے پانے سے قبل اپنے ہونے والے شوہروں کو اپنی پسند و ناپسند بڑی بے تکلفی سے بتا دیا کرتی تھیں۔ نکاح سے قبل ایک دوسرے کو ایک نظر دیکھ لیتے اور صراحت سے اپنی اپنی بات پیش کر دینے میں کوئی ہرج نہیں۔ اُمِ سُلیم بنت ملحان انصاریہؓ بڑی بلند مقام صحابیہ تھیں۔ یہ حضرت انسؓ بن مالکؓ کی والدہ تھیں۔ ان کو ابو طلحہؓ نے نکاح کا پیغام بھیجا۔ ابو طلحہؓ اس وقت مشرک تھے۔ اُمِّ سُلیمؓ نے ان سے بلا تکلف کہا "میں تمہیں پسند تو کرتی ہوں مگر میرا نکاح تمہارے ساتھ نہیں ہو سکتا کیونکہ تم کافر ہو اور میں مسلم۔ اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو تمہارا قبول اسلام ہی میرے لئے حق مہر کا درجہ رکھے گا اور میں تمہارے ساتھ شادی کر لوں گی۔" چنانچہ ابو طلحہؓ مسلمان ہو گئے اور اسلام کی بڑی قابل قدر خدمات سرانجام دیں۔ یہ میاں بیوی مدینہ منورہ کے مثالی جوڑے کی حیثیت سے مشہور تھے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اپنی بیویوں کو نہ مارا تھا

اسلام نے عورت کی بڑی تکریم اور عزت افزائی کی ہے۔ عورت کی نافرمانی اور بد خلقی پر اسے تہذیب و ادب سکھانے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس میں ترتیب یوں ہے کہ سب سے پہلے عورت کو نصیحت کی جائے۔ نہ مانے تو اسے بستر سے الگ رکھا جائے پھر بھی اس کا دماغ ٹھیک نہ ہو تو اسے مارا جائے۔ اور یہ مار بھی ایسی نہ ہو جو زخم لگا دے۔ نیز چہرے پر مارنے سے بھی منع کیا گیا ہے۔

Marfat.com

حکم یہ ہے کہ کپڑے کا کوڑا بنا کر مارا جائے جس سے جسم مجروح نہ ہو۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اپنی ازواج کو نہ مارا تھا۔

ایک شخص نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی بیوی کی شکایت کی وہ بد زبان ہے۔ آپ نے فرمایا "بد زبان ہے تو اسے طلاق دے دو۔" اس نے عرض کیا "یارسول اللہ اس سے میرے بچے ہیں اور ایک زمانے کا ساتھ بھی ہے۔" آپ نے ارشاد فرمایا "پھر اسے نصیحت کرتے رہا کرو، اگر اس میں کوئی بھلائی ہے تو وہ ٹھیک ہو جائے گی۔"

حضورِ اکرم صلی اللہ عیہ وسلم ہمیشہ لوگوں کو وصیت کیا کرتے تھے کہ عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔ اگر ایک ساتھ رہنا ہو تو حسن معاشرت کا مظاہرہ کریں اور اگر ساتھ نباہ نہ ہو سکے تو اچھے طریقے سے علیحدہ ہو جائیں۔ گالی دینے اور مار پٹائی سے منع کیا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لوگوں نے آکر عرض کیا کہ اس نرمی نے عورتوں کے مزاج بگاڑ دیئے ہیں اور وہ مردوں کی بات ہی نہیں سنتیں۔ آپ نے فرمایا "جو بات نہیں سنتیں انہیں مارو۔ اور مار پٹائی بھی وہی کرے گا جو تم میں سے شریر ہے۔"

عورتوں کے فضائل و مناقب

عورتوں کی فضیلت کیلئے یہی بات کافی ہے کہ سب سے پہلے آنحضور صلی اللہ عیہ وسلم پر ایک عورت خدیجہؓ ایمان لائیں۔ وہ سب سے پہلی مسلمان تھیں۔ انہوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر طرح سے مدد کی۔ اپنا مال اسلام کی راہ میں لٹایا اور نبی پاک کا ہر مشکل میں ساتھ دیا اور حوصلہ بڑھایا۔

حضرت عمرؓ جب کبھی کسی عورت کے ہاں نکاح کا پیغام بھیجتے تھے تو صراحت سے بتا دیا کرتے تھے کہ انہوں نے کس وجہ سے پیغام بھیجا ہے۔ آپ نے حضرت علیؓ کے پاس ان کی بیٹی ام کلثومؓ کے رشتے کیلئے پیغام بھیجا تو انہوں نے جواب دیا "وہ ابھی چھوٹی ہے۔" آپ نے فرمایا "اے ابوالحسن اس کا نکاح مجھ سے کر دو۔ میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت کا خواہش مند

ہوں نیز اللہ جانتا ہے کہ جو عزت و تکریم میں ام کلثوم کی کروں گا وہ کوئی دوسرا نہیں کر سکتا۔ میں اس کے مقام و مرتبے سے واقف ہوں۔" چنانچہ حضرت علیؓ نے رشتہ دے دیا اور ام کلثوم امیر المومنین سے بیاہی گئیں۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح مردوں کے حقوق کا خیال رکھتے تھے اس طرح عورتوں کے حقوق کی بھی حفاظت فرماتے تھے۔ مردوں کی بیماری میں ان کی عیادت کیلئے تشریف لے جاتے تو عورتوں کی بھی بیمار پرسی فرمایا کرتے تھے۔ اسد الغابہ میں ایک روایت ہے کہ نبی پاک کو ایک انصاری صحابیہ کی بیماری کا پتہ چلا تو اس کی عیادت کیلئے گئے۔ اس سے حال احوال پوچھا تو اس نے کہا "میں خیریت سے ہوں اور بخار اتر گیا ہے۔" آپ نے فرمایا "بیماری پر صبر کرو۔ بیماری سے مسلمان کا جسم گناہوں سے یوں پاک صاف ہو جاتا ہے جس طرح بھٹی میں لوہا تپا کر اس سے میل کچیل دور کی جاتی ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کرام میں سے قربانیاں دینے والے اور اہلِ علم و فضل حضرات کا خصوصی خیال رکھتے تھے۔ صحابیات کے ساتھ بھی یہی معاملہ تھا۔

حضرت علیؓ کی والدہ سیدہ فاطمہؓ بنت اسد مدینہ منورہ میں فوت ہوئیں تو حضورِ اکرمؐ نے اپنی قمیص سے انہیں کفن دیا اور دفن کرنے سے قبل ان کی قبر میں لیٹ گئے۔ لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا تھا تو جواب دیا "ابو طالب کے بعد کسی شخص نے مجھ سے اتنی محبت اور میرے ساتھ اتنا اچھا سلوک نہیں کیا جتنا انہوں نے کیا تھا۔ میں نے انہیں اپنی قمیص پہنا دی تا کہ اللہ تعالیٰ انہیں جنت کے لباس سے مشرف فرمائے اور میں ان کی قبر میں لیٹ گیا تھا تا کہ ان کو عذابِ قبر سے رہائی مل جائے۔"

اہل و عیال سے محبت سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل و عیال سے بڑی محبت کرتے تھے۔ عید اور خوشی کے دیگر مواقع پر کبھی کبھار بازی گری کے فن جاننے والی حبشی عورتوں کو اپنے ہاں بلاتے تھے۔

Marfat.com

ان کے فن سے آپ کے گھر والے محظوظ ہوتے تھے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی اتباع میں سب مرد مومن اپنی بیویوں کو آرام و راحت پہچانے کی کوشش کرتے تھے۔ گھر کی صفائی، آٹا گوندھنے اور کپڑوں کو پیوند لگانے میں رسول اللہؐ اپنی ازواج کا ہاتھ بٹایا کرتے تھے۔ حضرت علیؓ نے اپنے گھر میں یوں تقسیم کار کر رکھی تھی کہ گھر سے باہر کے کام وہ خود اور ان کی والدہ کرتی تھیں اور گھر کے اندر کے کام سیدۃ النساء فاطمہ الزہراؓ سرانجام دیتی تھیں۔ سیدہ فاطمہؓ جب بیمار ہوئیں تو حضرت ابو بکرؓ ان کی عیادت کیلئے تشریف لے گئے۔ حضرت علیؓ نے اپنی اہلیہ سے کہا "ابو بکر دروازے پر کھڑے ہیں اور اندر آنے کی اجازت طلب کر رہے ہیں۔ بتاؤ تم کیا کہتی ہو؟" انہوں نے کہا "آپ ان کا آنا پسند کرتے ہیں؟" حضرت علیؓ نے کہا "ہاں۔ کیوں نہیں۔" انہوں نے کہا "ٹھیک ہے انہیں اندر بلا لیں۔" چنانچہ حضرت ابو بکرؓ اندر تشریف لے گئے۔ صحیح مسلم جلد پنجم صفحہ ۶۲۷ پر ایک حدیث ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ عورت اپنے خاوند کی خدمت رضا کارانہ طور پر کرے تو اس کیلئے اجر ہے اور اگر خدمت نہ کرے تو اسے مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

سودہؓ بنت زمعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مطہرہ تھیں۔ حضرت خدیجہ الکبریٰؓ کی وفات کے بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا تھا۔ وہ بہت خوش مذاق خاتون تھیں۔ ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا "گزشتہ شب میں نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی تو سجدے میں میں نے اس ڈر سے کہ ناک سے خون نہ بہنے لگے، اپنی ناک پکڑے رکھی۔" یہ سجدے کی طوالت کے بارے میں ان کا حسنِ مزاح تھا جس سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت محظوظ ہوئے۔ طبقات میں ان کی خوش طبعی کے بہت سے دلچسپ واقعات درج ہیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں سے مذاق کیا کرتے تھے جس سے محفل کشتِ زعفران بن جایا کرتی تھی۔

عورتوں کو کام کرنے کی ترغیب

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسلمان عورتوں کو کام کی ترغیب دلایا کرتے

Marfat.com

تھے۔ آپ نے فرمایا "مومن عورت کا بہترین مشغلہ یہ ہے کہ وہ چرخا کاتا کرے۔" عورت اپنے دائرۂ کار میں گھر کے اندر اور گھر کے باہر مفید خدمات سرانجام دے سکتی ہے۔ اس سے معاشرے کا بھی بھلا ہوتا ہے اور عورت کا بھی۔ حضرت عمرؓ نے مہاجر خواتین کا دو دو ہزار درہم وظیفہ مقرر کر رکھا تھا۔

عورتیں ہاتھ سے کام کرنے میں عار محسوس نہ کرتی تھیں۔ عبداللہ القرشی روایت بیان کرتے ہیں کہ وہ حجاج کی بیوی ھنه بنت المھلب بن ابی صفرہ کے ہاں گئے۔ وہ ایک سردار کی بیٹی اور گورنر کی بیوی تھی مگر اپنے گھر میں چرخا کات رہی تھی۔ میں نے اس سے پوچھا "تم چرخا کات رہی ہو حالانکہ تم گورنر کی بیوی ہو؟" اس نیک بخت خاتون نے کہا "میں نے اپنے باپ کو اپنے دادا کی زبانی یہ حدیث بیان کرتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے عورتوں میں سب سے زیادہ اجر پانے والی وہی ہوں گی جو زیادہ محنت کریں گی۔"

عورتوں کو اللہ تعالیٰ نے یہ بھی آزادی عطا کی ہے کہ اگر ان کے خاوند انہیں ٹھیک طرح سے ضروریاتِ زندگی مہیا نہ کر سکیں تو ان سے علیحدگی اختیار کرنے کیلئے عدالت سے رجوع کریں۔ مردوں کو بھی یہ تربیت دی گئی ہے کہ وہ عورتوں کے جملہ حقوق ادا کریں اور اگر ایسا نہ کر سکیں تو انہیں تنگ کرنے کی بجائے آزاد کر دیں۔

اظہارِ خیال کی آزادی

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کو اظہار خیال کی پوری آزادی دیا کرتے تھے۔ فتح مکہ کے بعد آپ نے قریش کی خواتین سے بیعت لی جس میں ان سے عہد لیا گیا کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گی، نہ چوری کریں گی، نہ زنا کریں گی، نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی.......... "ابو سفیانؓ کی زوجہ ھندؓ بنت عتبہ بھی بیعت کرنے والی عورتوں میں شامل تھیں۔ انہوں نے اسی وقت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ دیا "یارسول اللہؐ کیا آپ یہ خیال کرتے

Marfat.com

ہیں کہ آپ کی قوم کی عورتیں ایسے قبیح کام بھی کر سکتی ہیں؟" آپ نے نہ تو اُنہیں ڈانٹ پلائی نہ کوئی سزادی۔ آپ نے ان کی بات سنی اور انہیں دلائل سے مطمئن کر دیا۔

عورتوں نے میدانِ جہاد میں بڑے بڑے عظیم الشان کارنامے سرانجام دیئے۔ بیعتِ رضوان موت پر بیعت تھی کہ صحابۂ کرام حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ لیں گے اور کوئی بھی راہِ فرار اختیار نہ کرے گا۔ مردوں کے ساتھ عورتوں نے بھی اس بیعت میں حصہ لیا۔ حضرت فریعہؓ بنت مالک بن سنان اس بیعت میں شریک تھیں۔ اسلام کی تاریخ میں سب سے پہلی شہادت ایک عورت ہی کے نصیب میں لکھی تھی چنانچہ ہر مسلمان جانتا ہے کہ شہدا کی فہرست میں پہلا نام سیدہ سمیہ رضی اللہ عنہا کا ہے۔ حضرت لیلیٰ غفاریہؓ کی سرکردگی میں خواتین میدانِ جہاد میں شریک ہوتی تھیں اور زخمیوں اور مریضوں کا علاج اور دیکھ بھال کیا کرتی تھیں۔

عورتیں اسلامی خدمات سرانجام دینے اور اپنے گھروں میں نفع آور کام کرنے کے علاوہ اپنی جائداد بھی رکھتی تھیں اور تجارت کر کے دولت کماتی تھیں۔ حضرت قیلہ انماریہؓ اپنی تجارت کرتی تھیں اور تجارت کے اسلامی اصولوں کے بارے میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اکثر سوال پوچھتی رہتی تھیں۔ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کرنے کے بعد صفا مروہ کی سعی سے فارغ ہوئے۔ آپ حجامت بنوا کر احرام کھولنا چاہتے تھے کہ حضرت قیلہؓ نے آپ سے تجارتِ اور خرید و فروخت کے بارے میں سوال پوچھا۔ آپ نے ان کے سوال کا جواب دیا۔

خواتینِ اسلام میدانِ جہاد میں

مکہ معظمہ میں پہلی شہیدہ سمیہؓ تھیں۔ مکہ میں صحابیات نے اپنے عقیدے کی خاطر بے پناہ آزمائشیں جھیلیں۔ زنیرہؓ، نہدیہؓ اور ان کی بیٹیوں سے کون بے خبر ہے۔ ان خواتین کا کردار اسلام کی قوت اور عظمت کا

Marfat.com

درخشاں نمونہ تھا۔

اُمِ سُلیمؓ جنگِ حنین میں ثابت قدم رہیں۔ بڑے بڑے جواں مردوں کے قدم اکھڑ گئے تو سیدہ اُمِ سُلیم نے اپنے خاوند ابو طلحہؓ کے اونٹ کی نکیل پکڑ لی اور دوسرے ہاتھ میں خنجر لے لیا۔ حضرت اسماءؓ بنت یزیدؓ نے جنگ یرموک میں دشمنوں کی بڑھتی ہوئی فوجوں کو روکنے میں مردوں کے شانہ بشانہ جنگ میں حصہ لیا۔ رومیوں نے جب عورتوں کے خیموں پر حملہ کرنا چاہا تو سیدہ اسماءؓ نے خیمے کی چوب اکھاڑ لی اور نو رومی سپاہیوں کو جہنم واصل کر دیا۔ حضرت امیمہؓ بنتِ قیس بن ابی السلط غفاریہ کی روایت ہے "میں بنو غفار کی عورتوں کے ساتھ نبی پاکؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ ہم نے عرض کیا" یارسولؐ ہم چاہتی ہیں کہ جہاد میں آپ کے ساتھ حصہ لیں اور زخمیوں اور مریضوں کی دیکھ بھال اور علاج کریں۔ " آپ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ برکت عطا فرمائے۔ تمہارا ارادہ نیک ہے۔

سیدہ اُمِ موسیٰ لخمیہ بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے جنگِ یرموک میں حصہ لیا تھا۔ ان کی روایت ہے "ہم عورتیں ایک خیمے میں تھیں۔ میں نے دیکھا کہ ایک رومی نے ایک مسلمان کو قابو کر لیا ہے اور اسے کھینچے لئے جا رہا ہے۔ میں نے خیمے کی چوب لی اور دوڑ کر رومی کے سر پر دے ماری۔ مسلم سپاہی نے بھی موقع غنیمت جانا اور اپنا ہتھیار اٹھایا اور اسے قتل کر ڈالا۔" سیدہ اُمِ حکیم بنتِ زبیر بن عبدالمطلب حضورِ اکرمؐ کی چچازاد بہن تھیں۔ انہوں نے جنگ مرج الصفر میں خیمے کی چوب سے سات کافروں کو قتل کر دیا تھا۔ اسی جگہ حضرت خالدؓ بن سعید نے ان سے شادی کی تھی اور سہاگ شب گزاری تھی۔

خواتینِ اسلام اور مسندِ علم

نیک اور صالح خواتین جنہیں اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے ساتھ علم کی زینت بھی بخشی ہو بڑی قدر و منزلت سے دیکھی جاتی ہیں۔ صحیح حدیث میں ایسی روایات موجود ہیں کہ صالح اور عالم عورتوں کے پاس صحابۂ کرام مسائل پوچھنے اور حدیث سننے کیلئے حاضر ہوا کرتے تھے۔ وہ پردے کے پیچھے سے علمی

Marfat.com

موضوعات پر گفتگو کرتی تھیں۔ اس پر بھی اجماع امت ہے کہ عورت ضرورت کے مطابق اپنے گھر سے باہر جاسکتی ہے مگر اسے باپردہ باہر نکلنا ہوگا کہ لوگوں کی نظریں اس کے حسن کی جانب نہ اٹھیں۔ مسلمان عورت کیلئے لمبے سفر پر جانے کیلئے محرم کا ساتھ ضروری ہے لیکن اگر کوئی ایسی اضطراری حالت ہو کہ محرم ساتھ نہ جاسکے تو وہ تنہا سفر کر سکتی ہے۔ اس کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ سفر ملتوی نہ کیا جاسکتا ہو اور اس پر جانا ازحد ضروری ہو۔

علیہ بنت حسانؒ بنی شیبان کی کنیز تھیں مگر ازحد عاقل اور صاحبِ علم خاتون تھیں۔ بصرہ میں بڑے علماء مثلاً صالح المری وغیرہ ان کے پاس حدیث اور فقہ کے مسائل پوچھنے کیلئے حاضری دیا کرتے تھے۔ اس دور میں زینب بنت ام سلمہؓ مدینہ کی عورتوں میں سب سے بڑی فقیہہ تھیں۔

سیدنا عمرؓ بن خطاب پر قاتلانہ حملہ ہوا تو مجلسِ شوریٰ کے ارکان کی طویل نشستیں ہوئیں۔ انہیں حضرت عمرؓ کے جانشین کا فیصلہ کرنا تھا۔ مسئلہ نہایت اہم اور صورت حال بڑی نازک تھی۔ شوریٰ کے اجتماعات حضرت فاطمہؓ بنتِ قیس بن خالد کے گھر میں منعقد ہوتے رہے۔

حضرت بلالؓ نے سب سے پہلی اذان سیدہ نوارؓ بنتِ مالک کے مکان کی چھت سے پڑھی تھی۔ یہ سب مسلم معاشرے میں خواتین کی عظمت اور شرف کے دلائل ہیں۔

عورتوں کو زیبائش کی اجازت

عورتوں کو زیب و زینت کی اجازت ہے مگر ان کی زیب و زینت ان کے شوہروں کی خاطر ہوتی ہے۔ شمع محفل بننے کا تصور اسلام میں بالکل نہیں ہے۔ حضرت ام نوجوان لڑکیوں کے بال گوندھنے، انہیں مہندی لگانے اور ان کے جسم و لباس کی زیبائش کا کام کیا کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا "یا رسول اللہ میں خواتین کے بناؤ سنگار کا کام کرتی ہوں تاکہ وہ اپنے شوہروں کے دل لبھا سکیں۔" اس

Marfat.com

بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟" آپ نے فرمایا "اگر زیبائش کی محتاج ہوں تو ان کا بناؤ سنگار کرتی رہو۔"

ایک انصاری صحابیہ جنہوں نے دونوں قبلوں کی جانب منہ کر کے نماز پڑھی تھی اور صاحبہ صلوٰۃ القبلتین کہلاتی تھیں بیان کرتی ہیں کہ ایک بار حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں تشریف لائے۔ میں نے ہاتھوں میں مہندی نہیں لگائی ہوئی تھی۔ آپ نے فرمایا "ہاتھوں میں مہندی لگایا کرو۔ مہندی کے بغیر عورتوں کے ہاتھ مردوں کے ہاتھوں کی طرح (غیر مزین) نظر آتے ہیں۔" وہ صحابیہ اسّی سال کی عمر میں بھی مہندی لگاتی تھیں۔ انہوں نے حضورِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم سننے کے بعد کبھی مہندی لگانا نہ چھوڑی تھی۔

چوتھی صدی ہجری میں مصر میں جامع عمروؓ ابن العاص اسلامی تعلیمات اور وعظ وارشاد کا مرکز تھی۔ تشنگانِ علم یہاں جمع ہوتے اور اپنی پیاس بجھاتے تھے۔ سب سے موثر حلقۂ درس سیّدہ ام الخیر الحجازیہ کا ہوتا تھا۔

Marfat.com

شادی سے پہلے بیوی کو دیکھنے کی اجازت اور اس کی حدود

رشتے کا پیغام دینے کے وقت اپنی منگیتر کو ایک نظر دیکھ لینے کی اجازت ہے مگر یہ حکم یا واجب نہیں ہے۔ القرطبی ۴۰۳/۵ پر سنن ابو داؤد سے حضرت جابرؓ کی ایک روایت نقل کی گئی ہے "جب تم میں سے کوئی شخص کسی عورت کو شادی کا پیغام دے تو ایک نظر اسے دیکھ لیا کرے اگر یہ ممکن ہو۔" ایک نظر دیکھ لینے کی اجازت ہے مگر شادی سے قبل کی ملاقاتوں اور شناسائیوں کا اسلام سے ہرگز کوئی تعلق نہیں ہے۔ ایک نظر دیکھ لینا بھی اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ بزرگوں کی موجودگی میں ملاقات ہو۔

شہید کی ماں

مسلمان عورتوں نے اخلاق و کردار اور دین و دنیا کے ہر کام میں اعلیٰ

نمونے پیش کئے ہیں۔ وہ جرأت و شجاعت اور صبر و تحمل کا ایسا معیار پیش کرتی ہیں جسے دیکھ کر ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔ سیدہ معاذہ عدویہؒ کا بیٹا شہید ہو گیا تو کچھ خواتین ان کے پاس آئیں، سیدہ معاذہؒ نے کہا "اگر تم مجھے مبارک باد دینے کیلئے آئی ہو تو خوش آمدید اور اگر اس کے علاوہ کوئی مقصد ہے تو بہتر ہے کہ آپ تشریف لے جائیں۔" جس بیٹے نے اللہ کی راہ میں شہادت پائی اس کے لئے تعزیت کا تصور بھی اس کی ماں نہ کر سکتی تھی۔

جرأت و شجاعت کے واقعات رقم کرنے والیوں نے علم و عرفان کے چراغ بھی روشن کئے تھے۔ ایک مرتبہ ابیؓ بن کعب اور حضرت عمرؓ کے درمیان ایک مسئلے پر اختلاف ہو گیا کہ جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے اور وہ حاملہ ہو تو دوسرا نکاح کب کرے؟ ابی بن کعب کہتے تھے کہ وضع حمل کے بعد وہ نکاح کر سکتی ہے۔ حضرت عمرؓ نے اس سے اختلاف کیا مگر حضرت ابیؓ بن کعب کی اہلیہ سیدہ ام طفیل نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث پیش کی کہ حضرت سبیعہ اسلمیہ رضی اللہ عنہا کے خاوند زیدؓ بن خولہ فوت ہوئے تو وہ حاملہ تھیں۔ وضع حمل کے بعد حضور اکرمؐ نے انہیں نکاح ثانی کی اجازت دے دی۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ مطمئن ہو گئے۔

مسلمان عورتوں کو علم سے بے بہرہ رکھنا اسلامی اصولوں کے خلاف اور عورتوں پر ظلم ہے۔ صدرِ اول میں عورتیں پڑھتی لکھتی تھیں اور پڑھنے کے بعد دوسروں کو تعلیم دیتی تھیں، اُمِ سعدؓ بنت ربیعؓ ایک فاضلہ خاتون تھیں۔ صحابہ کرام ان کے پاس حاضر ہوتے اور قرآن مجید اور حدیث کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ وہ قرات کی اغلاط میں طلبہ کی تصحیح کیا کرتی تھیں۔ خواتین نے دعوت و تبلیغ کے میدان میں بھی بڑے بڑے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ حضرت اِم شریکؓ نے مکہ میں کٹھن حالات میں بھی قریش کی خواتین کو اسلام کی دعوت دی۔ وہ چھپ چھپا کر اپنا پیغام پہنچاتی تھیں اور اسلام قبول کر لینے والی خواتین کو سمجھا دیتی تھیں کہ کس طرح خفیہ طور پر اپنے دین کی حفاظت کریں۔

حضرت ام السائبؓ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں عطر فروخت کیا کرتی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس سے منع نہ فرمایا

Marfat.com

تھا۔ سیدہ کعیبہ بنت سعد اسلمیہؓ کا ایک مستقل خیمہ مسجد نبوی میں لگا رہتا تھا۔ وہ ان کا کلینک تھا جس میں مریضوں اور زخمیوں کا علاج کیا کرتی تھیں۔ خیبر کی جنگ میں بھی وہ اپنے سامان علاج اور دوائیوں کے ساتھ شامل ہوئی تھیں۔ ان خواتین نے زندگی میں بھرپور حصہ لیا مگر شرم وحیا کو ہمیشہ ملحوظ خاطر رکھا۔ ایک انصاری صحابی حضرت خلاد شہید ہو گئے۔ ان کی والدہ کو بتایا گیا کہ ان کا بیٹا شہید ہو گیا ہے۔ ام خلاد اپنے بیٹے کے جسم کو دیکھنے کیلئے گھر سے نکلیں۔ انہوں نے پوری طرح حجاب پہن رکھا تھا۔ دیکھنے والوں نے دیکھا تو تعجب سے پوچھا "ام خلاد، تمہارا بیٹا شہید ہو گیا ہے اور اب بھی تم نے حجاب اوڑھ رکھا ہے؟" انہوں نے برجستہ جواب دیا "میرا لختِ جگر خلاد شہید ہو گیا تو کیا میں اپنی شرم وحیا کو بھی قربان کر دوں؟"

مسلمان عورتوں نے حصولِ علم کے لئے اس قدر اہتمام کیا تھا کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر سوالات پوچھا کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ ایک صحابیہ آپ کے پاس آئیں اور عرض کیا "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مردوں کو تو ہر وقت آپ سے علمی استفادے کا موقع ملتا رہتا ہے مگر ہم خواتین محروم رہتی ہیں، ہمارا مطالبہ ہے کہ ہفتے میں کم از کم ایک دن ہمارے لئے مخصوص کر دیا جائے۔" چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کی تعلیم کے لئے ایک دن وقف کر دیا تھا۔ اس روز وہ سب کسی ایک گھر میں جمع ہو جاتی تھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلیم حاصل کرتی تھیں۔

اُمِّ کلثوم بنتِ ابی بکرؓ

حضرت عمرؓ کی آنکھوں کے سامنے یہ سارے واقعات رونما ہوئے تھے۔ وہ عورتوں کا مقام و مرتبہ خوب پہچانتے تھے۔ انہوں نے حضرت ابو بکرؓ کی وفات کے چند سال بعد ان کی بیٹی ام کلثوم بنت ابو بکرؓ کا رشتہ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے

بعض مؤرخین کی تحقیق کے مطابق حضرت اُم کلثومؓ حضرتِ ابو بکرؓ کی وفات کے بعد ۱۳ھ پیدا ہوئیں۔ اس لیے یہ واقعہ خلافِ حقیقت ہے (مترجم)

Marfat.com

مانگا۔ سیدہ عائشہ نے کہا ''امیر المومنین آپ کی طلب پر کیسے انکار ہو سکتا ہے؟''

جب حضرت عمرؓ چلے گئے تو ام کلثوم نے حضرت عائشہ سے سخت احتجاج کیا اور کہا ''آپ جانتی ہیں عمر سخت گیر بھی ہیں اور ان کی زندگی حد درجہ سادہ اور بے کیف ہے۔ میں تو چاہتی ہوں کہ کسی ایسے نوجوان سے شادی کروں جو دنیا کی ہر نعمت میرے قدموں میں لا کر رکھ دے۔''

حضرت عائشہؓ نے اپنی بہن کی بات سنی اور خاموش رہیں۔ پھر حضرت عمروؓ ابن العاص کو بلا بھیجا اور ان کے سامنے مسئلہ پیش کر دیا۔ انہوں نے کہا ''امی جان آپ فکر نہ کریں۔ میں اس مسئلے کا حل نکالتا ہوں۔''

حضرت عمروؓ ابن العاص ام المومنین کے ہاں سے اٹھے اور سیدھے امیر المومنین کے پاس پہنچے اور پوچھا ''امیر المومنین آپ کوئی نیا نکاح کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں؟'' فرمایا ''ہاں عنقریب۔'' پوچھا ''کس عورت کو آپ نے منتخب کیا ہے؟'' جواب دیا ''ام کلثوم بنت ابو بکر کو۔'' انہوں نے کہا ''آپ کیلئے یہ رشتہ موزوں نہیں ہو گا۔ وہ لڑکی یتیم ہے اور ناز و نعمت میں پلی ہے۔ آپ کے ہاں اگر اس نے سخت زندگی کا اپنے آپ کو عادی نہ بنالیا تو مشکل پیدا ہو جائے گی۔ وہ ابو بکرؓ کی بیٹی ہے۔ اگر اس نے کبھی اپنے باپ کا حوالہ دے کر اپنی مشکلات کا اظہار کیا تو ہم سب کے لئے باعث رنج ہو گا۔''

حضرت عمرؓ بڑے ذہین تھے۔ فرمایا ''معلوم ہوتا ہے عائشہ نے تجھے بھیجا ہے؟'' کہا ''جی ہاں آپ نے ٹھیک فرمایا ہے۔'' حضرت عمرؓ نے ام کلثوم سے نکاح کا ارادہ ترک کر دیا اور حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ سے ان کی شادی ہو گئی۔

حضرت عمرؓ نے اس انکار پر نہ برا منایا نہ کوئی شکایت کی۔ حضرت عمرؓ کی وسعت قلبی اور ذہانت اس واقعہ سے بالکل عیاں ہے۔ اسی طرح حضرت عمروؓ ابن العاص کی معاملہ فہمی اور تدبر کا بھی پتہ چلتا ہے۔ اسلام نے ہر فرد کو شخصی آزادی دی ہے اور سربراہ مملکت کسی کے حقوق پر قدغن نہیں لگا سکتا۔

Marfat.com

بناتِ اسلام کو نصیحت

میں اپنی مسلم بیٹیوں کو بتانا چاہتا ہوں کہ اسلام ان کا قلعہ ہے۔ اس نے انہیں ہر طرح کی حفاظت و صیانت مہیا کی ہے۔ انہیں چاہئے کہ اس کے احکام کو جانیں اور ان کی پابندی کریں۔ جو ہوس پرست میری بیٹیوں کو سبز باغ دکھا کر اسلام سے دور لے جانا چاہتے ہیں وہ ان کے بدترین دشمن ہیں۔ ان کی شیطانی چالوں سے ہر بنتِ اسلام کو ہوشیار رہنا چاہئے۔ مادام مارسیل اور مادام بوفوار اور مادام فلاں فلاں کے پیچھے بھاگنے کی بجائے اپنا تشخص اسلام کی زریں تاریخ اور ارفع اصولوں کی روشنی میں اجاگر کیجئے۔ اسی سے تمہاری ذاتی بھلائی وابستہ ہے اور اسی میں تمہارے وطن، تمہارے صنف اور آئندہ نسلوں کا مفاد اور بقا مضمر ہے۔

جس طرح حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خواتین کے حقوق کا خصوصی لحاظ فرماتے تھے اسی طرح حضرت عمرؓ بھی ان کو زندگی کے جملہ شعبوں اور معاملات حکومت میں اعتماد میں لیا کرتے تھے۔ حضرت شفاءؓ بنت عبداللہ عدویہ آپ کی رشتہ دار تھیں۔ سبقت فی الاسلام اور اصابتِ رائے سے متصف تھیں۔ حضرت عمرؓ ان سے کئی اہم ریاستی معاملات میں مشورہ لیا کرتے تھے اور اکثر ان کی رائے کو پسند کرتے تھے۔ حضرت سودہؓ حضور اکرم کی زوجہ مطہرہ تھیں۔ دستکاری میں ماہر تھیں۔ طائف کی مشہور کھالیں بنایا کرتیں اور ان سے جو آمدنی ہوتی وہ راہ خدا میں خرچ کر دیتی تھیں۔

ثابت بن قیس بن شماسؓ نے جمیلہ بنتِ ابی سلام سے شادی کی مگر جمیلہ حضرت ثابت کو پسند نہ کرتی تھیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا تو کہا "یا رسول اللہؐ بخدا میں ثابت کے دین اور اخلاق میں کوئی نقص نہیں پاتی مگر ان کی بدصورتی کی وجہ سے میرا دل ان سے ابا کرتا ہے۔" آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جمیلہ سے حضرت ثابت کا دیا ہوا باغ واپس لے کر حضرت ثابت کے حوالے کر دیا اور دونوں کے درمیان تفریق کرا دی۔

Marfat.com

بیٹیاں جنت کی ضمانت ہیں

بیٹیوں کو بوجھ اور عار سمجھا جاتا تھا مگر اسلام نے بیٹی کو جنت کی ضمانت قرار دیا۔ بیٹیوں سے محبت اور حسنِ تربیت کا حکم دیا گیا ہے۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "میں نے اپنی امت کے ایک شخص کو دیکھا کہ اسے دوزخ میں پھینکے جانے کا حکم صادر ہو گیا۔ اس کی بیٹیاں اس سے چمٹ گئیں۔ وہ چیخنے لگیں اور انہوں نے کہا "اے مولائے کریم' یہ ہمارا باپ ہے۔ ہم سے دنیا میں اچھا سلوک کیا کرتا تھا۔ اس پر رحم فرمایئے۔" پس اللہ تعالیٰ نے اس پر رحم فرما کر اسے دوزخ سے نجات دے دی۔ یہ بیٹیوں ہی کا مقام ہے۔ بیٹوں کو یہ درجہ حاصل نہیں ہے۔

علماء کرام نے قرآن مجید سے بعض علمی نکات نکالے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید عورتوں کی فراست و ذہانت اور تدبّر و فضیلت پر دلیل ہے۔
سورۃ قصص میں شیخ مدین کی بیٹی کا یہ قول اس کی فراست کا ثبوت ہے

"ان دونوں عورتوں میں سے ایک نے اپنے والد سے کہا "ابا جان اس شخص کو نوکر رکھ لیجئے۔ بہترین آدمی جسے آپ ملازم رکھیں وہی ہو سکتا ہے جو مضبوط اور امانت دار ہو۔" (آیت ۲۶)

سورۃ قصص ہی میں عورت کی ذہانت اور بہترین تدبر کی دلیل ملتی ہے۔
(موسیٰ کی بہن نے) کہا "میں تمہیں ایسے گھر کا پتہ بتاؤں جس کے لوگ اس کی پرورش کا ذمہ لیں اور خیر خواہی کے ساتھ اسے رکھیں۔"

سورۃ النمل میں ملکہ سباء کا ذکر ہے۔ اسے کاروبارِ سلطنت کی نزاکتیں بخوبی معلوم تھیں۔ اس نے حضرت سلیمانؑ کا پیغام ملنے کے بعد اپنے درباریوں سے کہا

"اے سردارانِ قوم میرے اس معاملے میں مجھے مشورہ دو میں کسی معاملہ کا فیصلہ تمہارے بغیر نہیں کرتی ہوں۔" (آیت ۳۲)

Marfat.com

اس نے مزید عقل مندی کا ثبوت دیتے ہوئے کہا
"میں ان لوگوں کی طرف ایک ہدیہ بھیجتی ہوں۔
پھر دیکھتی ہوں کہ میرے ایلچی کیا جواب لے کر پلٹتے
ہیں۔" (آیت ۳۵)

قرآن مجید نے مرد اور عورت کو بطور انسان برابر درجہ دیا ہے۔ سورۃ المائدہ کی آیت ۴۵ میں اس جانب واضح اشارہ ہے۔ عورت کو مرد پر سورۃ شوریٰ میں سبقت دی گئی ہے جب فرمایا

"اللہ جسے چاہتا ہے بیٹیاں عطا کرتا ہے اور جسے
چاہتا ہے بیٹے دیتا ہے۔" (آیت ۴۹)

حضرت ام عمارہ انصاریہؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور عرض کیا "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید میں اکثر مردوں ہی کا تذکرہ ملتا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ عورتوں کو محروم کیوں رکھا گیا ہے؟" اس پر سورۃ احزاب کی آیت ۲۵ نازل ہوئی جس میں اللہ تعالیٰ نے مردوں کے ساتھ عورتوں کا بھی ذکر کیا ہے "ان المسلمین والمسلمات"

مغربی معاشرے میں عورت کی تذلیل

مغربی معاشرے میں عورت کی جو توہین ہوتی ہے اسے دیکھ کر انسان خون کے آنسو روتا ہے۔ وہاں عورت کھلونا بن کر رہ گئی ہے۔ نہ اس کی عزت و آبرو محفوظ ہے نہ انسانی کرامت۔ نہ اسے معاشی تحفظ حاصل ہے نہ چادر اور چار دیواری کی پناہ۔ پھر ستم ظریفی یہ ہے کہ عورت بے چاری نے نام نہاد آزادی کے نام پر اپنا سب کچھ کھو دیا ہے۔ مغرب کا فساد زدہ معاشرہ اور اس کے نقیب اسلام پر زبانِ طعن دراز کرتے ہیں اور ہمارے بعض مسلمان بلاوجہ ان کے سامنے معذرت خواہانہ انداز اختیار کر لیتے ہیں۔ ہمیں مدافعانہ طرز اختیار کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ ہمارا نظامِ حیات دنیا کا سب سے اعلیٰ اور فطرت پر

Marfat.com

مبنی نظام ہے۔

اوپر ہم نے حضرت ام کلثومؓ بنت ابو بکرؓ کا تذکرہ کیا ہے۔ انہوں نے اپنی بہن سیدہ عائشہ صدیقہ سے اپنے مجوزہ رشتے کے بارے میں احتجاج کرتے ہوئے کہا تھا کہ اگر ان کا نکاح ان کی مرضی کے بغیر کر دیا گیا تو وہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کریں گی۔ ان کے ان الفاظ کو نقل کرتے ہوئے میری توجہ اس موضوع کی طرف مبذول ہو گئی ہے۔ قرآن مجید کی سورۃ نساء آیت ۶۴ میں ارشاد ربانی ہے

> ''اگر انہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا ہوتا کہ جب یہ اپنے نفس پر ظلم کر بیٹھے تھے تو تمہارے پاس آ جاتے اور اللہ سے معافی مانگتے اور رسول بھی ان کیلئے معافی کی درخواست کرتا تو یقیناً اللہ کو بخشنے والا اور رحم کرنے والا پاتے۔''

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی میں لوگوں کیلئے اللہ سے معافی طلب کرتے تھے تو کیا اب بھی کرتے ہیں؟ اس معاملے میں لوگوں کی آراء مختلف ہیں مگر میری رائے ہے کہ اب بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اہل ایمان کیلئے جو واقعی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے مستحق ہیں دعا مانگتے ہیں۔ آپ کی قبر کے پاس اونچی آواز سے گفتگو سوئے ادب ہے اور اس پر علماء کا اتفاق ہے۔ آخر کیوں؟ اسی لئے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم آواز سنتے ہیں اور اللہ تعالیٰ آپ کو سنواتا ہے۔

امام نوویؒ نے تو مسلم کے حاشیہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ صالحین اور نیک لوگوں کے مدفن کے پاس قبر کی جگہ مل جانا خوش قسمتی اور برکت کا باعث ہوتی ہے۔ (دیکھئے مسلم جلد پنجم صفحہ ۲۲۳) قرآن و سنت سے ثابت ہے کہ صالحین اور اہلِ تقویٰ کی قبروں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور برکت نازل ہوتی رہتی ہے۔ جب عام لوگوں کا یہ حال ہے تو گنبدِ خضریٰ کے مکین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا تو مقام ہی یہ ہے کہ اللہ کے بعد انہی کا مرتبہ ہے۔

Marfat.com

سعیدؒ ابنِ المسیّبؒ کا عجیب وغریب تجربہ

حضرت سعیدؒ ابنِ المسیبؒ جو سید التابعین اور حضرت ابو ہریرہؓ کے داماد تھے کبھی مسجد سے غیر حاضر نہ ہوتے تھے۔ واقعۂ حرّہ میں جب مدینہ منورہ پر آفت نازل ہوئی اور مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کیلئے کوئی نمازی نہ آسکتا تھا تو حضرت سعید ابن المسیب مسجد ہی میں معتکف ہوگئے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ ہر نماز کے وقت میں روضہ اطہر سے اذان کی آواز سنتا تھا۔ یہ آواز سن کر میں اٹھتا اقامت کہتا اور نماز ادا کرتا۔ مسجد میں میرے سوا کوئی دوسرا آدمی نہ ہوتا تھا۔

امام ابنِ تیمیہؒ ''العقیدہ'' ''الواسطیہ'' میں بیان فرماتے ہیں ''اہلِ سنت والجماعت کے بنیادی عقائد میں یہ بات بھی شامل ہے کہ اولیاء اللہ کی کرامتوں اور ان کے ہاتھ پر واقع ہونے والے خرقِ عادت واقعات کی تصدیق کریں۔''

امام نوویؒ نے مسلم جلد چہارم صفحہ ۸۵۳ پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جبہ مبارک کو تبرک کیلئے پہننے والی حدیث کے تحت حاشیے میں لکھا ہے کہ اہل اللہ کے آثار سے تبرک اور ان کے لعاب سے بچوں کو گھٹی دینا جائز ہے۔ امام نوویؒ مزید بیان کرتے ہیں کہ اہلِ سنت، اولیاء اللہ کی کرامتوں کا انکار نہیں کرتے البتہ معتزلہ ان کا انکار کرتے ہیں۔

صحیح مسلم میں حضرت ابو الطفیلؓ کی روایت ہے کہ انہوں نے

Marfat.com

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو طواف کے دوران حجرِ اسود کو بوسہ دیتے اور رکنِ یمانی کو ہاتھ سے چھوتے ہوئے دیکھا۔ یہ پتھر ہی تو ہیں مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حکم سے انہیں بوسہ دیا اور چھوا۔ پتھر کسی کا کیا بگاڑ سکتے ہیں! ان کو بوسہ دینا اور چھونا اس لئے متبرک ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا تھا۔

ابو المسلم الخولانی التابعیؒ

ایک تابعی کا واقعہ بڑا ایمان افروز ہے۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے آگ سے بچا لیا تھا۔ اسود بن قیس بن ذی الخمار نے یمن میں نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ اس نے لوگوں کو اپنی نبوت پر ایمان لانے کیلئے بڑے بڑے ابتلا و محن سے گزارا۔ ابو المسلم الخولانیؒ کو اس نے اپنے دربار میں بلوایا اور ان سے کہا "کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد اللہ کے رسول ہیں؟" انہوں نے فرمایا "ہاں میں یہ گواہی دیتا ہوں۔" اس نے پوچھا "کیا تم گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟" انہوں نے جواب دیا "نہیں میں یہ گواہی نہیں دیتا۔" اس نے بار بار اپنا سوال دہرایا اور انہوں نے ہر بار وہی جواب دیا۔ بالآخر اس نے حضرت خولانی کو آگ میں پھینکوا دیا مگر وہ آگ سے زندہ سلامت نکل آئے۔ اس کے ساتھیوں نے اسے مشورہ دیا کہ اس شخص کو جلاوطن کر دینا چاہئے ورنہ یہ اس کیلئے خطرہ ثابت ہوں گے۔ ابو مسلم الخولانیؒ مدینہ کی جانب روانہ ہوئے۔ اسی دوران میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا۔ وہ مدینہ پہنچے تو سیدنا ابو بکرؓ کی بیعت ہو چکی تھی۔ انہوں نے اپنی اونٹنی مسجد کے دروازے پر بٹھائی اور مسجد میں داخل ہو کر ساریہ (ستون) کے پاس نماز پڑھنے لگے۔ حضرت عمرؓ نے انہیں دیکھا تو ان سے پوچھا "تم کون ہو؟" انہوں نے کہا "میں یمن سے آیا ہوں۔" حضرت عمرؓ نے پوچھا "مجھے بتاؤ کہ اس شخص کا کیا حال ہے جسے کذّاب نے جلانے کا حکم دیا تھا؟" انہوں نے کہا "وہ خدا کا بندہ ٹھیک ہے۔" آپ نے فوراً کہا "بخدا میرا خیال ہے کہ وہ تم ہی ہو؟" انہوں نے کہا "جی

ہاں میں ہی ہوں۔ "

حضرت عمرؓ ان سے لپٹ گئے اور ان کو چومنے لگے اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ پھر انہیں ساتھ لے کر خلیفۂ رسول کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ جلیل القدر تابعی شیخین کے درمیان بیٹھے ہوئے تھے اور لوگ انہیں عقیدت و محبت سے دیکھ رہے تھے۔ اس موقع پر حضرت عمرؓ نے کہا "حمد و تعریف اس اللہ کیلئے ہے جس نے مجھے اپنی زندگی میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس امتی کی زیارت کرا دی جس نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی سنت تازہ کر دی ہے۔

ہر مدعی ولی اللہ نہیں ہوتا

صحابہ کرام اور صلحائے امت کی بہت سی کرامات کا تذکرہ مستند کتابوں میں ملتا ہے۔ ان کی تفصیلات اسد الغابہ، طبقات ابن سعد، تاریخ ابن کثیر اور دوسری کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہے۔ معجزات انبیاء و رسل کے ساتھ مخصوص ہیں اور کرامات اولیاء اللہ کے ساتھ۔ ہر شخص جو دعویٰ کر دے کہ وہ ولی اللہ ہے ولی نہیں ہو سکتا۔ اولیاء اللہ تو وہ لوگ ہیں جو قرآن و سنت کے تابع ہوتے ہیں اور اپنا سب کچھ اللہ کے حکم پر قربان کر دیتے ہیں۔

سیدنا عمرؓ کے دورِ خلافت میں خشک سالی کی وجہ سے بہت خوفناک قحط پڑ گیا تھا۔ لوگ بھوکوں مرنے لگے۔ حضرت عمرؓ نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ کا ہاتھ پکڑا اور دعا مانگی "اے اللہ ہم تیرے نبی کی زندگی میں انؐ کو ذریعہ بنایا کرتے تھے۔ اب میں ان کے چچا کو واسطہ بناتا ہوں۔ ہم پر جو مصیبت آ گئی ہے اسے دور کر دے اور بارانِ رحمت نازل فرما دے۔"

نمازِ استسقیٰ اور دعا سے فارغ بھی نہ ہوئے تھے کہ بارش برسنے لگی۔

حضرت عمران بن حصینؓ صحابی سے اللہ کے فرشتے راستہ چلتے ہوئے مصافحہ کیا کرتے تھے۔ حضرت ابوہریرہؓ نے حضرت علاءؓ بن حضرمی کا واقعہ بیان کیا ہے کہ وہ طویل سفر سے مدینہ واپس آ رہے تھے۔ دھنا کے مقام پر ریگستان

میں ان کا پانی ختم ہو گیا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی تو ریت کے نیچے سے پانی نکل آیا۔ انہوں نے اور ان کے ساتھیوں نے پانی پیا۔ اس مقام پر کسی شخص کی کوئی چیز رہ گئی تھی۔ کچھ دور جا کر اسے احساس ہوا۔ وہ واپس پلٹا اور وہاں پہنچا تو پانی غائب تھا۔

اولیاء اللہ اور صالحین کے ساتھ تعلق توحید کی حدود کے اندر ہو تو عین مطلوب ہے۔ توحید بنیاد ہے جہاں یہ مجروح ہو وہاں سب کچھ باطل ہو جاتا ہے۔ اس معاملے میں افراط و تفریط سے بچنا چاہئے۔ انتہا پسندی کسی بھی جانب ہو خطرناک ہوتی ہے۔

اولیاء اللہ کی صفات

اولیاء اللہ ہیں کون؟ وہ لوگ جو اللہ کے حقوق کو پہچانتے اور ادا کرتے ہیں جیسا ان کے ادا کرنے کا حق ہے۔ دین نے ان کے لئے جو اصول مقرر کر دیئے ہیں ان کو جانتے ہیں اور ان پر عمل پیرا رہتے ہیں' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا امت پر جو حق ہے اس سے واقف ہیں اور اسکے تقاضوں کو پورا کرتے ہیں۔ مسلمانوں کے حقوق' عامتہ الناس کے حقوق اور خود اپنے نفس کے حقوق کا اچھی طرح ادراک رکھتے ہیں اور ان کی ادائیگی میں کبھی کوتاہی نہیں کرتے۔ جس شخص کے اندر ان امور میں نقص پایا جاتا ہو وہ کہاں کا ولی اللہ ہے؟ محض روایتی عبادات سے کوئی شخص ولی اللہ نہیں بن سکتا بلکہ اسے اسلام کو مکمل طور پر زندگی کے ہر معاملے میں قولِ فیصل ماننا پڑتا ہے۔

حضورِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیثِ قدسی میں اللہ جل جلالہ کی زبانی ہمیں خبر دی کہ رب العزت فرماتے ہیں " میرا بندہ اپنے نوافل کے ذریعے مجھ سے تقرب حاصل کرتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ میرا محبوب بن جاتا ہے۔ جب وہ میرا محبوب ہو جائے تو میں اسکے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے' میں اسکی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے' اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے' اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ " آپ

Marfat.com

خود ہی اندزہ کر سکتے ہیں کہ اس حدیث قدسی کی روشنی میں جو بندہ اپنے آپ کو ڈھال لے اس سے خرقِ عادت اور کرامات کا ظہور ہو جائے تو کیا تعجب ہے۔

سعیدؓ بن جبیر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک روایت بیان کی ہے کہ آپ سے پوچھا گیا" اللہ کے ولی کون ہیں؟" آپ نے فرمایا" جنہیں دیکھ کر اللہ یاد آئے۔"

بعض علماء کا خیال ہے کہ جن مساجد کے قریب لوگوں کی قبریں ہوں ان میں خصوصی طور پر جانا گناہ ہے۔ یہ خیال انتہا پسندی اور شدت کے مترادف ہے۔ یہ تو ٹھیک ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا ہے کہ ثواب کے ارادے سے صرف تین مساجد یعنی مسجدِ حرام، مسجدِ اقصیٰ اور مسجدِ نبوی کی طرف سفر کا قصد کیا جائے۔ بعض علما اس حدیث سے یہ مفہوم نکالتے ہیں کہ کسی اور مسجد کی جانب رختِ سفر باندھنا مطلقاً حرام ہے مگر یہ جمہور کی رائے نہیں ہے۔ جمہور کے نزدیک ان تین مساجدِ مبارکہ پر کسی دوسری مسجد کو فضیلت دینا غلط ہے مگر کسی مسجد کی جانب سفر کر کے جانا حرام نہیں ہے۔ کوئی بھی مسلم کسی مسجد یا مقام کو ان تین مساجد کے مقابلے پر ہر گز کوئی فضیلت نہیں دے سکتا۔ اس لئے میری رائے میں ہمیں تشدد سے اجتناب کرنا چاہئے۔

حضرت عمرؓ اور حقِ نصیحت

حضرت عمرؓ کی صفاتِ جلیلہ میں سے ایک اہم صفت یہ تھی کہ آپ اپنے ہم نشینوں کے بارے میں باخبر رہتے تھے۔ جو مجلس سے غائب ہو جاتا اس کے بارے میں پوچھ گچھ کرتے جو حاضر ہوتا اس کی جانب توجہ دیتے اور جو کسی مشکل میں مبتلا ہو جاتا اسکی خبر گیری کے لئے تشریف لے جاتے تھے اہلِ شام میں سے ایک بہادر جنگ جو اکثر مجلس میں حاضری دیا کرتا تھا۔ طویل عرصہ وہ غیر حاضر رہا۔ اسکے بارے میں پوچھا تو پتہ چلا کہ شراب کی لت پڑ گئی ہے۔ آپ نے اپنے کاتب کو بلایا اور فرمایا" لکھ۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ عمرؓ بن خطاب کی طرف سے فلاں کے نام۔ تجھ پر اللہ کی سلامتی ہو، حٰم۔ اس کتاب کا نزول

Marfat.com

اللہ کی طرف سے ہے جو زبردست ہے' سب کچھ جاننے والا ہے' گناہ معاف کرنے والا اور توبہ قبول کرنے والا ہے۔ سخت سزا دینے والا اور بڑا صاحب فضل ہے۔ کوئی معبود اسکے سوا نہیں۔ سب کو اسی کی طرف پلٹنا ہے۔" اس کے بعد خط پر مہر لگائی اور قاصد سے کہا کہ خط اسکے حوالے اس وقت کرنا جب وہ نشے سے نکل کر ہوش و حواس میں ہو۔ پھر حاضرین سے کہا کہ سب مل کر اسکے لئے توبہ کی دعا کریں۔

اس شخص کو چٹھی ملی۔ اس نے کھول کر پڑھی تو کانپ اٹھا اور کہنے لگا "اللہ تعالیٰ نے مجھ سے مغفرت کا وعدہ کیا ہے اور مجھے اپنے عذاب سے ڈرایا ہے۔" وہ یہ الفاظ بار بار دہراتا رہا۔ پھر زارو قطار رونے لگا اور شراب سے توبتہ النصوح کی۔ حضرت عمرؓ کو اطلاع پہنچی تو بہت خوش ہوئے اور اللہ کا شکر ادا کیا اور فرمایا "جب اپنے کسی بھائی کو پھسلتے ہوئے دیکھو تو اسے سہارا دو۔ نیکی کی طرف دعوت دو اور اسکی مدد کرو۔ اسے شیطان کے پنجے میں گرفتار دیکھ کر اسکے مقابلے پر شیطان کی مدد نہ کیا کرو۔"

عمرؓ شفیق باپ اور ہمدرد مربّی تھے۔

امیر المومنین شفیق باپ اور ہمدرد مربیؓ تھے۔ وہ جانتے تھے کہ ہر شخص کے لئے علاج کا مخصوص طریقہ ہوتا ہے۔ کسی کے لئے ایک دوا مفید ہوتی ہے اور کسی کے لئے دوسری دوا کارگر۔ ہر شخص کو اسکے حسب حال دوا دی جانی چاہئے۔ پھر علاج کے ساتھ محبت اور ہمدردی کی دوا سے بھی زیادہ فائدہ مند ثابت ہوتی ہے۔ اپنے ایک جلیس کے بارے میں تشویشناک خبر سن کر امیر المومنین نے نہ غصہ کیا نہ پولیس کو حرکت دی بلکہ وہ قدم اٹھایا جو اسکے حق میں بہترین تھا۔

آج مسلمان ایک دوسرے کے حال سے بے نیاز اور غافل ہیں۔ ساتھی کو ساتھی سے دلچسپی نہیں اور بھائی کو بھائی کی فکر نہیں۔ کوئی غائب ہو جائے تو ان کی بلا سے اور کوئی موجود ہو تو انہیں کیا! ہر ایک اپنے حال میں مست

Marfat.com

اور اپنے مال میں غرق ہے۔ یہ بے اعتنائی حقیقت میں وہ کدال ہے جو اخوت کی عمارت کو منہدم کر دیتی ہے۔

حضرت عمرؓ محض بڑے بڑے صف شکن بہادروں اور معزز بزرگوں ہی کے بارے میں معلومات جمع نہیں کیا کرتے تھے بلکہ بظاہر بے حیثیت لوگ اور چھوٹے چھوٹے بچے بھی ان کی نظرِ التفات سے سعادت حاصل کرتے رہتے تھے۔ ایک لڑکا جو ہمیشہ مسجد میں ان سے ملا کرتا تھا کچھ دنوں کے لئے نظر نہ آیا تو اسکے بارے میں استفسار کیا۔ پتہ نہ چلا تو اسکے گھر تشریف لے گئے۔ اس کی ماں سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ وہ کچھ کھانے پینے کی چیزیں تیار کر کے بازار لے جاتا ہے اور انہیں بیچتا ہے۔ آپ نے اسے بازار میں ڈھونڈ نکالا اور محبت سے فرمایا ”تجھے یہ کیا سوجھی ہے۔ تو نے ماکولات کی تجارت شروع کر دی ہے؟ کیا تجھے اونٹوں، گایوں اور بکریوں سے دلچسپی نہیں ہے؟ کھانے پکانے والا اپنی دکان سے محبت کرتا ہے اور مویشیوں والا بارش سے محبت کرتا ہے۔“

آپ نے اسکے بارے میں لوگوں سے حال احوال پوچھنے پر اکتفا نہ کیا بلکہ اسی تلاش میں نکلے اور اس سے ملے۔ پھر اسکے ساتھ محبت بھری گفتگو کی اور اسے نصیحت فرمائی۔

میں آج کے حکمرانوں سے یہ توقع نہیں رکھتا نہ ان کے اندر اتنی صلاحیت ہے کہ وہ سیدنا عمرؓ کا نمونہ پیش کر سکیں مگر سربراہانِ مملکت کو اپنے گردونواح ایسی فعال اور مخلص ٹیم جمع کرنا چاہئے جو لوگوں سے براہِ راست رابطہ رکھیں اور ان کے دکھ سکھ کی خبر لیں۔ جب عامۃ الناس کو یہ احساس ہو کہ ذمہ دارانِ حکومت ان کے معاملات میں دلچسپی لیتے ہیں تو وہ ایسی شریفانہ حکومت سے سچی خیر خواہی کا معاملہ کرتے ہیں۔

حضرت عمرؓ اور تجارت وصنعت

حضرت عمرؓ نے تجارت کے لئے اصول وقوانین مرتب کئے تھے۔ ذخیرہ اندوزی، ملاوٹ، بلیک مارکیٹنگ، دھوکہ دہی اور ہر قسم کے غیر اخلاقی

Marfat.com

ہتھکنڈے ختم کر دیئے گئے تھے۔ تجارت بالکل صاف ستھری اور دیانتدارانہ اصولوں پر مبنی تھی۔ تجارت کے لئے اگرچہ کوئی سرکاری لائسنس نہیں دیا جاتا تھا مگر حضرت عمرؓ نے یہ شرط لگا دی تھی کہ تھوک کا کاروبار کرنے والے اور منڈیوں کے بڑے بڑے تاجر جب تک بیع و شراء کے اسلامی اصولوں کے ماہر نہ ہوں انہیں تجارت کی اجازت نہ دی جائے گی۔

بازار میں سے گزرتے تو ہر چیز پر نظر رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ دیکھا کہ ایک شخص بازار میں دودھ فروخت کر رہا ہے۔ دودھ میں پانی کی ملاوٹ تھی۔ آپ نے سارا دودھ نالی میں بہا دیا اور تنبیہ کی کہ آئندہ ملاوٹ نہ کی جائے۔ موجودہ دور میں ایوان ہائے تجارت قائم کئے جاتے ہیں۔ ان کا مقصد تحریراً تو یہ بتایا جاتا ہے کہ تجارت کو صاف ستھرے اصولوں پر منظّم کیا جائے۔ نہ صارفین کو نقصان پہنچے اور نہ تجارت پیشہ اصحاب کو۔ در آمد و بر آمد میں بھی کچھ اصول مرّتب کئے جاتے ہیں، عملاً کیا ہوتا ہے؟ یہ ایک الگ موضوع ہے۔ اس اصول کا آغاز سب سے پہلے سیدنا عمرؓ نے کیا تھا۔ ہر بازار کے لئے حکومت کی جانب سے ایک نگران مقرر کیا جاتا تھا اور ان نگرانوں پر ایک مسئول پورے شہر کا ذمہ دار ہوتا تھا۔ یہ لوگ ہر چیز کو منظّم کرتے تھے۔ حضرت سلیمان بن حثمہ اسلامی ریاست کے ایوان ہائے تجارت کے نگرانِ اعلیٰ تھے۔ مدینہ منورہ میں سائب بن یزیدؓ اور عبداللہ بن عتبہؓ بن مسعودؓ نگران تھے۔

تجارت ایک شریفانہ پیشہ ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود تجارت کی تھی۔ سچا اور امانت دار تاجر حدیث کے مطابق انبیاء، صدیقین، شہدائ اور صالحین کے ساتھ ہو گا۔ تجارت اور تجار کے بارے میں احادیث میں بڑی تفصیلات ملتی ہیں۔ ضروریاتِ زندگی کو صارفین تک پہنچانا ایک خدمت بھی ہے اور تجارت بھی۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے "جو شخص ایک شہر سے خوراک اور غذا کا سامان دوسرے شہر میں لاتا ہے اور وقت کے بھاؤ پر صارفین کے ہاتھ بیچ ڈالتا ہے اس کا درجہ اللہ کے ہاں شہدائ کے برابر ہے۔"

حضرت عمرؓ تدبر و دانش اور خلوص و ایمان کا مجسمہ تھے۔ آپ نے ایسا کامیاب نظامِ خلافت دنیا کے سامنے پیش کیا تھا جو انسانیت کے لئے سراسر بھلائی

Marfat.com

اور خیر کا موجب ہے۔ یہ ہر دور اور ہر معاشرے کے لئے موزوں ہے۔ باصلاحیت لوگوں کے راستے میں کوئی رکاوٹ کھڑی نہیں کی جاتی اور ناسمجھ سادہ لوح شہریوں کو بے یارومدد گار نہیں چھوڑا جاتا۔ اس میں نام نہاد ترقی یافتہ قوموں کے تباہ کُن رویّوں کا علاج بھی ہے اور پسماندہ قوموں کے دکھوں کا مداوا بھی۔ یہ متوازن طرزِ زندگی ہے جو انسان کی فطرت کے عین مطابق ہے۔

حضرت عمرؓ اور عدلیہ

عدلیہ کسی بھی حکومت کی شرافت و ذہانیت کو جانچنے اور کسی معاشرے کی حقیقی تصویر دیکھنے کا بہترین آئینہ ہوتا ہے۔ سیدنا عمرؓ کے دور میں عدلیہ فیصلہ کُن رول ادا کرتی تھی۔ قاضی باصلاحیت بھی تھے اور خداترس بھی۔ وہ آزاد بھی تھے اور ان کے فیصلے کی تکریم اور اطاعت بھی کی جاتی تھی۔ عدلیہ پر نہ انتظامیہ کی دھونس تھی اور نہ عدالتوں کو خصوصی احکام جاری کئے جاتے تھے۔ قرآن و سنت کی صورت میں قانون موجود تھا اور عدلیہ کی ذمہ داری یہ تھی کہ قانون کے مطابق فیصلے سنادے۔ کسی بھی غیرت منداور آزاد قوم کے لئے اس سے بڑی خوش نصیبی اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ ان کے ہاں قانون کی بالادستی کا مخلصانہ اہتمام ہو۔

عدلیہ کی آزادی اور قانون کی بالادستی

حضرت عمرؓ قاضیوں کے تقرر کے وقت انہیں ان کی شرائطِ ملازمت بتا دینے پر ہی اکتفانہ کیا کرتے تھے بلکہ اس بات کا بھرپور اہتمام ہوتا تھا کہ عدالتوں کا احترام ملحوظ رکھا جائے۔ وقتاً فوقتاً وہ زبانی اور تحریری طور پر اس کی وضاحت بھی کرتے رہتے تھے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو عدالت کے بارے میں جو خط

Marfat.com

لکھا تھا وہ آج تک عدلیہ کے مقام و مرتبہ پر حرفِ آخر کی حیثیت رکھتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے عدلیہ کے تقدس کو اپنی عملی مثالوں سے راسخ کیا تھا۔ حاکم وقت ہونے کے باوجود بارہا عدالت میں حاضر ہوئے اور عدالت کے فیصلوں کے سامنے سرِ تسلیم خم کیا۔ ان کے نزدیک عدالت کے احکام کو ماننا واجب تھا۔ سربراہِ مملکت سمیت کوئی بھی شخص قانون سے بالاتر نہ تھا۔

اپنے زمانۂ خلافت میں ایک مرتبہ کھجوروں کے ایک باغ کی ملکیت پر ان کا اور حضرت ابیؓ بن کعب کا جھگڑا ہو گیا۔ حضرت کعبؓ کا دعویٰ تھا کہ باغ ان کا ہے۔ بالآخر دونوں نے مقدمہ قاضی کے سامنے پیش کر دیا۔ عدالت نے مدعی سے ثبوت مانگا۔ وہ ملکیت کا ثبوت پیش نہ کر سکے۔ عدالت نے مدعا علیہ (امیر المومنین) سے کہا کہ وہ قسم اٹھائیں۔ انہوں نے قسم اٹھائی اور عدالت نے فیصلہ ان کے حق میں کر دیا۔ عدالت سے نکل کر حضرت عمرؓ نے باغ سیدنا ابیؓ بن کعب کو ھبہ کر دیا۔ ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے عدالت میں جانے سے قبل ہی ایسا کیوں نہ کر دیا۔ فرمایا "میں چاہتا تھا کہ لوگوں کو اپنے حقوق اور عدلیہ کی قوت کا اندازہ ہو جائے۔"

قاضیوں کی توقیر اور فیصلے کرنے میں کامل آزادی اسلام کا بنیادی اصول ہے۔ قاضی کو فیصلہ کرتے وقت سوائے اللہ کے کسی سے نہیں ڈرنا چاہئے۔ حضرت عمرؓ نے ہمیشہ خود کو لوگوں کے سامنے پیش کیا کہ جس کسی کو ان سے بدلہ لینا ہو لے لے۔ وہ قاضیوں کی عدالت میں بطور مدعی بھی پیش ہوئے اور بطور مدعا علیہ بھی۔ قاضیوں کے بےلاگ اور منصفانہ فیصلوں پر ہمیشہ ان کی تعریف فرمایا کرتے تھے۔ اگرچہ فیصلہ خود ان کے خلاف ہی کیوں نہ دیا گیا ہو۔

قاضی شریح کا تقرر

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے ایک بدو سے گھوڑے کا سودا کرنا چاہا۔ گھوڑا پسند کرنے کے لئے گھوڑے پر سوار ہوئے۔ گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور لنگڑا ہو گیا۔ آپ نے بدو سے کہا "اپنا گھوڑا لے لو میں یہ نہیں خریدنا چاہتا۔"

Marfat.com

اس نے کہا "نہیں اب میں اسے نہیں لیتا۔" حضرت عمرؓ نے کہا "اچھا ہم کسی ثالث سے فیصلہ کرا لیتے ہیں۔" اس نے کہا "ٹھیک ہے۔ شریح سے فیصلہ کرا لو۔" چنانچہ معاملہ شریح کے سامنے پیش کیا گیا۔ شریح نے کیس سننے کے بعد کہا "امیر المومنین جو گھوڑا آپ نے خریدا ہے اسے لے لیں وگرنہ جس حال میں اس کے ہاتھ سے لیا تھا اس حال میں اسے واپس کریں۔"

حضرت عمرؓ نے فیصلہ سنا تو عش عش کر اٹھے اور فرمایا "عدل ہو تو ایسا ہو۔" اسکے بعد آپ نے شریح کو قاضی مقرر کیا جو کئی خلفا کے دور میں قاضی القضاۃ کے فرائض سرانجام دیتے رہے اور قضاۃ کی تاریخ میں صفِ اول میں ان کا شمار ہوتا ہے۔

اس واقعہ سے کئی سبق ملتے ہیں۔

(۱)۔ مسلمان کی جرأت اور حسنِ خلق۔ ایک عامی آدمی نے خلیفہ کا حکم ماننے سے انکار کر دیا مگر ادب و احترام کو ملحوظ رکھا' اسے اپنے حقوق کا بھی بخوبی علم تھا اور خلیفہ کے مقام و مرتبہ سے بھی واقف تھا۔ حق ہر شخصیت سے زیادہ وقیع اور ارفع ہے۔ حق عامی آدمی کے ساتھ ہو گا تو وہ خلیفۂ وقت سے بھی مقدمہ جیت لے گا۔ عدالت ضمیر و حق کا خیال رکھے گی نہ کہ شخصیات کا۔

(۲)۔ خلیفۂ وقت کی خدا خوفی و حق شناسی خلیفۂ وقت نے نہ اپنی قوت کا مظاہرہ کیا اور نہ فریقِ مخالف کو زبردستی خاموش کرانا چاہا۔ انہوں نے مقدمہ ثالث کے سامنے پیش کر دیا اور اس کے فیصلے پر سرِ تسلیم خم کر کے عدل و انصاف کا زندۂ جاوید نمونہ پیش فرمایا۔ حضرت عمرؓ کو اس معاملے میں سبقت حاصل ہے۔ ہمارے دانشور مغرب کی ذہنی غلامی اور مرعوبیت کی بدولت ان ایمان افروز واقعات کی بجائے مغربی معاشرے کی مصنوعی مثالیں پیش کرتے ہیں۔

Marfat.com

(۳) ۔ ثالث کی ذہانت و فراست اور عدل و انصاف۔ ثالث نے حق و انصاف کا فیصلہ صادر کیا اور طرفین کو مطمئن کر دیا۔ خلیفہ کے سامنے دو متبادل رکھے کہ یا تو گھوڑا لے لیں اور یا اسے اسی حال میں واپس کریں جس حال میں بائع نے ان کے حوالے کیا تھا۔ قاضی کی صفات میں علم و فہم اور خشیت و تقویٰ اولین اہمیت رکھتی ہیں۔ قاضی کبھی غلطی بھی کر سکتا ہے اس لئے کہ غلطی سے پاک اور عیب سے مبرّا تو صرف ذاتِ الٰہی ہے۔ بہر حال قاضی جب مندرجہ صفات سے متصف ہو گا تو اسکے فیصلے ٹھیک ہوں گے اور کبھی بمقتضائے بشری غلطی بھی ہو جائے تو اس میں بھی وہ اجر سے محروم نہ ہو گا۔

(۴) ۔ محکوم علیہ کا فیصلے کے سامنے سر جھکا دینا۔ جس کے خلاف فیصلہ ہوا وہ حاکمِ وقت تھا مگر اس نے حق و انصاف کے فیصلے پر اطمینان اور مسرت کا اظہار کیا اور فیصلے کو خوش دلی سے قبول کیا۔ یہ مثال عدل کی جڑیں مضبوط کرنے اور قاضیوں کو حق کے فیصلے کرنے کی ترغیب دینے کے مترادف ہے۔ سلطان وقت تو اپنی مہلت عمل گزار کر دنیا سے چلا جاتا ہے مگر عدل و انصاف تو ہمیشہ موجود رہتا ہے۔ تاریخ ظالم حکمرانوں اور بے انصاف قاضیوں کو لعنت کے الفاظ سے یاد کرتی ہے اور عادل بادشاہوں اور باضمیر ججوں کو ان کی موت کے بعد بھی خراج عقیدت پیش کرتی رہتی ہے۔

(۵) ۔ تربیت کی عملی مثال۔ میرا خیال ہے کہ حضرت عمرؓ اس معاملے میں پہلے ہی سے جانتے تھے کہ عدل کا کیا تقاضا ہے۔ وہ سیدنا ابو بکرؓ کے ابتدائی دور میں قاضی رہ چکے تھے اور ان کی قضا مثالی درجہ رکھتی تھی۔ انہوں نے لوگوں کو عملی تربیت دینے کے لئے مقدمہ ثالث سے فیصل کرانے کی تجویز پیش کی تھی۔

اس موضوع کو ختم کرنے سے قبل میں چاہتا ہوں کہ ایک حقیقت واضح کر دوں۔ اسلام نے نہ صرف عدل و انصاف کا حکم دیا ہے بلکہ فوری عدل و

Marfat.com

انصاف کا اہتمام بھی کیا ہے۔ موجودہ دور میں عدالتوں اور استغاثہ و دفاع کو ہر قسم کی سہولتیں اور ذرائع و وسائل حاصل ہیں مگر مقدمات کے فیصلے مدتہا مدت تک معرضِ التواء میں پڑے رہتے ہیں۔ تاریخ اسلامی میں ہمارے قابلِ احترام قضاۃ مقدمات کو کبھی لٹکائے نہ رکھتے تھے۔ انصاف میں تاخیر انصاف دینے میں انکار کے مترادف ہوتی ہے۔ یحییٰ بن یعمر لیثی مشہور قاضی تھے۔ ان کے فیصلے بطور نظیر پیش کئے جاتے ہیں۔ وہ مرو میں جج تھے۔ گواہوں سے گواہی لینے سے قبل حلف اٹھوایا کرتے تھے۔ بارہا انھوں نے مقدمات کے فیصلے بازار میں طرفین کے دلائل اور شواہد سننے کے بعد صادر فرمائے۔ کبھی سرِ راہ عدالت لگ جاتی اور پورے رعب و وقار کے ساتھ حکم سنایا جاتا۔ بعض اوقات قاضی صاحب اپنے گدھے پر سوار کہیں جارہے ہوتے کہ فریقین ان کی باگ پکڑ لیتے۔ وہ مقدمہ سنتے اور فیصلہ سنا دیتے تھے۔ (ان کے فیصلوں پر کبھی تنقید اور جرح نہیں کی گئی۔)

غیر مسلم عورتوں سے شادی کا معاملہ

زندہ اور بیدار مغز قومیں اپنے فرزندوں کو اپنی ملت سے باہر شادیاں کرنے کی کبھی کھلی چھٹی نہیں دیتیں۔ جن لوگوں کے ساتھ نظریاتی اختلاف ہو ان کی بیٹیاں اگر ہمارے گھروں میں آجائیں تو دانستہ یا نادانستہ ہمیں نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گی۔ یہی وجہ ہے کہ محتاط اور عقل مند قومیں اپنے ابنائے وطن پر اور خصوصاً ذمہ داری کے مناصب پر فائز اصحاب پر اس معاملے میں پابندیاں عائد کرتی ہیں۔

بیوی گھر کی ملکہ ہوتی ہے، وہ گھر کے جملہ رموز و اسرار سے واقف ہوتی ہے۔ اس سے آپ کچھ چھپانا بھی چاہیں تو یہ ممکن نہیں۔ حضرت عمرؓ کی دور رس نگاہوں نے اس نازک پہلو کو دیکھ لیا تھا اور اپنے ساتھیوں کو بڑا صائب مشورہ دیا تھا۔ ہر مسلمان حکمران کے لئے سیدنا عمرؓ کی یہ مثال قابل تقلید ہے۔

حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ نے ایک یہودی عورت سے شادی کرلی اور حضرت حذیفہ بن یمانؓ ایک عیسائی خاتون بیاہ لائے۔ یہ خبر سن کر حضرت عمرؓ بہت ناراض ہوئے۔ ان دونوں جلیل القدر صحابہ کو امیر المومنین کی ناراضگی کا پتہ چلا تو انہوں نے عرض کیا "امیر المومنین آپ ناراض نہ ہوں۔ ہم انہیں طلاق دیدیتے ہیں۔" آپ نے فرمایا "ان کو طلاق دینا بھی حلال ہے اور ان سے نکاح بھی حلال ہے مگر ہمارے مصالح کا تقاضا ہے کہ ہمارے گھروں میں کتابی عورتیں نہ آئیں۔"

اسلام نے یہودی اور عیسائی عورتوں سے شادی کی اجازت دی ہے مگر حضرت عمرؓ نے اس موقع پر یہ محسوس کر لیا تھا کہ عیسائی اور یہودی مسلمانوں سے برسرِ پیکار ہیں اور میدانِ جنگ میں شکست کھا جانے کے بعد اب اسلامی گھروں میں گھات لگانے کی سوچ رہے ہیں۔ دونوں صحابہ جن کا اوپر ذکر ہوا ہے امت کے معروف ترین افراد میں سے تھے۔ ان کے گھروں میں غیر مسلم بیویوں کا وجود خلافتِ اسلامیہ کے امن وبقا کے خلاف تھا۔ اسی لئے حضرت عمرؓ نے ان دونوں سے طلاق دلوائی تاکہ دوسرے لوگوں کو بھی اس سے عبرت اور سبق حاصل ہو جائے۔ رخصت موجود ہے۔ نہ اسے ختم کیا جاسکتا ہے نہ اسے واجب قرار دیا جاسکتا ہے۔ البتہ ذمہ داران حکومت کو امتِ مسلمہ کی مصلحت اور دولتِ اسلامیہ کے مفاد کا ہر حال میں خیال رکھنا پڑتا ہے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت حذیفہؓ نے ملک شام میں ایک یہودیہ سے شادی کرلی۔ حضرت عمرؓ نے انہیں خط لکھا کہ اس عورت کو چھوڑ دیں۔ حضرت حذیفہؓ نے جوابی خط لکھ کر وضاحت پوچھی کہ "امیر المومنین کے نزدیک یہ نکاح حرام ہے؟" امیر المومنین نے جواب دیا کہ "حرام تو نہیں البتہ مجھے ڈر ہے کہ بدکردار عورتیں تم لوگوں پر ڈورے نہ ڈال لیں۔"

حضرت عمرؓ نے اس دور میں کتنی زبردست حکمت کی بات کی تھی۔ غیر قوموں کی عورتوں میں سے اکثر مسلمان گھرانوں میں آنے کے بعد فتنہ وفساد ہی برپا کرتی ہیں۔ اس میں کوئی اِستثناء تو ہو سکتا ہے مگر حکم شاذ و نادر پر نہیں بلکہ عمومی حالت پر ہی صادر ہوا کرتا ہے۔ جب انہیں اسلام پسند نہیں ہے اور

Marfat.com

اسلام کے مقابلے پر اپنے دین کو ترجیح دیتی ہیں تو ظاہر ہے کہ ان سے شادی کی جو اجازت شریعت نے دی ہے وہ خاص حالات کے لئے ہے۔ عام حالات میں اس سے اجتناب ہی اسلام اور مسلمانوں کے حق میں ہے۔ پھر مسلمان اگر کتابی عورتوں سے ان کے حسن کی وجہ سے شادیاں رچانے لگیں تو مسلمان لڑکیاں کہاں جائیں گی؟

ہم میں سے ہر شخص اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ بچہ باپ کی نسبت ماں سے زیادہ مانوس ہوتا ہے۔ وہ اپنی ماں کی سوچ اور پسند و ناپسند سے زیادہ متاثر ہوتا ہے۔ جو ماں ہمارے دین اور ہمارے وطن کے مقابلے پر کسی دوسرے دین اور کسی دوسرے وطن سے زیادہ محبت کرتی ہے اسکے بچے بھی اس کے نقشِ قدم پر چلیں گے۔ اِلّا ماشاء اللہ۔ یہ سارے نکات سیدنا عمرؓ کے پیشِ نظر تھے جب آپ نے اپنے دو جلیل القدر ساتھیوں کو طلاق کا حکم دیا تھا۔

اسلام اور غلامی

غلامی ایک ایسا موضوع ہے جس پر ہمارے مخالفین نے زور دار پراپیگنڈے کے ذریعہ سے ایسا رنگ چڑھا دیا ہے جو از حد گمراہ کن اور جھوٹ کا طومار ہے۔ اسلام پر اس کے مخالفین نے بڑے شدید اور رکیک حملے کئے ہیں۔ کچھ لوگوں نے یہ حملے جہالت اور کم علمی کی وجہ سے کئے ہیں اور کچھ لوگوں نے بدنیتی اور عناد کی بنا پر۔

یہ لوگ اسلام کے عیوب گنوانے بیٹھتے ہیں تو غلامی کو سرِ فہرست پیش کرتے ہیں۔ درحقیقت بے سوچے سمجھے الزام تراشی بذاتِ خود بہت بڑا عیب ہے۔ اس طرح اسلام میں نقص ڈھونڈنے والے خود قصوروار ہیں۔ غلامی کی طرح اسلام نے نہیں ڈالی۔ غلامی اسلام سے قبل اور اسلام کے بعد بھی غیر مسلم قوموں میں رائج رہی ہے اسلام نے غلامی کا حکمت اور تدریج کے ساتھ خاتمہ کیا ہے اور انسانی تاریخ میں پہلی بار غلاموں کے حقوق حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین فرمائے تھے۔ اسلام سے قبل غلاموں کے حقوق کا

Marfat.com

تصور بھی دنیا کو مضحکہ خیز معلوم ہوتا تھا۔ غلامی اور حقوق دو متضاد اصطلاحات تھیں۔ ہم تقابلی مطالعہ کر کے یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ اسلام نے غلاموں کو جو حقوق عطا کیے دنیا کی نام نہاد تہذیبوں میں وہ آزاد شہریوں کو بھی حاصل نہیں رہے۔ روم کی تہذیب پر دنیائے غرب کو بڑا فخر ہے مگر رومی معاشرے میں غلاموں کے ساتھ جو کچھ ہوتا رہا ہے اس پر کتب چھپ چکی ہیں اور اب تک وہاں کے سیاہ فام امریکیوں کی سفید چمڑی والوں کے مقابلے میں جو حیثیت ہے اس سے کون ناواقف ہے؟ (مترجم)

یورپ میں غلاموں کی حالتِ زار

"عظیم روم" میں لاکھوں مرد اور عورتیں غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔ ان کے ساتھ کیا سلوک ہوتا تھا؟ ایسا سلوک کہ جس شخص کے دل میں ذرہ بھر بھی انسانیت موجود ہے وہ اس کے تصور ہی سے کانپ اٹھتا ہے۔ مالک کو قانوناً اور اخلاقاً اس بات کی اجازت تھی کہ اپنے غلام یا لونڈی کو جب چاہے ذبح کر ڈالے۔ یہ کوئی جرم نہ تھا! ! اسلام نے اس ظلم کا مکمل طور پر خاتمہ کر دیا، مغربی قانون مالک کو یہ حق دیتا تھا کہ اپنے غلاموں اور لونڈیوں کو جس طرح چاہے اذیت پہنچائے۔ اسلام نے یہ وحشیانہ تصرف کلیۃً ختم کر دیا۔

روم جسکی عظمت کے ترانے گائے جاتے ہیں آقا کو حق دیتا تھا کہ اپنے غلاموں کے کندھوں پر پالکی میں بیٹھ کر سفر کرے اور انہیں چابک سے لہولہان کر دے۔ رومی قانون میں آقا کا ناقابلِ تنسیخ حق تھا کہ اسکے غلام اسکی سواری کے آگے آگے بھاگیں۔ غلام کو جوتے پہننے کا حق نہ تھا۔ وہ ننگے پاؤں سواریوں کے آگے دوڑتے تھے۔ اسلام نے یہ سارے اذیت ناک اعمال ممنوع قرار دیئے ہیں۔ اسلام نے تو یہاں تک حکم دیا ہے کہ اگر مالک نے غلام کو ایذا پہنچائی ہے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ غلام کو آزاد کر دے۔ ایک قانون

غلاموں کو آزادی دلواتا ہے اور دوسرا ان کی اذیت پر جشن مناتا اور ان کی موت پر رقص مسرت کرتا ہے! دونوں کے درمیان کتنا واضح فرق ہے!

روم میں غلاموں کو زنجیروں میں جکڑ کر ایک دوسرے کے ساتھ باندھ دیا جاتا تھا۔ ان کو کھانے کے لئے جو خوراک دی جاتی تھی وہ جانوروں کے چارے سے بدتر ہوتی تھی۔ گندا پانی ان کی پیاس بجھانے کے لئے مخصوص تھا۔ انہیں اذیت پہنچانا مالکوں کے نزدیک فن تھا۔ بلاوجہ انہیں گلا گھونٹ کر یا پھانسی پر چڑھا کر مار دینا روز مرہ کا معمول تھا۔ وحشی اور خوں خوار جانوروں کے سامنے غلاموں کو پھینک دیا جاتا اور وہ انہیں چیر پھاڑ ڈالتے۔ یہ سارا منظر "مہذب آقاؤں" کے لئے تفریح اور دل لگی کا سامان مہیا کرتا تھا! وہ بیٹھے قہقہے لگاتے اور درندے انسانی جسم کو پارہ پارہ کر دیتے۔ شاید آپ نے رومی سلطنت کے جزیرہ سپارٹا میں بدنام زمانہ "غلام سکوائر" کا نام سنا ہو گا۔ یہاں ایک طویل شارع اس مقصد کے لئے مخصوص تھی کہ غلاموں کو اذیتیں پہنچا پہنچا کر مار ڈالا جائے! اس پر پہلی مرتبہ غلاموں کو پھانسیاں دی گئیں تھیں جب ان بے چاروں نے اپنی حالتِ زار پر احتجاج کیا تھا۔ ایسی بربریت پر تہذیب کے ان علمبرداروں کو نہ شرم محسوس ہوتی تھی نہ کسی کے ضمیر میں کوئی خلش پیدا ہوتی تھی۔ اس صورتِ حال کا موازنہ اسلامی اصولوں سے کیجئے، اسلام نے حکم دیا ہے کہ جو کچھ آقا کھائے وہی غلام کو کھلائے اور جو لباس مالک زیب تن کرے وہی غلام کو مہیا کیا جائے۔ جس طرح آقا میٹھی نیند سوتا ہے اسی طرح غلام بھی استراحت کا حقدار ہے۔ یہ اسلام ہے سراپا رحمت و شفقت اور انسانوں کے حقوق کی ضمانت دینے والا!

اسلام نے غلامی کی زنجیریں کاٹیں

روم میں کسی غلام کو آزادی مل جانا اچنبھے کی بات تھی اور سچ پوچھئے تو وہ آزادی بھی کیا آزادی تھی۔ آزاد شدہ غلام آزادی کے بعد بھی اپنی مرضی سے کوئی کام کر سکتا تھا نہ اپنی رائے کا اظہار کرنے کی اسے اجازت تھی۔ وہ نام نہاد

Marfat.com

آزادی کے بعد بھی اپنے آقا کے اشارہ ابرو کا پابند رہتا تھا۔ اسلام کا جہاں تک معاملہ ہے' اس نے قدم قدم پر غلاموں کی آزادی کا حکم دیا ہے۔ آزادی کے بعد انہیں پوری حریت حاصل ہوتی ہے۔ وہ اپنے سابق آقا کے مساوی حقوق اور آزادی سے متمتع ہوتے ہیں۔ آقا کے ساتھ شادی بیاہ کے رشتے کر سکتے ہیں۔ تفسیر قرآن اور علوم حدیث و فقہ میں اکثر عظیم نام سابق غلاموں ہی کے ملتے ہیں۔ ان کے فتاویٰ پر ساری امت نے سر جھکایا ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

"اور تمہارے مملوکوں میں سے جو مکاتبت کی درخواست کریں ان سے مکاتبت کر لو اگر تمہیں ان کے اندر بھلائی نظر آئے' اور ان کو اس مال میں سے دو جو اللہ نے تمہیں دیا ہے۔" (سورہ نور آیت ۳۳)

اس طرح اللہ پاک نے غلاموں کو یہ حق عطا فرمایا کہ وہ اپنی غلامی کی زنجیریں کاٹنا چاہیں تو ان کا راستہ روکنے کی بجائے ان کی مدد کی جائے۔ مالک کو یہ حق نہیں ہے کہ جب آیتِ کریمہ کے مطابق سب شرائط موجود ہوں تو وہ غلام کو آزادی دینے سے انکار کر دے بلکہ آپ آیت کے الفاظ میں دیکھ سکتے ہیں کہ مکاتبت کا حکم دیا گیا ہے اور مالک پر واجب ہے کہ مکاتبت کے بعد غلام کی معاونت کرے۔ قرآن نے مختلف گناہوں کا کفارہ غلام کی آزادی کی صورت میں مقرر کیا ہے۔ مسلم اور غیر مسلم غلاموں اور لونڈیوں کو قدم قدم پر آزادی حاصل کرنے کے مواقع مہیا کیے گئے ہیں۔ یہ باتیں اتنی معروف ہیں کہ کسی کی آنکھوں سے پوشیدہ نہیں مگر حرص و ہوا کے بندوں، بغض و عناد کی آگ میں جلنے والے معاندین سے انصاف کی توقع عبث ہے۔ یہ گمراہ تو دوسروں کو بھی گمراہ کرنیکا تہیہ کیے ہوئے ہیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "جس کسی نے کسی مومن غلام یا کنیز کو آزاد کیا اللہ تعالیٰ اس کے ہر عضو کے بدلے آزاد کرنے والے کے عضو کو دوزخ کی آگ سے نجات بخشے گا۔ حتیٰ کہ اسکی شرم گاہ کے بدلے اسکی شرم گاہ کو آگ سے بچالیا جائے گا۔"

Marfat.com

غلام کو آزاد کرنا جنت کی چابی ہے

مسلمان حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات کی تصدیق کیا کرتے تھے اور آپ کے احکام کو عملی جامہ پہنانے میں سرگرم رہتے تھے۔ سعید بن مرجانہ حضرت علی بن حسینؓ (زین العابدین) کے ساتھیوں میں سے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابو ہریرہؓ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث روایت کرتے سنا تھا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس کسی مسلم نے کسی مسلم کی گردن غلامی سے آزاد کرائی اللہ تعالیٰ اسکے بدلے میں اس کے ہر حصہ جسد کو دوزخ کی آگ سے آزادی عطا کرے گا۔" ابنِ مرجانہ کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ حدیث سننے کے بعد میں علی بن حسینؓ کے پاس پہنچا اور انہیں یہ حدیث سنائی۔ انہوں نے حدیثِ پاک سنتے ہی ایک غلام کو بلایا اور آزاد کر دیا۔ یہ غلام اتنا قیمتی تھا کہ حضرت عبداللہ بن جعفرؓ اسے دس ہزار درہم میں خریدنے کے لئے آمادہ تھے۔"

سیدنا زین العابدینؓ نے دس ہزار درہم ٹھکرا دیئے اور حدیث پر عمل کر کے اللہ کی رضا اور جہنم کی آگ سے نجات حاصل کرنے کی طرف فوری پیش قدمی کی۔ ایسی مثالیں اتنی زیادہ ہیں کہ ان کا احاطہ ممکن نہیں۔ غلام کو آزاد کرنا جنت کی چابیوں میں سے ایک چابی ہے۔ غلاموں کے علاوہ قیدیوں سے بھی حسنِ سلوک اور نرمی برتنے کا حکم دیا گیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اتمامِ حجت کے لئے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بے شمار اقوال میں سے چند ایک یہاں نقل کر دوں۔ جن کے دلوں میں انابت اور آنکھوں میں شرم ہے وہ شاید بات کو سمجھ جائیں۔ رہے وہ لوگ جو ان صفات سے محروم ہیں تو ان سے کچھ زیادہ امیدیں وابستہ نہیں کرنی چاہیں۔

غلاموں کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے غلاموں کے حقوق کی بڑی تاکید کی

Marfat.com

ہے۔ ارشادِ نبوی ہے "جب تم میں سے کسی کا غلام کھانا تیار کر کے لائے تو اول تو اسے اپنے ساتھ دستر خوان پر بٹھا کر کھانا کھلانا چاہئے۔ اگر ایسا نہ کر سکے تو اسے کھانے میں سے کچھ حصہ دیدے۔ آخر اس نے کھانا پکانے کی زحمت اور آگ کی گرمی برداشت کی ہے۔"

موجودہ دور کے متمدن و مہذب لوگوں میں سے کون ہے جو اپنے خادم کو اپنے ساتھ دستر خوان پر بٹھا کر کھانا کھلائے یا کھانا رکھتے وقت اسے اس میں سے کچھ دیدے؟ یہ تو غلام بھی نہیں خدام ہیں مگر ان کے حصے میں بچا کھچا ہی آتا ہے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سلوک اپنے غلاموں کے ساتھ اتنا بہترین ہوتا تھا کہ وہ آزادی ملنے کے باوجود آپ ہی کے ساتھ رہنے کو ترجیح دیتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زیدؓ بن حارثہ کو آزاد کر دیا مگر انہوں نے کہا کہ "میں آپکی غلامی پر آزادی کو قربان کرتا ہوں۔" حضرت حاتم حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے۔ وہ کہتے ہیں "حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے آزاد کر دیا تو میں نے عرض کیا" آپ نے مجھے آزادی دیدی ہے مگر میں آپ سے علیحدہ نہیں ہونا چاہتا۔" پھر میں چھتیس سال (تیرہ سال قبل نبوت اور تیئس سال بعد نبوت) آپ کی خدمت میں رہا۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے غلاموں کو اپنا بھائی یا بیٹا سمجھتے تھے اور بھائیوں اور بیٹوں کی طرح ان سے سلوک کرتے تھے۔ آپ نے امت کو بھی ہدایت کرتے ہوئے فرمایا "تمہارے غلام تمہارے بھائی بند ہیں۔ ان سے اچھا سلوک کرو۔ اپنے کاموں میں ان سے مدد لو اور کوئی سخت کام ان کے ذمے لگاؤ تو ان کی مدد کرو۔" ذرا بتائیے کہ دنیا کے کس نظام میں آقا و غلام اور خواجہ و خادم آپس میں بھائی بھائی بن کر رہتے ہیں؟ اسلام میں غلام اپنے آقا کی عبودیت نہیں کرتا۔ عبودیت صرف اللہ ہی کے لئے ہے۔ یہاں تو اخوت' محبت' تعاون اور خیر خواہی کے جذبات موجزن رہتے ہیں۔

غلاموں سے ان کی طاقت سے زیادہ کام لینا ممنوع ہے۔ ان کے کام میں آسانی پیدا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس

Marfat.com

معاملے میں ترغیب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا "تونے اپنے خادم کے کام میں اس کا بوجھ ہلکا کر دیا تو وہ قیامت کے دن تیری نیکیوں کے پلڑے میں ڈال دیا جائے گا۔"

غلاموں سے غلطی ہو جائے تو اس پر انہیں مار پیٹ کی سزا نہیں دینی چاہئے۔ جان سے مار ڈالنا تو دور کی بات ہے۔ اس کا حق تو اسلام نے دیا ہی نہیں (سوائے تین حالتوں کے یعنی ارتداد، قصاص قتل اور شادی شدہ ہونے کی صورت میں زنا کا ارتکاب)۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجتہ الوداع کے خطبہ میں ارشاد فرمایا تھا "تمہارے غلام تمہارے غلام، ان کے حقوق کا خیال رکھنا۔ جو خود کھاتے ہو وہی انہیں کھلانا اور جو خود پہنتے ہو وہی انہیں پہنانا۔ اگر ان سے کوئی گناہ و قصور سرزد ہو جائے جسے تم معاف نہ کر سکو تو انہیں اذیت نہ پہنچانا بلکہ اللہ کے بندو انہیں فروخت کر دینا۔"

اسلام میں قسم توڑنے کا کفارہ بیان کیا گیا ہے۔ وہ کفارہ عام حالات کے لئے ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "اگر تم میں سے کوئی شخص قسم کھالے کہ وہ اپنے مملوک کی پٹائی کرے گا تو اسے اس قسم کو پورا نہیں کرنا چاہئے بلکہ غلام کی پٹائی سے باز رہ کر قسم توڑ دینی چاہئے۔ یہی اس کا کفارہ قسم ہو گا اور یہ اسکے حق میں بہتر ہے۔" آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ غلام کو ظلم و ستم سے بچانے کے لئے کیا کیا ترغیبات دی گئی ہیں! حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام جو لباس خود زیب تن فرماتے تھے وہی اپنے غلاموں کو بھی پہناتے تھے۔ یہ مثال اسلام کے سوا کس تہذیب نے پیش کی ہے؟ آج کا دور متمدن دور کہلاتا ہے۔ موجودہ زمانے کا انسان اپنے آپ کو مہذب ترین مخلوق سمجھتا ہے مگر اس دور میں جنگی قیدیوں کے ساتھ کیا سلوک ہوتا ہے؟

اگر کبھی آقا غصے کی حالت میں اپنے اعصاب پر قابو نہ رکھ سکے اور آپے سے باہر ہو کر غلام سے زیادتی کر بیٹھے تو اس کی تلافی کی کیا صورت ہے؟ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کا شافی جواب دیتے ہیں۔ ابو مسعود انصاری روایت بیان کرتے ہیں کہ ان کے پاس ایک غلام تھا۔ کسی بات پر انہوں نے اپنے غلام کو مارا۔ جب وہ غلام کو مار رہے تھے تو پیچھے سے آواز آئی "ابو مسعود

Marfat.com

جان لے کہ تجھے اس پر اتنی قدرت حاصل نہیں جتنی قدرت اللہ کو تجھ پر حاصل ہے۔ ” میں نے مڑ کر دیکھا تو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ میں نے عرض کیا ” یارسول اللہ میں نے اس غلام کو خدا کی خاطر آزاد کر دیا ہے۔ “ آپ نے فرمایا ” اگر تم یہ کام نہ کرتے تو آگ تمہیں چھونے ہی والی تھی۔ “

حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ” جس کسی نے اپنے غلام کو تھپڑ مارا یا اسکی پٹائی کی تو اس گناہ کا کفارہ یہ ہے کہ اس غلام کو آزاد کر دے۔ “

اسلام نے غلاموں کو وہ حقوق دیئے جن کے لئے احرار بھی آج ترس رہے ہیں غلامی کے معاملے میں پھیلائی گئی غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لئے ہم نے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔ ہم لجاجت اور معذرت خواہانہ انداز کے قائل نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو مار ڈالے جو اسلامی اصولوں پر معذرت و مداهنت کا رویہ اختیار کرتے ہیں

غلاموں کی نفسیاتی تسکین

ام المومنین ام سلمہؓ کے غلام ابراہیمؒ روایت بیان کرتے ہیں کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر سو جایا کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آفتابہ کے ساتھ وضو کر لیا کرتے تھے۔ آج کوئی بڑے سے بڑا البرل اور آزادی انسانیت کا علمبردار یہ نمونہ پیش کر سکتا ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غلاموں کے جسم ہی کو ایذا و تعذیب سے محفوظ نہیں کیا بلکہ ان کی نفسیاتی تسکین اور ذہنی آسودگی کا بھی بھرپور اہتمام فرمایا تھا۔ آخر غلام بھی انسان ہیں۔ ان کو اپنے وجود اور اپنی شخصیت کا احساس و شعور ہے۔ اس احساس کو کسی حالت میں مجروح نہیں ہونا چاہئے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ زبان سے کبھی کوئی ایسا کلمہ نہ نکالا کرو جس سے تمہارے غلام اور کنیزیں آزردہ خاطر ہوں۔ آپ کا حکم ملاحظہ فرمایئے ” تم میں سے کسی کو کبھی اپنے مملوکوں کو خطاب کرتے ہوئے ” میرے بندے اور میری بندی “ نہیں کہنا چاہئے کیونکہ تم سب

Marfat.com

آزاد بھی اور غلام بھی یکساں طور پر اللہ کے بندے ہو۔ تم کہا کرو " میرا غلام اور میری کنیز یا میرا لڑکا اور میری لڑکی۔ "

غلاموں کے معاملے میں نرمی اور ان کی خیر خواہی کے لئے غور و فکر دنیا کی تاریخ میں عنقا تھا۔ اسلام نے ان کو ان کے انسانی حقوق عطا کئے۔ ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ام ضمیرہ کے پاس سے گزرے۔ وہ رو رہی تھی۔ آپ رک گئے اور پوچھا " تم کیوں رو رہی ہو؟ " اس نے عرض کیا " میرے اور میری والدہ کے درمیان جدائی ہو گئی ہے۔ " رؤف و رحیم رسول انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " والدہ اور اسکی اولاد کے درمیان جدائی نہ ڈالی جایا کرے۔ " چنانچہ ماں بیٹی کو پھر سے یک جا کر دیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر کے قیدیوں سے اچھا سلوک کرنے کا حکم دیا تھا۔ صحابہ کرام اور ان کے بال بچے فاقے کرتے تھے مگر قیدیوں کو پیٹ بھر کر کھانا کھلاتے تھے۔

دوہرا اجر کن کو ملے گا

غلاموں اور آقاؤں کا مقام و مرتبہ اللہ کی نظروں میں ان کے اعمال و تقویٰ کی بنیاد پر متعین ہو گا۔ البتہ غلاموں کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش خبری سناتے ہوئے فرمایا " تین قسم کے لوگوں کو ان کی نیکیوں کا دوہرا اجر ملے گا۔ ایک وہ شخص جو اہلِ کتاب میں سے ہو اور مجھ پر ایمان لائے اسکے دو اجر ہیں۔ دوسرا وہ غلام جو اللہ کے حقوق ادا کرتا ہے اور اپنے آقا کے احکام بھی بجا لاتا ہے اسکے لئے دو اجر ہیں تیسرا وہ شخص جس نے اپنی لونڈی کو اچھی تربیت دی پھر اسے آزاد کر دیا اور اس سے نکاح کر لیا اسکے لئے دو اجر ہیں۔ "

غلام علماء و آئمۂ اسلام

کئی معاملات میں ہم دیکھتے ہیں کہ غلام احرار سے سبقت لے گئے۔

علم ' دین اور عمل صالح میں فوقیت کی بنیاد پر امت نے غلاموں کو سر آنکھوں پر بٹھایا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے قبل کئی صحابہ مکہ سے مدینہ ہجرت کر کے آ گئے تھے۔ انہی اولین مہاجرین میں سیدنا ابو حذیفہؓ کے غلام سیدنا سالمؓ بھی تھے۔ وہ قرآن مجید کے حافظ اور عالم تھے چنانچہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ آمد سے قبل تک وہی نمازیں پڑھایا کرتے تھے۔ مقتدیوں میں بڑے بڑے سردار ہوتے تھے انہی میں عمرؓ بن خطاب بھی تھے۔ سیدہ عائشہ صدیقہؓ کے غلام زکوان ابو عمرؓ قریش کے لوگوں کی امامت کیا کرتے تھے۔ عبدالرحمٰن بن ابو بکرؓ ان کی امامت میں نماز پڑھتے تھے۔ وہ قرآن کے قاری اور فقہ کے عالم تھے۔ بنو عبدالاشھل میں بڑے معزز روسا اور سابقون الاولون صحابہ تھے۔ ان کی امامت عبداللہ بن ابی احمد بن جحش کے غلام سیدنا ابو سفیانؓ فرمایا کرتے تھے۔

جنگ کی حالت میں جبکہ سخت خطرات درپیش ہوتے ہیں ایک غلام بھی دشمنوں کو امان دیدے تو اسلامی حکومت اسکی پابند ہو جاتی ہے۔ سیدہ عائشہ صدیقہؓ کی ایک روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مسلمانوں میں سے ادنیٰ سے ادنیٰ فرد بھی سب کی طرف سے امان دے سکتا ہے۔ اسکی دی ہوئی امان کی پابندی سب مسلمانوں پر واجب ہے۔"

ایک غلام نے کافروں کو امان دیدی

مسلمانوں نے ایران کے شہروں میں سے ایک شہر طرطوس کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ اہلِ طرطوس قلعہ بند ہو کر مقابلہ کر رہے تھے۔ اچانک انہوں نے ہاتھ روک لیا اور نہایت اطمینان سے شہر کے دروازے کھول کر باہر نکلنے لگے۔ مسلمانوں کو تعجب ہوا اور احوالِ واقعی کا پتہ چلانے کے لئے اہلِ طرطوس سے پوچھا۔ انہوں نے کہا "ہم سے کیا پوچھتے ہو۔ تم ہی نے تو ہماری جانب امان کا پروانہ پھینکا ہے اور ہم نے تمہاری دی ہوئی امان قبول کر لی ہے۔" یہ خبر سن کر مسلمان پریشان ہو گئے اور ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ امان کس نے دی

Marfat.com

ہے۔ مکنف نامی ایک غلام نے کہا "میں نے امان لکھ کر تیر کے ساتھ باندھی تھی اور ان کی جانب پھینک دی تھی۔" مسلمانوں نے جنگ تو بند کر دی مگر ان کا اطمینان نہ ہوا۔ انہوں نے سیدنا عمرؓ بن خطاب کی خدمت میں قاصد بھیجا اور اس نازک صورتِ حال میں رہنمائی طلب کی۔ امیر المومنین نے جواب بھیجا۔ "اللہ تعالیٰ نے ایفائے عہد کی بڑی تاکید اور عظمت بیان کی ہے۔ تمہیں اگر کسی معاملے میں شک بھی گزرے تو تمہیں ایفائے عہد ضرور کرنا ہوگا۔ اہلِ طرطوس کو امان دو اور اپنا عہد وفا کرو۔" چنانچہ اہل طرطوس کو امان دیدی گئی۔

اسلام کی خوبیوں پر چلنے والوں اور اسلام سے لوگوں کو برگشتہ کرنے کے لئے جھوٹ کا طومار باندھنے والوں کو خدا تعالیٰ ہدایت دے۔ اسلام کی عظمت انہیں بہت کھلتی ہے اور غیر اسلام کی ہر برائی ان کے نزدیک خوبی ٹھہرتی ہے۔ میں ان لوگوں کو دعوت غور و فکر دیتا ہوں۔ آیئے اور دیکھئے کہ اسلام کس مساوات کی تعلیم دیتا ہے۔

غلام و آقا کے درمیان مساوات

حضرت عبدالرحمٰنؓ بن حارث کے غلام ابو وقرہ کی روایت ہے "سیدنا ابو بکرؓ کے دور میں مسلمانوں کے درمیان مال تقسیم ہو رہا تھا۔ آپ نے مجھے بھی اتنا ہی حصہ دیا جتنا میرے آقا حضرت عبدالرحمٰن بن حارث کو دیا تھا۔" میں معاندینِ اسلام سے مطالبہ کرتا ہوں کہ لایئے دنیا کی کسی قوم کی تاریخ سے ایسا ایک واقعہ پیش کیجئے۔ ہمیں چیلنج دینے والے ذرا یہ چیلنج قبول کر کے تو دکھائیں۔

مسلمانوں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بار بار کی تاکید سے بخوبی سمجھ لیا تھا کہ غلاموں کے حقوق کی سخت باز پرس ہوگی۔ حضرت معاویہؓ بن سوید بیان کرتے ہیں "ہمارے گھر میں ایک غلام تھا۔ میں نے اسے زور سے تھپڑ مار دیا۔ پھر میں گھر سے بھاگ گیا۔ ظہر کے قریب میں گھر آیا اور اپنے والدِ گرامی کے پیچھے نماز ادا کی۔ نماز کے فوراً بعد مجھے ابا جان نے بلایا اور غلام کو بھی آواز دی۔ پھر غلام سے فرمایا "میرے اس بیٹے سے اپنا حق ابھی وصول کر لو۔

Marfat.com

چنانچہ غلام نے اپنے آقا کے فرزند دل بند کے منہ پر تھپڑ رسید کیا۔ تاریخ میں کہیں اور بھی آپ نے ایسا کوئی واقعہ کبھی پڑھا ہے؟

گورنر اور اس کا غلام

روایت بیان کی گئی ہے کہ حضرت سلمان فارسیؓ کو کسی شخص نے دیکھا کہ آٹا گوندھ رہے ہیں۔ ان دنوں حضرت سلمان فارسیؓ گورنر تھے۔ اس شخص نے پوچھا "آپ خود آٹا گوندھ رہے ہیں۔ غلام کہاں ہیں؟" فرمایا "میں نے اسے کسی کام سے باہر بھیجا ہے اور مجھے یہ بات ناگوار لگتی ہے کہ اس پر دوہرا بوجھ ڈالوں۔ مسلمانوں کی معذرت خواہانہ روش پر افسوس ہوتا ہے۔ مسلمانو! تمہاری تہذیب سب سے اعلیٰ، تمہارا نظریہ سب سے ارفع اور تمہاری تاریخ سب سے زرّیں ہے۔ پھر تم کیوں احساسِ کمتری کا شکار ہو؟

مکاتبت کا حکم

سیدنا عمرؓ بن خطاب غلاموں کا خاص خیال رکھتے تھے۔ حضرت انسؓ بن مالک حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص خادم تھے، بڑے بلند پایہ صحابی اور سردارانِ انصار میں سے تھے۔ امام محمد بن سیرینؒ کے والد سیرین ابی عمران کے غلام تھے۔ سیرین نے حضرت انسؓ سے درخواست کی کہ ان کے ساتھ آزادی کا معاہدہ (مکاتبت) کر لیں۔ حضرت سیرینؒ کی درخواست معقول تھی مگر سیدنا انسؓ نے رد کر دی۔ سیرینؒ جناب حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا معاملہ پیش کر دیا۔ امیر المومنین نے حضرت انسؓ کو حکم دیا کہ مکاتبت کر لیں مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے درہ اٹھالیا اور قرآن مجید کی آیت پڑھی

Marfat.com

"اور تمہارے مملوکوں میں سے جو مکاتبت کی
درخواست کریں ان سے مکاتبت کر لو اگر تمہیں
معلوم ہو کہ ان کے اندر بھلائی ہے۔ (سورہ النور
آیت۔ ۳۳)

حضرت انسؓ کو مکاتبت کرنا پڑی اور سیرین آزاد ہوئے۔
یہ مثال رومائے عظمیٰ میں کسی نے پیش کی؟ جزیرہ نمائے عرب میں اسلام سے قبل کوئی اس کا تصور کر سکتا تھا؟ تہذیب کے علمبرداروں کا کون سا معاشرہ ایسا ہے جس کے باسیوں نے روشنی کے ایسے مینار تعمیر کئے ہوں؟ یہ شرف محض اسلام ہی کو حاصل ہے کہ آقا کو مکاتبت سے انکار پر حاکم وقت کا درہ کھانا پڑا۔ رومائے عظمیٰ کے گن گانے والو۔ وہاں تو بے چارے غلاموں کو بھوکے شیروں کے سامنے پھینک دینا تفریح کا سامان تھا۔ کیا اس سے بڑی ننگِ انسانیت حرکت کا تصور بھی کیا جا سکتا ہے؟

دلچسپ مثال ایمان افروز نمونہ

حضرت عمرؓ نے ہر میدان میں عظمت کے جھنڈے گاڑ دیئے ہیں۔
کمزور آپ کے پاس آکر اطمینان کا سانس لیتے تھے کہ انہیں ملجا مل گیا ہے اور طاقتور سر جھکا دیتے تھے کہ وہاں بے لاگ عدل ہوتا تھا۔ ابو سعید المقبری کی زبانی یہ روایت نقل کی گئی ہے۔ "میں بنی یربوع کے ایک سردار کا غلام تھا۔ میرے مالک نے مجھ سے مکاتبت کی کہ میں اسے چالیس ہزار درہم ادا کروں اور جب تک پوری رقم ادا نہ ہو جائے ہر عید الاضحیٰ پر ایک بکری بھی دیا کروں۔ خدا نے مجھے چالیس ہزار درہم کی رقم مہیا کر دی اور میں رقم لے کر مالک کے پاس پہنچ گیا۔ میرے مالک نے یک مشت رقم قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس نے قسطوں کی صورت میں رقم قبول کرنے کی شرط لگا دی۔ میں امیر المومنین عمرؓ بن خطاب کی خدمت میں حاضر ہوا اور سارا واقعہ عرض کر دیا۔ آپ نے سن کر

Marfat.com

فرمایا۔ ”تم کوئی فکر نہ کرو۔ مال بیت المال میں جمع کرا دو اور شام کو ہمارے پاس آجانا۔ ہم تمہیں آزادی کا پروانہ لکھ دیں گے۔ تمہارا مالک جب چاہے مال آکر وصول کر لے۔ نہ وصول کرنا چاہے تو اسکی مرضی“ میں نے مال بیت المال میں جمع کرا دیا۔ میرے مالک کو پتہ چلا تو ناظمِ بیت المال کے پاس گیا اور اپنی رقم وصول کر لی۔“

غلاموں کی امارت

غلاموں کو نہ صرف عام انسانی حقوق حاصل تھے بلکہ انہیں امارت کے منصب پر بھی فائز کیا جاتا تھا۔ ابو طفیل عامرؓ بن واثلہ کی روایت ہے ”حضرت عمرؓ نے نافع بن عبد الحارث کو مکہ کا گورنر مقرر کیا تھا۔ عسفان کے مقام پر نافع سے حضرت عمرؓ کی ملاقات ہوئی تو پوچھا ”تم یہاں گھوم رہے ہو؟ اہل وادی پر کس کو اپنا جانشین بنا کر آئے ہو؟“ انہوں نے عرض کیا ”ابنِ ابزیٰ کو جانشین مقرر کر کے آیا ہوں۔“ پوچھا ”ابنِ ابزیٰ کون ہے؟“ عرض کیا ”ہمارے غلاموں میں سے ایک شخص ہے۔“ حضرت عمرؓ نے کہا ”کیا تو نے ایک غلام کو امیر مقرر کر دیا ہے؟“ نافع نے جواب دیا۔ ”جی ہاں۔ اس لئے کہ وہ کتاب اللہ کا سب سے بڑا قاری اور علم الفرائض کا سب سے بڑا عالم ہے۔“
حضرت عمرؓ یہ سن کر خوش ہو گئے اور کہا ”ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ ہی تو کہا تھا ”اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے کچھ لوگوں کو اوپر اٹھائے گا اور دوسروں کو اس کی وجہ سے نیچے گرا دے گا۔“

شادی بیاہ کے معاملے میں بھی قرآن مجید میں حکم ہے کہ مشرکین سے شادی نہ کرو۔ ایک مسلم غلام اور مسلم لونڈی مشرک آزاد مرد اور آزاد عورت سے بہتر ہیں۔ مسلمان معاشرے میں غلاموں نے شریف خاندانوں میں شادیاں کیں۔ اسامہؓ بن زیدؓ بن حارثہ کی شادی فاطمہؓ بنت قیس سے ہوئی اور حضرت بلال حبشیؓ نے حضرت عبد الرحمٰنؓ بن عوف کی بہن سے نکاح کیا۔ ظاہر ہے کہ آزاد مرد تھے مگر ایک دور میں حضرت اسامہ کے والد زیدؓ غلام رہ چکے تھے

Marfat.com

اور حضرت بلالؓ تو خود مکہ میں غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے تا آنکہ سیدنا ابو بکرؓ نے انہیں خرید کر آزاد کر دیا۔

اسلام نے برتری اور فضیلت کا اصول ہی تقویٰ کو قرار دیا ہے۔ شریف ہو یا عامی، امیر ہو یا فقیر، آقا ہو یا غلام، مرد ہو یا عورت، بوڑھا ہو یا جوان جو زیادہ متقی ہے وہ اللہ کے ہاں زیادہ معزز و محترم ہے۔ قرآن مجید میں صحابۂ کرام کی پوری جماعت میں سے صرف ایک صحابی کا نام مذکور ہے اور یہ آزاد کردہ غلام سیدنا زیدؓ بن حارثہ ہیں۔ ان کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی صحابی یا آپ سے قبل کے انبیاء کرام کے کسی ساتھی کا نام قرآن میں نازل نہیں کیا گیا۔ یہ شرف صرف حضرت زیدؓ ہی کو حاصل ہے جس میں ان کا کوئی ثانی نہیں ہے۔ (سورہ احزاب آیت ۳۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری الفاظ

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم زندگی بھر غلاموں کے حقوق پر زور دیتے رہے حتیٰ کہ آخری وقت جب آپ رفیقِ اعلیٰ کے ہاں جا رہے تھے آپکی زبان مبارک پر یہ الفاظ تھے "الصلواۃ وما ملکت ایمانکم" یعنی نماز کی پابندی اور مملوکوں کے حقوق کی حفاظت کرنا۔

معاشرتی اور سماجی معاملات میں معاہدہ کرنے اور اس پر دستخط کرنے نیز کسی کی وکالت کرنے کا جس طرح احرار کو حق ہے بالکل اسی طرح غلاموں کو بھی یہ حق حاصل ہے۔ گویا کہ کسی بھی معاملے میں غلاموں کو ان کے بنیادی حقوق سے محروم نہیں کیا گیا۔ اسلام دینِ فطرت ہے اور یہ پوری انسانیت کے نام کائنات کا پیغام اور اسکی دعوت ہے۔ اس میں کوئی طبقہ بنیادی انسانی حقوق سے کیونکر محروم رہ سکتا ہے؟

اسلام تو بطور انسان ان لوگوں کے حقوق کی بھی ضمانت دیتا ہے جو اسلامی حکومت سے برسرِ جنگ ہوں۔ نوفل بن عبداللہ مخزومی جنگِ خندق میں مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا۔ کافروں نے پیغام بھیجا کہ اگر اس کی لاش انہیں

دیدی جائے تو وہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دس ہزار درہم دیں گے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قیمت لینے سے انکار کر دیا اور مشرک جنگجو کی میّت اسکے ساتھیوں کے حوالے کر دی۔

آزاد و غلام اور دوست اور دشمن سے آگے بڑھکر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو مردوں کی توقیر و تکریم کا حکم دیا ہے۔ آپ نے غیر مسلموں کے جنازے تک کا احترام کیا اور جنازہ دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔ آپ کا ارشاد ہے "جب تم میں سے کوئی شخص کسی جنازے کو آتا دیکھے (خواہ وہ جنازہ کسی کا بھی ہو) تو اسکے ساتھ چل دو۔ اگر چل نہ سکو تو احتراماً کھڑے رہو یہاں تک کہ جنازہ آنکھوں سے اوجھل ہو جائے یا زمین پر رکھ دیا جائے۔

حضرت علیؓ اور ان کا غلام

دنیا کے دیگر نظامہائے زندگی میں جن باتوں پر غلاموں کی چمڑی ادھیڑ دی جاتی تھی۔ انہیں عذاب دے دیکر ہلاک کر دیا جاتا تھا اسلام میں ایسی غلطیوں پر بھی انعام و اکرام کی بارش کی جاتی تھی۔ حضرت علیؓ کے پاس ایک غلام تھا۔ آپ نے اسے بار بار آواز دی۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ سوچا کہ دور ہو گا اور آواز اس تک نہیں پہنچی ہو گی۔ مگر دیکھا تو وہ دروازے کے ساتھ لگا کھڑا تھا۔ پوچھا "بندۂ خدا کیا بات ہے میں نے بار بار تمہیں بلایا۔ تم نے جواب کیوں نہیں دیا؟" اس نے عرض کیا "مجھے آپ کے حلم و در گزر کا یقین تھا اور اس بات کو بھی بخوبی جانتا تھا کہ آپ مجھے سزا نہیں دیں گے۔ پس میں آپکی آواز سن کر بھی چپ رہا۔" آپ نے بجائے سزا دینے کے اس کے جواب سے خوش ہو کر فرمایا "جا تو آزاد ہے۔"

ابو ایوب انصاریؓ کا صالح غلام

غلاموں میں سے بھی صالحین نے اتنے اعلیٰ نمونے پیش کیے ہیں کہ ان

کی وفاداری کی داد دینی پڑتی ہے۔ وہ اخلاق و کردار کے بہترین پیکر تھے۔ حضرت ابو ایوب انصاری کے غلام افلح نے ان کے ساتھ مکاتبت کی۔ معاہدہ طے پایا گیا کہ افلح چالیس ہزار درہم ادا کرے گا اور حضرت ابو ایوب انصاریؓ اسے آزاد کر دیں گے۔ لوگوں نے افلح کو آزادی پر مبارک باد دینا بھی شروع کر دیں۔ ابو ایوبؓ مکاتبت کے بعد گھر پہنچے تو انہیں اس معاہدے پر افسوس اور ندامت ہوئی۔ سوچا کہ مکاتبت منسوخ کر دیں۔ افلح کے پاس پیغام بھیجا۔ وہ حاضر ہوا تو کہا "میں چاہتا ہوں کہ معاہدہ منسوخ کر دوں اور تم پہلے والی حالت پر ہی میرے پاس رہو۔" اس موقع پر افلح کے بیوی بچوں نے کہا "کیا تم دوبارہ غلامی کی زندگی اختیار کر لو گے حالانکہ اللہ نے تمہیں آزادی کی نعمت عطا کر دی ہے؟" افلح نے کہا "خدا کی قسم ابو ایوب انصاری مجھے جو حکم دیں گے میں اسکی تعمیل کروں گا۔" پھر معاہدہ انہیں دیدیا۔ انہوں نے معاہدہ پھاڑ دیا' پھر تھوڑی سی دیر گزری تو ابو ایوبؓ نے افلح کو دوبارہ بلا بھیجا۔ وہ حاضر ہوا تو فرمایا۔ "تو آزاد ہے اور تیرے پاس جو مال و دولت ہے وہ بھی تیری ملکیت ہے۔"

اس مثال میں آپ دونوں جانب شرافت ' محبت ' احترام باہمی اور اسلامی اخوت کا نمونہ دیکھ سکتے ہیں۔ غلام آقا کے حکم پر سر جھکا دیتا ہے اور آقا خوش ہو کر نہ صرف مکاتبت کی رقم معاف کر دیتا ہے اور اسے آزادی دے دیتا ہے بلکہ آقا کا جو مال غلام کے تصرّف میں تھا وہ بھی اسے بخش دیتا ہے۔ یہ ہے اسلامی معاشرہ جس پر اس کے بدخواہ بدنیتی کے ساتھ کیچڑ اچھالتے ہیں۔

جانوروں کے حقوق

حضرت عمرؓ بے زبان جانوروں کا بھی خیال رکھتے تھے کہ نہ تو کوئی ان پر ظلم ڈھائے اور نہ وہ بھوکے مریں۔ آخر یہ بے زبان بھی اللہ رحمان کی مخلوق ہیں۔ ہر ذی جان سے مہربانی کا سلوک کرنا باعثِ اجر ہے۔ جانوروں پر زیادتی کرنا' ان کی طاقت سے زیادہ کام لینا اور جس مقصد کے لئے وہ پیدا نہیں کیے گئے

Marfat.com

اس کے لئے انہیں استعمال کرنا شرعاً جائز نہیں ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "اللہ تعالیٰ ان بے زبان حیوانوں کے بارے میں تمہیں نصیحت کرتا ہے۔ یہ بات آپ نے دو مرتبہ یا تین مرتبہ ارشاد فرمائی۔ جب تم ان پر سواری کر کے منزل پر پہنچ جاؤ تو انہیں آرام کرنے کا موقع دو۔ ایک دوسری حدیث میں ارشادِ نبوی ہے "زندہ حیوانوں کو کبھی تیراندازی کا نشانہ نہ بناؤ۔ تیراندازی کی مشق کے لئے کھال بھر کے اسے ہدف بنالیا کرو"۔

سیدنا عبداللہؓ بن عباسؓ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا "کسی بھی ذی روح کو نشانہ نہ بنایا کرو۔ حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کچھ لوگوں کے پاس سے گزرے۔ وہ راستے میں سواریوں پر سوار تھے اور باتوں میں مصروف تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ان جانوروں پر سفر کے لئے سواری کیا کرو اور انہیں صحیح سلامت چھوڑ دیا کرو۔ راستے میں باتیں کرنے کے لئے کرسیاں نہ بنایا کرو۔ بہت سی سواریاں اپنے سواروں سے بہتر ہوتی ہیں کیونکہ وہ سواروں سے زیادہ اللہ کا ذکر کرتی ہیں۔

پرندوں اور جانداروں سے حسنِ سلوک

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو بھی شخص کسی چڑیا کو مار ڈالے گا وہ چڑیا روزِ قیامت اللہ کے دربار میں حاضر ہو کر چیختی ہوئی فریاد کرے گی کہ اے مولا اس شخص نے، مجھے بلاوجہ اور بے فائدہ قتل کر ڈالا تھا۔ نہ تو میرے قتل سے اس کا کوئی فائدہ ہوا اور نہ اس (سنگدل) نے مجھے زندہ رہنے کا حق دیا۔

جانوروں کا معاملہ بہت اہم ہے کیونکہ اس پر انسان کی اخروی نجات یا دائمی عقوبت کا دارومدار ہے۔ ایک حدیث میں رحمتِ عالمین صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں "ایک عورت کو ایک بلی کی وجہ سے عذاب میں مبتلا کر دیا گیا۔ اس نے بلی کو باندھ رکھا تھا نہ اسے کھلاتی پلاتی تھی اور نہ اسے چھوڑتی تھی کہ زمین

Marfat.com

کی جڑی بوٹیوں سے اپنی غذا تلاش کر لے۔ ایک مرتبہ سیدنا ابو بکر صدیقؓ کے پاس ایک کوّا پکڑ کر لایا گیا۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کوے کو دیکھا تو فرمایا "جب بھی کبھی کوئی پرندہ اور جانور شکار کر لیا جاتا ہے 'اللہ کی تسبیح کرنیوالی مخلوق میں ایک کی کمی ہو جاتی ہے اور انسان کو جب بھی کوئی ناگوار واقعہ پیش آتا ہے تو یہ اس کے گناہ کا نتیجہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر گناہ پر تو پکڑتا بھی نہیں بلکہ بہت سے گناہوں کو وہ معاف کر دیتا ہے۔ اس کے بعد آپ نے کوے کو چھوڑ دیا اور وہ کائیں کائیں کرتا اڑ گیا۔

ابو عمر شیبانیؓ بیان کرتے ہیں کہ وہ ایک سفر میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ ایک جگہ قافلے نے قیام کیا ہم نے دیکھا کہ ایک چڑیا ہمارے اوپر مسلسل اڑ رہی تھی اور چوں چوں کر رہی تھی۔ حضورِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی بے چینی دیکھی تو مضطرب ہو گئے۔ پوچھنے پر پتہ چلا کہ ایک صحابی نے اس چڑیا کے گھونسلے سے اس کے چھوٹے چھوٹے بچے اٹھائے تھے۔ آپ نے حکم دیا کہ اسکے "بچے" آشیانے میں واپس رکھ دیئے جائیں۔ پھر فرمایا "اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے اس چڑیا کو جتنی محبت اپنے بچوں سے ہے اللہ کو اس سے کہیں زیادہ محبت اپنے بندوں سے ہے۔"

حضرت صوادہ بن ربیع الجرمیؓ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنی حاضری کا تذکرہ کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ وہ اپنی والدہ کے ساتھ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی خاطر تواضع کی اور پھر انہیں کچھ بکریاں عطا فرمائیں۔ اسکے بعد ان کی والدہ کو حکم دیا۔ "اپنے بیٹوں کو حکم دینا کہ ان بکریوں کی ٹھیک ٹھیک دیکھ بھال کریں۔ ان کے پاؤں کے ناخن کاٹتے رہیں' کمزور اور لاغر بکریوں کو موسم کی سختی سے بچائیں اور بھوک سے بچانے کے لئے انہیں چارہ اور خوراک مہیا کرتے رہیں۔ اس ارشادِ نبوی سے آپ ملاحظہ کر سکتے ہیں کہ بے زبان جانوروں کے حقوق کا کس قدر جزرسی اور تفصیل کے ساتھ تاکیداً حکم دیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے حیوانات مسخّر کر دیئے ہیں۔ حیوانات سے انس و محبت انسان پر واجب ہے۔ حیوانوں کو تکلیف پہنچانا گناہ ہے۔

Marfat.com

پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔"گھوڑوں کی پیشانی، گردن اور دُم کے بال نہ کاٹا کرو کیونکہ گھوڑوں کی دُم مکھیاں اور دیگر حشرات اُڑانے کے کام آتی ہے' ان کے بال انہیں گرمی بہم پہنچاتے ہیں اور ان کی پیشانی کے بالوں سے خیرو بھلائی وابستہ ہے۔ اسی طرح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑوں کو خصی کرنے سے بھی منع فرمایا ہے۔

ایک مرتبہ ایک شخص رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے اپنے اوپر چادر اوڑھ رکھی تھی اور چادر کے نیچے کچھ چھپایا ہوا تھا۔ اس نے عرض کیا "یارسول اللہ میں آپ کی جانب آرہا تھا۔ راستے میں گھنے درختوں میں سے گزرا۔ ایک جگہ میں نے پرندوں کے چوزوں کی آواز سنی۔ میں نے انہیں اٹھالیا اور اپنی چادر میں ڈال کر چل پڑا۔

ان کی ماں کو پتہ چلا تو وہ میرے سر پر منڈلانے لگی۔ بچے بہت چھوٹے تھے۔ میں نے ان کی ماں کے سامنے ڈال دیا۔ وہ ان کے پاس بیٹھ گئی اور انہیں اپنے پروں کے نیچے چھپالیا۔ میں نے چڑیا کو اسکے بچوں سمیت پکڑلیا۔ اب یہ میرے پاس ہیں۔" آپ نے فرمایا "انہیں چھوڑو۔" میں نے انہیں زمین پر رکھ دیا۔ ان کی ماں ان سے الگ نہ ہونا چاہتی تھی۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اس چڑیا کو اپنے بچوں سے جو بے پناہ محبت ہے اس پر تم لوگ حیران نہیں ہوئے۔ لوگوں نے کہا "یقیناً یہ بڑی عجیب بات ہے۔" آپ نے فرمایا "اس ذات کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں سے جو محبت ہے وہ چڑیا کی اپنے بچوں سے محبت کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے۔ جا انہیں ان کی ماں سمیت اسی جگہ چھوڑ کر آ جہاں سے تو نے انہیں اٹھایا تھا۔

کتے کو پانی پلانے پر مغفرت

ایک حدیث میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک فاحشہ عورت کی مغفرت کتے کو پانی پلانے کی وجہ سے

Marfat.com

فرمادی۔ اس نے دیکھا کہ ایک کتا پیاس سے بدحال ہے اور کنوئیں کے کنارے کھڑا ہے۔ اسے رحم آیا اور اس نے اپنے جوتے میں پانی بھر بھر کے اس کتے کی پیاس بجھادی۔ اس رحم دلی کی وجہ سے خدا تعالیٰ نے اسکے گناہ معاف فرما دیئے۔

خلیفۂ راشد کا احساسِ ذمہ داری :

سیدنا عمرؓ بن خطاب ان سارے رموز سے واقف تھے۔ وہ اتنے پاک نفس و پاک ضمیر تھے کہ کہا کرتے تھے "اگر راستے کی خرابی کی وجہ سے عراق کے کسی علاقے میں باربرداری کا کوئی خچر پھسل گیا اور اسے کوئی گزند پہنچا تو میری بازپرس ہوجائیگی۔" یہ تھا خلافتِ اسلامیہ کا تاجدار۔

ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں ایک شتربان کو دیکھا۔ اس نے اپنے اونٹ پر اتنا بوجھ لاد رکھا تھا کہ بے چارے حیوان کی پیٹھ دوہری ہوتی جارہی تھی۔ یہ حال دیکھ کر تڑپ اٹھے شتربان پر درہ لہراتے ہوئے کہا "اس بے زبان پر ظلم کرتے ہو تم نے اسکی طاقت سے زیادہ بوجھ اسکی پیٹھ پر لاد رکھا ہے۔ اس کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔

ایک مرتبہ جنگل میں ایک اونٹ کو دیکھا۔ وہ بیمار اور بوڑھا ہو گیا تھا۔ کمزوری سے اس کا برا حال تھا۔ غالباً اس کے مالک نے اسے ناکارہ سمجھ کر چھوڑ دیا تھا۔ حضرت عمرؓ اس اونٹ کی جانب بڑھے۔ اسکی پیٹھ پر پیار سے ہاتھ پھیرا اور اس کی چیکنگ کرنے لگے کہ اسے کیا تکلیف ہے۔ ساتھ ساتھ کہے جارہے تھے "مجھے ڈر ہے کہ قیامت کے دن مجھ سے تیرے بارے میں پوچھ گچھ ہوگی۔"

یہ تو ہمارا تاریخی ورثہ ہے اور ہماری کم فہمی اور بدنصیبی کا عالم یہ ہے کہ ہم ہر خوبی کا سرچشمہ مغرب کی مادّہ پرستانہ تہذیب کو سمجھتے ہیں۔ انجمن ہائے انسداد بے رحمیٔ حیوانات اور تنظیم ہائے بقاء حفاظتِ بہائم مغرب کی اختراع سمجھی جاتی ہے۔ ہمارے نوجوان بدقسمتی سے اپنے قیمتی ورثے سے بے خبر ہیں۔ انہیں

یہ علم ہی نہیں کہ مغرب نے ہماری نقالی کی ہے۔ اسلام نے اُس دَور میں حیوانات کے حقوق کا اہتمام کیا جس دور میں دنیا کی اقوام انسانوں کے حقوق سے بھی بے بہرہ تھیں۔ اے کاش کہ ہماری نوجوان نسل مغربی جامعات سے ڈگریاں حاصل کرنے سے قبل اپنے دین سے پوری طرح واقف ہو جائے! ہم نے خیر اور بھلائی میں سبقت کا شرف حاصل کیا ہے مگر آج ہم ادبار کا شکار ہو کر سب کچھ بھول گئے ہیں۔

حضرت عمرؓ بیت المال کے خارش زدہ اونٹوں کو خود مالش کیا کرتے تھے۔ اوپر آپ نے جنگل میں لاوارث اونٹ کا واقعہ بھی پڑھا۔ آخر حضرت عمرؓ نے کسی وٹرنری کالج سے تعلیم حاصل نہ کی تھی۔ یہ ان کا احساسِ ذمہ داری اور اللہ کے ہاں حاضری اور جوابدہی کا خوف تھا جس کی وجہ سے آپ ان چیزوں کا اہتمام فرمایا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی خشیت مومن کا زیور اور اسکے اعمالِ صالحہ کی بنیاد ہے۔ یہی ہدایت کا سرچشمہ اور خیر کا مینار ہے۔ حضرت عمرؓ کی سیرت کا یہی پہلو ہر دوسری صفت پر غالب ہے۔ وہ خلیفہ ہونے کی حیثیت سے ہر لمحے اپنے آپکو اللہ کے سامنے جوابدہ سمجھتے تھے۔

Marfat.com

چھٹا باب

جہاد

جہاد اسلام کی بلند ترین چوٹی ہے۔ بندۂ مومن زندگی بھر جہاد کرتا رہتا ہے۔ جہاد کے بے شمار میدان ہیں۔ جہاد سے کنی کترانے والا النفاق کے مرض میں مبتلا ہوتا ہے۔ سیدنا عمرؓ ایک عظیم مجاہد تھے۔ وہ لوگوں کو نہ صرف جہاد کی ترغیب دلاتے رہتے تھے بلکہ مجاہدین اور ان کے اہل وعیال کے ساتھ بے پناہ محبت وشفقت کا مظاہرہ بھی کیا کرتے تھے' مجاہد کفار سے مقابلے کے لئے سرحدوں پر جاتا تھا تو اسے یقین ہوتا تھا کہ امیر المومنین اسکے پیچھے اسکے اہل وعیال کی ایک مشفق باپ کی طرح سرپرستی کرتے رہیں گے۔ مجاہد پورے اطمینان اور خلوص کے ساتھ دادِ شجاعت دیتا تھا۔ اسے اپنے پیچھے کسی بات کا خطرہ نہ ہوتا تھا۔ اسی طرح مجاہدین کے اہلِ خانہ بھی اپنے سرپرست کی غیر حاضری سے کبھی پریشان نہ ہوتے تھے۔ انہیں علم تھا کہ خلیفۂ راشد ان کی بھلائی اور خیر خواہی میں کوتاہی نہیں کریں گے۔

شہدا کی تکریم اور ان کے پسماندگان کی قدر دانی

حضرت عمرؓ بخوبی جانتے تھے کہ بندۂ مومن جہاد سے محبت کرتا ہے۔ وہ راہِ خدا میں اس یقین کے ساتھ نکلتا ہے کہ اسکے لئے نفع ہی نفع ہے یا تو وہ فتح پائے گا اور یہ اسکے لئے خوشی کا باعث ہے یا وہ جامِ شہادت پی لے گا اور یہ حقیقی کامیابی ہے۔ حضرت عمرؓ نے اپنی تربیت کے ذریعے مسلمانوں کے دلوں میں یہ جذبہ راسخ کر دیا تھا۔ شہادت پانے والوں کی حکومتی سطح پر تکریم کی جاتی تھی۔ ان کے پسماندگان کو عزت وشرف کے ساتھ ساتھ مالی طور پر بھی نوازا جاتا تھا۔

Marfat.com

آپ ان لوگوں کو بتادیا کرتے تھے کہ تمہارے شہید کی شہادت کا اصل بدلہ تو اللہ ہی دے گا تاہم ہمارا بھی فرض ہے کہ ہم تمہاری خدمت کریں۔ شہداء کے اہل خانہ کا اسلامی ریاست میں خاص مقام و مرتبہ تھا۔ انہیں کبھی محرومی کا احساس نہ ہوتا تھا۔ سیدہ خنساء رضی اللہ عنہا کے چار نوجوان بیٹے میدانِ جہاد میں شہید ہوئے۔ ان کی شہادت کے بعد جب تک حضرت عمرؓ زندہ رہے حضرت خنساء کو ان کے چاروں بیٹوں کا وظیفہ باقاعدگی سے ادا کرتے رہے۔

جہاں شہدائے کے ورثا کو ان کی شہادت کے بعد اپنے حقوق حاصل کرنے کے لئے مارے مارے پھرنا پڑے وہاں کوئی سپاہی اطمینان اور جرات کے ساتھ دشمن کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے والے سپوتوں کو اگر یہی فکر لاحق رہے کہ ان کے بعد ان کے پسماندگان کا کوئی پرسانِ حال نہیں ہو گا تو وہ دشمن کا کیا مقابلہ کریں گے؟ مورال اسی فوج کا بلند ہوتا ہے جس کے ہر جوان اور افسر کو یقین ہو کہ اسکی بہادری کی تحسین کی جائیگی اور اسکی شہادت پر اسے شایانِ شان عزت و تکریم کا مستحق گردانا جائے گا۔ جنگ کے بے رحم ماحول میں اپنے اعصاب پر قابو رکھنا اور یکسوئی کے ساتھ دشمن پر وار کرنا اسکے بغیر ممکن ہی نہیں ہوتا کہ جنگجو اپنی قوم کی محسن شناسی کا یقین رکھتا ہو۔ توپیں آگ برسا رہی ہوں' طیارے بمباری کر رہے ہوں اور مہلک اسلحہ ہر جانب تباہی پھیلا رہا ہو تو سپاہی کی خود اعتمادی ہی اسے ثابت قدم رکھ سکتی ہے۔ یہ خود اعتمادی اسی وقت پیدا ہو سکتی ہے جبکہ اسے اپنے اہل و عیال کے روشن مستقبل اور اکرام و احترام کا یقین کامل ہو۔

شجاعت جسم سے نہیں دل سے تعلّق رکھتی ہے

فوج میں عموماً جسمانی اور ظاہری ڈیل ڈول اور قوت پر انحصار کر کے بھرتی کی جاتی ہے۔ حضرت عمرؓ جانتے تھے کہ جسم کی قوت سے زیادہ اعصاب کی قوت اور قلبی شجاعت کارگر ہوتی ہے۔ سپاہی پر بہت سے عوامل اثر انداز ہوتے ہیں۔ اسکی نفسیات کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔ حضرت عمر شادی شدہ اور عیال دار

مجاہدین کے مقابلے پر غیر شادی شدہ مجاہدین کو ترجیح دیا کرتے تھے۔ غیر شادی شدہ مجاہد کی توجہ زیادہ یک سوئی کے ساتھ جہاد پر مرکوز ہو سکتی ہے۔

مجاہدین کے اعزہ واقربا اور خصوصاً والدین کی عجیب کیفیت ہوتی ہے۔ والدین جب اپنے بچوں کو رخصت کر رہے ہوتے ہیں تو ان کے دلوں میں یہ خیال بجاطور پر آتا ہے کہ ان کا لختِ جگر شاید واپس آئے یا نہ آئے۔ وہ لمحات بڑے جذباتی اور نازک ہوتے ہیں۔ حضرت عمرؓ ان والدین کے پاس جایا کرتے تھے جن کے بچے میدانِ جہاد میں دادِ شجاعت دے رہے ہوتے تھے۔ اسی طرح آپ کسی نوجوان کو اس وقت تک جہاد میں شمولیت کی اجازت نہ دیتے تھے جب تک وہ اپنے والدین سے اجازت نہ حاصل کر لیتا تھا۔ اس طرح ان نوجوانوں کے اندر دو فضیلتیں جمع ہو جاتی تھیں ایک جہاد میں شمولیت کی فضیلت اور دوسری والدین کی رضا اور دعائیں حاصل کرنیکی فضیلت۔ یہ دونوں کام عظیم ہیں۔ والدین کی ہر معاملے میں رضا حاصل کرنی چاہیئے۔ اسلحہ اور جنگ کے لوازمات کی فراہمی بھی جہاد کا اہم شعبہ ہے۔ فیصلہ کن عامل مجاہد کا ایمان اور جذبۂ شہادت ہوتا ہے مگر سامانِ حرب کی تیاری کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ حضرت عمرؓ پیدل مجاہد پر سوار کو ترجیح دیا کرتے تھے۔

حضرت عمرؓ بطور سپریم کمانڈر

اسلحہ بے شک قوت کی علامت ہے اور موجودہ دور میں اسلحہ کے میدان میں انسان نے بے پناہ اور محیر العقول ترقی کی ہے۔ اس کے باوجود یہ حقیقت آج بھی ناقابلِ انکار ہے کہ اسلحہ سے زیادہ وزن قوتِ بشری کا ہے۔ اسلحہ استعمال کرنے والے ہاتھ اسلحہ سے زیادہ اہم ہیں۔ نازک لمحات میں آج بھی ایک فرد اپنی ذہانت' حاضر دماغی' بسالت اور جذبۂ قربانی سے ہزاروں افراد پر بھاری ثابت ہوتا ہے۔

حضرت عمرؓ امیر المومنین ہونیکی حیثیت سے اسلامی فوجوں کے سپریم کمانڈر بھی تھے۔ فوجی اور جنگی معاملات کو کلیتاً کمانڈروں کے حوالے کر دینے کی

Marfat.com

بجائے خود بھی ان میں غور و فکر کرتے رہتے تھے۔ آپ نے پوری اسلامی ریاست میں دفاعی تیاریوں کے لئے مؤثر منصوبہ بندی کر رکھی تھی۔ کسی بھی ہنگامی صورتِ حال سے نپٹنے کے لئے اسلامی ریاست پوری صلاحیت رکھتی تھی۔ ہر بڑے شہر میں گھوڑوں کے دستے تیار رہتے تھے۔ یہ ان گھوڑوں کے علاوہ تھے جو محاذِ جنگ پر مجاہدین کے زیر استعمال ہوتے تھے۔ یہ گویا اس دور کے ٹینک اور آرمرڈ کاریں تھیں، صرف کوفہ شہر میں چار ہزار بہترین گھوڑے ہر وقت اشارے کے منتظر رہتے تھے۔ اس مثال سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ خلافتِ اسلامیہ میں مجموعی طور پر اس کا کس قدر کامل اہتمام ہو گا۔ جس محاذ سے ہنگامی امداد کی درخواست موصول ہوتی تھی مجاہدین ان گھوڑوں پر سوار ہو کر نہایت برق رفتاری سے فوراً دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے پہنچ جایا کرتے تھے۔ یہ باقاعدہ ایک شعبہ تھا اور حضرت سلیمان بن ربیعہ الباہلیؓ اس کے انچارج تھے۔

قیادت کے اعلیٰ مناصب نہایت احتیاط اور سوچ کے بعد تفویض کئے جاتے تھے۔ کمانڈروں کو وقتاً فوقتاً ہدایات بھیجی جاتی تھیں کہ کس شخص سے کیا خدمت لی جائے کیونکہ حضرت عمرؓ عبقری تھے۔ وہ ہر شخص کی خوبیوں اور خامیوں سے بخوبی واقف تھے۔ اپنے سپہ سالار نعمانؓ بن مقرن کو خط لکھا اور ہدایت کی "جنگ میں اپنی ماتحتی میں طلیحہ اور عمرو بن معدی کرب سے مدد لیا کرو اور جنگی امور میں ان سے مشورہ بھی کر لیا کرو مگر انہیں کسی معاملے میں خود مختار نہ بنا دینا۔ ہر شخص اپنی افتادِ طبع اور مزاج کے مطابق کسی خاص ذمہ داری ہی کے لئے موزوں ثابت ہو سکتا ہے۔" (یہ دونوں اصحاب حد سے زیادہ بہادر اور شجاع تھے اور خطرات میں بے سوچے سمجھے کود پڑتے تھے اس لئے حضرت عمرؓ انہیں کسی دستے کی کمان سونپنے سے منع فرما دیا کرتے تھے۔ مترجم)

فتح و نصرت اللہ کے ہاتھ میں ہے

• جنگی تیاریاں اور احتیاطی تدابیر پوری طرح اختیار کرنے کے باوجود

Marfat.com

حضرت عمرؓ کے ذہن میں یہ بات ہمیشہ راسخ رہتی تھی کہ فتح ونصرت محض اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ آپ اپنے سپہ سالاروں کو اس جانب توجہ دلاتے رہتے تھے کہ اسباب پر کبھی بھروسہ نہ کریں بلکہ مسبب الاسباب کی مدد پر اعتماد کیا کریں اور اسی سے کامیابی کی استدعا کرتے رہا کریں۔

رومیوںؓ نے مسلمانوں کے مقابلے پر بہت بڑے بڑے لشکر جمع کر لئے تو اسلامی افواج کے سالار سیدنا ابو عبیدہؓ ابن الجراح نے حضرت عمرؓ کی خدمت میں خط لکھا اور صورتِ حال کی نزاکت کے پیشِ نظر مدد طلب کی۔ حضرت عمرؓ نے انہیں جواب لکھا "امابعد۔ بندۂ مومن پر جتنی تنگی اور مشکل وقت آجائے اسے اللہ کی ذات پر بھروسہ رکھنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے لئے آسانی پیدا فرماتا اور تنگی دور کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابِ حکیم میں ارشاد فرمایا ہے۔

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو صبر سے کام لو' باطل پرستوں کے مقابلے میں پامردی دکھاؤ' حق کی خدمت کے لئے کمربستہ رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو" امید ہے کہ فلاح پاؤ گے۔" (سورہ ال عمران آیت ۲۰۰)

توکّل کیا ہے؟

دین اسلام فطرت اور عقل پر مبنی نظام زندگی ہے' ہر شخص کو معاملات زندگی میں سامان تیار کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں اس معاملے میں جامع تعلیمات نظر آتی ہیں۔ حضورِ اکرمؐ اور آپ کے صحابہؓ ہمیشہ زادِ سفر تیار کر کے رختِ سفر باندھا کرتے تھے۔ زاد کی فراہمی میں وہ آپکو اسی حد تک مکلّف سمجھتے تھے جس حد تک ان کی استطاعت اجازت دیتی تھی۔ اس کے بعد وہ مکمل توکّل کا نمونہ پیش کرتے تھے۔ توکّل کیا ہے؟ اپنی مقدور بھر تیاری کر کے نتائج وعواقب کو اللہ رب العزت پر چھوڑ دینا۔ تیاری بھی حکمِ الٰہی ہے اسمیں کوتاہی نہ ہونی چاہئے اور توکّل بھی اسکی تعلیم ہے اسے کمزوری نہیں سمجھنا چاہئے۔

Marfat.com

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل و عیال کے لئے سال بھر کا غلہ اور سامانِ خوراک جمع کر لیا کرتے تھے اگرچہ صورتِ حال یہ رہتی تھی کہ یہ جمع شدہ سامان حاجت مندوں کے درمیان تقسیم ہوتا رہتا تھا اور سال کی خوراک مہینوں اور کبھی ہفتوں میں ختم ہو جایا کرتی تھی۔ میدانِ جنگ میں بھی آپ تیاری کر کے جاتے تھے۔ جنگِ احد کے دن آپ نے زرہ پہن رکھی تھی۔ یہ اس کے باوجود تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگہداشت کی ذمہ داری خود لے رکھی تھی۔ مکہ میں داخلے کے وقت آپ نے سر پہ خود پہن رکھا تھا۔ یہ تیاری توکل کے منافی نہیں ہے بلکہ اس تیاری کے بعد توکل کرنا منشائے خداوندی اور سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

سعدؓ بن مالک حضورؐ کے پہریدار

ہمارے دین نے ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ رہنے کو توکل قرار نہیں دیا۔ بلکہ اسبابِ ظاہری کی فراہمی کو واجب قرار دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ "اے ایمان والوں' مقابلہ کے لئے ہر وقت تیار رہو" (سورہ النساء آیت ۷۱) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاکہ بن سکن انصاری کو اپنا پہریدار مقرر کیا تھا۔ سیدہ صدیقہؓ کی ایک روایت ہے کہ وہ ایک رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بستر پر لیٹ گئے مگر آپ کو نیند نہ آ رہی تھی۔ میں نے پوچھا "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا بات ہے؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے کاش میرے ساتھیوں میں سے کوئی صالح آدمی آج رات میری حفاظت کے لئے پہرہ دیتا۔" "ابھی آپ نے یہ فرمایا ہی تھا کہ میں نے اسلحہ کی آواز سنی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ جھنکار سن لی اور فرمایا "کون ہے؟" جواب آیا "جناب میں ہوں سعد بن مالک" پوچھا "کس لئے آئے ہو؟" عرض کیا "یا رسول اللہ آپؐ کے گھر کا پہرہ دینے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔" یہ جواب سنکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم گہری نیند سو گئے یہاں تک کہ میں نے آپ کے خراٹوں کی آواز سنی۔

حضرت عمرؓ دعا کی اہمیت اور اثر آفرینی سے بخوبی واقف تھے۔ اسکے

ساتھ ہی آپ ظاہری اسباب اور مادی وسائل کی فراہمی سے کبھی غافل نہ رہے۔ رزق بے شک اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اور وہ یقیناً رزق دیتا ہے مگر جہاں ہمیں یہ دعا سکھائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے رزق طلب کریں وہیں ہمیں یہ حکم بھی دیا گیا ہے کہ تلاشِ معاش میں سرگرمِ عمل رہیں۔ حضرت عمرؓ اپنی فوجوں کے لئے سامانِ حرب جزرسی سے مہیا کرتے تھے اور اسکے بعد ان کی کامیابی کے لئے عاجزانہ دعائیں مانگا کرتے تھے۔ مسجدِ نبوی سے زیادہ مقدس جگہ صرف حرمِ مکی ہے۔ حضرت عمرؓ نے مسجدِ نبوی میں بیٹھ کر دعا پر اکتفا کرنیکی بجائے دعا اور دوا دونوں کا اہتمام کیا۔ دشمنوں کی کثرتِ تعداد سے حضرت عمرؓ کبھی خوفزدہ نہیں ہوئے تھے بلکہ وہ کہا کرتے تھے کہ "میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ ہمارے گناہ اور سنت کی خلاف ورزی ہمیں ہلاک کر ڈالے گی۔" آپ کے سامنے قرآن مجید کی یہ آیات ہر لمحے مستحضر رہتی تھیں۔

"بارہا ایسا ہوتا ہے کہ ایک قلیل گروہ اللہ کے اذن سے ایک بڑے گروہ پر غالب آجاتا ہے۔ اللہ صبر کرنے والوں کا ساتھی ہے۔" (البقرہ آیت ۲۴۹)

اور یہ تمہارا کیا حال ہے کہ جب تم پر مصیبت آپڑی تو کہنے لگے کہ یہ کہاں سے آئی حالانکہ (جنگِ بدر میں) اس سے دگنی مصیبت تمہارے ہاتھوں (فریقِ مخالف پر) پڑ چکی ہے۔
اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان سے کہو یہ مصیبت تمہاری اپنی لائی ہوئی ہے۔ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔
(آلِ عمران آیت ۱۶۵)

نصرتِ ربانی

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے نصرت کا وعدہ کر رکھا ہے۔ اس کا وعدہ

Marfat.com

سچا ہے۔ نہ کبھی اس نے وعدہ خلافی کی نہ کرے گا۔ اس کا ارشاد ہے

"یقین جانو کہ ہم اپنے رسولوں اور ایمان لانے والوں کی مدد اس دنیا کی زندگی میں بھی لازماً کرتے ہیں اور اس روز بھی کریں گے جب گواہ کھڑے ہوں گے۔ "
(سورہ المومن آیت ۵۱)

پس اس سے معلوم ہوا کہ اہلِ ایمان کی کامیابی یقینی ہے۔ دشمنوں کی کثرتِ تعداد اور سازو سامان کی بھرمار مومنین کو ہرگز شکست نہیں دے سکتی مگر شرط یہ ہے کہ وہ سچے اور مخلص مومنین ہوں نہ کہ محض مدعی۔ مومن کی جدوجہد کو اللہ تعالیٰ اتنا اعزاز بخشتا ہے کہ اسے اپنی مدد کے مترادف قرار دیتا ہے۔ حکمِ ربّانی ہے

"اور اللہ تعالیٰ ضرور ان لوگوں کی مدد کرے گا جو اسکی مدد کریں گے۔ " (الحج آیت ۴۰)

"اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثابت قدمی عطا فرمائے گا۔ " (سورہ محمد آیت ۷)

جن مومنین کی اللہ تعالیٰ نصرت فرماتا ہے ان کی صفات یہ ہیں کہ وہ اسکے ہر حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں۔ جن چیزوں سے اس نے منع کیا ہے ان سے رک جاتے ہیں اور ہر معاملے میں سراپا خلوص ہوتے ہیں۔ آج کے مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ وہ نہ صرف غفلت میں ڈوبے ہوئے ہیں بلکہ اللہ کے ہر حکم کی خلاف ورزی اور کھلم کھلا بغاوت کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اسکے ساتھ ان کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ مسلمان ہیں اور اللہ کی نصرت کے مستحق! جب نصرت نہیں آتی تو اپنے آپ کو درست کرنے کی بجائے وعدۂ نصرت کو نشانۂ تنقید بناتے ہیں یا اپنی قسمت کو کوستے ہیں۔ جس روز یہ امت اپنے ایمان کے تقاضوں کو پورا کرنے پر کمرِ ہمت باندھ لے گی اسی روز اسکی قسمت بدل جائے گی اور اللہ کی نصرت لازماً آجائے گی۔

Marfat.com

واذا تذلت الرقاب تخضعاً۔ منا الیک
فعزھانی ذلھا۔
"اور جب گردنیں اطاعت (خداوندی) میں عاجزی کے ساتھ جھک جائیں گی اور ہم (اے مولا) تیرے سامنے سر تسلیم خم کردیں گے تو وہی ہماری عزت کا مقام ہو گا۔ تیرے سامنے اپنے آپکو ذلیل کرنا عزت کی ضمانت ہے۔"

مجاہدین کی رہنمائی

جب مجاہدین میدانِ جہاد کی راہ لیتے تھے تو حضرت عمرؓ کا دل ان کے ساتھ ساتھ سفر کرتا رہتا تھا۔ امیر المومنین جسمانی طور پر مدینہ میں رہتے تھے مگر قلبی وروحانی طور پر گویا دور دراز کے محاذوں پر ہوتے تھے۔ انہیں مجاہدین کی خیر و بھلائی کی فکر دامن گیر رہتی تھی اور انکی ضروریات و حاجات کا خیال رکھتے تھے۔ مدینہ ہی سے ان کی رہنمائی فرمایا کرتے تھے۔ یہ وہ نور ایمانی تھا جو اللہ کی خاص عطا ہے۔ مومن اس نور کی روشنی میں دور تک دیکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ اسکے قلبِ سلیم کو بصیرت سے مالامال کر دیتا ہے۔ آج کے دور کی سائنسی ترقی میں انسان ہر چیز کو مادّی اور محسوس پیمانوں سے ناپتا ہے اور جو چیز ان پیمانوں سے نہ ناپی جاسکے اسکا انکار کر دیتا ہے۔

جس خالق کائنات نے انسان کو عقل وذہانت اور ذرائع ووسائل دیکر اس سائنسی ساز وسامان کے ذریعے کائنات کو مسخر کرنیکی توفیق بخشی اس کے لئے کیا مشکل ہے کہ وہ خرقِ عادات کا ظہور اپنے بندوں کے لئے ممکن بنادے؟ آج ایک شخص مصر میں بیٹھ کر کینیڈا اور امریکہ میں کسی سے بات کر سکتا ہے۔ سیدنا عمرؓ کے دور میں یہ آلات ووسائل موجود نہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ اور لطف وکرم سے حضرت عمرؓ کی آواز دور دراز مصروفِ جہاد لشکروں کو سنوادی تھی۔ اور اللہ کے لئے کوئی کام بھی مشکل نہیں ہے!

Marfat.com

یاساریۃ الجبل

حضرت عمرؓ مدینہ منورہ میں منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر کھڑے خطبہ جمعہ دے رہے تھے۔ اچانک خطبے کے دوراں کہا "اے ساریہ پہاڑ کی جانب نظر رکھو۔ جس نے بھیڑیئے کو ریوڑ کا نگران بنادیا اس نے ظلم کیا۔" لوگوں نے خطبے کے دوران یہ الفاظ سنے تو تعجب سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ نماز پڑھ چکے تو سیدنا علیؓ بن ابی طالب نے پوچھا "خطبے کے دوران آپ نے کیا کہا تھا؟" پوچھا "تم نے کیا سنا؟" انھوں نے کہا "یا ساریۃ الجبل۔ من استرعی الذئب ظلم" حضرت عمرؓ نے پوچھا "کیا واقعی میں نے یہ کہا تھا؟" حضرت علیؓ نے کہا "ہاں آپ نے یہ الفاظ کہے تھے۔" فرمایا "خطبے کے دوران میرے دل میں یہ خیال گزرا کہ میدانِ جنگ میں مجاہدین کافروں سے برسرپیکار ہیں اور کافر پہاڑ پر سے ان پر حملہ کرنے کے لئے گھات لگائے ہوئے ہیں۔ اگر مجاہدین نے ان کا بروقت تدارک کر لیا تو کامیاب ہو جائیں گے وگرنہ دشمن کا نشانہ بن جائیں گے۔ تو ممکن ہے میرا یہ خیال الفاظ کا روپ دھار کے میری زبان پر آ گیا ہو اور تم نے اسے سنا ہو......"

اس واقعہ کے ایک ماہ بعد قاصد فتح کی بشارت لیکر مدینے آیا' اس نے جنگ کے واقعات بتاتے ہوئے کہا کہ جب مجاہدین پہاڑ کے پاس سے گزر رہے تھے تو حضرت عمرؓ کی آواز کے مشابہ ایک آواز سنائی دی تھی جو کہہ رہی تھی "ساریہ پہاڑ کی جانب دیکھو۔" "پس ہم نے پہاڑ کی جانب رخ کر لیا اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں دشمن پر فتح عطا فرمائی۔

یوں حضرت عمرؓ کا دل معرکۂ جہاد میں اٹکا رہتا تھا۔ ان کی آواز کسی مکبر الصوت نے میدانِ جہاد میں نہ پہنچائی تھی بلکہ یہ تائیدِ ربانی تھی جس نے مجاہدین کو یہ آواز سنوائی۔

(وہ جسمانی طور پر دور چلے جاتے ہیں مگر ان کی
الفت محبت ہم سے کبھی بھی جدا نہیں ہوتی۔ وہ
جہاں کہیں بھی ہوں ہمارا دل ان کے ساتھ بندھا
رہتا ہے۔)

بعض لوگ ان واقعات کو سنکر خندۂ استہزا سے ٹھکرا دیتے ہیں۔ وہ غلامانِ خرد محسوس و مشہود کے قیدی ہیں۔ یہاں تو معاملہ اس ہستی کے اختیار و تصرف کا ہے جس کے علم کا کوئی کنارا نہیں اور جسکی قدرت کا کوئی احاطہ نہیں کر سکتا۔ ہمیں تو اسمیں کوئی اشکال نظر نہیں آتا۔ جو نہ ماننا چاہے اس سے ہماری کوئی لڑائی نہیں۔ ہم کسی کے اوپر داروغہ بنا کر نہیں بھیجے گئے۔

حضرت عمرؓ اور بحری جنگیں

حضرت عمرؓ مجاہدین کی جانوں کو بہت قیمتی سمجھتے تھے۔ خطرات اور غیر یقینی صورتِ حال سے انہیں بچانے کی فکر کیا کرتے تھے۔ حضرت امیر معاویہؓ نے ان سے بحری جنگ کی اجازت مانگی تو انہوں نے اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ اسکی وجہ یہ نہ تھی کہ حضرت عمرؓ بحری جنگ کو ناجائز سمجھتے تھے یا دعوت و تبلیغ کے دائرہ کو وسیع کرنے سے گریزاں تھے بلکہ اصل وجہ یہ تھی کہ اس وقت تک مسلمانوں کے پاس نہ بحری بیڑا تھا اور نہ انہیں سمندری سفر کی مہارت حاصل تھی۔ آپ نے محسوس کیا کہ بغیر تیاری اور تجربہ کے ایسی مہم جوئی مجاہدین کی قیمتی جانوں سے کھیلنے کے مترادف ہوگی۔ بعد میں مسلمانوں نے بڑی سنجیدگی سے بحری جنگ میں مہارت حاصل کی اور بڑے بڑے معرکے سر کئے۔ سمندروں پر بھی ان کی حکمرانی تھی جس طرح خشکی پر ان کا پرچم لہراتا تھا۔ جزیرہ قبرص کے گرد و نواح کے دیگر جزیروں کو موسیٰ بن نصیر نے فتح کیا۔ وہ امیر البحر تھے۔ جزیرہ قبرص کو صحابۂ کرامؓ نے سیدنا عثمانؓ بن عفان کے دورِ خلافت میں ۲۷ ہجری میں فتح کر لیا تھا۔ اس بحری حملے میں امیر معاویہؓ فوجوں کے سپہ سالار

تھے اور ان کے ساتھ ابو ذرؓ اور ابو الدرداءؓ جیسے صحابہؓ کرام شریک جہاد تھے۔

مجاہدین کی قیمتی جانوں کو ناگہانی خطرات سے بچانے کی فکر ہی کی وجہ سے حضرت عمرؓ نے سپہ سالاروں کو یہ حکم دیا تھا کہ براءؓ بن مالکؓ کو کبھی کمان نہ سونپیں کیونکہ وہ اپنے تہور کی بدولت کسی ہلاکت میں ڈال دیں گے۔

جنگ محض خطرات میں چھلانگ لگا دینے کا نام نہیں۔ جنگ ایک فن اور ہنر ہے جس میں منصوبہ بندی، جنگی حکمتِ عملی اور بہادری و شجاعت کے ساتھ احتیاط کی پیش بندی فیصلہ کن عوامل ہیں۔ حضرت عمرؓ خود شجاع تھے اور شجاعت کو پسند فرماتے تھے مگر اندھی پیشقدمی اور بے احتیاطی انہیں پسند نہ تھی۔

حضرت عمرؓ بیت المقدس میں

انسانی حقوق کا احترام حضرت عمرؓ کے نزدیک بلا امتیازِ مذہب و نسل لازمی تھا۔ وہ مشرکین اور اہلِ کتاب کو بھی کبھی کسی حق سے محروم نہ کیا کرتے تھے۔ انسانوں کی قانون کی نظروں میں برابری اسلامی خلافت کا بنیادی اصول تھا۔ بیت المقدس صلح صفائی سے مسلمانوں کے حوالے کر دیا گیا تھا۔ شہر کی چابیاں وصول کرنے کے لئے اہلِ شہر کی درخواست پر خود امیر المومنین مدینہ سے بیت المقدس تشریف لائے تھے۔ جب وہاں پہنچے تو نماز ادا کرنے کے لئے ایک میدان میں داخل ہوئے۔ یہ حضرت مریمؑ کے نام پر بنائے گئے گرجا گھر کا صحن تھا۔ حضرت عمرؓ کو تھوکنے کی حاجت ہوئی تو اس گرجا میں تھوکنے کی بجائے اپنے کپڑے میں تھوکا۔ لوگوں نے کہا "آپ یہاں تھوک لیں" یہ عیسائیوں کی جگہ ہے اور یہاں شرک ہوتا رہتا ہے۔ تھوکنے میں کیا ہرج ہے؟" یہ سنکر فرمایا "اگر یہاں اللہ کے ساتھ شرک کیا جاتا رہا ہے تو بلاشبہ یہاں اللہ کا ذکر بھی کثرت سے ہوتا رہا ہے۔

Marfat.com

ایک ذمی کا معاملہ

اگر کسی ذمی پر زیادتی ہو جاتی تو حضرت عمرؓ سخت ناراض ہوتے۔ دینوی معاملات میں اور عام قوانین میں اسلام نے مسلمان اور غیر مسلم میں کوئی فرق روا نہیں رکھا۔ جو جیسا کرے گا ویسا بھرے گا۔ رہا آخرت کا معاملہ تو وہ خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور اسکی عدالت میں فیصلے اس بنیاد پر ہوں گے کہ کسی انسان نے انبیاء کی تعلیمات کے ساتھ کیا طرزِ عمل اختیار کیا تھا۔ قرآن کا حکم ہے۔

"کیا جو شخص مومن ہے وہ اس شخص کے برابر ہو سکتا ہے جو نافرمان ہے۔ ہرگز وہ آپس میں برابر نہیں ہو سکتے۔" (السجدہ۔ ۱۸)

عدل و انصاف سمیع و بصیر ہوتا ہے اندھا، بہرا اور گونگا نہیں ہوتا۔ انبیاء کرام دنیا میں عدل و انصاف کا پیغام لے کر آتے تھے۔ وہ ظاہری و باطنی ہر حسن سے مزیّن تھے۔ عدل و انصاف بھی ظاہری و باطنی خوبیوں کا منبع ہوتا ہے۔ جہاں صحیح صورت میں عدل و انصاف کا سکّہ چلتا ہو وہاں لوگ انصاف کو مجسّم صورت میں دیکھ سکتے ہیں۔ یہ کتنی حسین تصویر ہوتی ہے۔ یہاں کوئی کمزور اپنی کمزوری کی وجہ سے انصاف سے محروم نہیں ہوتا اور کوئی طاقتور اپنی قوت کے بل بوتے پر انصاف کا گلا نہیں گھونٹ سکتا۔

حضرت عمرؓ شام تشریف لائے تو ایک ذمی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ مجروح و مضروب حالت میں تھا۔ اس نے عرض کیا "امیر المومنین۔ میری یہ حالت جو آپ دیکھ رہے ہیں ایک مسلمان کی زیادتی کا نتیجہ ہے۔ اس نے مجھے مارا پیٹا ہے۔ آپ میری داد رسی فرمائیں۔" اسکی فریاد سن کر حضرت عمرؓ بہت غصے ہوئے اور انہوں نے فوراً حضرت صہیبؓ کو بلا کر فرمایا۔ "اس شخص کے ساتھ جاؤ اور اس مسلمان سپاہی کو پکڑ کے لاؤ جس نے اس پر ظلم کیا ہے۔" حضرت صہیب گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ مدعا علیہ حضرت عوفؓ بن مالک ہیں۔ انہوں

نے ان کو بتایا کہ امیر المومنین بہت سخت غصے میں ہیں۔ "مجھے ڈر ہے کہ وہ تمہیں جلدی میں سزا نہ دیدیں۔ تم ذرا معاذ بن جبلؓ سے بات کر لو۔"

حضرت عمرؓ نے نماز سے سلام پھیرا تو صہیبؓ سے پوچھا "اس شخص کو لے آئے ہو جسے حاضر کرنے کا تمہیں حکم دیا تھا؟" انہوں نے عرض کیا "جی ہاں" اس موقع پر حضرت معاذؓ بن جبل نے کہا "یہ شخص عوف بن مالک ہے اور امیر المومنین یہ حاضر ہے۔ ذرا اس سے پوچھ لیں کہ اصل واقعہ کیا ہے؟"

حضرت عمرؓ نے عوف سے پوچھا تو انہوں نے یہ واقعہ بیان کیا "امیر المؤمنین میں نے دیکھا کہ یہ شخص تنہا مسلمان عورت کو پکڑ کر اسے گرانے کے لئے پٹخنی دے رہا ہے۔ وہ عورت مزاحمت کر رہی تھی۔ اس نے اسے دھکا دیا تو وہ گر پڑی اور یہ اس کے اوپر چڑھ گیا۔ میں نے دوڑ کر اس عورت کو اس کے چنگل سے چھڑایا اور اس کی مرمت کر دی۔"

حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ "اس عورت کو لیکر آؤ کہ وہ اس واقعہ کی تصدیق کرے۔" حضرت عوفؓ بن مالک اس عورت کے پاس گئے اور صورتِ حال بیان کی۔ اس عورت کے خاوند اور والد نے کہا "تم ہماری رسوائی کرانا چاہتے ہو؟" یہ سن کر عورت نے کہا "خدا کی قسم میں اس کے ساتھ جاؤں گی اور اصل واقعہ بیان کروں گی۔" اس کے والد اور خاوند نے کہا "ہم تمہاری طرف سے جا کر واقعہ بیان کر دیتے ہیں" چنانچہ وہ دونوں حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور عوفؓ بن مالک کی تصدیق کی۔ حقیقتِ حال کھل جانے پر حضرت عمرؓ نے غصے کے ساتھ ذمی کی طرف دیکھا اور فرمایا "ہم نے تم لوگوں کو ایسی حرکتیں کرنے کے لئے امان نہیں دی" پھر عوفؓ بن مالک کو بری کیا اور ذمی کو سزا دی۔

ذمیوں کے ساتھ اسلام نے جس حسن سلوک کا حکم دیا ہے اور ان کے حقوق کی جس سختی کے ساتھ تاکید کی ہے اسے دیکھ لیں اور پھر اس صورت حال کا موازنہ کریں جس سے آج کے مہذب دور میں مسلم اقلیتیں دوچار ہیں تو سر پیٹ لینے کو جی چاہتا ہے۔ مسلمان اقلیتوں پر حکومتیں بھی بے پناہ ظلم ڈھاتی ہیں اور اکثریتی آبادیاں بھی ان کی نسل کشی میں مصروف رہتی ہیں۔ اسلام دیگر

Marfat.com

مذاہب کے وجود کو نہ صرف برداشت کرتا ہے بلکہ انہیں انسانی حقوق واحترام کا مستحق گردانتا ہے جبکہ باقی مذاہب کے پیروکار اسلام کے وجود ہی سے خائف رہتے ہیں۔

حضرت عمرؓ انسان تھے اور انسان خطا کار ہوتے ہیں۔ حضور اکرم صلی علیہ وسلم کا ارشاد ہے "تمام بنی آدم خطا کار ہیں اور بہترین خطا کار وہ ہیں جو توبہ وانابت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔" حضرت عمرؓ کی بھی یہ شان تھی کہ اگر کوئی غلطی ہو جاتی تو فوراً اس پر توبہ واستغفار کرتے اور اللہ کے سامنے گڑگڑاتے۔ آپ کو غلطی پر ٹوکا جاتا تو آپ نہایت نرمی اور بردباری سے اس کا اعتراف کرتے اور اصلاح کی کوشش فرماتے تھے۔ یہ عبدیت کی روح اور انسانیت کا کمال ہے۔

حضرت ابو موسیٰؓ کی حدیث اور اسکی تصدیق

ایک مرتبہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ آپ کے ہاں حاضر ہوئے۔ انہوں نے دروازے پر تین بار دستک دی اور اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ حضرت عمرؓ مشغول تھے۔ فوراً جواب نہ دے سکے۔ ابو موسیٰ اشعریؓ واپس چلے گئے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا "ہم نے عبداللہ بن قیس (ابو موسیٰ) کی آواز سنی تھی۔ انہیں اندر آنے کی اجازت دو۔ وہ جا چکے تھے۔ کوئی شخص ان کے پیچھے گیا اور انہیں بلا کر لایا۔ وہ آئے تو حضرت عمرؓ نے پوچھا "تم نے کیا کیا کہ آئے بھی اور ملے بغیر ہی پلٹ گے؟" انہوں نے کہا "ہمیں حضور اکرم صلی علیہ وسلم نے یہی حکم دیا تھا کہ تین مرتبہ اذن مانگو، اگر صاحب خانہ جواب نہ دے تو لوٹ جاؤ" حضرت عمرؓ نے کہا "اس کی دلیل لاؤ۔"

ابو موسیٰ شعریؓ وہاں سے نکلے اور انصار کی ایک مجلس میں جاکر مسئلہ پیش کیا۔ انہوں نے کہا "اس معاملے میں ہم میں سے سب سے چھوٹا ہی گواہی دے سکتا ہے۔" چنانچہ ابو سعید خدریؓ کھڑے ہوئے اور کہا "ہاں یہ درست ہے ہمیں ایسا ہی حکم دیا گیا تھا۔" حضرت عمرؓ گواہی سن کر کہنے لگے "حضور

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم مجھ سے مخفی رہا۔ آج اس کا پتہ چلا ہے۔

"ایک دوسری روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ ابو موسیٰ اشعریؓ کے حضرت عمرؓ کے ہاں سے نکلنے کے بعد حضرت عمرؓ نے کہا "اگر اسے شہادت اور ثبوت مل گیا تو تم سر شام اسے منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود پاؤ گے اور اگر ثبوت نہ مل سکا تو اسے وہاں نہ دیکھو گے۔"

شام کو ابو موسیٰؓ وہاں موجود تھے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا "ابو موسیٰؓ بتاؤ ثبوت مل گیا؟" انہوں نے جواب دیا "ہاں۔ ابی بن کعب اس روایت کے شاہد ہیں۔" فرمایا "انہیں میرے پاس لاؤ" وہ آئے تو ان سے پوچھا انہوں نے حضورِ اکرم صلی اللہ کی حدیث بیان کی اور اس کے بعد فرمایا "اے خطاب کے بیٹے، اصحابِ رسول صلی علیہ وسلم کے لئے عذاب نہ بن جاؤ۔" حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ "سبحان اللہ، میں نے ایک بات سنی جسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کیا گیا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ اس کی تحقیق و تصدیق ہو جائے۔"

کسی کے گھر میں جانے کے اسلامی آداب کیا ہیں؟

اس تاریخی واقعہ کے بارے میں مندرجہ ذیل امور قابل ملاحظہ ہیں۔

۱۔ کسی کے ہاں جانا ہو تو اجازت لے کر داخل ہونا چاہئے۔ یہ اسلامی آداب ہے۔

۲۔ جب کسی سے دخول کی اجازت مانگی جائے اور صاحب خانہ اجازت نہ دے تو مہمان کو بغیر کسی تردد اور غیظ و غضب کے واپس چلے جانا چاہئے۔ یہ قرآن کی تعلیم ہے۔ «فلا تدخلوھا حتی یوذن لکم»

۳۔ حضرت عمرؓ کی ذہانت اور اپنے گرد و نواح سے واقفیت قابلِ داد ہے۔ کام میں مصروفیت کے باوجود وہ لوگوں کی آواز تک پہچان لیتے تھے۔

۴۔ انہیں ایک حدیث سنائی گئی جو انہوں نے اس سے قبل نہ سنی تھی۔ صحتِ حدیث میں ان کی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ اس حدیث کے بارے میں ثبوت مانگا۔

Marfat.com

۵۔ حدیث کے بارے میں اپنی لاعلمی پر معذرت کرنے اور اپنی کم علمی کا اعتراف کرنے میں کوئی سبکی محسوس نہ کی حالانکہ آپ امیر المومنین تھے۔ کیا آج ہم میں سے کوئی ہے جو اپنی غلطی کا اعتراف کرے اور معاشرے میں اپنے اثرورسوخ اور انا کو حق کے سامنے پست کر دے۔ یہ عمرؓ ہی کا مقام و مرتبہ تھا۔

حضرت حسّانؓ بن ثابت اور عمرؓ بن خطاب

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں آئے۔ حسّانؓ بن ثابت مسجد میں بیٹھے شعر پڑھ رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے کہا "کیا تم مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں غزل سرائی کر رہے ہو؟" حضرت حسانؓ نے اطمینان و سکون کے ساتھ جواب دیا۔ "میں اس مسجد میں شعر پڑھا کرتا تھا جبکہ تم سے بہترین ہستی صلی اللہ علیہ وسلم یہاں موجود ہوتی تھی۔" اس جواب سے حضرت عمرؓ مطمئن ہو گئے اور خاموشی سے چلے گئے۔ حضرت حسانؓ کی بات سے انہیں یاد آ گیا کہ ایک مرتبہ مسجد میں لوگوں کے درمیان حضرت کعبؓ بن مالک بیٹھے شعر پڑھ رہے تھے کہ اچانک رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔ حضرت کعبؓ ذرا جھینپ گئے مگر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "پڑھتے رہو۔" یہ سن کر حضرت کعبؓ نے اپنی نظم جاری رکھی۔

نص کی موجودگی میں اجتہاد کا جواز نہیں

کسی معاملے میں اجتہاد کرتے اور آپکو بتا دیا جاتا کہ اس معاملے میں نص موجود ہے تو آپ فوراً اجتہاد چھوڑ دیتے تھے کیونکہ مخصوص معاملات میں اجتہاد کی کوئی اجازت نہیں ہے۔ جب آپؓ خلیفہ بنے تو مقتول کی بیوی کو اس کے خون بہا کی رقم میں سے حصہ نہ دیا کرتے تھے۔ حضرت ضحاک بن سفیان کو پتہ چلا تو انہوں نے لکھ بھیجا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خون بہا کی

Marfat.com

رقم سے مقتول کی بیوی کو حقِ وراثت دیا تھا۔ یہ حدیث سننے کے بعد اپنے اجتہاد سے رجوع کرلیا۔

غلطی کا اعتراف اور رائے سے رجوع

اپنی غلطی پر متنبہ ہونے کے بعد ندامت اور انکساری کا اظہار کیا کرتے تھے۔ ان کے رگ و ریشے سے یہ جذبات عیاں ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت عبداللہؓ بن جعفرؓ نے احرام باندھا ہوا تھا اور احرام کی چادروں کو پیلے رنگ سے رنگا ہوا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس پر اعتراض کیا تو حضرت علیؓ نے کہا "ہمیں سنت رسول صلی علیہ وسلم کا پورا علم ہے اور ہمیں اس کے متعلق کسی سے پوچھنے اور سیکھنے کی حاجت نہیں۔" حضرت عمرؓ سیدنا علی بن ابی طالب کے علم و تفقہ کو جانتے تھے اس لئے ان کی اس بات سے نہ تو ناراض ہوئے نہ اپنی رائے پر اصرار کیا بلکہ مطمئن ہو کر چلے گئے۔

ایک مرتبہ انصار کی کسی عورت نے حضرت عمرؓ سے کسی مسئلہ پر اختلاف کیا اور آپ سے رائے تبدیل کرنے کو کہا تو آپؓ نے فرمایا "عورتیں ایسی جری تو نہ ہوتی تھیں" اس خاتون نے کہا "کیوں نہیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں آپ سے مباحثے کیا کرتی تھیں اور اپنی اصابتِ رائے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قائل کرلیا کرتی تھیں۔" انصار کی عورتیں بھی بہت سمجھ دار اور فقہ کو جاننے والی تھیں۔ دین کے معاملات میں شرم و حیا انہیں تحقیق و جستجو اور حقیقتِ حال معلوم کرنے میں مانع نہ تھی۔ حضرت عمرؓ نے اس عورت کے دلائل کے سامنے سر جھکا دیا اور خاموش ہو گئے۔

حضرت ابو محجن ثقفیؓ پر شراب کے الزام میں حضرت عمرؓ نے سات مرتبہ حد جاری کی۔ ایک دن وہ حضرت عمرؓ کے پاس حاضر ہوئے تو آپ نے کسی سے کہا۔ "اسکے منہ کی بو سونگھو" آپ کو شبہ تھا کہ انہوں نے اس وقت بھی شراب پی رکھی تھی۔ حضرت ابو محجنؓ نے فوراً کہا "یہ تجسّس ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔" ان کی دلیل سن کر حضرت عمرؓ خاموش ہو گئے اور ان سے تعرض نہ کیا۔

حضرت ابو محجن ثقفی رضؓ نے قرآن مجید کی سورہ الحجرات سے دلیل پیش کی تھی۔ سیدنا عمرؓ نصِ صریح کے سامنے کیسے دم مار سکتے تھے؟

خطا سے معصوم تو انبیاء کرام کے سوا کوئی انسان نہیں ہوتا۔ حضرت عمرؓ اس حقیقت سے بخوبی واقف تھے۔ خطا ہو جانے کے بعد ان کا یہ کمال اور حسنِ سیرت کی رفعت نظر آتی ہے کہ نہ تو اپنی غلطی پر اصرار کرتے ہیں نہ توجہ دلانے والوں کے خلاف دل میں گانٹھ باندھتے ہیں بلکہ معذرت اور حیا کی مکمل تصویر بن جاتے ہیں۔ حضرت سوادؓ بن قارب زمانۂ جاہلیت میں کاہن تھے۔ ایک مرتبہ حضرت عمر رضؓ ان سے کہہ بیٹھے "آج کل تمہاری کہانت کا کیا حال ہے؟" حضرت سوادؓ سن کر لال پیلے ہو گئے اور غصے سے کہا "امیر المومنین آپ کے سوا مجھے کسی شخص نے ایسی تکلیف دہ بات کبھی نہیں کی۔" حضرت عمرؓ نے فوراً معذرت کی اور کہا "بھائی سواد ہم جس حالت میں تھے یعنی شرک وہ کہانت سے بھی بڑی برائی تھی۔"

حضرت عمرؓ نے مزاح کے انداز میں وہ بات کہی تھی مگر جناب سوادؓ نے اس کا بہت برا مانا اور سخت احتجاج کیا۔ حضرت عمرؓ نے اس مزاح پر اصرار کیا بلکہ اپنے ساتھی سے معذرت بھی کی اور اپنی گزشتہ حالت کا حوالہ دے کر انہیں ٹھنڈا بھی کیا۔ آپ نے اپنی خلافت کو احکام اسلامی کے نفاذ اور لوگوں کے حقوق کی ادائیگی کا ذریعہ تو ہمیشہ بنایا مگر اس شان و شوکت کو لوگوں پر رعب ڈالنے اور دھونس جمانے کا وسیلہ کبھی نہ بننے دیا۔ ہر شخص کا احترام اور ہر ایک سے انصاف آپ کا شعار تھا۔

جب کبھی کوئی شخص آپ کی کسی بات پر اعتراض کرتا تو آپ اسکی دلیل غور سے سنتے، اس کا اعتراض درست ہوتا تو اسے شکریئے کے ساتھ قبول فرماتے اور اسکی تعریف و توصیف بھی کرتے تھے۔ ابو موسیٰ اشعریؓ نے آپؓ کی خدمت میں دس لاکھ درہم بھیجے۔ آپؓ نے مسلمانوں کے درمیان تقسیم کر دیئے۔ کچھ رقم بچ رہی۔ لوگوں کے درمیان اختلافِ رائے ہو گیا کہ فاضل رقم کہاں خرچ کی جائے۔ حضرت عمرؓ نے عام لوگوں سے رائے مانگی تو ایک نوجوان نے کھڑے ہو کر کہا "امیر المومنین مشورہ تو محض معاملات میں کیا

Marfat.com

جاسکتا ہے جن کے بارے میں قرآن مجید میں کوئی واضح ہدایت موجود نہ ہو۔ مال غنیمت' فے اور صدقات کے بارے میں اللہ نے احکام نازل فرمادیئے ہیں۔ بس آپ اللہ کے حکم کے مطابق خرچ کر دیں۔" یہ نوجوان صعصعہ بن صوحان تھے۔ حضرت عمرؓ ان کی بات سن کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا "تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں۔" اسکے بعد باقی ماندہ مال بھی مسلمانوں کے درمیان تقسیم کر دیا۔

حضرت عمرؓ کا گشت شبانہ اور ایک دلچسپ واقعہ

ایک رات حضرت عمرؓ مدینہ کی گلیوں میں گھوم رہے تھے۔ عبدالرحمانؓ بن عوف آپ کے ساتھ تھے۔ ایک گلی میں پہنچے تو دیکھا کہ ایک گھر میں چراغ جل رہا ہے اور لوگوں کی بلند آوازیں سنائی دے رہی ہیں۔ دروازے پر پہنچے تو حضرت عمرؓ نے پوچھا "جانتے ہو یہ کس کا گھر ہے؟" حضرت عبدالرحمانؓ نے کہا "نہیں" آپؓ نے فرمایا "ربیعہ بن امیہ کا گھر ہے اور یہ لوگ اس وقت شراب پیئے ہوئے ہیں۔ اب بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے؟" انہوں نے کہا "میری رائے یہ ہے کہ ہم نے اللہ کی نافرمانی کا ارتکاب کیا ہے اللہ نے فرمایا ہے کہ تجسّس نہ کیا کرو۔"

آپ اندازہ کیجئے اس ایک واقعہ کے اندر کتنے درس پنہاں ہیں۔ ایک گھر میں منکر کا ارتکاب ہو رہا ہے۔ حاکمِ وقت اس پر مواخذہ کرنا چاہتا ہے۔ اس کا مشیر توجہ دلاتا ہے کہ تجسّس سے شریعت نے منع کیا ہے۔ حاکمِ وقت کا قانون کے سامنے جھک جانا رعایا کی خوش قسمتی اور پوری ملت کی نیک بختی کی علامت ہوتی ہے۔ اگر سربراہان مملکت قانون کی پابندی کریں تو عمال و افسران اسکی خلاف ورزی کی جرأت نہیں کر سکتے۔ آپ نے یہ بھی ملاحظہ فرمایا کہ اس گھر کے بارے میں عبدالرحمنؓ بن عوف نہیں جانتے تھے کہ کس کا گھر ہے مگر بیدار مغز' باخبر اور ہمہ صفت خلیفہ کو معلوم تھا کہ اس گھر کا مالک کون ہے۔

خلیفۂ راشدؓ امت کا غمگسار

جس قوم نے عمرؓ جیسا سپوت پیدا کیا وہ نظام حکومت، نظام قانون، اصولِ سیاست اور معاملاتِ حیات میں دوسروں کی شاگردی اختیار کر لے تو اسے اس قوم کی بدبختی کے سوا کیا عنوان دیا جاسکتا ہے؟ پتہ نہیں ہمارے دلوں پر قفل پڑ گئے ہیں یا ہماری عقل و فہم ہی ناپید ہے۔

حالات کے تقاضوں کا ادراک کرنا اور غمزدہ لوگوں کے زخموں پر مرہم رکھنا حضرت عمرؓ کا خاص وصف تھا۔ صدمات و مصائب ہر شخص کی زندگی کا حصہ ہوتے ہیں۔ ان صدمات کے وقت غمگساروں کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ حضرت عمرؓ ایسے مواقع پر کبھی غیر حاضر یا غیر متعلق نہ رہتے تھے۔ آپؓ کی جذباتی وابستگی اور پر خلوص ہمدردی کی بدولت لوگ آپ کے گرویدہ تھے۔ وہ آپؓ سے محبت بھی کرتے تھے اور آپؓ کا احترام بھی ان کے دلوں میں موجزن رہتا تھا۔

یہ واقعہ اس سے قبل گزر چکا ہے کہ رئیس قریش ابو سفیانؓ اور دوسرے سردارانِ قریش حضرت عمرؓ کے پاس آئے۔ آپ اصحاب شوریٰ کے ساتھ کسی اہم مسئلے پر مصروفِ گفتگو تھے۔ انہوں نے اجازت مانگی تو کہا گیا کہ انتظار کریں۔ اسی دوران بلالؓ خبابؓ اور ان کے سابقون الاولون ساتھی آئے تو انہیں اجازت مل گئی۔ اس پر ابو سفیانؓ خاصے نالاں تھے اور انہوں نے اپنے غصے کا اظہار بھی کیا تھا۔ انہی ابو سفیانؓ سے ایک صدمے کے وقت میں امیر المومنین نے ایسا سلوک کیا کہ وہ ممنون و سپاس گزار ہو کر دعائیں دینے لگے۔ حضرت عمرؓ ہر موقع پر ایسا موقف اختیار کیا کرتے تھے جو ان کے شایانِ شان ہوتا تھا۔

یزیدؓ بن ابی سفیانؓ کی شہادت اور امیر معاویہؓ کا بطور گورنر تقرر

یزیدؓ بن ابی سفیان ایک بہادر جرنیل تھے۔ حضرت عمرؓ نے انہیں شام

Marfat.com

کے علاقوں میں اہم ذمہ داریاں سونپی تھیں۔ اتفاق کی بات کہ جب حضرت یزیدؓ بن ابی سفیانؓ کی وفات کی خبر لے کر قاصد امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہوا تو ابو سفیان بھی وہیں بیٹھے تھے۔ امیر المومنین نے ڈاک کھولی تو یہ اندوہناک خبر پڑھی۔ انہوں نے ابو سفیان سے کہا "یزید کے بارے میں اللہ تعالیٰ آپکو بہترین اجر عطا فرمائے اور آپکو صبر و ہمت کی توفیق بخشے اور یزید کو اپنی رحمت کے سائے میں جگہ دے۔"

ابو سفیان کو بیٹے کی وفات سے بہت صدمہ ہوا۔ امیر المومنین انہیں تسلی دینے لگے۔ ابو سفیان نے حضرت عمرؓ سے پوچھا "امیر المومنین آپ نے یزید کی جگہ کسے امیر بنایا ہے؟" آپؓ نے فرمایا "اسکے بھائی معاویہؓ کو۔" یہ سن کر ابو سفیان نے حضرت عمرؓ کو دعائیں دیں اور کہا "امیر المومنین آپ نے صلہ رحمی کا بہترین نمونہ پیش کیا ہے اللہ آپ کو اس کا اجر عطا فرمائے۔

ابو سفیان قریش کے سردار تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کے مزاج کا لحاظ کرتے ہوئے انہیں فتح مکہ کے وقت یہ اعزاز بخشا تھا کہ لوگوں کو امان دیتے ہوئے فرمادیا تھا "جو حرم میں داخل ہو جائے اسے امن ہے جو اپنے گھر کے دروازے بند کر لے اسے امان ہے اور جو ابو سفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اسے امان ہے۔

ابو سفیانؓ کی اسلامی خدمات

اسی طرح حضرت عمرؓ نے ان کے جوان بیٹے کی وفات پر ان سے تعزیت کرتے ہوئے ان کا دکھ یوں بانٹا کہ ان کے دوسرے بیٹے معاویہؓ کو گورنر بنا دیا۔ یہ حسن سلوک کی اعلیٰ مثال ہے۔ ابو سفیان حسن سلوک کے مستحق بھی تھے۔ قبولِ اسلام کے بعد انہوں نے جہاد میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا اور کافی گراں قدر قربانیاں پیش کی تھیں۔ فتنہ ارتداد کا مقابلہ کرنے والی سب سے پہلی فوج میں وہ شامل تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی زندگی میں انہیں یمن کے کسی علاقے کا عامل مقرر کیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد وہ یمن

Marfat.com

سے آرہے تھے کہ راستے میں ایک مرتد سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ آپ نے اسے قتل کر دیا۔ بعض لوگوں کے نزدیک یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد کسی مرتد کا پہلا قتل تھا۔ ابنِ شہاب کہتے ہیں کہ قرآن مجید کی سورہ الممتحنہ کی آیت ان کے اور ان کے ساتھیوں کے حق میں نازل ہوئی تھی "بعید نہیں کہ اللہ کبھی تمہارے اور ان لوگوں کے درمیان محبت ڈال دے جن سے آج تمہیں دشمنی ہے۔ اللہ بڑی قدرت رکھتا ہے اور وہ غفور و رحیم ہے۔

ابو سفیانؓ کی دونوں آنکھیں میدانِ جہاد میں کام آئیں۔ پہلی آنکھ جنگ طائف میں شہید ہوگئی جبکہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں بنو ثقیف کا مقابلہ کیا تھا۔ دوسری آنکھ رومیوں کے مقابلے میں جنگِ یرموک میں شہید ہوئی۔ ابو سفیانؓ زمانۂ جاہلیت میں بھی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و احترام کیا کرتے تھے۔ اس موضوع پر تاریخ میں بہت سے واقعات موجود ہیں۔ ابو سفیانؓ کی بیٹی اُمِّ حبیبہؓ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مطہرہ تھیں۔

حضرت عمرؓ کے بشری حسنات بڑے بلند پایہ اور قابل داد تھے۔ آپؓ خوشی اور غم ہر معاملے میں مثالی نمونہ پیش کرتے ہیں۔ جذبات سے مالا مال اور یادوں کے دریچوں میں جھانکنے والے! زندہ وجدان اور رقیق القلب دوستوں کی خوشی پر ان کے ساتھ شامل اور غم میں ان کے شریک۔ اپنے غم و اندوہ کے بارے میں بھی ان کا قلبِ حساس ایک نازک آبگینے کی طرح نظر آتا ہے۔ ذرا اندازہ کیجئے جذبات کی کیا کیفیت ہوگی۔

زیدؓ بن خطاب کی شہادت

اپنے بھائی زیدؓ بن خطاب کی جنگِ یمامہ میں شہادت کے بعد کہا کرتے تھے "بادِ صبا چلتی ہے تو زیدؓ کی خوشبو لئے ہوئے آتی ہے۔ دل کے زخم تازہ ہو جاتے ہیں اور قرار و سکون چھن جاتا ہے۔"

زیدؓ بن خطاب ان سے عمر میں بڑے تھے اور اسلام میں بھی ان سے

Marfat.com

پہلے داخل ہوئے تھے۔ انہیں یاد کر کے حضرت عمرؓ کا دل بے قرار ہو جایا کرتا تھا۔ حضرت زیدؓ سے انہیں بے پناہ محبت تھی۔ غزوۂ احد میں انہیں قسم دے کر کہا کہ "تم میری زرہ پہن لو۔" زیدؓ نے زرہ پہن تو لی مگر تھوڑی دیر بعد اتار دی اور حضرت عمرؓ سے کہا "تم جو کچھ میرے بارے میں سوچتے ہو وہی میں تمہارے بارے میں سوچتا ہوں۔" دونوں بھائی ایک دوسرے کو اپنے آپ پر ترجیح دیتے تھے۔

زیدؓ کی شہادت کے بعد ان کی یاد دل میں موجزن رہی۔ ان کی جدائی کا غم حضرت عمرؓ کو تڑپاتا رہتا تھا۔ متممؓ بن نویرہ شاعر نے اپنے بھائی مالک بن نویرہ کا دردناک مرثیہ لکھا تھا۔ اس کا بھائی حضرت خالدؓ کے مقابلے میں ایک لڑائی میں مارا گیا تھا۔ جب متممؓ مدینہ آیا اور حضرت عمرؓ سے اسکی ملاقات ہوئی تو آپ نے اس سے کہا "اگر میں بھی شاعر ہوتا تو تیری طرح اپنے بھائی کا دردناک مرثیہ لکھتا۔" متممؓ نے جواب دیا۔ "امیر المومنین اگر میرا بھائی اس طرح مارا جاتا جس طرح آپ کا بھائی قتل ہوا تو مجھے کوئی غم نہ ہوتا اور نہ میں اسکے لئے مرثیہ کہتا۔" یہ سن کر حضرت عمرؓ کو بڑی تسلی ہوئی اور فرمایا "بہت سے لوگوں نے مجھ سے میرے بھائی کی تعزیت کی مگر تجھ سے بہتر تعزیت کرنے والا کوئی میرے پاس نہ آیا۔

اس کے بعد حضرت عمرؓ جب کبھی اپنے بھائی کو یاد کرتے تو اس کی خوش نصیبی پر رشک کرتے ہوئے کہتے "زیدؓ' میرا بھائی............ وہ مجھ سے سبقت لے گیا' اسلام قبول کرنے میں بھی اور جامِ شہادت پینے میں بھی۔ بندۂ مومن اپنے بھائی سے خدا کی خاطر محبت کرتا ہے اور اسکی محبت بڑی گہری اور پُر خلوص جذبات سے مالا مال ہوتی ہے۔ ہم سب مسلمان ایک امت اور ایک جسم ہیں۔ ہمیں اس جذبۂ محبت کو زندہ کرنا چاہئے جو بدقسمتی سے دم توڑ گیا ہے۔

Marfat.com

صحابہ کرام ایسی تفریحات اور فنون سے لذت اندوز ہوا کرتے تھے جن میں کوئی گناہ اور لغویت نہ پائی جاتی ہو۔ ایک شب حضرت عمرؓ نے ارادہ کیا کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کو مدینہ میں گشت کے لئے ساتھ لے لیں۔ ان کے گھر کا رخ کیا اور وہاں پہنچے تو اندر سے سیدنا عبدالرحمٰن کی آواز آئی۔ وہ ترنم سے شعر پڑھ رہے تھے۔ ملاقات ہوئی تو امیر المومنین نے پوچھا ابو محمد یہ کیا؟ تم غزلیں گا رہے تھے؟ عرض کیا "جب ہم اپنی خلوت میں ہوتے ہیں تو دیگر لوگوں کی طرح ہم بھی اچھے شعروں سے دل بہلاتے ہیں۔"

ایک بدو کے دلچسپ اشعار

حضرت عمرؓ ترش رو اور خشک مزاج نہ تھے۔ وقار اور سنجیدگی کے ساتھ آپ بہت ہنس مکھ اور شستہ ذوق کے حامل تھے۔ مزاح کرنا بھی جانتے تھے اور دوسروں کے مزاح سے لطف اندوز بھی ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک بدو آپ کے پاس آیا اور اس نے اپنا مدعا منظوم انداز میں یوں پیش کیا۔

یا عمرالخیر جزیت الجنه۔ جهز بناتی الیوم وا کسهنه اقسم بالله تفعلنه۔

ترجمہ۔ اے خیر و بھلائی والے عمر اللہ تجھے جنت عطا فرمائے۔ آج میری بیٹیوں کے لئے کچھ دو اور انہیں کپڑے پہناؤ۔ میں خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ تم یہ کام ضرور کرو گے۔

حضرت عمرؓ نے اس بدو سے دل لگی کرتے ہوئے فرمایا "اے اعرابی اگر میں یہ کام نہ کروں تو کیا ہو گا؟" اس نے کہا

«**اقسم بالله لامضینه**» یعنی میں قسم کھاتا ہوں کہ پھر لازماً یہاں سے میں چلا جاؤں گا۔ حضرت عمرؓ نے مزاح کے طور پر مزید کہا "اگر تم چلے جاؤ گے تو پھر کیا ہو گا؟" اس نے کہا

واله عن حالی لتسئلنه۔ یوم تکون السائلات هنه والواقف المسؤل بینهنه۔ اما الی نارو اما جنه۔

Marfat.com

خدا کی قسم میرے بارے میں تم سے ضرور باز پرس ہوگی جس روز حساب کتاب کے لئے لوگوں سے سوال پوچھے جائیں گے۔ اس روز حساب دینے والا درمیان میں کھڑا ہوگا۔ ایک طرف جنت ہوگی اور دوسری طرف دوزخ۔ حساب کتاب کے بعد اسے ان دونوں میں سے کسی ایک کی جانب جانا ہوگا۔

یہ شعر سنکر حضرت عمرؓ رونے لگے۔ آنسوؤں سے ریش مبارک تر ہوگئی اور اپنے خادم سے کہا "یا غلام میرا یہ کرتا اسے دیدو۔ ان شعروں کے لئے نہیں بلکہ اس روز (حشر) کی سختی سے بچاؤ کی خاطر۔ خدا کی قسم آج اس کرتے کے سوا میرے پاس کوئی اور چیز نہیں ہے جو دے سکوں۔

ایک عجیب وغریب نام

حضرت عمرؓ موقع محل کے مطابق لطائف اور نکات سے محفل کو کشتِ زعفران بنادیا کرتے تھے۔ آپ کے ان لطائف میں بھی کوئی سبق پنہاں ہوتا تھا۔ بسا اوقات کوئی اہم بات لوگوں کے ذہن نشین کرانا ہوتی تو آپ دقیق اصطلاحات اور مشکل تشبیہات کی بجائے نہایت سادہ اور عام فہم الفاظ اور ہلکے پھلکے انداز میں یہ فرض ادا کردیتے تھے۔ لوگوں کو بچوں کے اچھے اور بامعنی نام رکھنے کی تلقین کیا کرتے۔ کوئی ایسا شخص ملتا جس کا نام اچھا نہ ہوتا تو مناسبِ حال ہدایت فرمادیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ کے پاس ایک شخص آیا۔ آپ نے اس کا نام پوچھا تو اس نے بتایا "شہاب" (آگ کی چمک) پوچھا "باپ کا کیا نام ہے؟" اس نے کہا "جمرہ" (انگارا) پوچھا "کس قبیلے سے ہو؟" جوابدیا "حرقہ (گرمی) سے" مزید پوچھا "حرقہ کی کس شاخ سے؟" کیا "بنی ضرام (جلن) سے۔" ارشاد ہوا "کہاں سے آئے ہو؟" اس نے کہا "حرۃ النار (آگ کی گرمی) سے۔" پوچھا "اہل وعیال کو کہاں چھوڑا ہے؟" اس نے جوابدیا "لظی (نارتپیدہ) کے مقام پر۔"

اسکے سارے جوابات آگ اور اسکے متعلقات پر مبنی تھے۔ آپ نے

Marfat.com

مزاح کے انداز میں فرمایا "مجھے ڈر ہے کہ تمہارے اہل و عیال جل بھن نہ جائیں۔" وہ شخص جب واپس پہنچا تو اسکے اہل و عیال کے آس پاس جھونپڑیوں میں آگ لگی ہوئی تھی جس سے وہ بمشکل جان بچا کر نکلے۔

مادر پدر آزاد شاعری کا اسلام میں کوئی تصور نہیں

حضرت عمرؓ بہت بیدار مغز اور دور رس نگاہ رکھتے تھے۔ برائی کو آغاز ہی میں دبا دیا کرتے تھے۔ برائی کو معمولی اور حقیر سمجھ کر اس سے آنکھیں بند کر لی جائیں تو وہ بالآخر ایسا فتنہ بن جاتی ہے جس کا قلع قمع ناممکن ہو جاتا ہے۔ عرب زبان آور اور فصاحت و بلاغت کے بادشاہ تھے۔ شاعری کو اس معاشرے میں اہم مقام حاصل تھا اور شعراء عزت و احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ شاعر اپنے کلام سے قبیلوں کو ہلا کر رکھ دیتے تھے۔ شعر و شاعری کے ذریعے محبت و الفت بھی پروان چڑھتی تھی اور جنگ و جدل کا بازار بھی گرم ہو جایا کرتا تھا۔ شعر گوئی ایک فن تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس فن کو بھی مادر پدر آزاد چھوڑنے میں امت کے لئے خطرہ محسوس کیا۔ چنانچہ آپ نے شعر و شاعری کے اصول اور حدود متعین کئے۔ آپ نے فرمایا کہ کوئی شخص قبائلی عصبیت پھیلانے والی شاعری کا مجاز نہیں نہ کسی کی ہجو ہی لکھی جائے کہ اس سے نفرتیں جنم لیتی ہیں اور یہ معاشرے کے لئے زہر قاتل ہوتی ہیں۔ آپ نے انصار کی عیب چینی کو ممنوع قرار دیدیا۔ اور مشرکین قریش کی برائیاں گنوانے سے بھی لوگوں کو روک دیا۔ انصار کا معاملہ تو کسی وضاحت کا محتاج نہیں کہ وہ اللہ کے نبی کے ساتھی اور اپنے مہاجر بھائیوں کو پناہ دینے والے عظیم لوگ تھے۔ رہے قریش تو ان کا معاملہ یہ تھا کہ زمانۂ جاہلیت میں انہوں نے جو کچھ بھی کیا ہو فتح مکہ کے بعد وہ سبھی اسلام میں داخل ہو گئے اور ان میں سے جو حالتِ کفر میں مر گئے وہ اپنے انجام کو پہنچ چکے تھے۔ ان مردوں کی برائی اور سب و شتم سے ان کے زندہ اہل و عیال کو جو مسلمان تھے تکلیف پہنچتی تھی۔ جاہلیت کی بیماریاں ختم ہو چکی تھیں اور اسلام نے لوگوں کی زندگیوں کو ایک نیا رنگ اور نیا رخ عطا کر دیا تھا۔

Marfat.com

شعرو شاعری حرام مطلق نہیں ہے۔ اس لئے حضرت عمرؓ نے اسکی مجموعی طور پر حوصلہ افزائی کی مگر شرپسندی اور فتنہ پروری کو آپ نے سختی سے روک دیا تھا۔ نصیحت کے باوجود جو شرارت سے باز نہ آتا اس پر پھر عقوبت کا درہ بھی استعمال میں لاتے تھے۔ حطیہ شاعر نے جب زبرقانؓ کی ھجو لکھی تو آپ نے اسے سزا دی۔

شعر اگر اخلاقی حدود کا پابند اور فحاشی و بے حیائی سے پاک ہو تو اسکے سننے اور سنانے میں کوئی ہرج نہیں ہے۔ جاہلی دور کے شعراء کا کلام بھی حکمت کی باتوں سے اکثر مالا مال ہوتا ہے۔ وہ شعر جس میں فحاشی نہ ہو صرف اس صورت میں مذموم قرار پاتا ہے جبکہ وہ انسان کے ذہن پر ہر وقت سوار رہے اور انسان اپنے فرائض و واجبات سے زیادہ شعرو شاعری میں دلچسپی لینے لگے۔ اس طرح اگر شاعری ذکر اللہ، شرعی علوم کے حصول اور تلاوتِ قرآن میں رکاوٹ کا باعث بننے لگے تو وہ بھی قابلِ مذمت ہے۔ اسکے علاوہ شعر کہنا، سننا، یاد کرنا اور موقع کی مناسبت سے اس کا حوالہ دینا جائز و مباح ہے۔

عمرہ قضا کے سفر میں ابنِ رواحہؓ کے اشعار

حضرت انسؓ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ قضا ادا کرنے کے لئے ۷ ھ میں مکہ میں داخل ہونے لگے تو حضرت عبداللہؓ بن رواحہ آپ صلی علیہ وسلم کے آگے آگے چل رہے تھے۔ ان کی زبان پر اچانک یہ شعر آئے۔

خلو نبیاللکفار عن سبیله — الیوم نضر بکم عن تاویله
ضرباً یز یلالهام عن مقیله — و یذھلالخلیل عن خلیله۔

اے کافرو، اللہ کے نبی کا راستہ خالی کر دو۔ آج ہم قرآن مجید کی تاویل سے تمہیں ماریں گے۔ یہ مار ایسی سخت ہوگی کہ گردنیں تن سے جدا

Marfat.com

ہو جائیں گی اور دوست دوستیاں بھول جائیں گے

حضرت عمرؓ نے کہا "اے ابنِ رواحہ حرم شریف میں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں تم یہ شعر پڑھ رہے ہو" حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" عمر اسے کہنے دو۔ خدا کی قسم اسکے شعروں کی کاٹ کافروں کے لئے ہمارے نیزوں کے زخموں سے زیادہ شدید ہے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں شعر کہے گئے اور آپ نے انہیں سنا۔ اچھے اشعار پر داد و تحسین بھی دی۔ خلفائے راشدین اور اسلافِ صالحین نے بھی شعر کہے اور سنے۔ شعر فی ذاتہ برا نہیں البتہ جس شعر میں برائی پائی جائے وہ مذموم اور قابل احتراز ہے۔

طواف کے دوران شعر

طفیل بن مالک بیان کرتے ہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکرؓ خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے کہ نابینا شاعر احمد بن جحش کے یہ شعر ان کی زبان پر آ گئے۔

حبزا مكه من وادی بها اهلی واولادی
بها اسشی بلاهادی

ترجمہ۔ مکہ اور اسکی وادیوں کے کیا کہنے۔ وہاں میری اولاد اور میرے اہل و عیال رہتے ہیں۔ اسکے گلی کوچوں سے میں اتنا مانوس ہوں کہ کسی راستہ دکھانے والے کی ضرورت نہیں رہتی۔ میں خود ہی راستہ پا لیتا ہوں۔

حضرت عمرؓ اور گورنروں کا محاسبہ

حاکمِ وقت کے لئے اپنے عمال کا انتخاب اور نگرانی اہم ترین کام ہوتا

ہے۔ آپ نے اس میدان میں ایسا اعلیٰ نمونہ پیش کیا ہے جو رہتی دنیا تک اپنی مثال آپ رہیگا۔

آپ عمال کے انتخاب میں دین و اخلاق کو اولین اہمیت دیتے تھے۔ پھر مسلسل ان کے معاملات کی چیکنگ کرتے رہتے تھے۔ اگر کسی ذمہ دار سے کمزوری صادر ہو جاتی تو اسکا فوری نوٹس لیکر علاج کی فکر کرتے۔ عمال کو حکم تھا کہ اپنی مجالس میں غیر ثقہ اور نا قابل اعتماد لوگوں کو جگہ نہ دیں کیونکہ اس سے عمال کا احترام لوگوں کے دلوں سے نکل جاتا ہے اور ان کے کسی حکم پر عوام الناس مطمئن نہیں ہوتے۔ گورنروں کے احکام و تصرفات پر ان سے باز پرس کرتے تھے۔ اگر ان کا حکم مبنی برصواب و انصاف ہوتا تو اس پر رضامندی کا اظہار فرماتے ورنہ ان کا مواخذہ ہوتا تھا۔ گورنروں اور اہم شخصیتوں کو ان کی غلطیوں پر بے دریغ ٹوکتے اور کبھی کبھی ڈانٹ بھی پلا دیتے تھے کیونکہ آپ کے نزدیک رعایا کی بھلائی اور مصلحت عامہ ہر چیز پر مقدم تھی۔

گورنروں کا علانیہ مواخذہ کیا جاتا تھا کیونکہ اس سے آئندہ کے لئے غلطیوں اور حدود سے تجاوز کا راستہ مسدود ہو جاتا ہے۔ اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ آپ کے ہاں محض مواخذہ و محاسبہ ہی تھا۔ نہیں سختی کے ساتھ نرمی بھی تھی۔ گورنروں کے اچھے کاموں پر انہیں شاباش و آفرین اور داد و تحسین سے بڑی سخاوت کے ساتھ نوازتے تھے۔ جن گورنروں کو زیادہ متقی، مخلص اور دین کے معاملات میں صاحبِ علم و فہم پاتے ان کی بے پناہ عزت و تکریم فرماتے تھے۔ اسی طرح اگرچہ گورنروں کی غلطیوں پر سرِ عام ٹوکتے تھے مگر ان کی جاسوسی اور ٹوہ میں نہ لگے رہتے تھے۔ ان کی غیر حاضری میں کسی کو ان کی برائی بیان کرنے یا ان کی عزت پر حملہ کرنیکی ہرگز اجازت نہ دیتے تھے بلکہ خود ان کا دفاع کیا کرتے تھے۔

حضرت عمرؓ اہل اور ثقہ لوگوں کو ذمہ داریوں کے لئے منتخب کرتے تھے۔ اس سے مقصود محض رعایا کی بھلائی و بہبودی نہ ہوتی تھی بلکہ ان کی فطرت میں یہ بات تھی کہ ہر کام بطریق احسن سرانجام پائے۔ وہ لوگوں سے جس اعلیٰ کارکردگی کا مطالبہ کرتے تھے پہلے خود اس کا عملی نمونہ پیش فرماتے۔ اگر کسی

کام کا حق ادا کرنے کی صلاحیت اپنے اندر نہ پاتے تو اسکی ذمہ داری اٹھانے سے معذرت پیش کر دیتے تھے۔

صلح حدیبیہ اور حضرت عثمانؓ کا سفیر بن کر مکے جانا

محمد ابنِ اسحاق نے سیرت میں صلح حدیبیہ اور بیعت الرضوان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ کیا کہ عمرؓ بن خطاب کو سردارانِ قریش کے پاس مکہ بھیجیں تاکہ ان کے سامنے مسلمانوں کی آمد کا مقصد بیان کر کے مکہ میں داخلے کی اجازت طلب کی جائے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا "یارسول اللہ اصل صورت حال یہ ہے کہ مکہ میں میرے خاندان بنو عدی میں سے کوئی قابلِ ذکر شخص نہیں ہے جو وہاں میری قوت کا باعث بن سکے اور آپ جانتے ہیں کہ قریش کے بارے میں میری اسلامی حمیت کی وجہ سے قریش مجھ سے شدید نفرت کرتے ہیں۔ میرے اندر بھی بے شک ان کے بارے میں سختی پائی جاتی ہے۔ میں آپکو ایک مناسب آدمی کی نشان دہی کرتا ہوں جو اس کام کا اہل ہے، مکہ میں اسکی مجھ سے زیادہ عزت اور شنوائی ہے اور وہ ہے عثمان بن عفان "

آپ دیکھ سکتے ہیں کہ اس معاملے میں حضرت عمرؓ کا مشورہ کس قدر صائب تھا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مشورے کو قبول فرمایا۔ اپنی کمزوری اور مہم کے لئے اپنے سے بہتر آدمی کی نشان دہی میں نہ انہوں نے شرم محسوس کی نہ تکلف سے کام لیا۔ ہمارا حال یہ ہے کہ بہت سے معاملات میں ذمہ داری غیر موزوں آدمی کے سپرد کر دی جاتی ہے۔ وہ آدمی نہ تو اپنی حدود کو جانتا ہے اور نہ کام کی اہمیت کو پیشِ نظر رکھتا ہے نتیجہ ناکامی کی صورت میں نکلتا ہے۔ اگر ہر شخص اپنی حقیقت کو پہچان لے اور اپنی حدود سے واقف ہو جائے تو اللہ کی رحمت ہم پر سایہ کر لے

گورنروں کی شرائطِ کار کی وضاحت

گورنروں کے تقرر کے وقت ان کے معاوضے اور دیگر شرائط کی بھی

وضاحت فرمادیا کرتے تھے۔ علاقے کے لوگوں کو بھی معلوم ہوتا تھا کہ گورنر صاحب کا کیا معاوضہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ اہلِ کوفہ کو لکھا میں نے عمار بن یاسر کو گورنر مقرر کیا ہے۔ اور عبداللہ بن مسعود کو معلم بنا کر ان کے ساتھ بھیجا ہے۔ ان کے علاوہ عثمان بن حنیف کو افسر بندوبست مقرر کیا ہے۔ میں نے ان کا معاوضہ یہ مقرر کیا ہے کہ ان تینوں کو ہر روز ایک بکری (یا اسکی قیمت) دی جایا کرے۔ آدھی بکری عمار کے لئے اور باقی آدھی ابنِ مسعود اور عثمان کے لئے برابر برابر۔ ہر شخص کے لئے فرائض بھی بیان کر دیئے جاتے تھے اور ان کے حقوق کا بھی واضح تعین ہو جاتا تھا۔ ہر ایک اپنے شعبے کا ذمہ دار اور جواب دہ ہوتا تھا۔ اسکے ساتھ لوگوں کو یہ بھی معلوم ہوتا تھا کہ ان کا ریاست کی طرف سے کیا معاوضہ مقرر ہوا ہے۔ پھر وہ اپنے سرکاری مناصب سے کس طرح قوم کی دولت لوٹ سکتے تھے؟

حضرت عمرؓ نے عاصم بن غنم کو حمص میں امیر سپاہ مقرر کیا تو ان کا معاوضہ ایک دینار یومیہ اور سردیوں گرمیوں میں ایک شیر دار بکری مقرر کیا۔

حضرت معاویہؓ کو شام کا والی بنایا تو ان کا معاوضہ دس ہزار دینار سالانہ طے ہوا۔

ہر کام کے لئے معاوضہ مقرر کرتے وقت متعلقہ شخص کے حالات و ضروریات کے علاوہ علاقے کے عام حالات اور معیار کو بھی پیش نظر رکھا جاتا تھا۔

حضرت عمرؓ جب گورنروں کو پروانۂ تقرری دیتے تو ساری احتیاطی تدابیر اختیار کر لیا کرتے تھے۔ پروانۂ تقرری میں گورنروں اور رعایا کے حقوق اور فرائض پوری تفصیل کے ساتھ درج ہوتے تھے۔ آپؓ نے امورِ حکومت میں ایسا محتاط رویہ اختیار کیا تھا کہ مال تقسیم کرنے کے وقت گورنر پائی پائی کا حساب کیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ مالِ غنیمت کی تقسیم میں ایک گورنر نے ایک جوتا خود لے لیا اور دوسرا کسی اور کو دے دیا۔ بظاہر یہ بات بڑی مضحکہ خیز معلوم ہوتی ہے لیکن عمالِ حکومت کی نازک ذمہ داریوں اور محاسبے کے کڑے نظام کو لوگوں کے ذہن نشین کرانے کیلئے یہ ایک بہترین مثال ہے۔

Marfat.com

گورنروں کا محاسبہ انکی ذات تک محدود نہ تھا بلکہ انکے اقربا اور رشتہ داروں پر بھی نظر رکھی جاتی تھی۔ حضرت ابو بکرہؓ ایک صحابی تھے۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے حکم صادر فرمایا کہ ابو بکرہؓ کا نصف مال بحقِ سرکار ضبط کر کے بیت المال میں داخل کر دیا جائے۔ حضرت ابو بکرہؓ نے اعتراض کیا اور کہا "امیرالمومنین میں نے آپکی طرف سے کسی سرکاری منصب پر کبھی کام نہیں کیا" حضرت عمرؓ نے فرمایا "تمہاری بات ٹھیک ہے مگر تمہارا بھائی بیت المال میں ذمہ داری ادا کرتا ہے اور اونٹوں کی زکواۃ کا نگران ہے۔ اس نے بیت المال سے تمہیں قرض دیا تھا جس سے تم نے تجارت کی پس اس کے منافع میں بیت المال کا بھی حصہ ہے" اس طرح حضرت عمرؓ نے دس ہزار درہم حضرت ابو بکرہؓ سے وصول کیئے اور بیت المال میں داخل کر دئے۔

ایسے منصفانہ نظامِ حکومت میں کوئی سرکاری اہل کار کیسے ناجائز ذرائع سے دولت اکٹھی کر سکتا ہے؟ ایسے نظام میں لوگوں کے حقوق سلب کرنے کی بجائے انکی بھلائی اور مصلحت کو سرِفہرست رکھا جاتا ہے۔ ایسی کڑی نگرانی کے نظام میں دیانت دار اہلِ کار ہی کام کر سکتے ہیں۔ غیر صالح لوگوں کیلئے کوئی گنجائش نہیں ہوتی اسلیئے انکے شر سے عوام الناس محفوظ رہتے ہیں۔ یہ قرآن کا نظام اور اسلام کے قوانین ہیں جن میں کوئی نقص اور جھول نہیں۔ یہ ہر دور اور زمانے کیلئے مفید اور مناسب ہیں۔ ان سے بہتر نظریات اور قوانین کا تصور بھی نہیں جا سکتا۔

ایک شعر پر گورنر کی معزولی

حضرت عمرؓ کسی شخص کو اسی صورت میں گورنر مقرر کیا کرتے تھے جب اس کے متعلق یقین ہو جاتا تھا کہ وہ اس نازک ذمہ داری کو ادا کرنے کا اہل ہے۔ مگر کسی گورنر میں کسی خامی اور کمزوری کا پتہ چلتا تو فوراً اسے سبکدوش کر دیتے کیونکہ گورنر کا مقام و مرتبہ خلیفہ اور رعایا دونوں کے نقطۂ نظر سے بڑا نازک اور حساس ہوتا ہے۔ آپ نے اپنے قبیلے میں سے نعمان بن عدی کے سوا کبھی

Marfat.com

کسی کو گورنر مقرر نہیں کیا تھا۔ جب نعمانؓ بن عدی کو میسان کا گورنر بنایا تو ان کے اہل و عیال مدینہ میں تھے۔ انہوں نے اپنی بیوی کے نام ایک خط لکھا جس میں اشعار میں جدائی اور فراق کا تذکرہ تھا۔ ان اشعار میں ایک شعر یہ تھا

لعل امیر المومنین یسوءہ تناومنا فی الجھسق المتھدم۔

ترجمہ شاید امیر المومنین کو یہ بات ناگوار گزرے کہ ہم ایک زمانے تک پرانے محلات کے کھنڈرات میں اکٹھے رہتے اور بادہ و جام سے دل بہلاتے تھے۔

حضرت عمرؓ کو جب اس شعر کا پتہ چلا تو آپ نے نعمانؓ کے نام خط لکھا ۔ امابعد مجھے تمہارے کلام کا پتہ چلا ہے اور خدا کی قسم مجھے یہ سخت ناگوار گزرا ہے۔ میں تمہیں تمہارے منصب سے معزول کرتا ہوں" جب نعمانؓ گورنری چھوڑ کر مدینہ آئے اور حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عرض کیا " خدا کی قسم! وہ محض ایک شعر تھا جو میں نے رواروی میں لکھ دیا ورنہ خدا گواہ ہے کہ میں نے پینے پلانے کا جرم کبھی نہیں کیا۔" حضرت عمرؓ نے کہا کہ مجھے بھی یہ حسنِ ظن ہے کہ تم نے شراب کبھی نہیں پی ہو گی مگر ایسا شعر تمہارے شایانِ شان نہ تھا۔ اب میں تمہیں کبھی کسی منصب پر متعین نہیں کروں گا۔

حضرت عمرؓ نے اپنے خاندان اور قبیلے کے لوگوں کو سرکاری مناصب اس وجہ سے نہیں دیئے تھے کہ اگر سربراہِ مملکت اپنے قریبی رشتہ داروں کو سرکاری عہدے دینے لگے تو اس سے خرابیوں کا دروازہ کھل جاتا ہے ایک صالح نظامِ حکومت میں ذاتی اغراض اور خاندانی مفاد کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ حضرت عمرؓ کے اس عظیم الشان عمل سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے اگر کوئی ذمہ دار حکومت مزاح میں بھی غیر سنجیدہ بات کر دے تو اس کا نوٹس لیا جانا چاہئے۔ عمالِ حکومت کا کردار اور معاملات ہر شک و شبہہ سے بالاتر ہونے چاہئیں تاکہ نہ تو لوگ ان پر انگلیاں اٹھائیں اور نہ اس نظام حکومت کے بارے میں عدمِ اطمنیان پیدا ہو جس کی وہ نمائندگی کرتے ہیں' خلافتِ راشدہ میں انتظامی مہارت کا بھی خیال رکھا جاتا تھا مگر اس سے زیادہ اخلاقِ عالیہ اور دینداری کو اہمیت دی جاتی تھی۔

Marfat.com

حضرت عمرؓ نہ صرف خود اپنے آپ کو اللہ کے سامنے جوابدہ سمجھتے تھے بلکہ عمالِ حکومت کی کارکردگی کو بھی اپنی ذمہ داری گردانتے تھے۔ کسی بھی نظامِ حکومت میں ماتحت عملہ اسی صورت میں بدعنوانی کا مرتکب ہو سکتا ہے جب بالائی انتظامیہ اس کی ہم نوا ہو یا غفلت کا شکار ہو۔ اسی طرح سے اگر ماتحت عملہ افسران بالا اور عمالِ حکومت کے ظلم و زیادتی میں ان کا ممد و معاون نہ ہو تو وہ ظلم و زیادتی نہیں کر سکتے۔ جو ظلم کرتا ہے وہ تو ظالم ہوتا ہی ہے مگر ظالم کی معاونت کرنے والا بھی ظلم میں برابر کا شریک ہوتا ہے' اور گناہ کا وبال دونوں پر پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ کی کتابِ مقدس میں یہ مضمون یوں واضح کیا گیا ہے کہ فرعون کے ظلم و ستم کا ذکر کرتے ہوئے سورۃ قصص میں ارشادِ باری ہے "بے شک فرعون اور ہامان ان دونوں کے لشکر سب کے سب خطا کار تھے۔"

فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس کسی نے کسی مسلمان کا ایک لقمہ ناجائز کھا لیا تو اللہ تعالیٰ دوزخ کی آگ سے اسے لقمہ کھلائے گا اور جس کسی نے کسی مسلمان کے مال سے ناجائز فائدہ اٹھا کر کوئی کپڑا پہن لیا تو اللہ تعالیٰ اسے دوزخ کی آگ کے کپڑے پہنائے گا اور جو کوئی کسی مسلمان کے معاملات کی ٹوہ میں لگ جائے قیامت کے روز اللہ تبارک و تعالیٰ اس کی ٹوہ میں لگ جائے گا"۔

جو شخص کوئی عمل ریاکاری کے لئے کرے تو وہ بہت دور کی گمراہی میں جا پڑتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا "شرک خفی یہ ہے کوئی شخص دوسروں کو دکھانے کے لئے کوئی نیک عمل کرے۔"

حضرت قدامہؓ بن ...... کا کیس

حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں بعض گورنروں نے تاویل کی غلطی کی تو

Marfat.com

حضرت عمرؓ نے اس پر ناراضگی کا اظہار کیا۔ نص صریح کی موجودگی میں رخصت اور مداھنت کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ آپ نے قدامہؓ بن مظعون کو بحرین کا والی مقرر کیا۔ قدامہؓ بن مظعون بڑے مشہور صحابی تھے۔ حضرت حفصہؓ اور عبداللہ بن عمرؓ کے ماموں تھے اور بدری صحابہ میں شامل تھے۔ بنو قیس کے سردار جارود بحرین سے مدینہ آئے اور حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا "امیر المومنین قدامہؓ نے شراب پی اور اسے نشے کی حالت میں دیکھا گیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس پر حد جاری کی جانی چاہیے۔ پس میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ اس پر حد لگائیں۔" حضرت عمرؓ نے پوچھا "تمہارے ساتھ دوسرا گواہ کون ہے؟" انہوں نے کہا "ابو ہریرہؓ"

حضرت عمرؓ نے ابو ہریرہؓ کو بلایا اور ان سے کہا "کیا تم اس معاملے میں گواہی دیتے ہو؟" انہوں نے عرض کیا "میں نے انہیں شراب پیتے تو نہیں دیکھا لیکن نشے کی حالت میں ضرور دیکھا ہے کہ وہ قے کر رہے تھے۔" حضرت عمرؓ نے فرمایا "اچھا" پھر قدامہؓ کو خط لکھ کر مدینہ بلایا ان کے آنے کے بعد جارودؓ نے مطالبہ کیا "اس پر حد جاری کی جائے" حضرت عمرؓ نے کہا "کیا تم مدعی ہو یا گواہ؟" انہوں نے کہا "گواہ" حضرت عمرؓ نے فرمایا "بس اگر تم گواہ ہو تو گواہی دے چکے ہو"۔ جارودؓ خاموش ہو گئے۔ اگلا دن آیا تو جارود نے پھر قدامہؓ پر حد جاری کرنے کا مطالبہ کیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا "تم مدعی ہو اور تمہارے ساتھ ایک ہی گواہ ہے" جارود نے کہا "امیر المومنین! میں آپ کو خدا کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ آپ فیصلہ صادر فرمائیں۔" حضرت عمرؓ نے کہا "تم اپنی زبان بند رکھو ورنہ میں تمہیں سزا دوں گا" جارودؓ نے کہا "اے عمرؓ یہ انصاف نہیں ہے کہ تمہارے چچا کا بیٹا شراب پیئے اور تم اس کے بجائے مجھے سزا دو"۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا "امیر المومنین اگر آپ کو ہماری گواہی میں شک ہے تو آپ قدامہ کی بیوی بنتِ ولید کو بلا لیں اور اس سے پوچھ لیں"

حضرت عمرؓ نے ہند بنت ولید کو مدینہ بلایا اور ان سے پوچھا انہوں نے اپنے خاوند کے خلاف شراب پینے کی گواہی دی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا "میں اب قدامہ پر حد جاری کروں گا" قدامہؓ نے کہا "تم میرے اوپر حد جاری نہیں

Marfat.com

کر سکتے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

"جو لوگ ایمان لے آئے اور نیک عمل کرنے لگے' انہوں نے پہلے جو کچھ کھایا پیا تھا اس پر کوئی گرفت نہ ہو گی بشرطیکہ وہ آئندہ ان چیزوں سے بچے رہیں جو حرام کی گئی ہیں اور ایمان پر ثابت قدم رہیں اور اچھے کام کریں۔ پھر جس جس چیز سے روکا جائے اس سے رکیں اور جو فرمانِ الٰہی ہو اسے مانیں۔ پھر خدا ترسی کے ساتھ نیک رویہ رکھیں۔ اللہ نیک کردار لوگوں کو پسند کرتا ہے"۔ (المائدہ آیت ۹۳)

حضرت عمرؓ نے فرمایا "تم نے آیت کی غلط تاویل کی ہے اگر تم نے تقویٰ اختیار کیا ہوتا تو اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے اجتناب کرتے" حضرت عمرؓ نے لوگوں سے پوچھا "قدامہ پر حد جاری کرنے میں تمہاری کیا رائے ہے؟" لوگوں نے کہا "جب تک قدامہ بیمار ہے اس پر حد جاری نہ کریں۔" حضرت عمرؓ یہ سن کر کچھ دنوں تک خاموش رہے۔ پھر قدامہؓ صحت مند ہوئے تو حضرت عمرؓ نے ان کو کوڑے مارنے کا ارادہ کیا۔ لوگوں نے کہا "ہمارا خیال ہے کہ جب تک قدامہ کمزور ہے اس پر حد جاری نہ کی جائے" حضرت عمرؓ نے فرمایا "کوڑا لاؤ" پھر آپ نے حد جاری فرمائی اور کہا "قدامہ کا ان کوڑوں کے نیچے جان دے دینا مجھے زیادہ پسند ہے بہ نسبت اس کے کہ میں اللہ کے دربار میں اس حالت میں حاضر ہوں کہ قدامہؓ اور اس کا جرم میری گردن میں ہو۔"

اس واقعہ کے بعد حضرت قدامہ حضرت عمرؓ سے ناراض رہنے لگے۔ حج کے زمانے میں قدامہؓ حج پر گئے اور امیر المومنین بھی۔ حج سے واپسی پر سقیا کے مقام پر خیمہ زن ہوئے تو حضرت عمرؓ سو گئے۔ نیند سے بیدار ہو کر فرمایا "قدامہؓ کو میرے پاس لاؤ خدا کی قسم خواب میں میرے پاس اللہ کی طرف سے کوئی آیا اور اس نے کہا "قدامہ سے صلح کر لو وہ تمہارا بھائی ہے۔" اسے جلدی میرے پاس لاؤ"

Marfat.com

جب لوگ قدامہؓ کے پاس پہنچے تو قدامہؓ نے امیرالمومنین کے پاس جانے سے انکار کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ اسے کھینچ کر لے آؤ۔ چنانچہ جب وہ آپ کے پاس آئے تو آپ نے ان سے بات چیت کی اور انہیں راضی کر لیا۔ پھر حضرت عمرؓ نے قدامہؓ کے حق میں دعا کی۔

عبداللہؓ بن حذافہ کا ایمان افروز واقعہ

حضرت عمرؓ اپنی سختی کی وجہ سے بڑی بارعب شخصیت کے مالک تھے مگر اس کے ساتھ آپ قابلِ تعریف کام کرنے والے افراد کی پوری قدر بھی کرتے تھے۔ اس طرح آپ کی شخصیت جمال اور جلال کا حسین مرقع تھی۔ حضرت عمرؓ نے رومیوں کے مقابلہ پر ایک لشکر بھیجا۔ اس لشکر میں حضرت عبداللہؓ بن حُذافہ بھی تھے۔ ایک جنگ میں حضرت عبداللہ اور بعض دوسرے صحابہ رومیوں کے ہاتھوں قید ہو گئے۔ انہیں قیصر کے دربار میں پیش کیا گیا۔ قیصرِ روم نے حضرت عبداللہ بن حُذافہ سے کہا "تو عیسائیت اختیار کرے تو میں تجھے اپنی حکومت میں شریک کر لوں گا۔" حضرت عبداللہؓ نے انکار کر دیا۔ پھر قیصر نے انہیں سولی پر چڑھانے کا حکم صادر کر دیا۔ تختۂ دار پر کھڑا کر کے ان پر تیر چلائے گئے مگر انہوں نے اس کی کوئی پروا نہ کی۔ قیصر نے حکم دیا کہ انہیں تختۂ دار سے نیچے اتارا جائے۔ جب وہ نیچے اتارے گئے تو بادشاہ نے ایک بڑی دیگ میں کھولتے ہوئے پانی کے اندر ایک قیدی کو پھینکنے کا حکم دیا۔ جب قیدی کو اس میں پھینکا گیا تو اس کا جسم جل بھن گیا اور اس کی ہڈیاں چٹخنے لگیں حضرت عبداللہؓ یہ سارا منظر دیکھ رہے تھے۔

قیصر نے حکم دیا کہ اگر عبداللہؓ نے عیسائیت قبول نہ کی تو انہیں بھی دیگ میں پھینک دیا جائیگا۔ جب انہیں دیگ کی طرف لے جانے لگے تو حضرت عبداللہؓ رو پڑے۔ قیصر نے کہا "اسے میرے پاس واپس لاؤ۔" اس نے ان سے پوچھا "تم کیوں رو رہے تھے؟ کیا اب موت سے ڈر گئے ہو؟" انہوں نے جواب دیا "بخدا میں موت سے نہیں ڈرتا۔ میری تو یہ تمنا ہے کہ ایک کی بجائے

Marfat.com

میری سو جانیں ہوتیں اور میں ایک ایک کر کے اللہ کی راہ میں قربان کر دیتا مگر واحسرتا میری ایک ہی جان ہے جسے میں قربان کرنے جا رہا ہوں۔ "

یہ سن کر قیصر حیران رہ گیا۔ اب اس نے حضرت عبداللہؓ سے کہا "تم میرے سر کو بوسہ دے دو تو میں تمہیں آزاد کر دونگا۔" انہوں نے پوچھا "میں تمہارے سر کو چوم لوں تو کیا سارے مسلمان قیدیوں کو آزادی مل جائیگی؟" اس نے کہا "ہاں" اس پر حضرت عبداللہؓ اٹھے اور قیصر کے سر کو بوسہ دیا۔ اس نے سارے قیدیوں کی رہائی کا حکم دے دیا۔ یہ خبر مدینہ پہنچ گئی تھی۔ چنانچہ جب حضرت عبداللہؓ مدینہ آئے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا "ہر مسلمان کو چاہئے کہ عبداللہ کے سر کو بوسہ دے اور میں اس کام کی ابتداء کرتا ہوں۔" پھر آپ نے آگے بڑھ کر حضرت عبداللہؓ بن حُذافہ کے سر کو بوسہ دیا۔

صحابۂ کرامؓ حضرت عبداللہؓ سے کبھی کبھار مزاح میں کہا کرتے تھے "تم نے نصرانی کافر کا سر چوم لیا تھا" تو آپ جواب میں کہا کرتے تھے "اس ایک بوسے سے اللہ تعالیٰ نے اسی (۸۰) مسلمانوں کی جان بچالی تھی۔"

زیاد بن سمیہ کی معزولی

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خلیفۂ راشد لوگوں کی قدر افزائی کرنا جانتے تھے۔ ایک باغیرت اور بہادر جنگجو کے لئے ایسی قدر افزائی مادّی فائدوں اور ظاہری تمغوں سے کہیں زیادہ قیمتی چیز ہوتی ہے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے ساتھیوں اور ماتحتوں کی تربیت نہایت حکمت کے ساتھ کی تھی۔ وہ منصب سے زیادہ نیک نامی اور عزتِ نفس سے دلچسپی رکھتے تھے۔ زیاد بن سمیہ نے حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کے خلاف گواہی دی مگر حضرت مغیرہؓ پر لگایا جانے والا الزام ثابت نہ ہوا، تو حضرت عمرؓ نے زیاد کو اس کے منصب سے معزول کر دیا اور حضرت مغیرہؓ کو باعزت بری کیا۔ زیاد نے اپنے منصب کے دوران قابلِ قدر خدمات سرانجام دی تھیں۔ اب اسے احساس ہوا کہ لوگ اس کی معزولی کو کوئی غلط معنی نہ پہنالیں۔ اس نے حضرت عمرؓ سے اپنے اس خدشے کا اظہار کیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا "میں نے تمہیں کسی بددیانتی کی وجہ سے یا ذلیل کرنے کے لئے معزول نہیں کیا۔"

حضرت شرجیل بن حسنہؓ

شام میں برسرپیکار اسلامی فوجوں کے سپہ سالاروں میں سے شرجیلؓ بن حسنہؓ معروف جرنیل تھے۔ حضرت عمرؓ نے انہیں معزول کر کے حضرت معاویہ بن ابو سفیانؓ کو ان کی جگہ مقرر کر دیا۔ حضرت شرجیل نے پوچھا "امیر المومنین کیا آپ نے مجھے کسی ناراضگی کی وجہ سے معزول کیا ہے؟" آپؓ نے فرمایا "نہیں میں تم سے ناراض نہیں ہوں۔ تم میرے نزدیک پسندیدہ شخصیت ہو لیکن میں اس ذمہ داری کے لئے ایک زیادہ طاقتور آدمی کو مقرر کرنا چاہتا تھا۔" حضرت شرجیلؓ نے کہا کہ لوگوں کے ذہنوں سے شکوک و شبہات دور کرنے کے لئے آپ اس بات کا اعلان کر دیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس بات کا اعلان فرما دیا۔ حضرت شرجیلؓ کا دل مطمئن ہو گیا کہ ان کی شہرت کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔

حضرت عمرؓ اپنے عمال کے ساتھ صلاح مشورے کرتے رہتے تھے ان کی صائب رائے کو قبول کرتے تھے اور غلط رائے کو دلیل کے ساتھ رد کر دیتے تھے۔ اس طرح ہر فرد یہ محسوس کرتا تھا کہ وہ سربراہ مملکت کا تابع مہمل نہیں بلکہ کاروبارِ حکومت میں باقاعدہ شریک ہے' اس کی بات سنی جاتی ہے اور بوقتِ ضرورت اس کی اصلاح اور رہنمائی بھی کی جاتی ہے۔

سعیدؓ بن عامر

سعیدؓ بن عامر بڑے پارسا اور متقی صحابی تھے۔ حضرت عمرؓ نے انہیں گورنر مقرر کیا تھا۔ وہ حضرت عمرؓ کو کبھی کبھار نصیحت کرتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ جب انہوں نے کوئی نصیحت کی تو حضرت عمرؓ نے پوچھا "یہ کام کیسے ہو سکتا ہے؟" انہوں نے کہا "امیر المومنین آپ کے لئے کیا مشکل ہے۔ اس کے لئے آپ کو صرف حکم دینا ہو گا اور لوگ اس کی اطاعت کرینگے۔"

حضرت عمرؓ نے ان کے تقویٰ اور نیکی کی وجہ سے انہیں شام میں کسی منصب پر مقرر کیا تھا۔ حضرت عمرؓ کو اطلاع ملی کہ حضرت سعیدؓ کسی بیماری میں مبتلا ہیں جس کی وجہ سے وہ اچانک بے ہوش ہو کر گر پڑتے ہیں۔ بعض لوگوں

Marfat.com

نے کہا کہ یہ مرگی کا مرض ہے۔ حضرت عمرؓ یہ نہیں چاہتے تھے کہ ذمہ داران حکومت بیمار اور کمزور لوگ ہوں۔ سعیدؓ بن عامر کو آپ بخوبی جانتے تھے مگر بیماری کی خبر سن کر آپ نے انہیں تحقیقِ احوال کے لئے مدینہ منورہ طلب کیا۔ حضرت سعیدؓ زاہد و عابد آدمی تھے۔ دنیا کے مال و متاع سے چنداں دلچسپی نہ رکھتے تھے۔ مدینہ آئے تو ان کے پاس ایک پیالہ اور ایک چادر تھی اور ایک چھوٹے سے تھیلے میں زادِ سفر باندھ رکھا تھا۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا "کیا تمہارے پاس صرف یہی سامان ہے؟" انہوں نے جواب دیا" اس سے زائد اور کیا چاہئے۔ پیالہ ہے جس میں کھا پی لیتا ہوں۔ چادر ہے جو اوڑھنا بھی ہے اور بچھونا بھی اور یہ تھیلا ہے جس میں دیگر ضروریاتِ سفر ہیں۔ یہ کیا کم ساز و سامان ہے؟"

حضرت عمرؓ نے مرض کے بارے میں پوچھا تو عرض کیا" امیر المومنین مجھے کوئی بیماری لاحق نہیں ہے۔ جب قریش کے مجمع عام میں حضرت خبیبؓ بن عدیؓ کو پھانسی لگایا گیا اور انہوں نے دشمنوں کے لئے بد دعا کی تو میں بھی اس مجمع میں موجود تھا۔ وہ منظر یاد آتا ہے تو مجھ پر غشی طاری ہو جاتی ہے۔" حضرت عمرؓ نے کہا" جاؤ اور اپنے منصب پر کام کرتے رہو۔" ایک روایت میں بیان ہوا ہے کہ حضرت سعیدؓ نے منصب سے معذرت پیش کی اور حضرت عمرؓ نے ان کی معذرت قبول کر لی۔

بد کردار لوگوں سے بھلائی کی توقع عبث ہے

کہاں یہ احتیاط اور حزم اور کہاں موجودہ دور میں عالمِ اسلامی کے ذمہ داران کے اللے تللے؟ نہ احساسِ ذمہ داری ہے نہ خوفِ خدا۔ جو شخص خدا سے نہیں ڈرتا اور آخرت کی باز پرس پر یقین نہیں رکھتا اس سے کسی بھلائی کی کیا توقع کی جا سکتی ہے، شرابی اور بدکار جن اداروں کے نگران اور ذمہ داران ہوں ان اداروں کی کارکردگی کے بارے میں کیا خوش فہمی ہو سکتی ہے اور راگ رنگ کے رسیا اور عورتوں کے پیچھے پھرنے والے حکمرانوں سے رعایا کو کیا خیر حاصل ہو سکتا ہے۔ جو جوئے کے عادی ہیں ان کے ہاتھ میں رعایا کا مال اور قوم کا خزانہ کیسے

Marfat.com

محفوظ و مامون ہو سکتا ہے۔

اسلام کے خلاف شیطانی چالیں چلنے والے ہمیشہ سرگرم عمل رہتے ہیں۔ وہ ذہنی پراگندگی اور فکری انتشار پیدا کرنیکا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ ایک نیا فتنہ یہ ہے کہ ملازمین حکومت اگر اہلیت کے معیار پر پورے اتریں تو ان کی انفرادی زندگی سے تعرض کی کیا ضرورت ہے؟ یہ بظاہر ایک سادہ سی بات ہے مگر اس میں شدید خطرات پنہاں ہیں۔ اخلاقی امراض جسمانی امراض سے زیادہ تباہ کن ہوتے ہیں۔ جس طرح ایک بیماری قوتِ مدافعت کو ختم کر کے مزید بیماریوں کا راستہ ہموار کر دیتی ہے اسی طرح اخلاقی امراض بھی کردار کا ستیاناس کر دیتے ہیں۔ اسلام میں انفرادی و اجتماعی امور میں وہی دیانت و امانت کا مظاہرہ کر سکتا ہے جو اپنی ذاتی زندگی میں دیانتدار ہو۔ حضرت عمرؓ نے ایک گورنر کو محض ایک غیر سنجیدہ شعر کی پاداش میں معزول کر دیا تھا حالانکہ آپ جانتے تھے کہ وہ گورنر پینے پلانے کا عادی نہ تھا۔

مغربی دنیا کی اخلاقی حالت

مغربی دنیا کو اپنی تہذیب پر بڑا ناز ہے اور مسلمان بھی ان سے مرعوب ہیں۔ مغرب کس اخلاقی انحطاط کا شکار ہے؟ یہ کوئی راز نہیں۔ ہر روز اخبارات و جرائد میں مغربی دنیا کے ذمہ دار لیڈروں کے کرتوتوں کا تذکرہ آتا رہتا ہے۔ جریدہ الاہرام میں ۷ر اکتوبر ۱۹۷۳ء کو یہ خبر شائع ہوئی کہ امریکی صدر نکسن کے نائب مسٹر اگنیو پر بدترین بدعنوانی اور رشوت کا الزام لگایا گیا ہے۔ صدر امریکہ کو اگر کچھ ہو جائے تو مسٹر اگنیو امریکہ کے صدر ہوں گے! اس نوعیت کے واقعات ہر روز منظرِ عام پر آتے رہتے ہیں۔

مسٹر اگنیو کے بارے میں الاہرام نے ۱۱ر اکتوبر ۱۹۷۳ء کی اشاعت میں اطلاع دی ہے کہ موصوف پر ٹیکس چوری' دھوکہ دہی اور بدعنوانی کے کئی الزامات عدالت میں ثابت ہو چکے ہیں اور عدالت نے اسے تین سال قید اور دس ہزار ڈالر جرمانے کی سزا سنادی ہے۔

الاہرام ہی نے اپنی سات اکتوبر ۷۳ء کی اشاعت میں برطانیہ کی معروف شخصیتوں کے کرتوتوں کی ایک رپورٹ نذرِ قارئین کی ہے۔ اس کا

Marfat.com

خلاصہ یہ ہے کہ پولیس نے حکومت کے سات ذمہ دار ترین افسروں کو اخلاقی جرائم کے الزام میں گرفتار کر کے عدالت کے سامنے پیش کیا ہے۔ ان کے ناموں اور ان پر لگائے جانیوالے اخلاقی الزامات کی تفصیل بھی اخبار میں موجود ہے۔ دوسرے اہم افسروں کی بیویوں سے ان افسروں کے ناجائز تعلقات بھی فردِ جرم میں بیان کیے گئے ہیں۔ ان واقعات کی عدالتی کارروائی سے پتہ چلتا ہے کہ ذمہ داری کے مناصب پر فائز افراد کی ذاتی زندگی سے صرفِ نظر نہیں کیا جاسکتا کیونکہ ان کی بری حرکتوں سے ان کا منصب اور مصالح عامہ دونوں متاثر ہوتے ہیں۔

موجودہ دور میں رشوت اور بد عنوانی اس قدر عام ہو چکی ہے کہ خدا کی پناہ۔ رشوت معمولی درجے کے ملازمین بھی لیتے ہیں مگر اعلیٰ مناصب پر فائز حضرات جس انداز اور پیمانے پر یہ کام کرتے ہیں اسے دیکھ سن کر ایک شریف آدمی سر پیٹ کر رہ جاتا ہے۔ دنیا کے حکمران طبقوں میں سے کبھی کبھار ایک آدھ کا سکینڈل ظاہر ہو جاتا ہے ورنہ یہ جرائم رازہائے سربستہ ہی رہتے ہیں۔

الاہرام کی ۱۶ ر جنوری ۱۹۷۴ء کی اشاعت میں لبنان کے سابق فوجی جرنیل عماد البستانی کے بارے میں ایک خبر پہلے صفحے پر جلی سرخیوں کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔ جرنیل موصوف کو عدالت نے سات سال قید بامشقت اور چودہ لاکھ ساٹھ ہزار سٹرلنگ پاؤنڈ جرمانے کی سزا سنائی گئی ہے۔ جرنیل بستانی پر الزام تھا کہ اس نے اپنے منصب سے ناجائز فائدہ اٹھا کر فرانس کی ایک کمپنی سے زمین سے فضا میں مار کرنے والے میزائلوں کے ایک سودے میں بھاری رشوت وصول کی تھی۔ کوراتال نامی اس میزائل کے سودے اور مبینہ رشوت کی وجہ سے یہ معاملہ کوراتال سکینڈل کے نام سے مشہور ہو گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو شخص اپنی پرائیویٹ زندگی میں خدا خوفی اور تقویٰ سے محروم اور کردار کی اہمیت سے بے بہرہ ہے وہ اجتماعی معاملات کا نگران بنا دیا جائے تو ایسے ہی گل کھلائے گا۔

الاہرام نے ۱۳ ر جولائی ۷۳ء کو ایک اور اسکینڈل کا تذکرہ کیا ہے۔ برطانیہ کی داخلی سیکورٹی کی کمیٹی نے برطانیہ کے وزیرِ دفاع لارڈ لانٹون کے قضیے میں وزیرِ موصوف کو مجرم قرار دے دیا ہے۔ وزیر صاحب نشے کے عادی

Marfat.com

تھے اور ایک جنسی اسکینڈل میں ملوث پائے گئے تھے' انہوں نے سات ہفتے قبل اپنی بے حیائی کا راز فاش ہونے کے بعد وزارت سے استعفا دے دیا تھا۔ ان کے بارے میں خیال یہ ہے کہ انہوں نے نشے کی حالت میں ملک کے دفاعی راز فاش کر دیئے تھے۔

برطانوی قوم اپنی حب الوطنی اور قوم پرستی کے لئے دنیا میں معروف ہے۔ ان کا وزیرِ دفاع جس کا منصب اہم اور ذمہ داری از حد نازک ہے کیسی پستی اور رذالت کا مرتکب ہوا ہے؟ اس پر پوری قوم چونک اٹھی ہے۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ چونکہ آغاز میں محض فنی قابلیت اور اہلیت کو ملحوظ رکھا جاتا ہے اس لئے فردِ متعلقہ اس "اہلیت و مہارت" کی بدولت اعلیٰ ترین منصب پر پہنچ جاتا ہے۔ اس کے کردار کا جھول بالآخر ایسے واقعات اور سکینڈلوں کی صورت میں دیر یا سویر ظاہر ہو کر رہتا ہے۔

اسلام نے تو اس معاملے میں اپنے اصول بالکل واضح طور پر بیان کر دیئے ہیں۔ مغربی افکار و نظریات کے اساتذہ بھی اب اپنے قدیم نظریات سے رجوع کر رہے ہیں۔ وہ بعد از خرابی بسیار اب یہ مانتے ہیں کہ دیانت و امانت اور اخلاق و کردار بھی اہلیت و صلاحیت کا لازمی جزو ہے۔

اسلام اخلاق و کردار کو اولین اہمیت دیتا ہے مگر تجسّس کو غیر پسندیدہ سمجھتا ہے۔ جہاں خشتِ اول ٹھیک رکھی جائیگی اور بنیاد میں کوئی نقص نہ ہو گا وہاں تجسّس کی ضرورت بھی نہ ہوگی۔

حضرت عمرؓ اپنی رعایا کے جملہ معاملات خوبی کے ساتھ چلاتے تھے اور ذمہ داریوں کا تعین بڑی عقل مندی سے کرتے تھے۔ آپ کے گورنروں نے آپکی سیرت اور طرزِ عمل کو اپنا لیا تھا۔ یہ کسی خوف اور نمائش کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ ایمان اور خلوص کا نتیجہ تھا۔

جب حضرت عمرؓ حمص تشریف لے گئے تو اپنے عمالِ حکومت سے رعایا کے حال احوال پوچھتے رہے۔ پھر بزرگ صحابہ سے کہا کہ مقامی آبادی کے مساکین کی فہرست تیار کی جائے۔ جب فہرست آپکی خدمت میں پیش کی گئی تو اس میں سعیدؓ بن عامر کا نام بھی تھا۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا "یہ سعید بن عامر کون

ہے"؟لوگوں نے کہا۔ "امیر المومنین یہ ہمارے گورنر ہیں" آپ نے پوچھا "کیا تمہارے گورنر فقیر ہیں"؟انہوں نے کہا "جی ہاں! وہ نہ تو کوئی معاوضہ لیتے ہیں اور نہ کوئی مال اپنے قبضے میں رکھتے ہیں"۔

دوعالم سے بیگانہ

حضرت عمرؓ سعیدؓ بن عامر کی پرہیز گاری اور زہد سے واقف تھے۔ یہ خبر سن کر رونے لگے۔ پھر ایک تھیلی لی اس میں ہزار دینار ڈالے اور قاصد کے ہاتھ سعید بن عامر کی خدمت میں روانہ کر دیئے جب قاصد نے امیر المومنین کا پیغام دیا اور تھیلی پیش کی تو انہوں نے تھیلی کھول کر دیکھی۔ دیناروں پر نظر پڑی تو "اناللہ وانا الیہ راجعون"۔ پڑھنے لگے۔ انکی بیوی نے پوچھا "کیا بات ہے کوئی مصیبت آگئی ہے؟امیر المومنین کے بارے میں تو کوئی بری خبر نہیں آئی؟" انہوں نے کہا "اس سے بھی بڑی خبر ہے"۔ بیوی نے پوچھا" کیا کوئی نشانی (آیت) ظاہر ہوگئی ہے"؟ کہا "اس سے بھی بڑی بات ہے۔"اس نے پوچھا "کیا قیامت کی کوئی علامت ظاہر ہوگئی ہے"؟انہوں نے کہا "اس سے بھی بڑی بات!" بیوی نے پوچھا" آخر کیا بات ہے؟بتائیں تو سہی" فرمانے لگے "فتنہ میرے گھر میں داخل ہوگیا ہے دنیا میری طرف دوڑ کر آرہی ہے" پھر پورا واقعہ بیان کیا۔ انکی بیوی نے کہا "اس رقم سے اپنی ضروریات پوری کرو۔" انہوں نے دیناروں کو ہاتھ میں لے کر اچھالا اور حسرت کے ساتھ انہیں دیکھا۔ پھر تھیلی میں ڈال کر ایک کونے میں رکھ دیئے۔ صبح ہوئی تو مسلمانوں کا ایک لشکر نظر آیا۔ آپ نے ساری رقم انکے درمیان تقسیم کر دی۔ بیوی کو پتہ چلا تو اس نے کہا کہ اگر آپ کچھ رقم اپنے پاس رکھ لیتے تو ہم اپنی ضروریات پوری کر لیتے۔ فرمانے لگے "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یہ حدیث سنی ہے کہ اگر جنت کی ایک حور زمین پر اتر آئے تو پورا کرۂ ارض اسکی خوشبو سے مہک اٹھے۔ میں دنیا کے مقابلے پر جنت کو ترجیح دیتا ہوں۔

حضرت عمرؓ اپنے ملک کے فقرا اور مساکین کی خبر گیری کا اہتمام فرمایا

Marfat.com

کرتے تھے۔ اوپر کے واقعہ سے جہاں سربراہِ مملکت کے احساسِ ذمہ داری کا پتہ چلتا ہے وہیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بندۂ مومن مال و دولت کے فتنے سے فقرو فاقہ کے مقابلے میں زیادہ ڈرتا ہے۔ وہ درہم و دینار کے پیچھے بھاگنے کی بجائے ان سے اپنا پہلو بچانے کی فکر کرتا ہے۔ یہ واقعات میں محض اس مقصد کیلئے پیش کرتا ہوں کہ ان سے امتِ مسلمہ کے افراد تربیت حاصل کریں اور عبرت کا سبق سیکھیں مسلمانو! اپنے قرآن 'سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلاف کے اعمال صالحہ کی طرف رجوع کرو۔ زندگی کے ہر معاملے میں اپنا طرزِ عمل ان بنیادی مآخذ کے مطابق ڈھال لو۔ فاسق نظریات اور خطرناک سوچوں سے دامن چھڑاؤ۔ اسی میں تمہاری دنیا اور آخرت کی بھلائی ہے۔

امین الامت حضرت ابو عبیدہؓ ابن الجرّاح

حضرت عمرؓ ایک بار شام تشریف لے گئے تو فوجوں کے سارے کمانڈر آپکی خدمت میں حاضر ہوئے مگر سپہ سالار اعلیٰ ابو عبیدہؓ ابن الجراح نظر نہ آئے۔ آپؓ نے پوچھا "میرے بھائی ابو عبیدہؓ کہاں ہیں" ؟لوگوں نے کہاوہ ابھی آجائیں گے۔ کچھ دیر کے بعد حضرت ابو عبیدہؓ بھی تشریف لے آئے۔ وہ ایک اونٹنی کی ننگی پیٹھ پر سوار تھے۔ انہوں نے حضرت عمرؓ سے ملاقات کے بعد انہیں اپنے گھر چلنے کی دعوت دی۔ حضرت عمرؓ ان کے گھر آئے تو دیکھا کہ گھر میں کوئی ساز و سامان نہ تھا۔ تلوار 'نیزے 'ترکش اور زرہ کے سوا پورے گھر میں کوئی دوسری چیز نظر نہ آئی۔ حضرت عمرؓ نے تعجب سے کہا "آپ کچھ ضروریاتِ زندگی گھر میں رکھ لیتے تو کیا حرج تھا؟"

انہوں نے کہا "امیر المومنین یہ چیزیں جو موجود ہیں یہی ہمیں درکار ہیں۔ ہمارے مشکل اہداف حاصل کرنے میں یہی ہماری مدد ہوتی ہیں۔ دنیا کا ساز و سامان تو ہمارے راستے میں رکاوٹ ہی بن جائیگا۔"

حضرت ابو عبیدہؓ ابن الجراح تکلفات اور تصنّع سے بالکل پاک تھے۔ وہ روایتی جرنیلوں کی طرح سربراہِ مملکت کے استقبال کیلئے قطار میں کھڑے

ہونے کی بجائے مسلمانوں کی خدمت کو زیادہ ضروری سمجھتے تھے۔ وہ خلیفہ کے ذاتی ملازم نہیں تھے بلکہ اسلامی ریاست کے عہدہ دار تھے۔ حضرت عمرؓ کی آمد کے وقت وہ کہیں فارغ بیٹھے ہوئے نہیں تھے بلکہ اہم ذمہ داریوں کو ادا کر رہے تھے۔ خلیفۂ راشد کی خدمت میں حاضر ہوئے تو نہ خلیفہ نے غصے کا اظہار کیا اور نہ ابو عبیدہؓ کو معذرتیں پیش کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ انہوں نے اپنے گھر میں بھی سادگی اختیار کر رکھی تھی اور انکی اونٹنی کی نکیل بھی درختوں کی چھال کی رسی کی بنی ہوئی تھی۔ اس سادگی کے باوجود ان لوگوں کی قوت اور حشمت کا دنیا کی کوئی طاقت مقابلہ نہ کر سکی۔ سربراہِ مملکت کے خوف کی وجہ سے بناوٹی اور مصنوعی کام تو ہو سکتے ہیں مگر ظاہر و باطن کی ہم آہنگی اور حقیقی تعمیرِ سیرت خشیتِ الٰہی کے بغیر ممکن نہیں۔

سپاہی کی عزتِ نفس کا خیال

حضرت عمرؓ اپنے عمال کے نام مدینہ منورہ میں بیٹھ کر جو احکام جاری کرتے تھے دور دراز کے علاقوں میں ان پر عمل کیا جاتا تھا اور کسی کی مجال نہ ہوتی تھی کہ اس میں سرتابی یا کوتاہی کا مظاہرہ کرے۔ رعایا کی بھلائی اور اسلامی لشکروں کی عزتِ نفس ہر وقت خلیفۂ راشد کو مطلوب ہوتی تھی۔ ابو عثمان کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے عتبہؓ بن فرقد کے نام خط لکھا جسکا مضمون یہ تھا "جو دولت اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو عطا کر رہا ہے یہ نہ تیری ہے نہ تیری ماں کی جس طرح تو خود کھاتا ہے اسی طرح ہر سپاہی کے خیمے میں اور ہر مسلمان کے گھر میں اچھا کھانا میسر آنا چاہئے" اس وقت عتبہؓ بن فرقد آذربائیجان کے والی تھے۔

فوجیوں اور عام شہریوں کو حکمرانوں کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے دیکھنے کی بجائے اپنے گھروں میں اطمینان کے ساتھ بیٹھ کر اپنا اپنا حصہ وصول کرنے میں جو لذت محسوس ہوئی ہوگی اسکے بیان کی ضرورت نہیں۔ ایسی حالت میں فوجی جوان اپنے قائد کا محض ضابطے کے طور پر احترام کرنے کی بجائے دل کی گہرائیوں سے اس سے محبت کرتے ہیں پھر اس کے حکم پر وہ سر بکف میدان میں اترتے ہیں اور دادِ شجاعت دیتے ہوئے عظیم الشان کارنامے تاریخ کے صفحات میں رقم کر جاتے ہیں۔

Marfat.com

نظامِ تفتیش

حضرت عمرؓ کی بیدار مغزی اور ہوش مندی کے کئی واقعات بیان ہو چکے ہیں انہوں نے اپنے نظامِ حکومت کو مستحکم بنانے کیلئے تفتیش کا بہترین نظام قائم کیا تھا۔ یہ ادارہ اتنا منظّم اور فعال تھا کہ خلیفہ کے حکم پر دور دراز کے صوبوں میں بھی فوری تحقیق کر کے خلیفہ کو صورتِ حال سے مطلع کر دیا کرتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس ادارے کی تنظیم پر خصوصی توجہ دی تھی۔ آپؓ اس نظریئے کے قائل تھے کہ پرہیز علاج سے بہتر ہے۔ پرہیز کیلئے ایک درہم بھی کافی ہوتا ہے جبکہ علاج کیلئے بسااوقات خزانے بھی ناکافی ثابت ہوتے ہیں۔ اس ادارے کے مدیر اعلیٰ حضرت محمدؓ بن مسلمہ تھے۔ جب کبھی کسی گورنر کے بارے میں کوئی شکایت ملتی تو حضرت محمدؓ خلیفہ کے حکم سے فوراً متعلقہ صوبے میں پہنچ جاتے تھے۔ کئی مرتبہ انہوں نے گورنروں کا مال ضبط کر کے بیت المال میں جمع کروایا اور بعض اوقات انکے محلات کو نذرِ آتش بھی کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا "جو شخص لوگوں کے معاملات کا ذمہ دار بن جائے پھر خلقِ خدا کے درمیان اور اپنے درمیان پردے حائل کرے تو اللہ تبارک و تعالیٰ بھی قیامت کے دن اپنی رحمت اور اس شخص کے درمیان پردے حائل کر دے گا۔"

جب حضرت عمرؓ کے حکم سے کوفہ کے گورنر سعدؓ بن ابی وقاص کا محل نظرِ آتش کیا گیا تو اس کے نتیجہ میں جہاں خلقِ خدا کے حقوق کی ضمانت کا پہلو نکلتا ہے وہیں یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عمرؓ اپنے گورنر سے بہت پیار اور ہمدردی رکھتے تھے۔ اوپر کی حدیث کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نہیں چاہتے تھے کہ روزِ قیامت سعدؓ اللہ کی رحمت سے محروم ہو جائیں۔

مظلوم کی دادرسی حکومت کی اوّلین ذمہ داری

مظلوم کی دادرسی حکومت کی اوّلین ذمہ داری ہوتی ہے۔ حضرت عمرؓ

Marfat.com

اس لئے مظلوم اور حکمرانوں کے درمیان کسی پردے کو حائل نہیں ہونے دیتے تھے۔ آج کے دور میں مظلوم مارے مارے پھرتے ہیں اور انکی فریاد سننے والا کوئی نہیں ہوتا۔ حضرت عمرؓ کے دور میں گورنروں کی مجال نہیں ہوتی تھی کہ محاسبہ کرنے والے عملے کی راہ میں رکاوٹ بن سکیں۔

حضرت عمرؓ مردم شناس تھے شام کے سفر کے دوران حضرت امیر معاویہؓ کو دیکھا تو کہا کہ "یہ عربوں کا کسریٰ ہے۔" حضرت عمرؓ نے امیر معاویہؓ کو شان و شوکت کے ساتھ دیکھا تو تعجب کیا مگر حضرت امیر معاویہؓ نے عرض کیا "امیر المومنین ہم ایسی سرزمین میں رہتے ہیں جہاں دشمن کے ایجنٹ اور جاسوس عام ہیں۔ ہم نے ان کے سامنے اسلام کی عزت وسطوت کا مظاہرہ کرنے کیلئے یہ بود و باش اختیار کی ہے مگر جفاکشی کی زندگی اختیار کرنے کی بھی سکت رکھتے ہیں۔ اگر آپ حکم دیں تو ہم یہ طرزِ زندگی ترک کر دیں۔" امیرِ المؤمنین نے فرمایا "میں نہ تمہیں حکم دیتا ہوں نہ منع کرتا ہوں تم خود فیصلہ کر لو۔"

حضرت عمرؓ ذمیوں کے حقوق کی حفاظت کیلئے ہمیشہ کمربستہ رہتے تھے۔ ان کی اسلامی حکومت کے مختلف محکموں میں تقرریاں بھی کی جاتی تھیں۔ جو آدمی جس کام کی صلاحیت رکھتا ہو اسے وہی کام سونپا جانا چاہئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے سفرِ ہجرت کے دوران ایک کافر سے راستہ معلوم کرنے کی خدمت لی تھی۔ اسی طرح حضرت عمرؓ نے بھی شعبۂ مالیات میں بعض غیر مسلموں کو ذمہ داریاں سونپی تھیں۔ حارث بن کلدہ مشرک تھا مگر طب کا ماہر تھا اسلئے سعدؓ بن ابی وقاص نے اپنے مرض کے دوران اس سے علاج کرایا۔

حقوقِ شہریت

اسلامی حکومت کا یہ بھی مسلّمہ اصول رہا ہے کہ دنیا کا کوئی بھی شہری اسکی حدود میں سکونت اختیار کر سکتا تھا مگر حرمین کی حدود میں کسی غیر مسلم کا داخلہ جائز نہیں ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور اس میں بڑی حکمتیں پنہاں ہیں۔ ہر ملک میں کوئی نہ کوئی علاقہ ایسا ہوتا ہے جو عام لوگوں کیلئے مفتوح نہیں

Marfat.com

ہوتا۔ وہاں جانے کیلئے کچھ شرائط ہوتی ہیں۔ حرمین شریفین میں جانے کیلئے بھی ایک شرط ہے وہ یہ کہ وہاں داخل ہونے والا مسلمان ہو۔

قیصرِ روم سے حضرت عمرؓ کی خط و کتابت

قیصرِ روم نے ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کو خط لکھا "مجھے میرے ایلچیوں نے بتایا ہے کہ تمہارے ملک میں ایک درخت ہے جس میں بہت سی خوبیاں ہیں۔ وہ زمین سے نکلتا ہے تو گدھے کے کانوں کی طرح ہو جاتا ہے۔ پھر وہ موتی کی طرح ٹوٹ جاتا ہے اسکے بعد زمرد کی طرح سبز ہو جاتا ہے۔ پھر سرخ یاقوت کی طرح اسکا رنگ چمک اٹھتا ہے۔ پھر وہ پک جاتا ہے اور نہایت میٹھا اور خوش ذائقہ ہوتا ہے۔ پھر وہ خشک ہو جاتا ہے اور مقیم کیلئے خوراک اور مسافر کیلئے زادِ راہ کا کام دیتا ہے۔ اگر میرے ایلچیوں کی بات درست ہے تو مجھے یقین ہے کہ یہ جنت کا کوئی درخت ہے۔"

حضرت عمرؓ نے قیصر کے نام اس خط کا جواب لکھا جسکا مضمون یہ تھا "تیرے ایلچیوں نے تجھے جو پیغام دیا ہے۔ وہ ٹھیک ہے۔ واقعی یہ درخت ہمارے ملک میں کثرت سے موجود ہے اور یہ وہی درخت ہے جو اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے وقت حضرت مریمؑ کے سر پر سایہ فگن کر دیا تھا۔ پس میں تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ جس اللہ نے یہ درخت پیدا کیا ہے اس سے ڈرو۔ وہی اس درخت کا خالق ہے اور اسی نے عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا کیا تھا لہٰذا میں تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ غور و فکر کرو اور ایک اللہ کی وحدانیت پر ایمان لاؤ عیسیٰ کو الٰہ نہ مانو۔"

آپ نے دیکھا کہ داعیٔ حق کس طرح موقع کی تلاش میں رہتا ہے اور حسبِ حال دعوت پیش کرنے کا فریضہ سرانجام دیتا ہے۔

خلافت کا بارِ عظیم

حضرت عمرؓ کے بارے میں کافی باتیں آپکی نظر سے گزر چکی ہیں آپکی

Marfat.com

سیرت کا مکمل احاطہ اس کتاب میں ممکن نہیں حضرت عمرؓ نے جو کچھ کر دکھایا وہ آپ کے سوا کسی دوسرے کے بس میں نہ تھا۔ آپ نے امتِ مسلمہ کی خوش بختی اور کامیابی کا ایسا انتظام کیا تھا جو تاریخ انسانی میں ہمیشہ یادگار رہے گا۔ اس عظیم مقام کے باوجود حضرت عمرؓ کی انکساری کا یہ عالم تھا کہ اکثر کہا کرتے تھے "کاش! میرے کندھوں پر یہ بوجھ نہ ڈالا جاتا" کبھی کبھار آپکو یہ کہتے ہوئے بھی سنا گیا "اے کاش میری ماں نے مجھے جنا ہی نہ ہوتا" آپ احکم الحاکمین کے سامنے روزِ حشر کی حاضری کے تصور ہی سے کانپ اٹھتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے یہ بھی فرمایا "خلافت کی ذمہ داری اٹھانا میرے نزدیک اتنا مشکل اور کٹھن کام ہے کہ اگر کوئی میری گردن مار دیتا تو اس بوجھ کے مقابلے میں میرے لئے وہ آسان ہوتا" شہادت کے وقت فرمایا "جو بھی میرے بعد خلیفہ مقرر ہو جائے وہ جان لے کہ اس خلافت کے کام میں شدت کی ضرورت ہے مگر اس شدت میں جبروت نہیں ہونی چاہئے اور نرمی کی ضرورت ہے مگر اس نرمی میں کمزوری کا اظہار نہیں ہونا چاہئے۔"

حضرت عمرؓ امارت کی خواہش نہیں رکھتے تھے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ایک مرتبہ آپ نے امارت کی تمنا کی تھی اور وہ واقعہ خود آپ نے بیان بھی کیا ہے۔ جس طرح خلافت کے بوجھ کو جوابدہی کے احساس کی بناپر وہ بھاری سمجھتے تھے اسی طرح اس تمنا کے وقت بھی آپ کے پیشِ نظر اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر و ثواب تھا نہ کہ اقتدار اور نام و نمود کی ہوس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو ثقیف کے وفد سے کہا تھا "تم لوگ اسلام کی اطاعت کر لو ورنہ میں اپنی طرح کے ایک آدمی کو تمہاری جانب بھیجوں گا جو تمہاری گردنیں اڑا دے گا۔ تمہارے بیوی بچوں کو قید کرے گا اور تمہارا مال چھین لے گا۔"

حضرت عمرؓ کہتے ہیں "خدا کی قسم میں نے کبھی امارت کی تمنا نہیں کی مگر اس روز میرے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ یہ ذمہ داری مجھے سونپی جائے۔ میں انہی خیالات میں گم تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا "یہ ہے وہ شخص یہ ہے وہ شخص۔"

بنیادی انسانی حقوق

جس ملک میں لوگ امن وامان سے محروم ہو جائیں وہاں بنیادی حقوق کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور لوگ بطیّب خاطر اپنے بنیادی حقوق سے دست بردار ہو جائیں گے گویا وہ اپنی عزتِ نفس بلکہ آدمیت ہی سے محروم ہو جاتے ہیں اور جو آدمیت سے عاری ہے اسکی زندگی موت سے بد تر ہے۔ غیرت منداور آزاد انسان کیلئے موت تو قابلِ قبول ہو سکتی ہے مگر ایسی زندگی پر وہ ہرگز راضی نہیں ہو سکتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے انفرادی حقوق اور امن وامان کی اہمیت اپنے اس قول میں واضح فرمائی "جو شخص اپنے گھر میں امن کی نیند سوئے اسکا بدن تندرست ہو اور اسکے پاس پیٹ بھرنے کیلئے کھانا ہو تو گویا اسے دنیا کی ہر نعمت حاصل ہے"

سورہ التکاثر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

"پھر قیامت کے دن ضرور تم لوگوں سے نعمتوں کے بارے میں باز پرس ہوگی۔"

حضرت عبداللہؓ بن مسعود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی بیان فرماتے ہیں کہ نعمتوں سے مراد امن اور صحت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دنیا میں امن وامان کتنی بڑی نعمت ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے صحت پر بھی مقدم رکھا ہے۔

اسلام میں چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا ہے جبکہ غبن فراڈ اور دوسرے طریقوں سے کسی کا مال ہتھیا لینے پر قطع ید کی سزا نہیں دی جاتی۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ چوری سے ایک شخص اپنے مال ہی سے محروم نہیں ہوتا بلکہ معاشرہ امن وامان سے محروم ہو جاتا ہے۔

اسلام میں بنیادی حقوق اور معاشرے کے امن وامان کو اتنی اہمیت دی گئی ہے کہ فقہا نے اس موضوع پر بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ امن کی بنیادی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ اللہ کی قائم کی

ہوئی حدوں کے اندر رہتے ہوئے انسان کو اپنی ذات اور اپنے مال کے معاملات میں تصرف کا پورا اختیار ہو۔ جہاں یہ اختیار چھین لیا جائے وہاں امن بھی مفقود ہو جاتا ہے۔

حضرت عمرؓ نے ایک حکمران کے طور پر ایسا مکمل نمونہ پیش کیا کہ آج تک آپ منصف حکمرانوں کیلئے قابلِ تقلید اسوہ ہیں۔ حضرت عمرؓ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی بے پناہ نعمتوں سے نوازا تھا۔ وہ اسی خاک اور مٹی سے پیدا ہوئے تھے مگر انکی روح بہت عظیم، جامع اور کامل تھی۔ ہمارے لئے آپ کی سیرت میں تربیت اور درس و عبرت کے بیشمار پہلو ہیں۔ وہ ہدایت یافتہ لوگوں میں سے تھے اور اللہ نے ایسے ہی لوگوں کی اقتدا کا حکم دیا ہے۔

Marfat.com

ساتواں باب

حضرت عمرؓ اور حضرت خالدؓ بن ولید

حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں بہت سے فیصلے صادر فرمائے بعض فیصلوں کے بارے میں مورخین نے بہت کچھ لکھا ہے۔ ہر اہلِ قلم اپنے اپنے انداز میں ان فیصلوں کا تجزیہ کر کے اپنی رائے کا اظہار کرتا رہا ہے انہی فیصلوں میں سے حضرت عمرؓ کا وہ تاریخی فیصلہ ہے جس میں آپ نے اپنے سپہ سالار خالدؓ بن ولید کو ان کے منصب سے معزول کر دیا تھا۔ مورخین نے اس موضوع پر قلم اٹھاتے ہوئے یا تو اس فیصلے پر نقد و جرح کی ہے یا حضرت خالدؓ کے بعض کاموں کو ہدفِ تنقید بنایا ہے۔ میرے خیال میں اس موضوع کا تجزیہ ایسے انداز میں کیا جانا چاہئے کہ دونوں عظیم صحابہؓ کے مقام و مرتبہ سے فروتر کوئی بات نہ کی جائے۔

میں نے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے تو میرے پیشِ نظر ہرگز یہ ارادہ نہیں کہ ان دو عظیم ہستیوں کا موازنہ اور مقابلہ کروں۔ یہ دونوں اپنے دینی کارناموں کی وجہ سے اتنے بلند ہیں کہ آج کے دور کے مسلمانوں میں انکا موازنہ کرنے کی صلاحیت نہیں اگرچہ میری باتوں سے بعض لوگ ناگواری کا اظہار کریں گے مگر میرا ارادہ ہرگز کسی کے جذبات کو ٹھیس پہنچانا نہیں۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ کرامؓ سے اور دینِ اسلام سے ایسی محبت کرتا ہوں جس کے مقابلے پر کوئی دنیوی اور مادی مفاد میرے نزدیک پر کاہ کے برابر بھی حیثیت نہیں رکھتا۔

میں جن واقعات کا یہاں تذکرہ کرنا چاہتا ہوں وہ تاریخ اسلامی میں موجود ہیں اور تاریخ کا ہر طالب علم ان سے واقف ہے یہ نہ تو کوئی نئی بات ہے اور نہ اسکا تذکرہ آج پہلی بار ہو رہا ہے۔

میں ان واقعات کو اس لئے بیان کرنا چاہتا ہوں کہ دونوں عظیم شخصیتوں کا ایک دوسرے کے بارے میں نقطۂ نظر معلوم ہو جائے۔ ان میں سے ہر صحابی دوسرے کی عزت و احترام اور اس کے بلند اخلاق و کردار کا نہ صرف معترف تھا بلکہ اسکا اظہار بھی کرتا تھا۔

اختلافِ رائے کا مطلب دشمنی نہیں ہوگا

بعض معاملات میں اختلاف رائے کے باوجود یہ دونوں عظیم انسان ایک دوسرے سے دشمنی اور عداوت رکھنے کی بجائے محبت و اخوت کے جذبات سے مالا مال تھے۔ ایسے عظیم انسان چھوٹی چھوٹی باتوں کے بارے میں سوچنے کی بجائے بلند مقاصد اور اعلیٰ اہداف پر نظر رکھتے ہیں۔ انہوں نے جو رائے بھی اختیار کی وہ اپنے ایمان اور تفقہ کی روشنی میں اختیار کی۔

حضرت عمرؓ نے حضرت خالد سے بعض معاملات میں اپنا اسلوب تبدیل کرنے کا مطالبہ کیا۔ حضرت خالدؓ نے اپنی رائے کو زیادہ مبنی بر صواب جانا اور بغیر کسی ناراضگی یا احتجاج کے منصب سے معزول ہونے کو ترجیح دی۔ منصب و مرتبہ کی قربانی بلند ہمت اور صاحبِ ایمان لوگوں کے لئے کیا مشکل ہوتی ہے۔ اس موضوع پر لکھتے ہوئے میری دلی تمنا ہے کہ ہر مخلص مومن سے یہ درخواست کروں کہ ان دونوں عظیم صحابیوں کی آراء کو انکی ذاتی پسند اور ناپسند پر محمول نہ کریں۔ انہوں نے پورے خلوص کے ساتھ اپنی اپنی رائے قائم کرنے میں اجتہاد کیا اور دونوں ہی اپنے اس اجتہاد پر اجر کے مستحق ہیں۔

دونوں ہستیاں صحابہ کی جماعت کے درمیان عظمت کی بلند چوٹی پر براجمان ہیں۔ حضرت عمرؓ ملہم اور محدث تھے۔ انہوں نے اللہ کی زمین کو عدل و انصاف اور امن و امان کا گہوارہ بنا دیا تھا۔ اسی طرح حضرت خالدؓ کامیاب سپہ سالار تھے جنہوں نے کبھی کسی میدان میں ہزیمت نہ اٹھائی تھی۔ جنگِ احد میں وہ کافروں کے گھوڑ سوار دستوں کی کمان کر رہے تھے اور اس جنگ میں مسلمانوں کی فتح دیگر عوامل کے علاوہ انہی کے حملے سے شکست میں بدل گئی تھی۔ انہی کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا کہ وہ اللہ

Marfat.com

تعالیٰ کی سونتی ہوئی تلوار ہیں۔ جنگِ موتہ میں انہیں یہ خطاب ملا تھا اور اسی جنگ میں ان کے ہاتھ سے کافروں سے لڑتے لڑتے نو ۹ تلواریں ٹوٹی تھیں۔

ان دونوں شخصیتوں میں سے کسی ایک کی تنقیص کی جائے تو میرے نزدیک یہ دونوں کی تنقیص ہوگی۔ ہمیں اپنی زبانیں صحابۂ کرامؓ کے بارے میں بڑی احتیاط سے کھولنی چاہئیں۔ ہمارے لئے واجب ہے کہ ہم صحابہ کرام کے اخلاص اور نیک نیتی میں ذرہ برابر شک نہ کریں۔ خالدؓ بن ولید سے ہم محبت کرتے ہیں کہ انہوں نے سپہ سالاری کا حق ادا کیا اور فتنۂ ارتداد کا قلع قمع کرنے میں نمایاں کارکردگی دکھائی لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ حضرت عمرؓ کے کارناموں سے صرفِ نظر کر لیا جائے۔ اسلامی اصول یہ ہے کہ خلیفۂ وقت اور سپہ سالار کے درمیان اختلافِ رائے ہو جائے اور معاملہ نصِ صریح کا نہ ہو بلکہ تدبیر کا ہو تو خلیفۂ وقت کی بات مانی جائے گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کے بارے میں فرمایا کہ ان کی عزت کرو اگر تم میں سے کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر بھی سونا خرچ کر ڈالے تو وہ کسی صحابی کے برابر تو کیا اسکے نصف درجے کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔"

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے لئے میرے ساتھی منتخب کیئے جو میرے وزراء اور میرے انصار ہیں۔ جو انہیں برا بھلا کہے اس پر اللہ تعالیٰ اس کے فرشتوں اور دنیا بھر کے انسانوں کی لعنت ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو اللہ تعالیٰ نے صحابیت کے لئے منتخب کیا تھا۔ صحابۂ کرامؓ کا موازنہ کرنے والے اور بعض کو بعض کے مقابلے پر ترجیح دینے والے بعض اوقات بڑی ہوشیاری سے مسلمانوں کے دلوں میں تشکیک کے بیج بوتے ہیں۔

صحابہ کے اِخلاصِ نیت پر امت کا اِجماع ہے

کہا جاتا ہے کہ انبیاء اور رسل کے سوا کوئی شخص معصوم نہیں۔ یہ بات بالکل ٹھیک ہے عام انسان اپنے فیصلوں میں غلطی کر سکتے ہیں مگر صحابہ کرام کے عدل اور اخلاصِ نیت پر بھی اِجماعِ امت ہے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت خالدؓ کو

Marfat.com

کسی شک اور سوئے ظن کی وجہ سے معزول نہیں کیا تھا۔ اسی طرح حضرت خالدؓ نے اپنی رائے پر اصرار سرداری کے لالچ یا حبِ جاہ کے لئے نہیں کیا تھا۔

خالدؓ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں اسلام میں داخل ہوئے تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسرت کا اظہار کیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی اس تلوار کو دشمنانِ اسلام کے خلاف استعمال کیا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے زمانۂ خلافت میں مشرکین اور مرتدین کے خلاف یہ تلوار مصروفِ قتال رہی اور ان میں سے بہت سے اعدا اللہ واصلِ جہنم ہوئے۔ مسیلمہ کذاب بھی انہی لوگوں میں سے تھا۔

حضرت عمرؓ نے کس وجہ سے اس تلوار کو کچھ عرصے کے لئے نیام میں ڈالنے کا فیصلہ کیا؟ اس کے کئی اسباب کو تاریخ کے صفحات سے قارئین کے سامنے پیش کر رہا ہوں یہ اسباب تاریخ میں مدتوں سے بیان ہوتے رہے ہیں میرے نزدیک ان سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت خالدؓ کو معزول کر کے مصلحتِ عامہ کو ملحوظ رکھا تھا۔ میں حضرت خالدؓ کے مقابلے پر کوئی حجت پیش نہیں کر رہا۔ اگر مجھ سے کوئی غلطی اور نسیان ہو جائے تو اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مجھے معاف کر دے۔

عقیدۂ توحید اسلام کی اساس ہے

عقیدہ توحید اسلام کی بنیاد ہے۔ اگر یہ بنیاد کمزور ہو جائے تو عمارت قائم نہیں رہ سکتی۔ اللہ واحد و بے نیاز سے جوں ہی توجہ ہٹ کر کسی اور ذات کا سہارا لیا جائے تو مسلمان اپنے بنیادی عقیدہ سے دور ہو جاتے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا فیصلہ اٹل اور ناقابل تبدیل ہوتا ہے۔ وہ کسی کو نقصان پہنچانا چاہے تو کوئی طاقت اس نقصان کی تلافی نہیں کر سکتی اور اگر وہ نفع پہنچانا چاہے تو کوئی شخص اسے روک نہیں سکتا۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

مسلمان عقیدۂ توحید کے ماننے والے تھے اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر ان کا ایمان بالغیب محکم تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس عقیدے کی حفاظت کے لئے بڑا اہتمام کیا اور بعض وہ کام بھی کیئے جو حضرت ابو بکرؓ نے نہیں کیئے تھے مگر صحابہؓ

Marfat.com

کرام نے حضرت عمرؓ کے ان اعمال پر کسی ناگواری کا اظہار نہیں کیا۔ وہ فیصلے امت کے نزدیک متفقہ طور پر خلافتِ راشدہ کے ایسے اقدامات ہیں جو فقہ اور قانون میں نظیر کی حیثیت رکھتے ہیں۔

درخت کا کاٹا جانا

حضرت عمرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں اس عظیم الشان درخت کو کاٹ دیا تھا جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے اور جس کے نیچے بیٹھ کر صحابۂ کرامؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعتِ رضوان کی تھی۔ حضرت عمرؓ یقیناً اس درخت کا احترام کرتے تھے۔ آپ نے اسے بے وقعت سمجھ کر نہیں کاٹا تھا بلکہ آپ کے نزدیک مسلمانوں کے عقیدے کی خرابی اتنا بڑا خطرہ تھا کہ اس امت کو بچانا ہر چیز پر مقدم تھا۔ لوگوں نے اس درخت سے برکت حاصل کرنے کے لئے وہاں جانے اور اس کے نیچے بیٹھنے کی عادت اختیار کر لی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس درخت کے بارے میں ارشاد فرمایا تھا کہ جو شخص بدر اور شجرہ (درخت) کے مواقع پر حاضر تھا وہ دوزخ میں نہیں جائے گا۔

حجرِ اسود۔ حجرِ اسود ایک مبارک پتھر ہے جو خانہ کعبہ کے ایک کونے میں نصب ہے۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ طواف کر رہے تھے کہ حجرِ اسود پر اپنا رخسار رکھا اور رونے لگے پھر کہا "اے عمر یہی وہ جگہ ہے جہاں آنسو بہائے جاتے ہیں۔"

حضرت عمرؓ نے حجرِ اسود کو بوسہ دیا اور اس کے پاس آنسو بہائے یہ آپ کے ایمان اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کی مثال ہے۔ حضرت عمرؓ اس پتھر کی برکات کے باوجود اسے حاجت روائی اور مشکل کشائی کا مقام دینے کے لئے ہرگز تیار نہ تھے اسی لئے ایک مرتبہ حجرِ اسود کو مخاطب کر کے فرمایا "خدا کی قسم میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے نہ کسی کو نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان۔ اگر میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے چومتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں کبھی تمہارا بوسہ نہ لیتا۔"

Marfat.com

حضرت عمرؓ اللہ رب العزت کی توحید ہر دل میں اس طرح راسخ دیکھنا چاہتے تھے جس طرح یہ آپ کے دل میں مضبوطی سے جڑ پکڑ چکی تھی۔ انسان اس دنیا میں محض ایک کمزور سی مخلوق ہے اس کے اختیار و تصرف میں کچھ بھی نہیں ہے۔ ہوتا وہی کچھ ہے جو اللہ چاہے۔ وہ غالب و قوی ہے اور قادر و قہار ہے۔ حضرت خالدؓ کی فتوحات اور پے در پے کامیابیاں جہاں اہل اسلام کے لئے تقویت اور مسرت کا باعث تھیں وہیں یہ خطرہ بھی پیدا ہو گیا تھا کہ لوگ کسی فتنے میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ حضرت عمرؓ جانتے تھے کہ فتنے کا سدباب اگر آغاز ہی میں نہ کر دیا جائے تو پھر اس پر قابو پانا ممکن نہیں رہتا۔ لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ جہاں خالد ہو وہاں فتح ضروری ہوتی ہے۔ حالانکہ فتح و نصرت خالصتاً اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے خالد کی جنگی مہارت، بہادری اور شجاعت میں کسی کو شک نہیں مگر خالد ایک فانی انسان تھے اور اللہ حی قیوم مسبب الاسباب ہے۔ وہ جو کچھ چاہے وہی کچھ ہوتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے خالدؓ بن ولید کو معزول کر کے لوگوں کے ذہنوں سے اس وسوسے کو نکال دیا کہ خالدؓ کی کمان فتوحات کا سبب ہے۔

حضرت عمرؓ کے فیصلوں پر صحابہ کا اطمینان تھا

سارے مسلمان اس بات کو جانتے تھے کہ حضرت عمرؓ ذاتی خواہشات سے متاثر ہو کر فیصلے صادر نہیں فرماتے تھے۔ آپ کے پیش نظر رضائے الٰہی کا حصول رہتا تھا۔ حضرت عمرؓ کے اس فیصلے پر صحابہ کرام نے نہ تو احتجاج کیا اور نہ اس کے خلاف آواز اٹھائی کیونکہ انہیں حضرت عمر کی نیک نیتی، دور اندیشی اور اخلاص پر پورا اعتماد تھا۔ یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ وہ لوگ مصلحتاً خاموش ہو گئے ہوں گے کیونکہ غلط کام پر خاموش رہنا ان کے نزدیک بزدلی ہی نہیں بلکہ جرم تھا۔ آخر انہی کے درمیان وہ لوگ تھے جن میں سے ایک نے برملا کہا تھا "اے عمر ہم تمہاری کسی بات کو نہیں سنیں گے اور کسی بات کی اطاعت نہیں کریں گے جب تک تم ہمیں مطمئن نہ کر دو۔"

Marfat.com

ایک دوسرے صحابی نے ایک مرتبہ کہا تھا۔ ''اگر ہم محسوس کریں گے کہ تمہارے اندر کوئی کجی پیدا ہو گئی ہے تو تمہیں تلوار سے سیدھا کر دیں گے۔ '' اس جماعت میں ایسے بے شمار لوگ تھے اس لئے اگر انہوں نے کسی واقعہ پر سکوت اختیار کیا تو دل کے اطمینان کے ساتھ کیا نہ کہ کسی وقتی مصلحت کے پیشِ نظر۔

خالدؓ کی عظمت و کردار۔ حضرت خالدؓ نے بھی اپنی معزولی پر اعتراض نہیں کیا۔ اس معاملے میں انکا کردار بڑا بلند اور قابل تقلید نمونہ ہے۔ انہوں نے سمع و طاعت کی ایسی مثال قائم کی جس پر اہل اسلام فخر کر سکتے ہیں۔ جب خلیفۂ راشد کا حکم حضرت خالدؓ کے پاس پہنچا تو وہ میدانِ جنگ میں تھے اور رومی فوجوں کے مقابلے پر سخت مقابلہ درپیش تھا۔ حضرت خالدؓ نے اس نازک گھڑی میں خط پڑھا اور کسی کے سامنے اس کا ذکر کیئے بغیر اسے جیب میں ڈال لیا۔ جب اسلامی لشکر اپنے دشمن پر فتح پا چکا تو خالد نے حضرت عمرؓ کا خط ابو عبیدہ ابن الجراحؓ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ جس طرح حضرت عمرؓ نے مصلحتِ عامہ کو ملحوظ رکھا تھا اسی طرح خالد کے پیشِ نظر بھی مصلحت عامہ تھی۔ جو ایمان اور دینی سمجھ خلیفہ کے دل میں موجزن تھی وہی سپہ سالار کے رگ و ریشے میں رواں دواں تھی۔ قرآن مجید میں مومنین کی صفت بیان ہوئی ہے کہ وہ ''رحماء بینھم '' اور اذلۃ علی المومنین'' ہوتے ہیں۔

دو عظیم جرنیلوں کی معزولی۔ حضرت عمرؓ خالد بن ولید کی خدماتِ عالیہ سے بے خبر نہ تھے آپ نے انہیں معزول کرنے کے بعد ضروری سمجھا کہ لوگوں کے سامنے ان کی نیک نیتی اور خلوص کا اعلان کر دیں تاکہ کوئی غلط فہمی کا شکار نہ رہے۔ چنانچہ انہوں نے منبر رسول پر کھڑے ہو کر فرمایا۔ ''میں خالد بن ولید اور مثنیٰ شیبانی کو معزول کر دوں گا اس لئے نہیں کہ ان میں کوئی خامی اور نقص ہے بلکہ اس لئے کہ وہ بھی جان لیں اور ساری امت بھی جان لے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی نصرت فرماتا ہے اس کی نصرت کی حد صرف ان دو اصحاب تک محدود نہیں ہے۔ '' حضرت عمرؓ اگرچہ اس بات کے مکلّف نہیں تھے کہ وہ اس بات کا

اعلان کریں بطور خلیفہ یہ آپ کا استحقاق تھا کہ جسے چاہیں مقرر کریں اور جسے چاہیں معزول فرمائیں مگر آپ امت مسلمہ کے درمیان کسی بے چینی، شکوک و شبہات اور سوئے ظن کے پیدا ہونے کے سخت خلاف تھے خالدؓ بن ولید کے ساتھ مثنیٰؓ بن حارثہ کی معزولی اس شک کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑتی کہ حضرت خالدؓ کو شخصی اور ذاتی وجوہات کی بنا پر معزول کیا گیا ہوگا۔ مثنیٰ بن حارثہ بھی ان کامیاب جرنیلوں میں سے تھے جنہوں نے ہر میدان میں فتح پائی تھی۔ انہیں حضرت خالدؓ کی طرح خلیفہ اول ابو بکر صدیقؓ نے سالار بنایا تھا عراق کے محاذ پر حضرت خالدؓ کی تقرری سے قبل مثنیٰ شیبانی ہی اسلامی فوجوں کی قیادت کرتے رہے تھے۔ ایرانی سلطنت کے مقابلے کے لئے حضرت ابو بکرؓ اور دیگر مسلمانوں کو ذہنی طور پر انہوں نے ہی آمادہ کیا تھا۔ ان کی بہادری اور ذہانت سے ایرانیوں کی ہیبت مسلمانوں کے دلوں سے نکل گئی تھی۔ انہوں نے ایرانی محاذ پر مختلف جنگوں میں تابناک اور قابلِ فخر کارہائے نمایاں سرانجام دیئے تھے۔ جب ایک قاصد خالدؓ کی معزولی کا پروانہ لے کر مدینہ سے رومی محاذ کی جانب روانہ ہوا ٹھیک اسی وقت ایک دوسرا قاصد مثنیٰؓ کی معزولی کا پروانہ لے کر ایرانی سرحدوں کی جانب چل پڑا۔ دونوں جرنیلوں نے کمال اطاعت اور وفاداری کا مظاہرہ کیا۔

خلیفہ سربراہِ مملکت اور سپریم کمانڈر ہوتا ہے

حضرت عمرؓ اور حضرت خالدؓ دونوں اپنی اپنی رائے کے حق میں دلائل رکھتے ہیں دونوں کے پیش نظر اللہ کی رضا اور مسلمانوں کی بھلائی تھی حضرت عمرؓ نے حضرت خالدؓ کو معزول کرنے کا جو فیصلہ کیا اس کے حق میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ انہوں نے اپنے اس فیصلے سے یہ اصول بھی طے کر دیا کہ امیر المومنین سربراہِ مملکت ہونے کی حیثیت سے نہ صرف انتظامیہ کا سربراہ ہوتا ہے بلکہ فوجوں کا سپریم کمانڈر بھی وہی ہوتا ہے۔ سپہ سالار کا کام محض فوجوں کی تنظیم و تربیت اور جنگ و جدال میں مہارت حاصل کرنا ہوتا ہے۔ مگر خلیفۂ وقت بیک وقت فوجوں اور عوام الناس کے معاملات کا نگران اور مسئول ہوتا ہے۔ خالدؓ شہادت کے طلب گار رہتے تھے میدانِ جنگ ہی میں ان کی وفات ہوئی بسترِ مرگ

Marfat.com

پر انھوں نے روتے ہوئے یہ کہا "میں نے سو ۱۰۰ سے زیادہ جنگوں میں حصہ لیا میرے سر کے بالوں سے لے کر پاؤں کے ناخنوں تک کوئی جگہ ایسی نہیں جو تلوار تیر اور نیزے سے زخمی نہ ہوئی ہو مگر افسوس کہ میں آج شہادت سے محروم موت کے منہ میں جا رہا ہوں۔ میرے نزدیک کوئی عمل سوائے "لا الہ الا اللہ" کے ایسا نہیں جس پر تکیہ کر سکوں۔ اللہ کی رحمت ہی کی امید ہے۔" پھر حضرت خالدؓ روئے۔ انہیں شہادت سے محرومی کا افسوس تھا۔ حضرت خالدؓ میدانِ جنگ میں اپنی ٹوپی کے اندر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک رکھا کرتے تھے۔ حضرت خالدؓ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کے زمانے میں ایک مرتبہ فوجوں کے درمیان مالِ غنیمت تقسیم کیا مگر اسکا حساب خلیفۂ اول کی خدمت میں نہ بھیجا حضرت خالدؓ کی دیانت داری پر کسی کو شک نہ تھا اسی لئے حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ان سے تعرض نہ کیا۔ مگر حضرت عمرؓ کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ خلیفہ کے سامنے سارا حساب پیش کیا جانا چاہیئے۔

حضرت عمرؓ اس معاملے میں حضرت خالدؓ کے موقف سے متفق نہ تھے۔ حضرت عمر کا موقف درست تھا۔ خلیفۂ وقت جس طرح فوجوں کا سپریم کمانڈر ہوتا ہے اسی طرح بیت المال کا بھی ناظمِ اعلیٰ ہوتا ہے۔ اگرچہ حضرت خالدؓ کی معزولی کی وجہ یہ مسئلہ نہ تھا مگر حضرت عمرؓ اور حضرت خالدؓ کا نقطۂ نظر ایک دوسرے سے مختلف ہونے کی وجہ سے بالادستی حضرت عمر کی رائے کو حاصل تھی۔

حضرت ابو بکرؓ نے بھی مالک بن نویرہ کے معاملے میں حضرت خالدؓ کی سرزنش کی تھی اور انہیں حکم دیا تھا کہ وہ مالک بن نویرہ کی بیوہ کو طلاق دے دیں۔ اس وقت بھی حضرت عمرؓ کا موقف یہ تھا کہ خالد کو معزول کر دیا جائے مگر حضرت ابو بکرؓ نے نرم رویہ اختیار کیا اور خالدؓ کی معزولی کا مطالبہ مسترد کر دیا

شوریٰ کی رائے کی بالادستی حضرت عمرؓ نے خلیفۂ اول کے سامنے جب اصرار کے ساتھ اپنی رائے پیش کی تو حضرت ابو بکرؓ نے کہا "کیا تم اس کی جگہ فوجوں کی کمان سنبھال لو گے" انھوں نے اثبات میں جواب دیا۔ جب صحابہ کو

Marfat.com

اس بات کا پتہ چلا تو وہ حضرت ابو بکرؓ کے پاس آئے اور یک زبان ہو کر کہا "آپ عمرؓ کی رائے اور مشورے کے محتاج ہیں۔ انہیں مدینہ سے باہر نہ بھیجئے۔" حضرت ابو بکرؓ نے پوچھا "اس معاملے میں آپ لوگ کیا مشورہ دیتے ہیں" انہوں نے کہا "عمرؓ کو اپنے پاس ٹھہرنے کا حکم دیجئے اور خالد کو اپنی ذمہ داریاں ادا کرنے کی تاکید کیجئے" چنانچہ حضرت ابو بکر نے ایسا ہی کیا۔ اس واقعہ سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ نے خلیفہ اول کے سامنے ایک رائے کا اظہار کیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے اس رائے کو قبول کر کے انہیں فوجوں کی کمان سنبھالنے کا حکم دیا۔ وہ رختِ سفر باندھ چکے تھے کہ صحابہ نے تعرض کیا اور مجلس شوریٰ نے اس فیصلے کو منسوخ کر دیا۔ شوریٰ کے فیصلے پر خلیفۂ اول نے اپنی رائے بدل لی اور حضرت عمر نے اپنی رائے مسترد ہونے پر نہ کسی ردِ عمل کا اظہار کیا اور نہ اپنی رائے کی اصابت پر اصرار کیا۔

جس طرح صحابہ کرام نے اس موقع پر خلیفۂ اول کو مشورہ دیا تھا اس طرح حضرت عمر کو بھی وہ مشورہ دے سکتے تھے مگر انہوں نے حضرت عمرؓ کے فیصلے کو درست جان کر خاموشی اختیار کی۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے دور خلافت میں جب کبھی حضرت عمرؓ کی رائے کے خلاف فیصلہ ہوا تو ہمیشہ حضرت عمرؓ نے فیصلے کے مطابق خلیفہ کی اطاعت کی۔ اس قسم کی بہت سی مثالیں تاریخ کی کتابوں میں موجود ہیں صحابہ کرامؓ کے سامنے اطاعت فی المعروف کا اصول بالکل واضح تھا۔ ان کی دانش مندی اور خلوصِ نیت نے کبھی اپنی انا کو اجتماعی فیصلوں کی راہ میں رکاوٹ نہ بننے دیا۔

قوت نافذہ خلیفہ کے ہاتھ میں ہوتی ہے

جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے حضرت عمرؓ اپنی رائے کا اظہار کرنے کے باوجود خلیفہ اول کے حکم کی اطاعت کرتے تھے۔ اور ان کے ذہن میں یہ بات راسخ تھی کہ خلافت قائم ہی اس اصول پر ہے کہ خلیفہ کو قوتِ نافذہ تسلیم کیا جائے۔ جس طرح حضرت ابو بکرؓ کا بطورِ خلیفہ یہ حق تھا۔ اسی طرح حضرت عمر کے خلیفہ منتخب ہونے کے بعد ان کا بھی یہ استحقاق بنتا تھا کہ ان کے احکام کی اطاعت کی جائے۔

مالک بن نویرہ کا معاملہ۔ مالک بن نویرہ کا معاملہ یہ تھا اس کے مسلمان اور غیر مسلم ہونے میں اختلاف رائے پیدا ہوا۔ حضرت خالدؓ نے جب حملہ کیا تو ابو قتادہ اور عبداللہ بن مسعودؓ دونوں حضرت خالدؓ کے لشکر میں موجود تھے۔ ان دونوں نے یہ گواہی دی کہ مالک بن نویرہ اور ان کے قبیلے کے لوگ مسلمان تھے۔ حضرت خالدؓ کی رائے تھی کہ وہ مسلمان نہیں تھے۔ جب مالک بن نویرہ اور اسکے ایک ساتھی قتل ہوئے تو حضرت عمرؓ سخت ناراض ہوئے۔ انہوں نے حضرت ابو بکرؓ سے کہا۔ "خالدؓ کی تلوار مسلمانوں کے خون سے رنگین ہے۔ اسے معزول کر دیجئے۔" حضرت خالدؓ سے بھی حضرت عمرؓ نے کہا۔ "اے خالدؓ! تو نے ایک مسلمان کو قتل کر دیا ہے اور اس کی بیوی سے شادی کر لی ہے۔ میں ضرور تمہیں سنگسار کر دوں گا۔" معاملہ بڑا نازک تھا۔ حضرت ابو بکرؓ نے خالدؓ سے بھی بات چیت کی اور پھر فرمایا "خالدؓ نے تاویل کی ہے اور اس سے غلطی ہو گئی ہے۔ جس تلوار کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کے مقابلہ پر بے نیام کیا تھا۔ میں اسے نیام میں نہیں ڈالنا چاہتا۔ رہا مالک کا معاملہ تو میں اسکا خون بہا ادا کرونگا۔" حضرت خالدؓ کی غلطی کی وجہ سے اس جنگ میں گرفتار ہونے والے قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنانے کی بجائے آزاد کر دیا گیا۔ انکا مال انہیں واپس کر دیا گیا اور مقتولین کا خون بہا ادا کیا گیا۔ اس وقت معاملہ حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ میں تھا۔ اس لئے حضرت عمرؓ نے اپنی رائے کی شدت کے باوجود خلیفۂ راشد کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا۔

حضرت خالدؓ کی معزولی کے عوامل

حضرت عمرؓ نے خلیفہ بننے کے بعد حضرت خالدؓ کو خط لکھا کہ وہ لوگوں کو خلیفہ کی اجازت کے بغیر کوئی عطیہ نہ دیا کریں۔ حتیٰ کہ کسی کو مسلمانوں کے خزانے سے ایک بکری یا ایک بھیڑ بھی دینی ہو تو دربارِ خلافت سے اسکی منظوری لی جائے۔ حضرت خالدؓ خلیفۂ اول کے دورِ خلافت میں جس چیز پر کاربند تھے۔ اس سے دست بردار ہونے پر رضامند نہ ہوئے چنانچہ حضرت عمرؓ نے انہیں

Marfat.com

معزول کر دیا۔ یہ بات واضح رہے کہ نہ حضرت عمرؓ نے حضرت خالدؓ پر بددیانتی کا الزام لگایا نہ ان کے بارے میں بددیانتی کا ادنیٰ شائبہ ہو سکتا ہے۔ عطیات دینا بھی اسلامی حکومت کے مفاد کے لئے تھا، جبکہ ان عطیات پر خلیفہ کی منظوری کی شرط بھی ریاست کے مفاد میں تھی۔ جب خلیفہ اور جرنیل کی رائے میں اختلاف ہوا تو ظاہر ہے کہ ایسے معاملات میں خلیفہ کی رائے مقدم تھی لہٰذا حضرت خالدؓ کی معزولی کوئی تعجب کی بات نہیں۔ حضرت خالدؓ کی معزولی میں ان سب عوامل نے ایک ساتھ کام کیا اور یہ اتفاق کی بات تھی کہ سارے عوامل جمع ہو گئے۔

معزولی پر ردِّعمل۔ حضرت خالدؓ کی معزولی کا واقعہ بیان ہو چکا ہے سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس معزولی کے بعد کیا ہوا۔ کیا انہیں قید کر دیا گیا؟ نظر بند کر دیا گیا؟ ان کی نقل و حرکت پر پابندی لگائی گئی؟ انہیں جلاوطن کیا گیا؟ کیا انکی کردار کشی کی گئی؟ نہیں! ان میں سے کوئی بات بھی وقوع پذیر نہیں ہوئی۔ اسی طرح حضرت خالدؓ کا کیا ردِّعمل تھا؟ کیا انہوں نے کسی پر حملہ کیا؟ کیا خلیفۂ وقت کے خلاف کوئی سازش کی؟ کیا خلیفہ سے کوئی ایسی بات منسوب کی جو ان کے اندر نہیں تھی؟ کیا انہوں نے خفیہ اجتماعات منعقد کئے؟ کیا انہوں نے قطع تعلقی اور مخاصمت یا گوشہ نشینی اختیار کر لی؟ نہیں! ہرگز نہیں!

اس واقعہ پر عامۃ المسلمین کا کیا ردِّعمل تھا؟ کیا انہوں نے سربراہِ مملکت کی مخالفت اور تائید میں مظاہرے کئے؟ خالدؓ کی مذمت اور مدح کے لئے جلسے منعقد کئے؟ کیا انہوں نے خالدؓ کی بحالی یا ان کے خلاف کیس چلانے کے مطالبات پیش کئے؟ نہیں! نہ ایسا کوئی واقعہ ہوا اور نہ کسی کے دل میں ایسا خیال گزرا سارے معاملات پورے اطمینان اور سکون کے ساتھ چلتے رہے۔ گویا کہ کوئی حادثہ رونما نہیں ہوا بلکہ ضابطے کی کارروائی تھی جس پر کسی طوفان کے اٹھنے کی حاجت تھی نہ جواز۔

حضرت خالدؓ کی مدینہ آمد اور دربارِ خلافت میں حاضری

وہ مردانِ کار تھے۔ حضرت خالدؓ مدینہ منورہ آئے اور حضرت عمرؓ سے

ملاقات کی تو دونوں نے ایک دوسرے کا ازحد احترام اور عزت ملحوظ رکھی۔ حضرت خالدؓ باقاعدہ حضرت عمرؓ کی مجلس میں بیٹھتے اور وہ دونوں ایک دوسرے سے اخوت اور محبت کا معاملہ کرتے تھے یہاں تک کہ مدینہ منورہ سے حج کے لئے مکہ مکرمہ کی جانب دونوں صحابیوں نے اکٹھے سفر کیا۔

حضرت خالدؓ کی معزولی کے بعد بھی اسلامی فتوحات کا سلسلہ جاری رہا نہ فوجوں کے قدم رکے نہ کہیں شکست کا سامنا ہوا۔ مسلمانوں کو معلوم ہو گیا کہ نصرت اللہ کی طرف سے ہوتی ہے نہ کہ سپہ سالاروں اور لشکروں کی طرف سے۔ اسکے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت خالدؓ کو دوبارہ یہ منصب سنبھالنے کی دعوت دی۔ انہوں نے اپنی شرائط پیش کیں مگر حضرت عمرؓ نے شرائط قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ حضرت خالدؓ نے بھی اس منصب پر کام کرنے سے معذرت کر دی۔ بطور سپاہی میدانِ جہاد میں انکی خدمات جاری رہیں۔ اختلافِ رائے میں بھی وہ لوگ ایک دوسرے کا احترام ملحوظ رکھتے تھے۔ اگر حضرت خالدؓ اس منصب کے اہل نہ ہوتے تو حضرت عمرؓ انہیں کبھی اس کی پیش کش نہ کرتے۔ وہ ریاکاری اور تصنع سے بالکل پاک تھے۔

Marfat.com

حضرت خالدؓ کی وفات۔ سیف بن عمر نے بیان کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کی اس پیش کش کے تھوڑے ہی عرصے کے بعد حضرت خالدؓ بیمار ہوئے اور وفات پا گئے۔ حضرت خالدؓ کی وفات کے بعد بھی حضرت عمرؓ نے کئی مرتبہ ا نکا ذکرِ خیر کیا اور ان کی اسلامی خدمات کی تعریف اور تحسین فرمائی۔

زندہ قومیں اپنے قابلِ قدر سپوتوں کی وفات کے بعد انہیں فراموش نہیں کر دیتیں بلکہ انکی یادیں لوگوں کے دلوں میں زندہ رہتی ہیں۔ حضرت خالدؓ کی وفات پر حضرت عمرؓ سے کہا گیا "قریش کی عورتیں خالدؓ کی وفات پر رو رہی ہیں۔ کیا آپ رونے سے منع نہیں کریں گے"؟ حضرت عمرؓ نے گلوگیر لہجہ میں کہا "قریش کی عورتوں کو ابو سلیمان کی وفات پر رونے دو اگر ان کے رونے میں خلاف واقعہ بات اور جھوٹ نہ ہو۔" حضرت عمرؓ جب حضرت خالدؓ کے جنازے کے لئے نکلے تو حضرت خالدؓ کی بوڑھی ماں کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ "اے خالدؓ تو

سردار تھا اور لاکھوں کے لشکر پر تو بھاری اور کروڑوں انسانوں کے درمیان تو بہترین انسان تھا۔ حضرت عمرؓ نے یہ سن کر فرمایا۔ "صدقت انه کان کذلک۔" بے شک تو نے سچ کہا بلاشبہ وہ ایسا ہی انسان تھا۔

اختلافِ رائے اور باہمی احترام۔ حضرت عمرؓ اور خالدؓ کے درمیان اختلاف رائے ضرور تھا مگر بغض و عداوت سے ان کے دل بالکل پاک تھے۔ حضرت عمرؓ نے جناب خالدؓ کو معزول کر دیا تھا اس کے باوجود دونوں صحابی حج کے سفر پر اکھٹے روانہ ہوئے۔ وہ حج کی اہمیت بھی جانتے تھے اور حج کے دوران جس للٰہیت، تقویٰ اور خشیتِ الٰہی کی تلقین کی گئی ہے وہ بھی ان کی آنکھوں سے اوجھل نہ تھی۔ دونوں کے درمیان اگر کوئی عداوت یا ذاتی رنجش ہوتی تو یوں اکھٹے سفرِ حج کے لئے نہ نکلتے اور اگر نکلتے تو پہلے اس عداوت کو ختم کر لیتے۔ وہ پاکیزہ صفت انسان بہت بلند تھے۔

خالدؓ کی وفات پر حضرت عمرؓ کا رونا

حضرت خالدؓ حج کے بعد حضرت عمرؓ سے پہلے مدینہ واپس چلے گئے۔ حضرت عمرؓ کو راستے میں کسی نے بتایا کہ خالدؓ بیمار ہو گئے ہیں تو حضرت عمرؓ نے رات بھر سفر جاری رکھا اور تین دن کی مسافت ایک دن میں طے کی۔ وہ مدینہ پہنچے تو خالدؓ تھوڑی دیر پہلے وفات پا چکے تھے۔ حضرت عمرؓ انکی وفات پر روئے اور "اناللہ" پڑھتے رہے۔

حضرت خالدؓ کی دیانت داری کی شہادت

حضرت عمرؓ نے جابیہ کے مقام پر اسلامی فوجوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا "میں نے خالد کو حکم دیا تھا کہ وہ مہاجرین کے ضعفاء کے درمیان مال تقسیم کریں مگر انہوں نے وہ مال دوسرے لوگوں اور لڑاکا دستوں

Marfat.com

کے درمیان تقسیم کر دیا تھا۔ میں نے خالد کو اس انتظامی حکم عدولی کی وجہ سے معزول کیا تھا نہ کہ کسی بد دیانتی کی بناء پر۔ پھر میں نے ان کی جگہ ابو عبیدہؓ کو سپہ سالار کی ذمہ داری سونپی

حضرت عمرؓ جانتے تھے کہ اطاعت، استحکام خلافت کے لئے کس قدر ضروری ہے۔ اگر ایک بار امیر کا حکم ٹھکرا دیا جائے تو حکومت کا بھرم کھل جاتا ہے اور بد نظمی کا دور دورہ ہو جاتا ہے اس وجہ سے آپ نے سخت موقف اختیار کیا۔ دیگر عوامل کے علاوہ اس بناء پر بھی خالد اور مثنیٰ کا عزل ہوا۔ یہ اپنی جگہ انتظامیہ کی اصول پسندی اور مضبوطی کی دلیل ہے۔

حضرت عمرؓ کا حلم و در گزر

دوسری جانب حضرت عمرؓ کے تحمل وبردباری کا یہ عالم تھا کہ حضرت خالدؓ کی معزولی پر حضرت خالدؓ کے چچازاد بھائی عمرو بن حفص نے غصے سے کہا "اے عمر! خدا کی قسم تم نے انصاف نہیں کیا۔ تم نے اس شخص کو معزول کیا ہے۔ جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کمان سونپی تھی۔ تم نے اس تلوار کو نیام میں بند کر دیا ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بے نیام کیا تھا۔ تو نے حسد کیا ہے اور اپنے بھائی کے ساتھ قطع رحمی کا مظاہرہ کیا ہے۔"

یہ ایک اتہام تھا جسکی کوئی بنیاد تھی نہ وجود۔ حضرت عمرؓ بڑے حلیم الطبع انسان تھے۔ انہوں نے یہ تہمت سنی تو بڑے سکون کے ساتھ فرمایا "تم خالدؓ کے بہت قریبی ہو۔ نوجوان ہو اور اپنے چچازاد بھائی کے مسئلے میں جذباتی اور غضب ناک ہو لیکن تمہاری بات میں کوئی صداقت نہیں۔ اگر حضرت عمرؓ چاہتے تو اس نوجوان کو سخت سست کہتے اور اس کے جھوٹے الزام پر اسے سزا دلواتے مگر آپ نے اسلامی اخلاق کا مظاہرہ کیا اور اشتعال کا جواب بردباری سے دیا۔

خالدؓ کی بہن حضرت عمرؓ کے نکاح میں

یہ انسانی فطرت ہے کہ جس شخص کے ساتھ قلبی تعلق اور ذہنی قرب نہ ہو انسان اس سے دور بھاگتا ہے۔ حضرت عمرؓ حضرت خالدؓ سے ذہنی اور قلبی

Marfat.com

قرب رکھتے تھے۔ حضرت خالدؓ کی بہن حارثؓ بن ھشام کی بیوی تھی۔ جب وہ بیوہ ہوئیں تو حضرت عمرؓ نے ان سے نکاح کر لیا۔ اس نکاح سے حضرت عمرؓ کے پیشِ نظر حضرت خالدؓ سے رشتہ داری اور قرب تھا۔ "

خالدؓ کی خوبیاں۔ حضرت خالدؓ کو ان کے منصب سے معزول کرنے کے بعد جب کبھی انکا ذکر ہوا حضرت عمرؓ نے ہمیشہ انکی خوبیوں کا تذکرہ کیا۔ ان کے کارنامے بیان کرنے میں آپ نے کبھی بخل سے کام نہیں لیا۔ ایک مرتبہ فرمایا "اللہ تعالیٰ ابو بکرؓ پر رحمت نازل کرے۔ وہ انسانوں کی قدر پہچاننے میں مجھ سے زیادہ قابل تھے۔ "

خالدؓ شہادت کا متمنی۔ حضرت عمرؓ خود مردم شناسی میں بہت بلند مقام رکھتے تھے۔ جن لوگوں نے اسلام کی خاطر قربانیاں دی تھیں اور مصائب جھیلے تھے حضرت عمرؓ ہمیشہ انکی تکریم فرماتے تھے۔ خالدؓ بن ولید نے اسلام کا پرچم سربلند کرنے کے لئے سر ہتھیلی پر رکھ کر جس طرح دشمنانِ اسلام کا مقابلہ کیا تھا وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہ تھی۔ حضرت عمرؓ حضرت خالدؓ کی قربانی کا ذکر فرمایا کرتے تھے۔ حضرت خالدؓ نے آخری وقت میں جو بات کہی وہ حضرت عمرؓ کے نزدیک نہایت اعلیٰ اور پسندیدہ تمنا کی حیثیت رکھتی تھی۔ حضرت خالدؓ نے کہا تھا "میرے نزدیک دنیا کی کوئی چیز اتنی محبوب نہیں جتنا جہاد۔ مجھے وہ رات اپنی زندگی کی سب زیادہ خوشگوار محسوس ہوتی ہے جو سخت ٹھنڈی اور بظاہر تکلیف دہ تھی اور مہاجرین کا ایک لشکر دشمنوں سے مقابلہ کرنے کے لئے منتظر تھا۔ اگلی صبح دشمنوں سے مڈبھیڑ ہوئی۔ پس جہاد کو اپنے اوپر لازم کر لو۔ "

رضاء الٰہی نصب العین ہے۔ جب حضرت عمرؓ نے حضرت خالدؓ کو معزول کیا تو حضرت خالدؓ کی مقبولیت نقطۂ عروج پر تھی۔ حضرت عمرؓ چونکہ رضائے الٰہی کے متلاشی تھے اس لئے آپ نے دنیوی مصلحتوں کو ملحوظ نہیں رکھا۔ اگر کوئی دنیا دار حکمران ہوتا تو پہلے ایسے مقبول جرنیل کی ہر دلعزیزی میں رخنہ ڈالنے کی کوشش کرتا مگر خلافتِ اسلامیہ میں ان باتوں کا کیا دخل!۔

Marfat.com

حضرت عمرؓ منصف مزاج حکمران تھے۔ وہ اپنے آپ سے بھی انصاف کرتے تھے اور دوسروں سے بھی۔ حضرت خالدؓ کی وفات پر انہوں نے ان کے لئے رحمت اور مغفرت کی دعا بھی کی اور ان کے لئے کلماتِ خیر اور حسنِ ظن کا اظہار بھی کیا۔

حضرت خالدؓ کی وصیت ۔ انسان کو اپنی اولاد سے بڑی محبت ہوتی ہے اور وہ ان کے لئے نفع اور بھلائی طلب کرتا ہے۔ کوئی شخص اپنے بعد اپنی اولاد کے حق میں ایسے شخص کو ان کا سرپرست بنانے کی نصیحت نہیں کرتا جسکی خیر خواہی پر اسے مکمل بھروسہ نہ ہو۔ حضرت عمرؓ اور حضرت خالدؓ کے خوشگوار تعلقات کا پتہ اس بات سے چلتا ہے کہ حضرت خالدؓ نے وصیت کی تھی کہ ان کے بال بچوں اور جائیداد و وراثت کی تقسیم کی نگرانی حضرت عمرؓ کریں گے۔ پھر جو لوگ ان دونوں صحابہ کا موازنہ کرتے ہیں اور ایک کو دوسرے کے مقابلہ پر کھڑا کرنے کی جسارت کرتے ہیں ان کی کوتاہ بینی اور کم عقلی میں کیا شک رہ جاتا ہے۔

ماموں بھانجا۔ حضرت عمرؓ کی والدہ حنتمہ بنت ہشام بن مغیرہ ابو جہل کی حقیقی اور حضرت خالد کی چچازاد بہن تھی۔ اس طرح ان کے درمیان ماموں بھانجے کا تعلق تھا مگر حضرت عمرؓ مصلحتِ عامہ کے معاملات میں قرابت اور رشتہ داری کا کوئی لحاظ نہ رکھتے تھے۔ میں نے اوپر جو باتیں لکھی ہیں یہ میرے رشحاتِ فکر ہیں اور مستند تاریخی کتب میں ان کا حوالہ ملتا ہے میں حضرت عمرؓ کے دفاع کی ضرورت نہیں سمجھتا اس لئے کہ وہ دفاع کرنے والوں کے محتاج نہیں۔ میں نے حضرت عمرؓ سے اپنی محبت کی وجہ سے نیز غلط فہمیاں پھیلانے والوں کا منہ بند کرنے کے لئے یہ باتیں لکھی ہیں۔ صحابہ اپنی پاکیزہ زندگیاں گزار کر دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں ہمارے لئے وہ عبرت اور نصیحت کا بیش بہا خزانہ چھوڑ گئے ہیں۔ ہم ان کے خوشہ چین ہیں۔ ان پر تنقید کرنا نہ ہمارا حق ہے نہ ہم اس کے اہل ہیں۔ کسی شخص کا تنقیدی جائزہ وہی شخص لے سکتا ہے جو اس سے زیادہ عالم زیادہ سمجھ دار اور دین و اخلاق میں اس کے برابر یا بلند تر درجے پر ہو۔ کہاں

Marfat.com

وہ نفوسِ قدسیہ اور کہاں ہم گنہگار؟ اسلام دشمن قوتیں مسلمانوں کو اسلام سے دور ہٹانے کے لئے جو حربے اختیار کرتی ہیں ان میں سے ایک خطرناک حربہ صحابۂ کرامؓ کی زندگیوں میں نقص تلاش کرنا ہے۔ وہ بڑی عیاری سے بعض صحابہ کی اپنے مخصوص انداز میں تعریف کر کے دوسرے صحابہ کی تنقید کرنا چاہتے ہیں۔ ہمیں ان سے باخبر رہنا چاہئیے۔ کھلے عام کوئی اسلام پر حملہ کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا مگر پردوں میں بیٹھ کر وہ گھناؤنی حرکتیں کرتے ہیں مجھے مخالفتوں کے ان پہاڑوں کا کوئی خطرہ محسوس نہیں ہوتا جو سامنے نظر آتے ہیں مگر میں سازشوں کی ان کنکریوں سے بھی ڈرتا ہوں جو ہمارے پاؤں کے نیچے بکھیر دی جاتی ہیں۔

مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارا فرض ہے کہ ہم ہر اس حرکت کا فوری نوٹس لیں جسکا ہدف صحابۂ کرامؓ کو مطعون کرنا ہو۔ بعض لوگ آزادیٔ اظہار کا نام لے کر زہریلے تیر چلانا شروع کر دیتے ہیں۔ آزادی کی حدود متعین ہیں۔ مادر پدر آزادی کا دنیا میں کوئی تصور نہیں۔ معاشرے میں رہنے والے ہر طبقہ کے جذبات اور مصالح کو ملحوظ رکھنا بھی آزادی اور بنیادی حقوق کا حصہ ہے۔

میری دعا ہے کہ میں نے جو کچھ قارئین کے سامنے پیش کیا ہے اللہ تعالیٰ اسے میرے حق میں اور ساری امت مسلمہ کے حق میں دین، دنیا اور آخرت میں نفع بخش بنا دے۔ اے اللہ ہم جو کچھ چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں وہ سب تیرے علم میں ہے۔ زمین و آسمان کی کوئی چیز اللہ کی نظروں سے پوشیدہ نہیں ہے۔

Marfat.com

آٹھواں باب

حضرت عمرؓ اور خراجی زمینیں

اس موضوع کو میں نے اقتصادی بحث کے لئے منتخب نہیں کیا۔ ہر حکومت اپنے مالی معاملات کا بندوبست کرتی ہے اور یہ باب اپنی اہمیت کے لحاظ سے ممتاز مقام رکھتا ہے مگر میں ایک خاص نقطۂ نظر سے حضرت عمرؓ کے تصرف و اجتہاد کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ میں آپ کی سیاست' انتظامی بندوبست' اقتصادی منصوبہ بندی' معاشرتی اصلاحات' قانون سازی' صلح و جنگ اور عدالتی فیصلوں غرض ہر چیز کا مداح ہوں۔

مالِ غنیمت اور فے مالِ غنیمت تقسیم کرنے کا معروف قاعدہ سب لوگوں کو معلوم تھا۔ مگر فے کی زمینیں پہلی بار عراق فتح ہونے پر مسلمانوں کے ہاتھ لگیں۔ حضرت عمرؓ نے فیصلہ فرمایا کہ زمینیں مالِ غنیمت کے طور پر فوجیوں میں تقسیم نہ کی جائیں بلکہ انہیں فوجی اور غیر فوجی سبھی لوگوں کے لئے ذریعۂ معاش کے طور پر رکھنا چاہیئے۔ اس معاملے میں لوگوں کی آراء مختلف تھیں۔

ابتدا میں مجاہدین جنگ کا سارا سامان خود تیار کرتے تھے اور مالِ غنیمت میں سے خمس نکال کر باقی ماندہ اشیاان کے درمیان تقسیم کر دی جاتی تھیں۔ سورۃ انفال کی آیت نمبر (۱) اور آیت نمبر (۴۱) میں اس سلسلہ میں احکام نازل ہوئے۔ ان میں اللہ نے فرمایا کہ حقیقت میں تو مالِ غنیمت اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ملک ہے۔ مگر از راہِ رحمت و شفقت اللہ تعالیٰ نے خمس لیکر باقی مال کا حق مجاہدین کو منتقل کر دیا۔ اس زمانے میں جن علاقوں میں جنگ لڑی جارہی تھی۔ اس میں مالِ غنیمت بھی بھیڑ بکری اور اونٹوں

Marfat.com

کی صورت میں یا نیزے تلوار اور کچھ نقدی کی صورت میں مل جاتا تھا مگر عراقِ عجم میں پہنچ کر نئی صورتِ حال کا سامنا کرنا پڑا۔ یہاں کی آباد زرعی زمینیں اور باغات فوجیوں کی ملکیت میں دے دینا نقصان دہ تھا۔ ایک تو اس لئے کہ ان زمینوں کی پیداوار متاثر ہوتی اور دوسرے اس لئے کہ امت کا ایک اجتماعی ذریعہ آمدنی چند ہاتھوں میں محدود ہو کر رہ جاتا۔ حضرت عمرؓ نے محسوس کیا تھا کہ اس وقت تک حالات اتنے بدل چکے تھے کہ جہاد کے اخراجات میں پوری ملت کا اشتراک تھا اس لئے امت کے پاس اجتماعی آمدنی کا ذریعہ ہونا ضروری تھا۔

فتح عراق اور خراجی زمین

عراق کی فتوحات کے ساتھ ہی دیگر زرخیز علاقوں، شام اور مصر میں بھی اسلامی فوجیں فتوحات کے شادیانے بجاتی آگے بڑھ رہی تھیں۔ یہ سب زرعی پیداوار کے شاداب و آباد علاقے تھے۔ حضرت عمرؓ کی عبقریت نے مستقبل کے حالات و امکانات کا بھرپور اندازہ لگالیا تھا۔ انہوں نے عراقی علاقے میں شروع میں کچھ زمینیں بعض لشکروں میں تقسیم بھی کی تھیں مگر پھر انہوں نے اپنی نئی پالیسی کا اعلان کیا۔ اس نئی پالیسی سے صحابہ کی ایک جماعت نے اختلاف کیا مگر حضرت عمرؓ اپنی رائے پر ڈٹے رہے۔ تاریخ میں اس واقعہ سے متعلق بہت دلچسپ تفصیلات ملتی ہیں۔ حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ ان زمینوں کو مسلمانوں کی اجتماعی ملکیت کے طور پر بیت المال اور حکومتِ وقت کے تصرف میں رہنا چاہئے اور مقامی آبادی کو کاشت کاری کے لئے خراج پر یہ زمینیں دیدی جائیں۔ آپ نے فرمایا کہ آئندہ جہاد جن مراحل میں داخل ہونے والا ہے ان کا تقاضا بھی یہ ہے کہ اسلامی حکومت مجاہدین کی تیاری اور معاوضے کی ذمہ داری سنبھالے نیز آنے والی نسلوں کے لئے بھی بیت المال میں مستقل ذریعہ آمدنی ہونا چاہئے۔ انہوں نے زمینوں کو مجاہدین کے درمیان تقسیم کرنے کا مطالبہ سنا تو جواب میں فرمایا "آنے والی نسلوں اور مستقبل کی ضروریات کا مسئلہ نہ ہوتا تو جو بھی علاقے فتح ہوتے ہیں اسکی زمینوں کو اسی طرح تقسیم کرتا جاتا جس طرح دورِ رسالت میں تقسیم ہوتی تھیں اور جس کا مظاہرہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح خیبر کے وقت فرمایا تھا۔"

حضرت عمرؓ کے اہم فیصلے اور ان کے بارے میں حضورِ اکرمؐ کی پیشین گوئیاں

یہ ایک مشکل اور نازک فیصلہ تھا مگر حضرت عمرؓ نے کمال دانش مندی' دوراندیشی اور جرأت سے یہ فیصلہ صادر فرمایا۔ لوگوں کو یہ بات انوکھی اور عجیب محسوس ہوئی مگر آپ نے اس کے حق میں معقول دلائل دیئے۔ بعد میں آنے والے ادوار میں یہ بات ثابت ہو گئی کہ حضرت عمرؓ کا فیصلہ امت کے حق میں ہر لحاظ سے بہترین تھا۔ آپ نے آنے والی نسلوں کی خوش بختی اور سعادت کا دروازہ کھول دیا تھا۔

حضرت عمرؓ نے اپنے دورِ خلاف میں کئی اہم اور مشکل فیصلے کئے۔ اس معاملے میں ان کے فیصلے اگرچہ نئے تھے مگر قرآن و سنت کی روشنی میں کیئے گئے تھے۔ حضرت عمرؓ کے ان فیصلوں کی اطلاع حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پیشین گوئیوں میں بھی دی تھی۔ حضرت عمرؓ نے نمازِ تراویح کا باجماعت اہتمام کیا۔ صحابہ کی پوری جماعت نے اُن کے اس حکم کی تحسین کی۔ یہ نیا کام تھا مگر بہترین اور قابلِ تعریف تصرف تھا۔ قرآن و حدیث میں اس کی گنجائش اور جواز موجود تھا اور صحابہ کے اجماع نے اسے سنت کا درجہ دیدیا تھا۔ اسی طرح خراجی زمینوں کا معاملہ بھی حضرت عمرؓ نے صادر فرمایا اور بحث و تمحیص کے بعد صحابہ نے اسے متفقہ طور پر قبول کیا۔

آغاز میں مجاہد جہاد کی تیاری اپنی جیب سے کرتا تھا۔ اگر اس کے پاس مال نہ ہوتا تو دوسرے اہلِ خیر مسلمان رضاکارانہ طور پر اس کی مالی مدد کرتے تھے۔ اگر کسی مجاہد کو زادِ سفر اور سامانِ جہاد میسر نہ آسکتا تھا تو جہاد سے محرومی کے غم سے اس کی آنکھوں میں آنسو آجاتے تھے۔ وہ اللہ کے ہاں اگرچہ معذور سمجھا جاتا تھا اور اس پر کوئی مواخذہ نہ ہوتا تھا مگر جذبۂ جہاد سے سرشار مجاہد میدانِ جہاد سے پیچھے رہ جانے کو بڑی بدنصیبی تصور کرتا تھا۔ (ملاحظہ فرمایئے سورہ توبہ آیات ۹۱ - ۹۳)

ظاہر ہے کہ دورِ آغاز میں مجاہد خود ہی جہاد کی مشقت اور اخراجات

Marfat.com

برداشت کرتا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر کے علاوہ اسے مالِ غنیمت میں سے بھی حصہ ملتا تھا۔ اب نئے دور میں صورتِ حالات بدل گئی تھی۔ اب دنیا کی منظّم فوجوں کا مقابلہ تھا اس لئے اسلامی فوجوں کو بھی منظّم کر دیا گیا تھا۔ ان کو باقاعدہ معاوضہ اور دیگر سہولیات ریاست کی جانب سے مہیا کی جاتی تھیں۔ رومی اور ایرانی فوجوں سے برسرِپیکار ہونے سے قبل تک تو لوگوں سے اللہ اور رسول کا مطالبہ تھا کہ مال اور جان سے جہاد کریں۔ مال کے جہاد کو جان کے جہاد پر بھی مقدم رکھا گیا ہے۔

بعض فقہاء کے نزدیک مال کے جہاد کا جان کے جہاد سے زیادہ اجر اور درجہ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مال جہاد میں دیدیا جائے تو وہ تو سپردِ خدا ہو جاتا ہے جبکہ جان سے جہاد کی صورت میں انسان زندہ بھی واپس آسکتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیشِ نظر بھی یہ تھا کہ مجاہدین کے اخراجات امت کے اجتماعی خزانے سے ادا کیئے جائیں مگر اس دور میں ایسے حالات و اسباب نہ پیدا ہوئے تھے۔ حضرت عمرؓ کے دور میں وہ حالات میسر آگئے کہ ریاست جہاد کا صرفہ برداشت کرے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کا یہ فیصلہ اگرچہ بظاہر نیا معلوم ہوتا ہے مگر سنتِ رسول کے عین مطابق ہے۔ حکمت اور ہدف پیشِ نظر رہنا چاہئے۔ طریقۂ کار اور ظاہری شکل سے زیادہ روح اور منشا اہم ہوتا ہے۔

صحابہ کا اختلافِ رائے جن صحابہؓ کرام نے حضرت عمرؓ کے فیصلے کی شدید مخالفت کی ان میں زبیرؓ بن عوامؓ، بلالؓ، عبدالرحمنؓ بن عوفؓ اور سلمان فارسیؓ کے نام آتے ہیں۔ اس کے برعکس جن صحابہؓ نے حضرت عمرؓ کی رائے کی حمایت کی ان میں حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ شامل تھے۔ سیدنا معاذؓ بن جبلؓ نے بھی حضرت عمرؓ کی رائے کی پرزور تائید کی۔

اس معاملے میں جو آراء پیش کی گئیں ان پر مورخین نے بہت تفصیل سے لکھا ہے۔ مجھے اس موقع پر ان تفصیلات سے تعرض کرنے کی ضرورت نہیں۔ جن لوگوں کو اس موضوع سے دلچسپی ہو وہ تاریخ کے اوراق سے اپنا

Marfat.com

شوق پورا کر سکتے ہیں۔ میں اس موقع پر صرف یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اقتصادیات کے ماہرین اس ترقی یافتہ دور میں جن امور پر اپنی مہارت اور منصوبہ بندی کا سکہ منواتے ہیں آج سے چودہ صدیاں قبل حضرت عمرؓ کی عبقریت نے اس موضوع پر بے مثال رہنمائی سے امت کا مستقبل سنوار دیا تھا۔ آج بھی ان کا ہر فیصلہ بہت ممتاز اور نمایاں نظر آتا ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس فیصلے سے اُمتِ مسلمہ کا بازوئے شمشیر زن متاثر ہوا تھا۔ میرے خیال میں یہ رائے محلِ نظر ہے مگر بالفرض ایسا ہوا بھی ہو تو اس کے مقابلے پر جو مصلحت پیش نظر تھی وہ زیادہ عظیم اور دور رس اثرات کی حامل تھی۔ شروع میں حضرت عمرؓ نے جنگجو فوجیوں کے درمیان کچھ زمینیں تقسیم بھی کی تھیں مگر بعد میں وہ واپس لے لی گئیں۔ کتاب الخراج میں امام ابو یوسف نے لکھا ہے کہ جریر بن عبداللہ بجلیؓ کے قبیلے نے جنگ قادسیہ میں سب سے زیادہ جنگجو پیش کیئے تھے۔ چنانچہ مفتوح علاقہ کا ایک چوتھائی ان کو دے دیا گیا۔ بعد میں حضرت عمرؓ نے سردارِ قبیلہ حضرت جریر سے کہا کہ نئے حالات میں انہیں وہ زمینیں واپس کر دینی چاہئیں تو حضرت جریرؓ نے حضرت عمرؓ کی رائے سے اتفاق کیا اور اپنی اور اپنے قبیلے کے افراد کی زمینیں بیت المال میں واپس کر دیں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے حضرت جریر کو اسی ۸۰ دینار بطور انعام دیئے تھے۔

مورخین نے اپنے اپنے انداز سے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔ میں اپنی عاجزانہ رائے پیش کرنے کی جسارت کرتا ہوں۔ میرے نزدیک ایک تو زیادہ علاقے فتح ہونے کے بعد صورتِ حال یکسر بدل گئی تھی جس کے تقاضے شروع کے سالوں سے بالکل مختلف تھے۔ دوسرے جس قاعدے کلیئے سے شروع میں مالِ غنیمت کے سلسلے میں لوگ مانوس تھے اسے بتدریج بدلنے میں حکمت تھی۔ اسلام کا ہر کام حکمت پر مبنی ہے اللہ تعالیٰ نے شراب کو حرام قرار دینے سے پہلے اس کی مذمت میں احکام نازل فرمائے۔ مریض کو دوا کی مناسب خوراک دی جاتی ہے ساری دوا ایک ہی مرتبہ کھلا دینا حکمت کے خلاف ہے۔

جن صحابہ کرامؓ نے حضرت عمرؓ کی رائے سے اختلاف کیا تھا ان کے

پاس بھی دلیل تھی اور حضرت عمرؓ اور ان سے اتفاق کرنے والے صحابہ کے پاس بھی دلیل تھی۔ حضرت عمرؓ نے اپنی مجلسِ شوریٰ کو بھی دلیل سے قائل کیا اور جن فوجیوں کو زمینیں دیدی گئی تھیں انہیں بھی دلائل سے مطمئن کر کے زمینیں واپس لیں۔ اس میں ایسی مثالیں بھی نظر آتی ہیں کہ بعض مجاہدین نے بغیر کسی معاوضے کے اپنی زمینیں بحق بیت المال واگزار کر دیں اور بعض معاوضہ لیکر ان سے دستبردار ہوئے۔ اس معاملے میں حضرت عمرؓ نے قطعاً کوئی سختی نہ کی۔ بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ جب حضرت بلالؓ نے امیر المؤمنینؓ کی رائے سے اختلاف کیا اور سختی کے ساتھ اپنے موقف پر ڈٹ گئے تو حضرت عمرؓ نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ "اے خدا مجھ کو بلال سے نجات دے"

حضرت عمرؓ کے فیصلے کی قرآنی دلیل

ایک قول یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنی مجلسِ شوریٰ کے سامنے اس بحث کے آخر میں یہ کہا کہ مجھے قرآن مجید سے ایک دلیل مل گئی ہے جس سے میرا دل مطمئن ہو گیا ہے کہ یہ زمینیں تقسیم کرنے کی بجائے ریاست کے پاس رہنی چاہئیں۔ آپؓ نے سورہ حشر کی آیات ۶ تا ۱۰ تلاوت کیں "اور جو مال اللہ نے ان کے قبضے سے نکال کر اپنے رسول کے طرف پلٹا دیئے وہ ایسے مال نہیں ہیں جن پر تم نے اپنے گھوڑے اور اونٹ دوڑائے ہوں۔ بلکہ اللہ اپنے رسولوں کو جس پر چاہتا ہے تسلّط عطا فرما دیتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جو کچھ بھی اللہ ان بستیوں کے لوگوں سے اپنے رسول کی طرف پلٹا دے وہ اللہ اور رسول اور رشتہ داروں اور یتامیٰ اور مساکین اور مسافروں کے لئے ہے۔ تاکہ وہ تمہارے امیروں ہی کے درمیان گردش نہ کرتا رہے۔ جو کچھ رسولؐ تمہیں دیں وہ لے لو اور جس چیز سے وہ منع فرمائیں اس سے رک جاؤ۔ اللہ سے ڈرو، اللہ سخت سزا دینے والا ہے (نیز وہ مال) ان غریب مہاجرین کے لئے ہے جو اپنے گھروں اور جائیدادوں سے نکال باہر کیئے گئے ہیں۔ یہ لوگ اللہ کا فضل اور اسکی خوشنودی چاہتے ہیں اور اللہ اور اسکے رسولؐ کی حمایت پر کمربستہ رہتے ہیں۔ یہی راست باز لوگ ہیں۔ (اور وہ ان لوگوں کے لئے بھی ہے) جو ان مہاجرین کی آمد سے پہلے ایمان لا کر دار الھجرت میں مقیم تھے۔

Marfat.com

یہ ان لوگوں سے محبت کرتے ہیں جو ہجرت کر کے ان کے پاس آئے ہیں اور جو کچھ بھی ان کو دیدیا جائے اسکی کوئی حاجت تک یہ اپنے دلوں میں محسوس نہیں کرتے اور اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ اپنی جگہ خود محتاج ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اپنے دل کی تنگی سے بچالئے گئے وہی فلاح پانے والے ہیں (اور وہ ان لوگوں کے لئے بھی ہے) جو ان اگلوں کے بعد آئے ہیں جو کہتے ہیں "اے ہمارے رب ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں اور ہمارے دلوں میں اہلِ ایمان کے لئے کوئی بغض نہ رکھ۔ اے ہمارے رب تو بڑا مہربان اور رحیم ہے۔"

حضرت عمرؓ قرآن مجید کی تفسیر و تعبیر اچھی طرح جانتے تھے چنانچہ انہوں نے مستقبل کے لئے قرآن مجید کی ہدایات کو سمجھا اور اس کے مطابق فیصلہ صادر کیا۔ حضرت عمرؓ کو صحیح فہم کے علاوہ اللہ نے نورِ یقین سے مزین کیا تھا۔ ان کے فیصلے فقہا اور محدثین کے نزدیک سنگِ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

خراجی زمینیں اور فقہا کی آراء

حضرت عمرؓ نے اپنے دورِ حکومت میں خلافتِ اسلامیہ کو مضبوط بنیادوں پر قائم کرنے کے لئے کئی فیصلے صادر فرمائے تھے۔ ہجری تقویم جس سے ہمارے سال اور مہینے پہچانے جاتے ہیں۔ حضرت عمرؓ ہی نے شروع کی تھی۔ دفتری نظام اور افرادی قوت کا پورا ریکارڈ بھی انکے زمانے میں منظّم ہوا۔ فوجیوں اور دیگر سرکاری محکموں کے خدمت گزاروں کے اعداد و شمار اور شرائطِ ملازمت بھی انہی کے دور میں مرّتب ہوئے۔ محاصل کا نظام بھی اسی دور کی ایجاد ہے۔ پس خراجی زمینوں کا یہ معاملہ کوئی منفرد اور انوکھی بات نہیں ہے فقہاء نے خراجی زمینوں کے بارے میں فقہ کی کتابوں میں تفصیل کے ساتھ اپنی آراء کا اظہار کیا ہے۔ میں اس تفصیل میں تو نہیں جانا چاہتا تاہم اتنا عرض کر دیتا ہوں کہ امام مالکؒ کی رائے یہ ہے کہ حاکم وقت مسلمانوں کی بھلائی کے لئے ان زمینوں کو وقف کا درجہ دے سکتا ہے" امام شافعیؒ فرماتے ہیں "امامِ وقت

Marfat.com

مسلمانوں کی مرضی کے بغیر ان زمینوں کا فیصلہ نہیں کر سکتا اگر لوگ برضاورغبت انہیں چھوڑنے پر آمادہ ہو جائیں تو امام انہیں وقف کر سکتا ہے۔ اور اگر کوئی شخص اپنا حصہ طلب کرنے پر مصر ہو تو اس کا حصہ یا معاوضہ اسے دیا جائے گا۔" امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں۔ "خلیفہؒ وقت کو اس معاملے میں اختیار حاصل ہے چاہے تو ان زمینوں کو تقسیم کر دے اور چاہے تو انہیں اوقاف کا درجہ دیدے مگر جو بھی فیصلہ ہو اس کی بنیاد امت کی بھلائی اور مصلحت ہونی چاہئے۔"

حضرت عمرؓ کے تصرف کو جس نقطۂ نظر سے بھی دیکھیں وہ درست معلوم ہوتا ہے۔

Marfat.com

حضرت عمرؓ کی شہادت

حضرت عمرؓ کی پوری زندگی عزت و شرف اور عظمت کے کارناموں کی اعلیٰ مثال تھی مگر قاتلانہ حملے اور شہادت کے درمیان گزرنے والے ایام کا ہر لمحہ پوری انسانیت کے لئے درس و عبرت کا مرقع ہے۔

حضرت عمرؓ اپنے تقویٰ و زہد' عدل و انصاف اور خدا خوفی و پرہیز گاری کے جس مقام پر فائز تھے وہ آپ ہی کا حصہ تھا۔ آپ اپنے وقت کے ایسے نیک انسان تھے کہ روئے زمین پر آپ سے بہتر کوئی دوسرا انسان نہیں تھا۔ اس عظیم انسان کو ایک بدبخت نے شہید کر کے اپنے نامۂ سیاہ کو سیاہ تر کر لیا۔ حضرت عمرؓ کی عظمت ان کے اس عدل و انصاف میں دیکھی جا سکتی ہے جس نے اللہ کی زمین کو امن و آشتی کا گہوارہ بنا دیا تھا' جس نے آپ پر ظلم کا ہاتھ اٹھایا۔ اس سے بھی آپ نے انصاف اور حسن سلوک کی تلقین کی۔

اجلِ مسمّیٰ آگے پیچھے نہیں ہو سکتی

حضرت عمرؓ پر جب حملہ ہوا تو وہ نہ صرف باوضو تھے بلکہ محرابِ نبویؐ میں نمازیوں کی امامت فرما رہے تھے۔ وضو مومن کا ہتھیار ہے اور نماز اس کی معراج۔ اس ہتھیار کے باوجود ظالم کا حملہ کارگر ہوا اور حضرت عمرؓ اس کے ہاتھوں جامِ شہادت نوش کر گئے۔ حضرت عمرؓ نے شہادت پائی اس حال میں کہ وہ انسانوں کے درمیان سب سے زیادہ رحم کرنے والے اور مسلم و غیر مسلم سب کو بلا امتیاز ان کے حقوق ادا کرنے والے تھے۔ آپ کے افکار و اعمال میں شر کا شائبہ تھا نہ دخل۔ آپ کا قلبِ رحیم سنگ دلی سے پاک اور آپکا دامن ظلم و ستم سے منزّہ تھا۔ حضرت عمرؓ نے شہادت سے پہلے یہ ارادہ فرمایا کہ اپنے قاتل کے آقا سے کہیں کہ وہ اس کے ساتھ حسنِ سلوک کرے مگر اسی دوران میں اس ظالم نے آپ پر حملہ کر کے آپ کو شہید کر دیا۔

Marfat.com

اجلِ مسمّٰی اور قضاء وقدر کبھی ٹلا نہیں کرتے۔ حضرت عمرؓ اتنے بارعب، پرہیبت اور صاحبِ جلال تھے کہ آپ کی مجلس میں بعض اوقات لوگ ہیبت کی وجہ سے زبان بھی نہ کھول سکتے تھے۔ اس ہیبت اور جلال کے باوجود نہ حملے کو روکا جاسکا نہ موت ٹلی۔ اپنے دارالخلافہ کے اندر اور اپنے ساتھیوں کی موجودگی میں حضرت عمرؓ پر حملہ ہوا اور وہ شہید کر دیئے گئے۔ آپؓ کرۂ ارضی کے پاکیزہ ترین ٹکڑے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محراب کے اندر جنت کے باغات میں سے ایک باغ میں کھڑے تھے۔ اس مقدس مقام کی ہیبت و عظمت نے بھی موت کا راستہ نہ روکا۔

حلقۂ یاراں کے درمیان موت نے آن لیا

حضرت عمرؓ مبارک لمحات میں بدبخت قاتل کے حملے کا شکار ہوئے۔ نماز کے ان لمحات میں اللہ تعالیٰ کی رحمت بندوں کو ڈھانپ لیتی ہے۔ خشوع، خضوع اور انابت و قبولیت کی ان گھڑیوں میں بندہ اپنے مولا کے قریب ترین پہنچ جاتا ہے۔ اس وقت مسجد سے منافق ہی دور رہتے ہیں۔ اس سارے کچھ کے باوجود قضا کے سامنے کوئی چیز آڑے نہ آسکی۔ اور حضرت عمر شہادت پا گئے۔

نمازِ صبح کی امامت، مسجدِ نبویؐ کی محراب صحابہ کرام کے پاکیزہ دل اور ذکر و دعا سے تر زبانیں ان سب نعمتوں کے باوجود قاتل کا وار نہ روکا جاسکا۔ یہ مقدر کا اٹل فیصلہ تھا۔ حضرت عمرؓ شہادت کے وقت ان لوگوں کے درمیان تھے جو آپ سے بے پناہ محبت کرنے والے اور آپ پر اپنی جان چھڑکنے والے تھے۔ وہ پرخلوص جانثار اور ان کے عزم و حوصلے کی بلندی، ان کی قوتِ بازو اور انکا جذبۂ خلوص اس جرم کو روکنے میں کامیاب نہ ہوسکا۔ بھلا قدرت کے فیصلوں کو کون روک سکتا ہے۔"

حضرت عمرؓ شہید کر دیئے گئے جبکہ آپ کے گرد سینکڑوں مسلمان موجود تھے اور بدبخت قاتل تن تنہا تھا۔ اللہ کی طرف سے جو فیصلے ہو جائیں انہیں روکنے کی کسی میں طاقت نہیں!

حضرت عمرؓ ایسے وقت میں شہید کر دیے گئے جب خلافتِ اسلامی مضبوط بنیادوں پر قائم ہو چکی تھی۔ قتل ناحق اور خون ریزی کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ رائے

Marfat.com

عامہ کی تربیت اس انداز سے ہوئی تھی کہ وہ ناحق قتل کو بدترین جرم اور قابلِ نفرت عمل سمجھتی تھی۔ رائے عامہ کا دباؤ بہت بڑی قوت ہوتی ہے مگر ان میں سے کوئی چیز بھی اس جرم کو روکنے کا باعث نہ بن سکی۔

اپنی مشیّت کو اللہ ہی جانتا ہے

زمان و مکان' جگہ اور ماحول' یار و مدد گار' جذبات و احساسات' معاشرے اور فرد' قوت اور ضعف یہ سب ہماری محدود سوچ اور ناقص عقل کے اندازوں سے ناپے جاتے ہیں۔ ہمارے ان پیمانوں کا اللہ حکیم وخبیر کے تصرفات اور حکم کے مقابلے پر کیا وزن ہو سکتا ہے؟ اس کے احکام غیر مبدّل اور اٹل ہوتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی نظروں میں عمرؓ کی بڑی قدر تھی۔ اللہ ان سے راضی اور خوش تھا۔ پھر یہ اسکی حکمت وقدرت کا عجیب کرشمہ ہے کہ ایک فاسق وفاجر کافر کے ہاتھوں انہیں شہید کروا دیا۔ اللہ چاہتا تو انکی حفاظت کر سکتا تھا۔ مگر اسے یہی منظور تھا جو ہو کر رہا۔ ہمیں عجلت میں کبھی یہ نہیں سوچنا چاہئیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو بے یار و مدد گار چھوڑ دیتا ہے اور ان کے دشمنوں کو ان پر مسلط ہونے کا موقع فراہم کر دیتا ہے۔ یہ اللہ کی مشیت کے معاملے ہیں اور اپنے فیصلوں کی حکمت وہی جانتا ہے۔

جب انسان پر ابتلاء و آزمائش آجائے تو شیطان بھی اس کے دل میں شکوک وشبہات ڈالنے شروع کر دیتا ہے۔ اللہ پر ایمان کی کمزوری اور دین سے بے خبری انسان کو مختلف قسم کے فتنوں میں مبتلا کر دیتی ہے۔ اگر آسانیاں پیدا ہوں تو انسان بڑی جرأت دکھاتا ہے اور جہاں مشکل گھاٹی آجائے وہاں اسکی ہمت جواب دے جاتی ہے۔ اللہ کے مخلص بندے ہر حال میں یکسو اور یک رخ رہتے ہیں۔ "بہار ہو کہ خزاں لاالٰہ الا اللہ" ان کا شعار ہوتا ہے"

عظمت وبلندی کا راستہ

حضرت عمرؓ جس مشکل گھاٹی میں اترے اور جامِ شہادت نوش کیا وہ ان کے لئے اللہ کی طرف سے اعزاز واکرام اور شرف ومجد کا عطیہ تھا۔ وہ اپنے مولا

Marfat.com

کے ہاں شہید کی حیثیت سے حاضری دینے سے قبل مسجدِ نبویؐ میں امامت کا فریضہ ادا کر رہے تھے۔ جو تقرّبِ الٰہی کا یقینی وسیلہ تھا۔ شہیدِ المحراب کی شہادت کے کیا کہنے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جنت کی بشارت بھی دی تھی اور شہادت کا مژدہ بھی سنایا تھا۔ جس دن انہوں نے اسلام قبول کیا اس دن سے لے کر زندگی کے آخری لمحے تک کبھی انہوں نے اپنے واجبات اور ذمہ داریوں سے روگردانی نہیں کی۔ آپؓ سچے مسلم، مخلص مومن، محسن، متقی، صاحبِ عمل و کردار، پاکیزہ اوصاف، احکامِ ربانی کے سامنے سمع و طاعت کی مکمل تصویر، عالم، فقیہ، بہادر، عالی ہمت، ضبطِ نفس کا مظاہرہ کرنے والے، عدل و انصاف کے فیصلے دینے والے، گویا ہر نیکی پر عمل پیرا اور ہر برائی سے دامن کش رہتے تھے۔

حضرت عمرؓ کی شہادت ان کے لئے عظمت و بلندی کا راستہ اور ہمارے لئے عبرت و نصیحت کا درس ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس عظیم واقعہ کے ذریعے ہماری توجہ اس امر کی طرف مبذول کرائی ہے کہ عمرؓ جس شہادت کی تمنا کرتے تھے وہ انہیں حاصل ہو گئی۔ اس درس و عبرت کے واقعہ کو مزید تقویت حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ کی شہادتوں سے ملی۔ وہ دونوں بھی اسی راستے پر چل کر اپنے اللہ سے جا ملے۔ یہ تینوں شہدا میدانِ جنگ میں نہیں بلکہ جنگ کے بغیر ہی دشمنانِ اسلام کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔

ایمان اور آزمائش۔ عمرؓ کا مقام و مرتبہ ہم میں سے ہر ایک کو معلوم ہے۔ اس کے باوجود آپؓ آزمائش میں ڈالے گئے یہاں تک کہ جان کی قربانی بھی دینا پڑی۔ ہم پر اگر کوئی آزمائش آجائے تو اس پر تعجب نہیں ہونا چاہیے۔ ہم تو کسی معاملے میں بھی حضرت عمرؓ کی خاکِ پا کو پہنچنے کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔ آزمائش و ابتلا سے اللہ کی پناہ مانگنی چاہیے مگر اس موضوع پر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کئی حدیثیں نقل کی گئی ہیں جن میں آپؐ نے فرمایا ہے "انسان اطاعت و خیرات کے کاموں میں جتنا بھی آگے بڑھ جائے وہ ان لوگوں کے مرتبے کو نہیں پہنچ سکتا جو اطاعت کے ساتھ اللہ کی راہ میں آزمائے اور مارے

گئے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ حکمت ہے جس کی باریکیوں اور مضمرات کو اسکے سوا کوئی نہیں جان سکتا۔ بعض داعیانِ اسلام کا حال یہ ہے کہ آزمائش کے معمولی جھٹکے اور گرم ہوا کے پہلے جھونکے کے ساتھ ہی اپنے آپ کو شیطان کے لئے کھلونا بنا لیتے ہیں۔ شیطان ان کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے اور ان کے دل سے یہ آواز اٹھتی ہے کہ کیا ہمارا یہ دعویٰ نہیں کہ ہم حق پر ہیں؟ کیا ہم ایک عظیم مقصد کے لئے جدوجہد نہیں کر رہے؟ کیا ہم لوگوں کو بھلائی کے دعویدار نہیں؟ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ تیری جان کے درپے ہیں؟ کیا ان کے اور تیرے درمیان کوئی پرانی دشمنی ہے؟ کچھ لوگ تیرے خون کے پیاسے ہیں اور باقی تیرے وجود سے ہی بے خبر اور بے اعتنا۔ کچھ لوگ تیری باتوں سے اتفاق کرتے ہیں اور تیری دعوت کو اچھا سمجھتے ہیں مگر وہ تیرا ساتھ دینے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ وہ محض تیرے لئے زبانی ہمدردی کا اظہار اور سرہلانے ٬ ہاتھوں کو چومنے اور تیری مصیبت پر افسوس کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ اس سے زائد وہ کچھ نہیں کر سکتے۔ پھر کچھ لوگ وہ ہیں جو تیرے اوپر اعتراض کرتے ہیں کہ تو نے مصائب ومشکلات کو کیوں دعوت دی؟ اس پھڈے میں ٹانگ اڑانے کی کیا ضرورت تھی؟ جب کوئی بھی ساتھ دینے کے لئے تیار نہ ہو نہ ان قربانیوں پر داد و تحسین اور صلہ ملنے کی امید ہو تو پھر اس سارے عمل کا فائدہ کیا؟ شیطان یہ سارے وسوسے انسان کے دل میں ڈالتا ہے گویا کہ راہِ حق پر چلنے والے اللہ سے اجر کی بجائے انسانوں سے اجر کے طلب گار ہیں۔

شیطان اپنا کام کیئے چلا جاتا ہے اور نفسِ امارّہ اس کے سامنے ہتھیار ڈال دیتا ہے۔ پھر کمزور ہمت لوگ اللہ کی راہ میں جدوجہد کرنے سے ہاتھ کھینچ لیتے ہیں ٬ گوشۂ عافیت میں بیٹھ کر سوال اٹھاتے ہیں۔ ”یہ نظریہ کیسے کامیاب ہو سکتا ہے جبکہ دنیا میں حق کے باغی قوت و شوکت اور دولت و وسائل پر قابض ہیں؟“ یہ کوتاہ بین لوگ سمجھتے ہیں کہ دنیا کی فانی نعمتوں میں کھیلنے والے خوش قسمت ہیں۔

جب اللہ پر ایمان محکم ہو اور اس کی قدرت و حکمت کا یقین حاصل ہو تو انسان ایسے وسوسوں اور شیطانی حملوں سے محفوظ رہتا ہے۔ ان لوگوں کا حال

Marfat.com

قرآن مجید میں ہمارے سامنے یوں بیان کیا گیا ہے۔

"اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے انہیں مردہ نہ سمجھو۔ وہ تو حقیقت میں زندہ ہیں۔ اپنے ربّ کے پاس رزق پا رہے ہیں۔ جو کچھ اللہ نے اپنے فضل سے انہیں دیا ہے اس پر خوش و خرم ہیں اور مطمئن ہیں کہ جو اہل ایمان ان کے پیچھے دنیا میں رہ گئے ہیں اور ابھی وہاں نہیں پہنچے ہیں ان کے لئے بھی کسی خوف اور رنج کا موقع نہیں۔ وہ اللہ کے انعام اور اسکے فضل پر شاداں وفرحاں ہیں اور ان کو معلوم ہو چکا ہے کہ اللہ مومنوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔ جن لوگوں نے زخم کھانے کے بعد بھی اللہ اور رسولؐ کی پکار پر لبیک کہا ان میں جو اشخاص نیکو کار اور پرہیز گار ہیں ان کے لئے بڑا اجر ہے۔"
(آلِ عمران ۱۶۹ - ۱۷۲)

ایک دوسرے مقام پر دونوں قسم کے لوگوں کا ایک ساتھ تذکرہ کیا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

"اور لوگوں میں کوئی ایسا ہے جو کنارے پر رہ کر اللہ کی بندگی کرتا ہے۔ اگر فائدہ ہوا تو مطمئن ہو گیا اور کوئی مصیبت آ گئی تو الٹا پھر گیا۔ اس کی دنیا بھی گئی اور آخرت بھی۔ یہ صریح خسارہ! پھر وہ اللہ کو چھوڑ کر ان کو پکارتا ہے جو نہ اس کو نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ فائدہ۔ یہ ہے گمراہی کی انتہا۔ وہ ان کو پکارتا ہے جن کا نقصان ان کے نفع سے قریب تر ہے☆ بدترین ہے اس کا مولیٰ اور بدترین ہے اس کا رفیق (اسکے برعکس) اللہ ان لوگوں کو جو ایمان

لائے اور نیک عمل کیئے ایسی جنتوں میں داخل
کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔
اللہ کرتا ہے جو کچھ چاہتا ہے۔ جو شخص یہ گمان رکھتا
ہو کہ اللہ دنیا اور آخرت میں اسکی کوئی مدد نہ کرے
گا۔ اسے چاہئے کہ ایک رسی کے ذریعے آسمان
تک پہنچ کر شگاف لگائے۔ پھر دیکھ لے کہ آیا اس
کی تدبیر کسی ایسی چیز کو رد کر سکتی ہے جو اس کو ناگوار
ہے۔ ؟ (الحج آیت ۱۱۔ ۱۵)

متزلزل لوگوں کا مزید ذکر ان آیات میں ملتا ہے
"اور لوگوں میں سے کوئی ایسا ہے جو کہتا ہے کہ ہم
اللہ پر ایمان لائے مگر جب وہ اللہ کے معاملہ میں
ستایا گیا تو اس نے لوگوں کی ڈالی ہوئی آزمائش کو
اللہ کے عذاب کا مترادف جانا۔ اب اگر تیرے
ربّ کی طرف سے فتح و نصرت آگئی تو یہی شخص کہے
گا کہ ہم تو تمہارے ساتھ تھے۔ کیا دنیا والوں کے
دلوں کا حال اللہ کو بخوبی معلوم نہیں ہے؟ اور اللہ
کو تو ضرور یہ دیکھنا ہی ہے کہ ایمان لانے والے کون
ہیں اور منافق کون۔" (عنکبوت آیت ۔)

ہم اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہمارے ایمان کی گہرائی اور مضبوطی کو خوب جانتا ہے۔ آج ہمارا حال یہ ہے کہ اگر کوئی نقصان پہنچے یا خوف، بھوک اور ضیاعِ مال و احباب کی آزمائش سے دوچار ہو جائیں تو ہم بول اٹھتے ہیں "یہ مصیبتیں کہاں سے آگئی ہیں؟ ہمیں کیوں امتحان میں مبتلا کر دیا گیا ہے؟" جن لوگوں کا ایمان محکم تھا وہ ایسی آزمائشوں کو صبر و ثبات سے جھیلتے ہوئے۔ "انا للہ وانا الیہ راجعون" پڑھ کر اللہ کی رحمت اور اس کی ہدایت کے مستحق بن جاتے تھے۔

قضاوقدر۔ ہمارے پاس کوئی قوت و طاقت نہیں ہے کہ ہم قضاء کو روک سکیں۔ ہم چاہیں یا نہ چاہیں تقدیر اپنا کام کر کے رہتی ہے۔ مومن کا ایمان اسے نہیں روک سکتا' نہ کافر پر وہ اس کے کفر کی وجہ سے آتی ہے بلکہ جو اللہ کا جتنا محبوب ہو اس کا امتحان بھی اتنا سخت ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "سب سے زیادہ سخت آزمائش اللہ کے نبیوں پر آتی ہے پھر اس کے نیکو کار بندوں پر پھر درجہ بدرجہ ہر شخص اپنے ایمان کی قوت کے مطابق آزمایا جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے "کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک چار باتوں پر ایمان نہ لائے (۱) اللہ کی توحید اور میری رسالت (۲) موت پر ایمان لانا (۳) موت کے بعد کی زندگی کو ماننا (۴) خیر اور شر قدرت کی طرف سے ہے اس پر یقین رکھنا۔"

"ایمان" بالقدر خیرہ و شرہ" صرف زبان سے ادا کر دینے کا نام نہیں بلکہ اعضاء و جوارح کے عمل' زبان کی تصدیق اور دل کے یقین سے ہی ایمان حاصل ہوتا ہے۔ صدمے اور مصیبتیں آئیں تو انسان اللہ کی قضاوقدر پر راضی ہو جائے اور اس کی حمد اور تعریف بیان کرے۔ مصیبتیں اور صدمات زندگی میں وقتاً فوقتاً آتے رہتے ہیں۔ بندۂ مومن خوشیوں میں بھی اللہ کو یاد رکھتا ہے اور صدمات میں بھی اسے نہیں بھولتا۔ اس کے اعمال شکر کی علامت ہوتے ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "اعملوا آل داوود شکراً"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر بن عبداللہؓ سے فرمایا "اے بدر! ہر صبح یہ دعا مانگا کر "اللہ کے نام سے میرے جسم و جان پر جو چیز بھی آئے اور اللہ کے نام سے میرے مال و اہل پر جو کچھ بھی وارد ہو۔ اے اللہ میرے لئے تو نے فیصلہ کیا ہے مجھے اسی پر راضی کر دے' جو چیز تو نے میرے لئے باقی رکھی ہے اس میں مجھے عافیت عطا فرما۔ (مجھے ایسی طبیعت دے دے) کہ میں تیری مئوخر کی ہوئی باتوں میں عجلت نہ مانگوں اور تیری طرف سے جلد آنے والی باتوں کو مئوخر کرنے کی خواہش نہ کروں۔

ہر انسان خوشی اور غم دونوں حالتوں سے گزرتا ہے۔ مومن کے لئے

Marfat.com

ضروری ہے کہ وہ حزن و غم میں صبر کرے اور خوشی و مسرت میں شکر ادا کرے۔ افسوس سے نقصان کی تلافی نہیں ہو سکتی اور خوشیاں منانے سے فرصتِ دائمی نہیں رہ سکتی۔ مومن کے شایانِ شان نہیں کہ وہ اپنے نقصان پر مایوس ہو جائے نہ ہی اس کیلئے جائز ہے کہ وہ خوشی پر آپے سے باہر ہو جائے۔ ایمان کی حرارت کا پتہ تو تب چلتا ہے کہ انسان حبِ الٰہی اور اس کی رضا کے لئے اپنی جان قربان کر دے اور اللہ کے احکام کے مقابلے میں اپنی ہوائے نفس کی قربانی دے دے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیثِ قدسی میں فرمایا "اللہ ربّ العزت کو اپنے بندے کا کوئی عمل اتنا پسندیدہ نہیں جتنا اس کا اس نعمت کا ذکر کرنا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی ذات بابرکات، فرشتوں، کتابوں، رسولوں اور قضاو قدر پر ایمان لانے کی توفیق عطا فرمائی۔"

حسن بصریؒ کا قول ہے "تم اپنی محبوب چیزوں کے حصول میں اسی وقت کامیاب ہو سکتے ہو جب اپنی خواہشات کو قربان کر دو اور تمہاری آرزوئیں اسی صورت میں پوری ہو سکتی ہیں جب تم ناپسندیدہ باتوں کو صبر و ثبات سے برداشت کرنے کی ہمت بہم پہنچالو۔"

انبیاء کرامؑ اور آزمائشیں مومنین کی ہر آزمائش ان کے گناہوں کی سزا نہیں ہوتیں بلکہ ان کے درجات کی بلندی کا ذریعہ ہوتی ہیں۔ اس پر واضح دلیل اور برہانِ قاطع یہ امرِ واقعہ ہے کہ انبیاء کرام جو کبھی خواہشِ نفس کی غلامی یا گناہوں کا ارتکاب نہیں کرتے ان پر سخت ترین آزمائشیں ڈالی جاتی ہیں۔ انبیاء کی یہ آزمائش اہلِ ایمان کے لئے اسوۂ حسنہ ہیں۔ ان سے ہمت و حوصلہ بھی ملتا ہے اور اللہ کی حکمت کا پتہ بھی چلتا ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا معاملہ یہ تھا کہ آپ جنگوں میں زخمی ہوئے اور سخت ترین دکھ جھیلے۔ دندان مبارک شہید کرائے اور جسم لہولہان ہو گیا، خود پیشانی میں گھس گئی اور آپ ایک گڑھے میں گر پڑے۔ آپؐ پوری مخلوق میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب تھے۔ پھر بھی آپؐ پر سخت آزمائش کی گھڑیاں بار بار آئیں۔

جنگِ احد میں زخمی ہونے کے بعد جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا "جس قوم نے اپنے نبی کے ساتھ یہ سلوک کیا ہے وہ کیسے نجات پائے گی"، تو

Marfat.com

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں آیت نازل فرمائی۔

"(اے نبی) فیصلہ کے اختیارات میں تمہارا کوئی دخل نہیں۔ اللہ کو اختیار ہے' چاہے انہیں معاف کرے چاہے سزا دے کیونکہ وہ ظالم لوگ ہیں۔"
(آلِ عمران ۱۲۸)

ظالموں کی رسی دراز کیوں کی جاتی ہے۔ ظالموں اور باغیوں کو اس عارضی زندگی میں اکثر ڈھیل دیدی جاتی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ان کی پکڑ نہیں ہوگی مگر حقیقت میں یہ ان کے لئے سخت ترین سزا کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی رسی دراز کر دیتا ہے تاکہ وہ دل کے ارمان پورے کرلیں۔ پھر وہ رسی کھینچتا ہے تو یہ عبرت بن کے رہ جاتے ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے۔

"یہ ڈھیل جو ہم انہیں دیئے جاتے ہیں اس کو یہ کافر اپنے حق میں بہتری نہ سمجھیں' ہم تو انہیں اس لئے ڈھیل دے رہے ہیں کہ یہ خوب بارِ گناہ سمیٹ لیں۔ پھر ان کے لئے سخت ذلیل کرنے والی سزا ہے۔" (آلِ عمران ۱۷۸)

ایرانیوں کے مقابلے پر مسلمانوں نے کئی معرکے مارے۔ بالآخر ایرانی ہاتھیوں کی فوج لیکر مقابلے پر آئے۔ مسلمانوں کے اونٹ اور گھوڑے ہاتھیوں سے ڈر کر بھاگتے تھے۔ حضرت قعقاعؓ بن عمرو نے مٹی کا ایک ہاتھی بنایا اور اپنے گھوڑے کو اس سے مانوس کرلیا۔ جب میدان میں اترے تو ان کا گھوڑا ہاتھیوں سے مطلق نہ بدکا۔ انہوں نے آگے بڑھتے ہوئے ہاتھی پر حملہ کرنے کے لئے پیش قدمی کی تو مسلمانوں نے انہیں روکا اور کہا کہ "ہاتھی تمہیں مار ڈالے گا۔" انہوں نے جواب دیا "اس کی کوئی پروا نہیں۔ اگر میں مارا جاؤں، مگر اسلامی فوجیں فتح پالیں تو یہ گھاٹے کا سودا نہیں ہے۔" انہوں نے ہاتھی کو قتل کر دیا تھا۔

داعیانِ حق کی صفات۔ حضرت عمرؓ پر قاتلانہ حملہ اسی نوعیت کا ایک واقعہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کے بندوں پر آزمائش آتی ہے اور باغیوں کو کھیل کھیلنے کا موقع فراہم کیا جاتا ہے۔ داعیانِ حق کو آزمائش کے وقت صبر و ثبات کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی نظر اس اجر و ثواب پر مرتکز رکھنی چاہئے جو اللہ کے ہاں ان کے لئے مقرر ہے۔ داعی کی تو دعوت ہی یہ ہوتی ہے کہ اللہ کی رضا حاصل کرنے کی تگ و دو اور اس راستے کی مشکلات پر صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا جائے۔ اگر اس دعوت کے بعد وہ خود اس کی عملی تصویر پیش نہ کرے تو اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم یاد کر لینا چاہئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "جو شخص لوگوں کو کسی بات یا عمل کی دعوت دے مگر خود اس پر عمل نہ کرے تو اللہ اس سے ناراض رہتا ہے جب تک کہ وہ اپنی روش بدل کر خود بھی اس نیکی پر کاربند نہ ہو جائے۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ "اگر اللہ تعالیٰ کے ہاں بندۂ مومن کیلئے کسی بلند مقام و مرتبہ کا فیصلہ ہو جاتا ہے اور وہ مومن اپنے عام اعمال سے اس مرتبے کو نہیں پہنچ سکتا تو اللہ تعالیٰ اسے اس کے جسم، مال اور اہل و عیال کے معاملے میں آزمائش میں مبتلا کر دیتا ہے۔ پھر وہ بندہ صبر کی دولت سے اس اعلیٰ مقام کو پالیتا ہے جو اس کیلئے مقرر ہوتا ہے۔

میں یہ کتاب لکھ کر سیدنا عمرؓ کا تعارف نہیں کرانا چاہتا کیونکہ آپؓ کا تعارف پہلے ہی اتنا عام ہے کہ آپ میری اس حقیر کوشش سے بے نیاز ہیں۔ ان کا بلند مقام میرے لکھنے یا نہ لکھنے سے متاثر نہیں ہو سکتا۔ میرا مقصد اس خامہ فرسائی سے محض یہ ہے کہ ہم اپنی اس زریں تاریخ سے واقف ہو جائیں جو دنیا کی تاریخوں کے درمیان سب سے زیادہ سچی اور قابل اعتماد اور انسانیت کا اعلیٰ ترین اور تابناک ترین نمونہ ہے۔

اخلاق و کردار علاماتِ ایمان ہیں ایمان سب سے بڑی دولت ہے۔ ایمان محض معاشرے کی روایات کی تقلید یا روایتی اقرار و اعلان کا نام نہیں بلکہ ایمان اس قلبی یقین کا نام ہے جس کے ساتھ عمل و کردار کا سچا مظاہرہ موجود ہو۔ اس ایمان کی کوئی قدر و قیمت نہیں جو محض گفتار و تقریر ہو۔ ایمان وہی معتبر ہے جس

Marfat.com

کے ساتھ عمل اور کردار کی دلیل پیش کی جائے سورہ صف میں ارشاد ہے "اے ایمان والو تم وہ بات کیوں کہتے ہو جس پر عمل نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات سخت ناپسند ہے کہ تمہارے قول و فعل میں تضاد ہو۔"

صحابۂ کرامؓ کا ایمان ہر خامی سے پاک اور ان کا عمل ہر خوبی سے مزین ہوتا تھا۔ وہ صدقِ یقین اور خلوصِ عمل کا زندہ اور چلتا پھرتا نمونہ تھے۔ ان سے غلطی ہو جاتی تھی تو ان کا نورِ ایمانی اور قلبِ مصفیٰ فوراً متنبہ کر دیتا تھا۔ وہ آخرت کی جوابدہی اور بازپرس کے خوف سے کانپ اٹھتے تھے۔ دنیا ہی میں اپنے گناہ کا کفارہ اور عقوبت برداشت کر کے پاک صاف ہو جاتے تھے۔ ایسی بے شمار مثالیں سیرتِ صحابۂ کرامؓ میں ملتی ہیں۔

عمرو بن سمرہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیان کیا "یارسول اللہ مجھ سے چوری کا جرم سرزد ہو گیا ہے۔ میں نے بنو مازن کا اونٹ چرا لیا ہے۔ مجھ پر حد جاری کر دیں۔" حضور پاکؐ نے بنی مازن کے لوگوں کو بلا بھیجا اور تحقیق سے پتہ چلا کہ واقعی ان کا اونٹ چوری ہو گیا تھا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ عمرو بن سمرہؓ کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ چنانچہ ان کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ ثعلبہؓ بیان کیا کرتے تھے "مجھے آج بھی وہ منظر یاد ہے جب ابنِ سمرہ کا ہاتھ کٹ کر نیچے گرا تو انہوں نے اپنے کٹے ہوئے ہاتھ کو دیکھ کر کہا" اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے پاک کر دیا۔ اے ہاتھ تو تو مجھے دوزخ میں لے ہی چلا تھا۔ !!۔ اس احساس اور قلبِ مصفیٰ نے حضرت عمرو بن سمرہ کو قیامت کی رسوائی سے بچا لیا۔ یہاں بڑے سے بڑا نقصان برداشت کر لینا بھی گھاٹے کا سودا نہیں بشرطیکہ آخرت کے نقصان سے بچ جانیکی راہ نکل آئے۔

آج ہم مسلمان نام کے مسلمان ہیں۔ مردم شماری میں ہمارا نام مسلمانوں کے خانے میں درج ہوتا ہے مگر عمل و کردار کے لحاظ سے ہم اسلام سے دور جا چکے ہیں۔ اللہ سے ہمارا تعلق کمزور اور دین سے ہمارا رشتہ منقطع ہو گیا ہے۔ عقیدے کی کمزوری اور عملِ صالح سے فرار ہماری جملہ امراض کا بنیادی سبب ہے۔

Marfat.com

صحابۂ کرامؓ کی بے مثال قربانیاں ۔ مجھے یہ واقعات کبھی نہیں بھولتے کہ صحابۂ کرامؓ نے قربانیوں کے ذریعے روشنی کے مینار تعمیر کر دیئے تھے۔ جعفرؓ بن ابو طالب کا موتہ کے میدان میں دونوں ہاتھ کٹ جانے کے باوجود پرچم سرنگوں نہ ہونے دینا، عمار بن یاسرؓ کا جنگ یمامہ میں دونوں کان کٹ جانے کے باوجود آگے ہی آگے بڑھتے چلے جانا اور مسلمانوں کو جذبہ شہادت سے سرشار کرنے کے لئے مسلسل ترغیب دلانا حضرت سعدؓ بن خیثمہؓ کا جنگ بدر کے لئے نکلنا! جنگِ بدر سے پہلے حضرت خیثمہؓ نے اپنے بیٹے سعدؓ سے کہا "ہم دونوں میں سے کسی ایک کو اہل و عیال اور خواتین خانہ کے پاس رہنا ہو گا۔ تم گھر پر رہو اور میں میدانِ جنگ میں جاتا ہوں۔" سعدؓ نے کہا "ابا جان کوئی اور معاملہ ہوتا تو میں ضرور اپنے آپ پر آپ کو ترجیح دیتا مگر شہادت کے معاملے میں ایسا نہیں ہو سکتا۔" چنانچہ انہوں نے قرعہ نکالا جو سعدؓ کے نام نکلا اور وہ بدر میں شامل ہوئے اور دادِ شجاعت دی۔

جنگِ یمامہ میں جب بنو حنیفہ نے باغ میں قلعہ بند ہو کر مسلمانوں پر تیر اندازی شروع کی تو مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے۔ براءؓ بن مالک نے کہا "مجھے اٹھا کر دیوار پر چڑھا دو میں ان سے لڑتا بھڑتا دروازے تک پہنچ جاؤں گا اور دروازہ کھول دوں گا۔" چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور براءؓ بن مالک نے اپنی جان خطرے میں ڈال کر دروازہ کھول دیا اور مسلمانوں کی فتح کا راستہ ہموار ہو گیا۔

Marfat.com

نوجوان معاذؓ کے ہاتھوں ابو جہل کا قتل۔ جنگِ بدر میں نوجوان صحابی معاذ بن عفراء نے پوچھا "ابو جہل کون سا ہے؟" جب انہیں بتایا گیا تو وہ اس کی طرف لپکے وہ کہتے ہیں "میں نے ابو جہل پر حملہ کر کے ایسی کاری ضرب لگائی کہ اس کی پنڈلی کاٹ کر الگ کر دی۔ عین اسی لمحے عکرمہ بن ابو جہل مجھ پر جھپٹا اور میرے بازو کو تلوار کے وار سے کندھے کے قریب سے کاٹ دیا۔ صرف چمڑا باقی رہ گیا اور کٹا ہوا بازو لٹکنے لگا۔ جنگ جاری تھی لہٰذا میں مصروفِ پیکار رہا مگر میرا کٹا ہوا بازو رکاوٹ ڈال رہا تھا۔ چنانچہ میں نے اپنے ہاتھ پر اپنا پاؤں رکھا اور جلد کو جسم سے الگ کر کے اپنا بازو پھینک دیا۔" بعد میں حضرت معاذؓ کا زخم ٹھیک ہو گیا تھا۔ وہ حضرت عثمانؓ کے زمانۂ خلافت تک زندہ رہے۔

یہ مسلمان تھے جو اپنا سب کچھ اللہ کی راہ میں قربان کر دیا کرتے تھے ان کا سینہ نورِ ایمانی سے جگمگا رہا تھا۔ اور انہیں اللہ کی ذات پر پورا بھروسہ تھا۔ اس ایمان کے ثمرات اعمال کی صورت میں لوگوں کی آنکھوں کے سامنے ظاہر ہوتے رہتے تھے۔ آج ہم ان ثمرات کو تاریخ کے صفحات میں دیکھ سکتے ہیں میں ان واقعات کو اس لئے بیان کرتا ہوں تاکہ ایمان کا دعویٰ کرنے والے اپنا جائزہ لے سکیں اور جان لیں کہ ایمان کی قوت کتنی مضبوط ہوتی ہے۔ اور اس سے کیسے کیسے عظیم کارنامے رونما ہو سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے فیصلے حکمت پر مبنی ہوتے ہیں۔ ہمارا کام یہ نہیں کے ان فیصلوں پر حیل و حجت کریں بلکہ ہمیں بلا چون و چراں ان کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دینا چاہیئے۔ انسان محسوسات و مشہودات کے حوالے سے بات سمجھتا ہے۔ اس لئے میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جب کوئی موجد کوئی ایجاد پیش کرتا ہے تو اس کی مہارت اور تحقیق پر اعتماد کر لیا جاتا ہے۔ وہ اپنے شب و روز کی

Marfat.com

محنت و مشقت کے بعد کوئی مشین بناتا ہے۔ اب اگر کوئی شخص جسے اس ایجاد اور اس کے طریقۂ کار سے کوئی واقفیت نہ ہو کھڑا ہو کر اعتراضات شروع کر دے تو لوگ اسے پاگل سمجھیں گے۔ اسے کوئی بھی یہ حق دینے کے لئے تیار نہیں ہے کہ وہ مشین کے پرزوں کے بارے میں اپنا فلسفہ بگھارنے لگے۔ مشین کی تشکیل کے بارے میں اس کی تجاویز یا اعتراضات کو اہلِ نظر کی رائے میں کوئی وزن حاصل نہ ہو گا۔ اس کی باتوں کو ہرزہ سرائی سمجھ کر رد کر دیا جائے گا۔

اسی طرح ایک معمار کسی عمارت مثلاً مسجد کی تعمیر کا کام شروع کرتا ہے۔ اس کے پاس اینٹ پتھر کا ایک ڈھیر لگا ہے۔ وہ جس پتھر کو چاہے بنیاد میں کھپا دے اور جسے چاہے اسے مینار میں استعمال کر لے۔ جو اینٹ وہ محراب میں لگانا چاہے کسی کو حق حاصل نہیں کہ وہ مشورہ دے کہ اس اینٹ کو بیت الخلاء میں استعمال کیا جائے۔ آخر اینٹوں کے اس ڈھیر میں سے ہر جگہ اور مقام پر اینٹیں استعمال ہوں گی۔ ان کے استعمال پر اعتراضات بڑی حماقت کے سوا کیا کہلا سکتا ہے؟

قضاوقدر کا معاملہ خالق حقیقی کے اسرار میں سے ایک رازِ سربستہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر ایمان لانے کا حکم دیا ہے مگر اس کا پردہ کسی کے سامنے چاک نہیں کیا۔ نہ کوئی نبی و رسول دعویٰ کر سکتا ہے کہ قضاوقدر کا اسے مکمل علم ہے اور نہ مقرب فرشتے اس میدان میں کوئی دخل دے سکتے ہیں' قضاوقدر کا معنی یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو مجبور کر دیا ہے کہ وہ نیکی نہ کر سکیں یا برائی کا ارتکاب ان سے نہ ہو سکے۔ انسانوں کو آزادئ اختیار اور حریتِ عمل دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علمِ مطلق میں ہر چیز کے بارے میں غیر مبہم طور پر وضاحت موجود ہے۔ وہ اپنے علم کی بنیاد پر یہ جانتا ہے کہ کونسا انسان اپنی آزادی کو استعمال کرتے ہوئے راہِ ہدایت پائے گا اور کونسا انسان اس میں ٹھوکر کھائے گا اور گمراہی کی وادیوں میں مارا مارا پھرے گا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے۔ اسی لئے قرآن و سنت میں خیر و شر کی تخلیق بھی اس کی طرف منسوب کی گئی ہے۔ البتہ یہ بات ہر شخص کے سامنے عیاں رہنی چاہیئے کہ خیر اور شریعنی نیکی اور بدی کے کام کرنے کے لئے توفیق اللہ کی طرف سے ملتی ہے اور وہ انسان کی

Marfat.com

اپنی طلب کے مطابق ہوتی ہے۔

بندہ و خالق کا تعلق۔ انسان کمزور اور عاجز ہے اس کی قوت محدود اور اس کا علم ناقص ہے۔ اسے کیا حق حاصل ہے کہ وہ رب العالمین کے تصرفات پر اعتراض کرے اللہ قدیر، قوی اور خبیر ہے۔ کائنات میں وہ جیسے چاہتا ہے تصرف کرتا ہے۔ اس کے ہر کام میں حکمت ہوتی ہے یہ الگ بات ہے کہ ہم اس حکمت کی ماہیت کو نہ سمجھ سکیں۔

جو دلِ بیدار ہو وہ دماغ کو ایسے اعتراضات سے پاک صاف رکھتا ہے۔ جس دل میں اللہ کو پالینے کی صلاحیت ہو وہ شکوک و شبہات کا پردہ چاک کر دیتا ہے۔ جس دل میں نورِ ایمانی ہو اس میں مایوسی اور جھنجلاہٹ کی تاریکی پیدا نہیں ہو سکتی۔

انسان منطقی مخلوق واقع ہوا ہے۔ وہ اکثر باتوں کو مخصوص پیمانوں اور معیارات سے پرکھتا ہے۔ مثلاً آپ کسی سے حسنِ سلوک کریں اور جواب میں وہ آپ سے بدتمیزی کرے تو یہ بات آپ کو اچھی نہیں لگے گی۔ کسی سے آپ انصاف کریں اور وہ آپ پر ظلم ڈھائے، کسی کا آپ احترام کریں اور وہ آپ کی توہین کرے۔ آپ محنت کریں اور اس کے اجر سے آپ کو محروم کر دیا جائے تو آپ اسے قبول نہیں کریں گے۔ یہ سب چیزیں ان انسانوں کے درمیان ہوتی ہیں جو موت و زندگی حشر و نشر پر کوئی قدرت نہیں رکھتے۔ جہاں تک اللہ رب العزت کا معاملہ ہے وہ مالکِ حقیقی ہے۔ شہنشاہِ کائنات ہے حیّ و قیوم ہے جبروتی و ملکوتی صفات کا مالک ہے۔ وہ حکم صادر کرے تو پوری کائنات اس کی اطاعت کرتی ہے۔ اس نے قضا و قدر کا قانون بنایا اور وہ جاری ہے۔ وہ لوگوں کا رزق مقرر کر دیتا ہے اور کوئی اس پر اعتراض نہیں کر سکتا وہ موت کا فیصلہ صادر کر دیتا اور کوئی اسے ٹال نہیں سکتا۔ وہ کسی چیز کو وجود میں لانا چاہے تو صرف ''کُن'' کا حکم دیتا ہے اور چیز وجود پذیر ہو جاتی ہے۔

بندۂ مومن کو اللہ کے حکم پر راضی رہنا چاہئے۔ کتاب اللہ اور حدیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بتایا گیا ہے کہ جنت کا راستہ پُر خطر، مشکل اور کٹھن ہے۔ اس راستے میں کوئی پھولوں کی سیج نہیں نہ داد و تحسین کے استقبالی

Marfat.com

نعرے ہیں۔ یہاں سر ہتھیلی پر رکھ کے چلنا پڑتا ہے۔ دار و رسن اور طوق و سلاسل منتظر ہوتے ہیں۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "جنت غیر پسندیدہ چیزوں سے ڈھانپی گئی ہے اور دوزخ خواہشات میں گھری ہوئی ہے۔"

اب ہمارے لئے دو ہی راستے ہیں یا تو ایمان اور عملِ صالح کا راستہ اختیار کرلیں یا بغاوت و سرکشی کی روش کوئی تیسرا راستہ ممکن ہی نہیں۔ اس سے پہلے جنگِ احد کے واقعات میں گزر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ترین پیغمبرؐ سے فرمایا تھا کہ فیصلہ کرنے میں ان کو بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک نہیں مانا جا سکتا۔ جس کو اللہ تعالیٰ کی ذات پر یقینِ کامل حاصل ہو جائے وہ ساری مخلوق سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ وہ نہ کسی سے امید رکھتا ہے نہ نفع و نقصان کا کسی کو مختار مانتا ہے۔ ہمیں چاہئے کہ ہم اللہ کے در پر جھک جائیں اور اسی کو نفع و نقصان کا مالک سمجھیں زندگی میں جو واقعہ بھی رونما ہو جائے یا مصیبت آن پڑے ہمارا شعار یہ ہونا چاہئے کہ ہم قرآن کے الفاظ میں یہ اعلان کردیں:

> "اے محمدؐ! ان سے پوچھو کیا ہم اللہ کو چھوڑ کر ان کو پکاریں جو نہ ہمیں نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان؟ اور جبکہ اللہ ہمیں سیدھا راستہ دکھا چکا ہے تو کیا اب ہم الٹے پاؤں پھر جائیں؟ کیا ہم اپنا حال اس شخص کا سا کرلیں جسے شیطانوں نے صحرا میں بھٹکا دیا اور وہ حیران و سرگرداں پھر رہا ہو۔ درآنحالیکہ اس کے ساتھی اسے پکار رہے ہوں کہ ادھر آ یہ سیدھی راہ موجود ہے؟ کہو حقیقت میں صحیح راہنمائی تو صرف اللہ ہی کی راہنمائی ہے اور اس کی طرف سے ہمیں یہ حکم ملا ہے کہ مالکِ کائنات کے آگے سرِ اطاعت خم کردو۔" (انعام: ۷۱)

ایمان بالغیب

صرف یہی ایک راستہ ہے جس سے ہم کامیابی حاصل کرسکتے ہیں اور فخر سے اپنا سر اوپر اٹھا سکتے ہیں

Marfat.com

جو لوگ غیب پر ایمان نہیں رکھتے ان کے دلوں پر مہر لگ گئی ہے۔ کیا یہ لوگ مستقبل پر ایمان نہیں رکھتے؟۔ یقیناً رکھتے ہیں۔ یہ مستقبل کیا ہے؟ کیا اسے کسی نے دیکھا ہے؟۔ یقیناً نہیں۔ یہ اس کے لئے فکرمند بھی رہتے ہیں اور تیاری بھی کرتے ہیں۔ گویا یہ بھی غیب کو مانتے ہیں مگر بغیر سوچے سمجھے۔ جب ان سے یہ کہا جائے کہ اللہ کی کتاب پر ایمان لاؤ اور غیب پر ایمان لاؤ تو وہ آنکھیں کھولنے کی بجائے ہمارا مذاق اڑاتے ہیں۔ اور ہماری عقل کو ناقص گردانتے ہیں۔

ہم ان سے کہتے ہیں کہ قضاوقدر پر ایمان لے آؤ تو یہ استھزاء کے انداز میں جواب دیتے ہیں ہم اس چیز پر کیسے ایمان لے آئیں جو نہ محسوس ہوتی ہے' نہ نظر آتی ہے نہ اس کا کوئی وجود ہے؟ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت دے۔ ان لوگوں کی کم فہمی کا اندازہ لگایئے یہ قوتِ محرکہ "انرجی" کو تسلیم کرتے ہیں کیا انرجی انہوں نے دیکھی ہے یا اسے سونگھا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ مگر یہ اسے مانتے ہیں محض اس وجہ سے کہ اس کے نتائج بحروبر اور زمین و فضا میں دیکھتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ہم اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ سکتے ہیں نہ کانوں سے سن سکتے ہیں نہ ہاتھوں سے چھو سکتے ہیں' نہ حواسِ خمسہ اس کی ذات کا ادراک حاصل کر سکتے ہیں مگر کائنات میں اس کی قدرتوں سے اسے پہچان سکتے ہیں۔ سمندر کی موجوں کی آواز ہواؤں کی سرسراہٹ' بجلی کے کڑکے' پھولوں کی خوشبو' بارش کے قطروں' ریت کے ذروں غرض مظاہرِ کائنات میں جگہ جگہ اللہ کے وجود کے دلائل اور آثار ملتے ہیں۔ یہ حقیقتیں ہیں جو دل کی آنکھوں سے دیکھی جا سکتی ہیں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

"حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں مگر
وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔
(الحج آیت ۴۷)

ہمیں واضح طور پر یہ بات جان لینی چاہئے کہ مادّہ بذاتِ خود کوئی قوت نہیں رکھتا نہ نتائج پیدا کر سکتا ہے۔ مادّہ اور اس کی خصوصیات اللہ تعالیٰ قادر و حکیم کی قدرت اور حکمت کے مطابق مسخر ہیں اور مکان و زمان اس کی حدود کے

Marfat.com

پابند ہیں۔ اس کا ارشاد ہے۔

"ہم نے ہر چیز ایک تقدیر کے ساتھ پیدا کی ہے اور
ہمارا حکم بس ایک حکم ہوتا ہے اور پلک جھپکاتے وہ
عمل میں آجاتا ہے۔" (القمر آیات ۴۹ - ۵۰)

شہادت کے لمحہ بہ لمحہ واقعات

حضرت عمرؓ کی شہادت کا واقعہ بیان کرتے ہوئے میں نے مندرجہ بالا حقائق کا تذکرہ اس لئے ضروری سمجھا کہ ہمارے ذہنوں میں یہ بات تازہ ہو جائے کہ قضاؤقدر اللہ کے حکم کے مطابق اپنا کام کرتی ہے۔ اس سے کوئی مفر ممکن نہیں ہوتا نہ کافر کے لئے نہ مومن کے لئے۔ کافر اسے مجبوراً تسلیم کرتا ہے اور مومن بہ رضا و رغبت۔ اب پھر آیئے اس عظیم واقعہ کی طرف جس کے نتیجہ میں امت ایک عظیم راہنما اور بے مثال سپوت سے محروم ہو گئی۔ ایک ایک لمحہ عبرت و موعظت کا مرقع ہے۔

حضرت عمرؓ کی شہادت کی خبر صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے بھی دی تھی۔ انسؓ بن مالک راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احد پہاڑ پر تشریف لے گئے اور اس کی چوٹی پر بیٹھ گئے۔ آپ کے ساتھ ابو بکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ بھی تھے۔ احد پہاڑ کانپنے لگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا پاؤں زور سے مارا اور فرمایا۔ "اے احد! پُرسکون ہو جا تیرے اوپر ایک نبی صلی اللہ علیہ وسلم، ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔"

حضرت عمرؓ کا آخری حج

سعیدؒ ابن المسیّبؒ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ نے اپنی زندگی کا آخری حج کیا اور حج کے بعد مکہ سے مدینہ روانہ ہوئے تو راستے میں ایک جگہ اپنے اونٹ کو بٹھایا اور وہاں قیام پذیر ہوئے۔ کنکریوں کا ایک ڈھیر جمع کیا اس پر اپنی چادر ڈالی اور اس پہ سر رکھ کے چت لیٹ گئے۔ پھر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے اور دعا مانگی "اے اللہ! میں اب بوڑھا ہو گیا ہوں، میری قوت جواب دے گئی ہے، ذمہ داریاں بڑھ گئی ہیں، رعیت دور دور تک پھیل گئی ہے۔

قبل اس کے کہ مجھ سے کوئی کوتاہی ہو مجھے اپنے پاس بلا لیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کی دعا قبول کر لی۔ ذوالحجہ کا مہینہ ابھی ختم نہیں ہوا تھا کہ آپ پر قاتلانہ حملہ ہوا اور آپ شہید ہو گئے۔

حضرت جبیرؓ بن مطعم کا بیان ہے "میں حضرت عمرؓ کے آخری حج میں آپ کا ہم رکاب تھا۔ جبلِ عرفہ پر ہم کھڑے تھے کہ بنوازو کے خاندان لہب کے ایک آدمی نے پکار کر کہا "خدا کی قسم اس سال کے بعد عمر کبھی اس پہاڑ پر کھڑا نہیں ہو گا۔" میں نے یہ سنا تو دوڑ کر اس لہبی کے پاس گیا اور اسے سخت سست کہا۔ دوسرا دن ہوا تو رمی جمرہ (شیطان کو کنکریاں مارنے) کے وقت وہی شخص پھر بول اٹھا "رب کعبہ کی قسم عمر اس مقام پر اس سال کے بعد پھر کبھی نہیں کھڑا ہو گا۔" میں نے دیکھا کہ یہ وہی یوم عرفہ والا آدمی تھا۔"

حضرت عمرؓ کا ایک خواب

سعید بن ابی طلحہ یعمری بیان کرتے ہیں "حضرت عمرؓ نے لوگوں سے خطاب فرمایا اور اس کے درمیان انہوں نے اپنے ایک خواب کا ذکر کیا کہ ایک مرغ نے ان کو اپنی چونچ سے ایک یا دو مرتبہ ٹھونگا مارا۔ اس کی تعبیر آپ نے خود ہی بیان فرمائی کہ آپ کے کوچ کا وقت قریب آگیا ہے۔"

عمر بن میمون کا بیان ہے "میں نے حضرت عمرؓ کو قاتلانہ حملہ سے قبل صفوں کے درمیان دیکھا۔ میرے اور آپ کے درمیان حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ تھے۔ آپ لوگوں کو صفیں سیدھی کرنے کی تلقین فرما رہے تھے۔"

ابو نقرہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ صفوں کے درمیان سے گزر کر بھی صفیں درست کرتے تھے اور اقامت کہی جانے کے بعد نمازیوں کی جانب منہ کر کے فرمایا کرتے "صفیں سیدھی کر لو۔ اللہ تعالیٰ تمہاری صفوں کو فرشتوں کی سیدھی صفوں کی طرح دیکھنا چاہتا ہے۔ پھر قرآن مجید میں فرشتوں کے قول «وانا لنحن الصافون» کو پڑھ کر تکبیرِ تحریمہ کہتے اور نماز شروع کر دیتے۔

عمر بن میمونؒ مزید کہتے ہیں "جب صفیں بالکل سیدھی ہو جاتیں اور

Marfat.com

حضرت عمرؓ مطمئن ہو جاتے کہ کسی صف میں کوئی ٹیڑھ نہیں ہے تو آپؓ نماز کی نیت باندھ کر تکبیر کہتے۔ آپؓ نماز فجر میں عموماً پہلی رکعت میں سورہ یوسف یا سوہ نحل یا اسی مقدار کی کوئی اور سورہ پڑھتے تھے۔ پہلی رکعت ہی کے دوران سب نمازی نماز میں شامل ہو جاتے تھے۔ اس روز جونہی آپ نے تکبیرِ تحریمہ کہی اور لوگوں نے آپ کی اقتدا میں نماز شروع کی تو میں نے آپ کے الفاظ سنے۔ آپ نے کہا "کتے نے مجھے مار ڈالا ہے۔ یا کتے نے مجھے کاٹ کھایا ہے" مجوسی نے آپؓ پر کئی وار کئے تھے۔ اس کے پاس دو دھاری خنجر تھا۔ آپ کو زخمی کرنے کے بعد وہ صفوں میں سے دوڑا اور دائیں بائیں ہر نمازی پر حملہ کرتا چلا گیا۔ امیر المومنین کے علاوہ تیرہ دیگر نمازی زخمی ہوئے جن میں سے سات جانبر نہ ہو سکے۔ ایک نمازی نے جب یہ صورتحال دیکھی تو مجوسی پر اپنا کمبل پھینکا اور اسے دبوچ لیا۔ جب مجوسی نے یہ محسوس کیا کہ وہ پکڑا گیا ہے تو اس نے اپنے ہی خنجر سے خودکشی کر لی۔

عبدالرحمانؓ بن عوف کی امامت

شدید زخمی ہونے کے باوجود حضرت عمرؓ نے حضرت عبدالرحمانؓ بن عوفؓ کا ہاتھ پکڑا اور انہیں امامت کے لئے آگے بڑھا دیا۔ محراب کے قریب کھڑے ہوئے نمازیوں نے تو صورتِ حال دیکھی مگر اطراف میں کھڑے ہوئے نمازی کچھ نہ سمجھ سکے۔ جب انہوں نے یہ محسوس کیا کہ امام کی آواز نہیں آ رہی تو انہوں نے سبحان اللہ پڑھا۔ عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے دو چھوٹی سورتیں سورہ کوثر اور سورہ نصر پڑھ کر نماز مکمل کی۔ جب سلام پھیرا جا چکا تو حضرت عمرؓ نے کہا "اے ابن عباسؓ ذرا دیکھو مجھ پر کس نے حملہ کیا ہے؟" وہ فوراً اٹھ کر گئے اور واپس آکر بتایا "مغیرہ بن شعبہ کے غلام نے حملہ کیا ہے۔" حضرت عمرؓ نے فرمایا "اچھا! وہ اپنا کام کر گیا ہے۔ اللہ اسے ہلاک کر دے۔ میں نے اس کے بارے میں نیکی کا حکم دیا تھا اور اس نے مجھے یہ صلہ دیا ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ میرا قاتل کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو اسلام کا مدعی ہو ....اے ابن عباس تم اور تمہارے والد ہی ان کافر (غلاموں) کے حق

Marfat.com

میں دلائل دیا کرتے تھے اور تمہارے دلائل ہی کی وجہ سے مدینہ منورہ میں ان کی کثرت ہوگئی ہے۔" (مدینہ میں حضرت عباسؓ کے پاس سب سے زیادہ غلام تھے)۔

حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ نے کہا "امیر المومنین اگر آپ چاہیں تو ہم سے بدلہ لے لیں۔ یا کافر غلاموں کو گرفتار کرا دیں" آپ نے فرمایا "نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔"

مسجد سے گھر

عمر بن میمون مزید بیان کرتے ہیں "حضرت عمرؓ کو اٹھا کر ان کے گھر لے جایا گیا۔ ہم بھی ساتھ تھے۔ لوگوں کی حالت دیدنی تھی۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ لوگوں پر اس روز جو مصیبت آپڑی تھی ویسی مصیبت سے کبھی ان کا اس سے پہلے سامنا نہ ہوا تھا۔ لوگ پریشان اور پراگندہ حال تھے۔ بعض لوگوں نے تسلی دینے کے لئے کہا "خیر ہے۔ امیر المومنین کی جان بچ گئی ہے۔" دوسروں نے کہا "نہیں ان کے بچنے کی کوئی امید نہیں۔ زخم کاری ہیں" نبیذ لائی گئی۔ آپ نے دوا پی مگر زخموں کے راستے باہر نکل گئی۔ پھر دودھ پیش کیا گیا۔ آپ نے دودھ نوش فرمایا مگر وہ بھی زخموں کے راستے باہر بہہ نکلا یہ صورت حال دیکھ کر سب لوگوں کو یقین ہو گیا کہ آپؓ بچ نہیں سکیں گے۔

ہم حضرت عمرؓ کے گھر میں داخل ہوئے۔ وہاں لوگوں کی بھیڑ تھی۔ لوگ آپؓ کی تعریفیں کر رہے تھے۔ ایک نوجوان آیا اور اس نے کہا "امیر المومنین آپؓ خوش قسمت ہیں آپؓ کو جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ آپؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے فیض یاب ہوئے اور اسلام کی ایسی خدمات سر انجام دیں جو معروف ہیں۔ پھر آپؓ کے کندھوں پر بارِ خلافت ڈالا گیا اور آپؓ نے اس کا بھی حق ادا کیا۔ عدل و انصاف آپؓ کی امتیازی خصوصیت ہے۔ اور اب شہادت آپ کے لئے مقدر ہو گئی ہے۔ آپؓ کو یہ شہادت مبارک ہو اور جنت کی بشارت ہو۔" حضرت عمرؓ نے فرمایا "مجھے تو کوئی زعم نہیں ہے۔ میں اگر برابر برابر بھی چھوٹ گیا نہ ثواب کا مستحق ٹھہرا نہ عذاب کا سزاوار تو اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھوں گا" وہ نوجوان واپس جانے

Marfat.com

لگا تو آپؓ نے دیکھا کہ اس کا تہہ بند زمین پر گھسٹ رہا ہے۔ آپؓ نے فرمایا "اس نوجوان کو میرے پاس واپس بلاؤ" جب وہ آپؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؓ نے فرمایا "اے میرے بھتیجے اپنا تہہ بند اونچا کر لو۔ اس سے تمہارا کپڑا صاف ستھرا رہے گا اور تمہارا دین محفوظ رہے گا"

قرض

پھر حضرت عمرؓ نے اپنے بیٹے عبداللہ کو بلایا اور فرمایا "اے عبداللہ دیکھو میرے ذمے کوئی قرض تو نہیں" انہوں نے حساب کیا تو معلوم ہوا کہ تقریباً ۸۶۰۰۰ درہم قرض تھا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا "اگر آلِ عمر کے پاس مال ہو تو اس سے یہ قرض ادا کر دیا جائے اگر پھر بھی کچھ قرض رہ جائے تو بنو عدی سے مال لیکر ادائیگی کر دی جائے اگر پھر بھی باقی رہ جائے تو پھر قریش سے مال مانگا جائے۔ قریش کے علاوہ کسی اور سے مت مانگنا۔ قرض کی ادائیگی حضرت عمرؓ کے گھر ہی سے کر دی گئی تھی۔

قبر کی اجازت

پھر حضرت عمرؓ نے اپنے بیٹے سے کہا "اے عبداللہ ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کے پاس جاؤ اور ان سے کہو عمرؓ آپ کو سلام کہتا ہے۔ میرے نام کے ساتھ امیر المومنین نہ لگانا کیونکہ آج سے میں امارت کی ذمہ داریاں ادا نہیں کر سکتا اس لئے امیر المومنین نہیں ہوں۔ سلام کہنے کے بعد عرض کرنا کہ عمر بن خطاب آپ سے اجازت مانگتا ہے کہ اپنے دونوں دوستوں کے پاس قبر کی جگہ مل جائے۔" جب حضرت عبداللہ بن عمرؓ ام المومنین عائشہؓ کے پاس پہنچے تو انہوں دیکھا کہ وہ بیٹھی ہوئی زار وقطار رو رہی ہیں۔ انہوں نے حضرت عمرؓ کا سلام پہنچایا۔ اور ان کی خواہش خدمتِ اقدس میں پیش کی۔ ام المومنین نے فرمایا "میں نے وہ جگہ اپنی قبر کے لئے رکھی ہوئی تھی مگر آج میں عمرؓ کو اپنے آپ پر ترجیح دیتی ہوں کہ انہیں اس جگہ دفن کیا جائے۔" جب حضرت عبداللہ واپس پہنچے تو لوگوں نے بتایا کہ عبداللہ بن عمر آ گئے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا "مجھے بٹھا دو۔" آپؓ کو بٹھا دیا گیا اس وقت آپ نے ایک شخص کے سینے سے ٹیک لگا رکھی تھی۔ آپؓ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے پوچھا "کہو کیا جواب

Marfat.com

لے کر آئے ہو؟" انہوں نے کہا "آپؓ کی خواہش کے مطابق جواب ملا ہے" یہ سن کر کہا "الحمدللہ مجھے اس سے زیادہ کسی اور بات کی خواہش نہ تھی۔ اللہ کا شکر ہے کہ میری خواہش پوری ہو گئی ہے۔ جب میری روح میرے جسم سے پرواز کر جائے تو ایک بار پھر سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے اجازت مانگنا۔ اگر وہ بطیّب خاطر اجازت دے دیں تو مجھے حجرۂ اقدس میں دفن کر دینا اور اگر وہ اجازت نہ دیں تو مجھے مسلمانوں کے عام قبرستان میں لے جا کر دفنا دینا۔"

اُمّ المومنین حضرت حفصہؓ بہت سی عورتوں کے ساتھ تشریف لائیں۔ جب ہم نے آپؓ کو دیکھا تو ہم اٹھ کر کھڑے ہوئے سارے مرد ایک طرف ہو گئے تو حضرت حفصہؓ اپنے باپ کے پاس آئیں اور رونے لگیں۔ ایک گھڑی وہ روتی رہیں۔ پھر زنان خانے میں چلی گئیں کیونکہ باہر مردوں کا ہجوم تھا جو اندر آنے کی اجازت طلب کر رہے تھے۔ مردوں کو اندر آنے کی اجازت ملی تو میں بھی دوبارہ ان کے ساتھ اندر داخل ہو گیا۔ اس وقت بھی میں نے حضرت حفصہ کی آواز سنی کہ وہ گھر کے اندر رو رہی تھیں۔

چھ صحابہ کی کمیٹی

لوگوں نے کہا "امیرالمومنین وصیت لکھ دیجئے اور کسی کو اپنا جانشین مقرر کر دیجئے۔" آپؓ نے فرمایا "اس کام کے لئے ان چھ آدمیوں سے زیادہ کوئی مستحق نہیں ہو سکتا جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندگی بھر خوش رہے اور وفات کے وقت بھی ان سے راضی تھے پھر آپؓ نے ان چھ صحابہؓ کے نام بتائے۔ (۱) علیؓ بن ابی طالب (۲) عثمانؓ بن عفان (۳) زبیرؓ بن عوام (۴) طلحہؓ بن عبیداللہ (۵) سعدؓ بن ابی وقاص اور (۶) عبدالرحمنؓ بن عوف" پھر فرمایا "عبداللہ بن عمرؓ بھی تمہارے ساتھ مشورے میں شامل ہو گا لیکن وہ خلیفہ بننے کا اہل نہیں۔" پھر وضاحت کرتے ہوئے فرمایا "میں نے سعدؓ بن ابی وقاص کو کسی کمزوری یا خیانت کی وجہ سے معزول نہیں کیا تھا بلکہ وہ انتظامی فیصلہ تھا۔ اگر سعد کو منتخب کر لیا جائے تو اپنے باقی ساتھیوں کی طرح وہ بھی اس منصب کا پورا اہل ہے۔ تم میں سے جو بھی خلیفہ منتخب ہو جائے اسے

سعدؓ کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔"

خاکساری و انکساری

اپنے بیٹے عبداللہ بن عمرؓ سے فرمایا "میرا سر تکیے سے اٹھا کر نیچے خاک پر رکھ دو شاید میرا اللہ میرے خاک آلود سر کی وجہ سے مجھ پر رحم فرمائے۔ اگر میں اللہ کی رحمت سے محروم رہوں تو تباہی ہے میرے لئے اور تباہی ہے میری ماں کیلئے۔ اے کاش میری ماں نے مجھے جنا ہی نہ ہوتا...... جب میں مرجاؤں تو میری آنکھیں بند کر دینا اور میرے کفن میں سادگی اختیار کرنا کیونکہ اگر میں اللہ کے ہاں مقبول ہوں تو اللہ مجھے اس کفن سے بہتر لباس عطا فرمائے گا اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہو گا تو وہ مجھے فوری طور پر برہنہ کر دیگا۔"

یہ حضرت عمرؓ کی شہادت کے واقعات ہیں جو راویانِ سیرت نے بیان کئے ہیں۔ میں نے ان کے لکھنے کا ارادہ محض وقائع نگاری کے لئے نہیں کیا تھا۔ میرا تو مقصود ہی اس ساری کتاب سے یہ ہے کہ ہم درس و عبرت حاصل کریں اور تربیتِ نفس کے جو بے پناہ سبق ان واقعات میں پنہاں ہیں ان کی مدد سے اپنے آپ کو سدھار لیں۔ وہ لمحات جب سکراتِ موت انسان کو ہر چیز سے غافل کر دیتے ہیں حضرت عمرؓ کی زندگی میں بھی آئے مگر عمرؓ نے اپنے فرائض و واجبات اور منصب و مقام کا حق ادا کیا۔ ایک لمحے کے لئے بھی ان پر گھبراہٹ یا مایوسی طاری نہیں ہوئی۔ عمرؓ کی حیاتِ طیبہ عبرت و موعظت کا اعلیٰ ترین نمونہ تھا مگر دارِ فانی سے عالمِ جاودانی کو منتقل ہونے کے آخری لمحات تو زیادہ ہی پُر اثر اور پُر کیف ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کی شہادت کی پیش گوئی فرما دی تھی۔ حضرت عمرؓ نہ موت سے کبھی ڈرتے تھے اور نہ اپنی حفاظت کے لئے انہوں نے کوئی پہرے دار مقرر کئے تھے آپؓ آزادانہ گھومتے پھرتے تھے۔ آپ جانتے تھے کہ موت جس انداز سے مقدر ہے وہ اسی انداز سے اپنے وقت مقررہ پر آجائے گی۔ انسان کو موت کے معاملے میں مطمئن رہنا چاہئے۔ کہا جاتا ہے کہ بہترین پہرے دار خود موت ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ موت مضبوط ڈھال ہے۔ یعنی جب تک اس کا وقت نہیں آتا انسان کو کوئی مار نہیں سکتا۔

Marfat.com

نماز۔ دربارِ خداوندی کی حاضری

حضرت عمرؓ خشوع و خضوع کے ساتھ نماز ادا کیا کرتے تھے۔ صفیں درست کرنا بھی نماز کا حصہ ہے اور دل کی حضوری وانابت بھی نماز کا تقاضا۔ آپؓ ان ساری باتوں کا اہتمام کیا کرتے تھے۔ ہم نماز پڑھنے کیلئے نکلتے ہیں تو کسمساتے ہوئے۔ نماز کے انتظار میں بیٹھتے ہیں تو دل خشیت سے خالی اور زبانیں ذکر و تسبیح سے بے بہرہ رہتی ہیں۔ باتوں میں مشغول رہتے ہیں یا دل میں دنیا بھر کے منصوبے بناتے رہتے ہیں۔ ہمارے دل کے کسی گوشے میں یہ تصور نہیں ہوتا کہ ہم مالک الملک کے دربار میں حاضر ہیں۔ دل سوز سے خالی رہتے ہیں اور آنکھیں پتھرائی ہوئی بے نم۔ گویا ہم اس حقیقت ہی سے بے خبر ہیں کہ نماز دین کا ستون ہے۔

دربارِ خداوندی کے جلال وہیبت کا کچھ بھی احساس ہو تو وہاں پہنچ کر زبان چپ ہو جائے۔ سرسراہٹ بھی نہ سنائی دے۔ ہماری غفلت نے ہمیں ڈبو دیا ہے۔ ہم نماز کیا ادا کرتے ہیں؟ بس کچھ حرکات و سکنات ہیں جن کو ہم نے نماز کا نام دے دیا ہے۔ کوئی پوچھے "کہاں تھے" تو ہم بلا تردد کہتے ہیں "نماز پڑھ رہے تھے" مگر انصاف کی بات یہ ہے کہ ہماری نمازیں روح سے خالی ہیں۔ آپ اندازہ کیجئے کہ ابراہیم و اسماعیل علیهما الصلوة والسلام بیت اللہ کی تعمیر میں مصروف تھے اور نہایت شوق و محبت سے اینٹ گارا اٹھا رہے تھے مگر پھر بھی خوف و خشیت کا یہ عالم تھا کہ اللہ سے ڈرتے ہوئے دعا مانگی "ربنا تقبل منا"

ہم نماز پڑھ کر گویا اللہ پر احسان دھرتے ہیں جب کہ نماز کی کیفیت کا بھی وہ حال ہے جو میں بیان کر چکا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے بے پناہ انعامات کا شکر ادا کرنا چاہیں تو شکر ادا نہیں کر سکتے بلکہ انہیں گننا چاہیں تو گن بھی نہیں سکتے پھر بھی ہم عاجزی و انکساری کی جگہ پندار میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ نماز کے ادا کرنے میں حضرت عمرؓ احسان کا مظاہرہ کرتے تھے یعنی اللہ کو اپنے دل کی آنکھوں سے دیکھ رہے ہوتے تھے۔ ان کے ظاہر و باطن میں کوئی تفاوت نہیں ہوتا تھا۔ اے کاش کہ ہمیں بھی اس عظیم انسان کے کردار کا کچھ حصہ مل جائے اور ہماری

Marfat.com

بگڑی بن جائے۔ یہ میری تمنا اور خواب ہے۔ مگر امتِ مسلمہ کا حال اس سے بہت بعید ہے۔

حضرت عمرؓ کی فرض شناسی اور جرأت

حضرت عمرؓ پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ زخم جان لیوا تھے۔ مگر اس نازک گھڑی میں بھی آپؓ اپنے فرائض سے غافل نہ رہے۔ اپنے دکھ درد کو بھول کر نماز کی تکمیل کا اہتمام کیا۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کا ہاتھ پکڑا۔ اس لئے نہیں کہ ان کا سہارا لیں یا ان سے مدد مانگیں بلکہ اس لئے کہ انہیں امامت کے مصلّے پر کھڑا کریں۔ اگر کوئی دوسرا ایسی صورت حال سے دوچار ہو جائے تو آہ وپکار اور شکوہ شکایت سے آسمان سر پر اٹھالے۔ اپنے زخموں کے علاج کی دہائی دینے لگے اور یہ ناگہانی مصیبت اسے ایسا مشغول کر لے وہ ہر واجب سے بے خبر ہو جائے۔

اندازہ کیجئے حضرت عمرؓ کتنے بہادر اور جرأت مند تھے۔ آخر ایسے کتنے انسان ہوں گے جو قاتلانہ حملے کے وقت اپنی جان کی پروا کئے بغیر امانت کی ادائیگی اور فرض کی بجا آوری کا اہتمام کر سکیں۔ ہم ایسی اعلیٰ اقدار سے محروم ہو جانے کی وجہ سے آج پستی میں مبتلا ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ ہم میں سے ہر شخص مسلمانوں کی بدحالی کا رونا روتا ہے اور اس کے علاج کے بارے میں سوال پوچھتا ہے۔ جب کہ علاج خود اس کے ہاتھ میں ہے۔ امت افراد کے مجموعہ کا نام ہے۔ ہر فرد بیمار ہے۔ اسی لئے پوری امت بیماری کا شکار ہے۔ امت کو اس حال سے نکالنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ ہر شخص اپنا علاج کرے۔ مصیبت تو یہ ہے کہ ہر شخص دوسروں کی عیب جوئی کرتا ہے اور اپنے آپ کو بھول جاتا ہے۔ دوسروں پر غصہ بھی جھاڑتا ہے اور اپنے آپ کو بری الذمہ سمجھتا ہے۔ کبھی دشمنوں کی شکایت' کبھی وقت اور زمانے کا شکوہ۔ مگر یہ سارے شکوے فضول اور بے معنی ہیں۔ ذلت و پستی ہماری اپنی پیدا کردہ ہے۔ دوسرا کیا کر رہا ہے؟ اس سے صرفِ نظر کر کے ہر شخص یہ سوچے کہ میں کیا کر رہا ہوں تو شاید جواب مل جائے۔ ہم میں سے ہر شخص یہ سوچے کہ اصلاح کا کام میری ذات سے شروع ہونا چاہئے۔ اگر ہر شخص اسی طرح صحیح سمت میں قدم اٹھائے تو منزل مل

Marfat.com

جائے۔ اگر آپ ہدایت پا جائیں تو گمراہ لوگوں کی گمراہی آپ کو نقصان نہیں پہنچا سکے گی بشرطیکہ آپ نیکی کا پرچار کرتے رہیں۔

جس طرح ہر شخص خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم غم اور بیماری سے دوچار ہوتا ہے۔ اسی طرح مکافاتِ عمل کی اس دنیا میں دین اور معاش دونوں کیلئے تگ ودو کرنا پڑتی ہے۔ اس دنیا میں جدوجہد کا بنیادی اصول ہی یہ ہے کہ جو جتنی کوشش کرے گا اس کا پھل پائے گا۔ دنیا میں ان کاوشوں کا نتیجہ ادھورا ہوتا ہے۔ آخرت میں وہ اپنی مکمل صورت میں سامنے آئے گا۔ بعض مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ جب کوئی آزمائش آئے تو سب کچھ بھول جاتے ہیں۔ وفاداری کا جو عہد باندھا تھا وہ بھی فراموش اور جس دین کی نصرت کو اپنے لئے واجب قرار دیا تھا اس سے بھی روگردانی۔ ایسے وقت میں ان لوگوں کا یہ حال ہوتا ہے کہ سب کچھ قربان ہو جائے مگر ان کو گوشۂ عافیت مل جائے۔ اگر حقیقی طور پر اللہ سے لو لگا لی جائے۔ صبر کو اپنی عادت بنالیا جائے اور باہمی صبر کی تلقین معمول بن جائے تو اس امت کے افراد بھی سرخرو ہو جائیں اور یہ امت بھی کامیابی سے ہمکنار ہو جائے۔

ہماری مصیبتیں بے پناہ اور ہمارے زخم بہت گہرے ہیں۔ مگر دنیا میں کس سے شکایت کریں اور کون ہے جو امداد کر سکے۔ ایک ہی در ہے جہاں انسان سر جھکا دے تو کبھی اسے ناکامی نہیں ہوتی یہ اللہ رحمان ورحیم کا در ہے جہاں رحمت کی تجلیات برستی رہتی ہیں جو اس تجلی سے منور ہو جائے وہ کسی خطرے کو خاطر میں نہیں لاتا۔ بلکہ ایمان ویقین کے ساتھ اللہ کے ہر فیصلے پر راضی ہو جاتا ہے۔

عمرؓ۔ بطلِ جلیل

حضرت عمرؓ پر قاتلانہ حملہ ہوا زخم کاری تھے مگر آپ دیکھیں کہ انہوں نے نہ تو شور مچایا۔ نہ چیخ پکار کی آواز آئی۔ اس نازک گھڑی میں بھی سب سے پہلا خیال یہ آیا کہ قاتل کون ہے کہیں ایسا تو نہیں کہ کسی مسلمان کے ہاتھ ان

Marfat.com

کے خون سے رنگین ہو گئے ہیں۔ جب معلوم ہوا کہ ان کا قاتل غیر مسلم ہے تو انہوں نے چین کا سانس لیا۔ اللہ کا شکر ادا کیا کہ کوئی مسلمان اپنی گردن پر یہ بوجھ لے کر اللہ کے ہاں نہیں جائے گا۔ زندگی کے آخری لمحات میں بھی مسلمانوں سے ایسا لگاؤ اور ان کی بھلائی کی ایسی فکر کتنی عظیم مثال ہے۔ عمرؓ مسلمانوں کے حق میں سراپا رحمت تھے اور ان کی یہ رحمت زندگی کے آخری لمحات تک قائم و دائم رہی۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے عمرؓ بن خطاب محبت بھی کرتے تھے اور ان کی تکریم بھی فرماتے تھے مگر اس محبت و احترام کے باوجود آپؓ نے مسلمانوں کی مصلحتِ عامہ کے پیش نظر عبداللہ بن عباسؓ کی طرف دیکھا اور فرمایا "غیر مسلم غلاموں کی مدینہ میں کثرت کی ذمہ داری تمہارے اور تمہارے والد مرحوم کے کندھوں پر ہے۔" عبداللہ بن عباسؓ اور ان کے والد عباسؓ بن عبدالمطلب کے بہت سے غلام غیر مسلم تھے۔ حضرت ابن عباس نے عرض کیا "سب غیر مسلم غلاموں کو گرفتار کر لینا چاہیئے" تو اس پر امیر المومنین نے فرمایا "نہیں کسی ایک فرد کے جرم پر بے گناہ لوگوں کو سزا دینا جائز نہیں" حضرت عمرؓ سمجھتے تھے کہ مدینہ منورہ میں غیر مسلم موالی کی کثرت امن و امان کیلئے خطرہ بن سکتی ہے۔ حضرت عمرؓ کی دور رس نگاہوں نے اپنے بعد آنے والی نسلوں کو بھی خطرے کا احساس دلا دیا تھا مگر بد قسمتی سے بعد کے مسلمان حکمرانوں نے اس حکیمانہ سوچ کو در خورِ اعتنا نہ سمجھا چنانچہ آپ جانتے ہیں کہ تاریخ کے صفحات میں بغداد کے عباسی خلفا کا جو انجام رومی، فارسی، دیلمی اور ترکمان غلاموں کے ہاتھوں ہوا اس میں ان کی بے تدبیریوں اور ناعاقبت اندیشی کا بھی بڑا دخل ہے۔

حضرت عمرؓ آخری لمحات میں بھی اسلامی تعلیمات پر کاربند رہے اور دوسروں کو بھی اسی کی تلقین کی۔ اس نوجوان کا واقعہ اس سے پہلے گزر چکا ہے جس نے انہیں جنت کی بشارت دی تھی۔ حضرت عمرؓ نے اس نوجوان کو تلقین کی کہ اپنا تہہ بند ٹخنوں سے اوپر کر لے۔ خشیتِ الٰہی اور معرفتِ ربانی کا یہ نمونہ کتنا ایمان پرور ہے۔ سنت کی پابندی کا اہتمام نزع کے عالم میں بھی کیا گیا۔ یہ تھی

Marfat.com

سیرت اس شخص کی جس سے میں دل کی گہرائیوں سے محبت کرتا ہوں۔

ظلم کا ساتھ دینا بھی ظلم ہے۔

آج مسلمان نہ صرف یہ کہ خلافِ شرع کاموں سے اغماض برتتے ہیں بلکہ بڑے دھڑلے سے معصیت کا ارتکاب کرتے ہیں اللہ کے باغیوں سے میل ملاپ رکھتے ہیں اور دین کے دشمنوں سے دوستی گانٹھتے ہیں۔ غالباً فانی دنیا کے مفادات اور موہوم خطرات کا ڈر ان کے دل و دماغ میں جاگزیں رہتا ہے۔ انہیں شاید یہ معلوم ہی نہیں کہ نفع ونقصان اللہ کے اختیار میں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے دین کے دشمنوں اور ظالموں کی طرف جھکاؤ سے منع فرمایا ہے۔ ظالم کے ظلم پر خاموشی اختیار کرنا بھی ظلم ہے اور ظلم کا انجام تباہی و بربادی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

"ان ظالموں کی طرف ذرا نہ جھکنا ورنہ جہنم کی لپیٹ میں آجاؤ گے اور تمہیں کوئی ولی و سرپرست نہ ملے گا جو خدا سے تمہیں بچا سکے اور کہیں سے تمہیں مدد نہ ملے گی۔" (سورہ ہود آیت ۱۱۳)

Marfat.com

میں آپ کے سامنے ایک عملی مثال پیش کرنا چاہتا ہوں جس سے یہ معلوم ہو کہ ظالموں کا ساتھ دینا اہلِ حق کا شیوہ نہیں۔

حجاج بن یوسف نے سالمؒ بن عبداللہؓ کو تلوار دی اور ایک شخص کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ سالم نے اس شخص سے پوچھا "کیا تم مسلمان ہو؟" اس شخص نے جواب دیا "ہاں میں مسلمان ہوں لیکن تجھے جو حکم دیا گیا ہے تو وہ کر گزر" انہوں نے دوسرا سوال پوچھا "کیا تو نے آج صبح کی نماز پڑھی؟" اس نے جواب دیا "ہاں" یہ سن کر سالمؒ حجاج کے پاس آئے اور تلوار اس کی جانب پھینکتے ہوئے کہا "وہ مسلمان ہے اور اس نے صبح کی نماز ادا کی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد میرے سامنے ہے کہ جس نے صبح کی نماز ادا کی وہ اللہ کی حفظ و امان میں ہے۔" حجاج نے کہا "ہم اسے نماز صبح کی وجہ سے تو قتل نہیں کر رہے بلکہ یہ ان لوگوں میں سے ہے جنہوں نے عثمانؓ بن عفان کے قتل

میں حصہ لیا تھا" یہ سن کر سالمؒ نے کہا "اچھا اب بات کا پتہ چلا۔ تم اس بہانے سے اس مسکین کو قتل کرنا چاہتے ہو؟ عثمانؓ کے ساتھ مجھ سے زیادہ کون قریبی تعلق رکھتا ہے؟" اس طرح سے ایک مردِ حق نے ایک ظالم کے سامنے جرأت کا مظاہرہ کیا اور ظلم میں اس کے آلۂ کار نہ بنے۔

عمرؓ۔ امت کا مربیؒ

یہ واقعات بہت مشہور ہیں۔ عالم و جاہل سبھی ان سے باخبر ہیں۔ مشکل یہ ہے کہ آج ہم خواہشاتِ نفس کے غلام بن گئے ہیں۔ حضرت عمرؓ صحیح معنوں میں جنت کے طلب گار تھے۔ آپؓ جانتے تھے کہ شہید بھی جنت میں نہیں جا سکتا اگر اس کے ذمے قرض ہو۔ اسی لئے آپؓ نے اپنے بیٹے کو وصیت فرمائی کہ آپؓ کے ذمے جتنا قرض ہو اس کا حساب کیا جائے اور اس کی ادائیگی کا انتظام کیا جائے۔

اسلام نے اپنے پیرو کاروں کو اخلاق و آداب سکھائے۔ حضرت عمرؓ کی خواہش تھی کہ اپنے دونوں محبوب ساتھیوں کے قریب دفن کیئے جائیں اس کیلئے انہوں نے کوئی حکم صادر نہیں کیا بلکہ ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں درخواست کی۔ درخواست میں بھی اپنے بیٹے سے کہا مجرد میرے نام سے درخواست پیش کرنا میرے نام کے ساتھ امیر المومنین نہ لگانا۔ ہمارا حال یہ ہے کہ ہم اپنے القاب و مناصب کے بغیر زبان ہی نہیں کھولتے یہاں تک کہ مرنے کے بعد بھی وہ القاب ہمارے نام کا حصہ رہتے ہیں۔ ہم اسلامی آداب سے دور ہو جانے کی وجہ سے ذلت و پستی میں مبتلا ہیں۔ اے کاش کہ ہم اپنی حالت کو سدھار سکیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "میرے رب نے مجھے ادب سکھایا ہے اور میرا یہ ادب بہت اچھا ہے۔"

جہدِ مسلسل

ہماری ایک کمزوری یہ بھی ہے کہ ہم ہتھیلی پر سرسوں جمانے کے قائل ہیں۔ ایک کام کا آغاز ہوا تو اس کا فوری نتیجہ اور وہ بھی اپنی مرضی کے مطابق دیکھنا

Marfat.com

چاہتے ہیں۔ کوئی شخص جاپان میں رہتا ہو اور حج کا ارادہ کرلے تو اس ارادے کو عملی جامہ پہنانے کیلئے اسے سفر کا آغاز کرنا پڑے گا۔ پہلے قدم پر تو وہ منزل سے ہم کنار نہیں ہو سکتا مگر وہ پہلا قدم منزل کی جانب پیش قدمی کیلئے بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ قدم بہ قدم انسان منزل کی جانب بڑھتا رہے تو ایک دن منزل اس کے سامنے موجود ہوتی ہے۔ ہمیں بھی اس کٹھن کام کیلئے رختِ سفر باندھنا چاہئے اور اللہ پر بھروسہ کر کے قدم اٹھانا چاہئے۔ نتیجہ ضرور نکلے گا مگر اپنے وقت پر۔ مردانگی کی سب سے اولین علامت امید و رجا ہے۔ یہ علامت ختم ہو جائے تو مردانگی کہاں باقی رہ سکتی ہے!

سیدنا عمرؓ کبھی مایوس نہ ہوئے تھے۔ آپ نے آخری لمحات میں بھی پوری جواں مردی سے معاملات کو نپٹایا۔ وہ دنیا سے ایک پُر امید انسان کی طرح اٹھے۔ موت کے بارے میں بھی ان کا ذہن بالکل صاف تھا۔ موت سب سے بہترین واعظ ہے۔

حضرت عمرؓ کے بارے میں سرورِ عالمؐ کی رائے۔

آخر میں، میں حضرت عمرؓ کے بارے میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول نقل کرنا چاہتا ہوں "اللہ تعالیٰ نے عمرؓ کی زبان پر حق جاری فرمادیا ہے اور عمرؓ کے دل کو حق کا مسکن بنا دیا ہے۔" اس عظیم منقبت اور بشارت کے باوجود عمرؓ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے تھے۔ خانۂ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے نہایت عجز و انکسار سے دعا مانگی "اے مولائے کریم اگر تو نے مجھے خوش بخت لوگوں میں شامل فرمایا ہے تو میری اس حالت کو ثبات عطا فرمادے اور اگر تو نے مجھے بدبخت لوگوں میں لکھ دیا ہے تو اس فیصلے کو منسوخ کردے اور مجھے اہل سعادت و مغفرت میں شامل فرما۔ بے شک تو جو چاہے لکھ سکتا ہے اور جو چاہے مٹا سکتا ہے۔ تیرے پاس ام الکتاب ہے۔"

میں اس عظیم صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آخر میں ایک ہدیہ پیش کرنا چاہتا ہوں اور میں کیا ہدیہ پیش کر سکتا ہوں! میری بساط و اوقات کیا ہے؟ میں تو ذخیرۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے یہ قول پیش خدمت کرتا

Marfat.com

ہوں کہ اس سے بہترین ہدیہ شاید کوئی نہ ہو سکے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "یوم عرفہ کے موقع پر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر عمومی انداز میں فرشتوں کے سامنے فخر کرتا ہے اور عمرؓ بن خطاب پر خصوصی انداز میں نظرِ کرم ہوتی ہے۔"

جنازہ اور تدفین

اس عظیم انسان کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی تو ان کے عظیم بیٹے عبداللہ ابن عمرؓ نے غسل دیا۔ جنازہ اٹھا کر مسجدِ نبوی میں لایا گیا اور نماز جنازہ کے بعد عبداللہ ابن عمرؓ، عثمانؓ بن عفانؓ، سعید بن زیدؓ اور عبدالرحمانؓ بن عوف نے قبر میں اتارا۔ اس دن سے اپنے ساتھیوں کے پہلو میں یہ حبیبِ خدا آرام کر رہا ہے۔

جس روز حضرت عمرؓ پر قاتلانہ حملہ ہوا تھا وہ ذوالحجہ کا ۲۶واں دن تھا۔ اس ماہ کے چار دن باقی تھے سال ۲۳ ہجری تھا، آپ کی شہادت یکم محرم ۲۴ھ کو ہوئی اور اسی روز آپ کو دفن کر دیا گیا۔ یہ اتوار کا دن تھا۔ آپ کی نماز جنازہ حضرت صہیب رومیؓ نے پڑھائی تھی۔ آپ کا زمانۂ خلافت دس سال پانچ ماہ اور اکیس دن بنتا ہے۔

میں نے حضرت عمرؓ پر مورخ کی حیثیت سے قلم نہیں اٹھایا تھا۔ میں نے تو مورخین کے مرتب کردہ واقعات سے استفادہ کیا میں سیرتِ عمرؓ کا خوشہ چین ہوں۔ میں اللہ تعالیٰ سے بیم و رجا کے ملے جلے جذبات کے ساتھ دست بدعا ہوں کہ وہ میری مغفرت فرمادے اور میری کاوش کو قبول فرمائے۔ اس کا اپنا وعدہ ہے کہ جو اس کی راہ میں خلوص کے ساتھ کوشش کرے گا وہ اسے دنیا و آخرت میں ضرور نوازے گا۔

> "اللہ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ ان کو اسی طرح زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو بنا چکا ہے۔ ان

Marfat.com

کیلئے ان کے اس دین کو مضبوط بنیادوں پر قائم
کر دے گا جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں پسند کیا
ہے اور ان کی (موجودہ) حالت خوف کو امن سے
بدل دے گا۔ بس وہ میری بندگی کریں اور میرے
ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور جو اس کے بعد کفر
کرے تو ایسے ہی لوگ فاسق ہیں۔"
(النور آیت ۵۵)

ابنِ عباسؓ کی گواہی

خشیت و انکساری حضرت عمرؓ کے صحیفۂ اخلاق کے نمایاں باب تھے۔ آخری وقت میں بھی اپنے بیٹے سے فرمایا کہ "میرا سر تکیے سے اٹھا کر فرش خاکی پر رکھ دو۔" یہ عبودیت کی بلندی ہے۔ ابن عباسؓ نے امیر المومنین کی نیکیاں گنوائیں اور بشارتِ جنت دی تو ان کی طرف دیکھ کر فرمایا "اے ابنِ عباسؓ کیا تو میرے حق میں گواہی دے گا؟" انہوں نے ابھی جواب نہیں دیا تھا کہ ان کے کندھے کو پکڑ کر عجلت سے پوچھا "کیا تو گواہی دیتا ہے؟" ابن عباسؓ نے کہا "ہاں میں آپ کے حق میں گواہی دیتا ہوں۔"

عمرؓ کے عدل و انصاف کی مثال آپ کے بعد کوئی حکمران پیش نہیں کر سکا۔ اللہ کی توفیق سے آپؓ کا نامۂ اعمال نیکیوں سے مالا مال تھا مگر اس کے باوجود یہی تمنا کرتے رہے کہ قیامت کے دن برابر سرابر چھوٹ جائیں۔ عمرؓ کی سیرت میں ہمارے لئے بے پناہ درس ہائے عبرت پنہاں ہیں۔

مایوسی کفر ہے

بعض اوقات اندھیری رات میں انسان گھبرا اٹھتا ہے اور اس کے دل میں یہ خیال گزرتا ہے کہ آیا یہ تاریکی کبھی چھٹے گی بھی یا نہیں۔ اسی طرح مصائب و ابتلا کی یلغار کے سامنے انسان ہمت ہار کر مایوسی کا شکار ہو جاتا ہے۔ مایوسی مسلمان کیلئے حرام ہے۔ سورہ یوسف آیت ۸۷ میں رب العزت نے

مایوسی کو کافروں سے منسوب کیا ہے۔ ایک حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مایوسی کو کبیرہ گناہوں میں شمار فرمایا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے کہ ایک شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے پوچھا "یا رسول اللہ کبیرہ گناہ کون سے ہیں؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "اللہ کے ساتھ کسی کو شریک بنانا اور اللہ کی رحمت سے مایوسی اور ناامیدی۔"

لوگ پوچھتے ہیں "پھر کیا کرنا چاہئے؟" اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ کی رحمت سے امید باندھ کر اپنی قوت بازو کو استعمال میں لانا چاہئے۔ مایوسی کو دل و دماغ سے جھٹک دینا چاہئے اور اپنے دشمنوں کی چالوں کا آنکھیں کھول کر جائزہ لینا چاہئے۔ شر اور باطل بھی اپنے نظریات کی برتری اور کامیابی کیلئے سرگرم عمل رہتا ہے۔ وہ بھی دکھ جھیل کر اور مار کھا کر اپنی بات کا پرچار کرتے ہیں۔ ہم حق پر ہوتے ہوئے کیوں ناامید ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے پورے وثوق اور یقین کے ساتھ دعا مانگنی چاہئے۔ جب دعا کیلئے ہاتھ اٹھائیں یا زبان کھولیں تو پختہ یقین ہو کہ دعا قبول ہوگی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "اللہ تعالیٰ سے اس یقین کے ساتھ دعا مانگو کہ تمہاری دعا لازماً مستجاب ہوگی اور یہ جان لو کہ اللہ تعالیٰ کسی ایسے شخص کی دعا قبول نہیں کرتا جس کا دل غفلت اور لہو و لعب کا عادی ہو۔"

تاریخ سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ اس دھرتی کے سینے پر کبھی کسی قوم کو دائمی عروج نصیب نہیں ہوا۔ بڑے بڑے قوی و جابر حکمران اور بڑی بڑی مضبوط و ترقی یافتہ قومیں مٹ گئیں اور ان کی نشانیاں کھنڈروں کی صورت میں سامان عبرت کے طور پر باقی رہ گئیں۔ زمانہ بدلتا رہتا ہے۔ آج ہم ادبار کا شکار ہیں تو یہ ہمارا مستقل اور دائمی نصیب تو نہیں بن گیا۔ ہم اس پستی سے نکل سکتے ہیں۔

دشمن دو طرح کے ہوتے ہیں ایک داخلی اور دوسرا خارجی۔ مایوسی ایک ایسا دشمن ہے جو انسان پر اندر سے حملہ آور ہوتا ہے۔ وہ اسے اندر سے کھوکھلا کر کے بیرونی دشمن کے سامنے چت گرا دیتا ہے۔ خارجی دشمن کا مقابلہ کرنے

Marfat.com

کیلئے سب سے پہلے اس داخلی دشمن کو شکست دینا ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں ہر جانب ہمارے لئے زندگی کا حسین جال پھیلا دیا ہے۔ پرندوں کی خوش الحانی، آبشاروں کی صدائیں، دریاؤں کی روانی، پھولوں کا تبسم، ہواؤں کے جھونکے اور بارش کے قطرات غرض ہر چیز جمال کا نمونہ ہے۔ انسان اپنے یاس و قنوط سے اس سارے ماحول کو غمزدہ اور مایوس کن بنا دیتا ہے۔ اسلام زندگی کا پیغام اور عمل کا داعی ہے۔ اسلام نے مایوسی کو کفر قرار دیا ہے۔ ہم عمل وجہد کے مکلف ہیں۔ زیادہ ہو یا کم عمل و امید ہی مطلوب ہے۔

Marfat.com

کیا آپ..........

مولانا مودودیؒ سے ملنا چاہتے ہیں؟

مولانا مودودی سے کوئی سوال پوچھنا چاہتے ہیں

5-اے ذیلدار پارک

مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ

عصری مجالس

مرتبہ :مظفر بیگ-حفیظ الرحمٰن احسن

علم-حکمت-تدبر-فہم وفراست کا حسین مرقع

مطالعہ کیجیے- مطالعہ کروائیے

البدر پبلی کیشنز

23-راحت مارکیٹ اُردو بازار لاہور

فون:042-37225030-0300-8485030

Marfat.com

سیرتِ پاکؐ پر ہماری دو خوبصورت کتابیں

الروح والریحان

محمد وقاص خان

☆ نوجوانوں کے لیے خوبصورت تحفہ ☆ سیرت پاک پر منفرد تحریر

آسان اور عام فہم زبان ☆ مستند واقعات

خوبصورت اور مضبوط جلد- معیاری کاغذ- آفسٹ طباعت

ھو سیّدنا ﷺ

ڈاکٹر اُم کلثوم

خواتین اور طالبات کے لیے نہایت مفید

دل نشین اندازِ بیان- دل میں اتر جانے والا اندازِ تحریر

خوبصورت ٹائیٹل- اعلیٰ اور معیاری کاغذ

البدر پبلی کیشنز

23- راحت مارکیٹ اُردو بازار لاہور

فون:042-37225030-0300-8485030

Marfat.com

عظیم المرتبت صحابہؓ کے حالاتِ زندگی

عشرہ مبشرہ رض

بشیر ساجد

مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے شاگردِ رشید

☆ اپنے موضوع پر سب سے مستند اور مفصل کتاب

☆ تاریخی واقعات وحالات کا علمی جائزہ

☆ محققانہ انداز، آسان اور عام فہم

مضبوط جلد-معیاری کاغذ-آفسٹ طباعت

البدر پبلی کیشنز

23-راحت مارکیٹ اُردو بازار لاہور

فون:042-37225030-0300-8485030

Marfat.com

طالب ہاشمی

☆صحابہؓ کی پاکیزہ زندگی کے حالات

☆صحیح واقعات وحالات پر مبنی تحقیق ☆ بے شمار کتب کا نچوڑ

☆منفرد اندازِ تحریر ☆ دِل میں اُتر جانے والا اُسلوبِ نگارش

☆ رحمت دارین کے سو شیدائی	سو صحابہ کرامؓ کے روح پرور تذکرے
☆ تیس پروانے شمع رسالتؐ کے	تیس جلیل القدر صحابہؓ کے ایمان افروز حالات
☆ خیر البشرؐ کے چالیس جانثارؓ	چالیس صحابہ کے رُوح پرور حالاتِ زندگی
☆ تذکارِ صحابیات	دو سو پچاس صحابیاتؓ کے ایمان افروز حالات
☆ تذکارِ صالحات	تاریخ اسلام کی نامور خواتین کا تذکرہ
☆ پچاس صحابہؓ	پچاس صحابہؓ کی پاکیزہ زندگی کے حالات
☆ خلیفۃ الرسولؐ	حضرت ابوبکر صدیقؓ کے جامع حالاتِ زندگی
☆ سیرت حضرت فاطمۃ الزہراؓ	جگر گوشہ رسولؐ پر منفرد کتاب
☆ ہمارے رسول پاکؐ	بچوں کے لیے نہایت خوبصورت تحفہ
☆ حسنِ گفتار	مختصر مضامین۔سبق آموز۔تربیت اور تزکیہ کے لیے نہایت مفید

Marfat.com

شہید المحراب

عمرؓ بن الخطابؓ

سید عمر تلمسانی

ترجمہ

حافظ محمد ادریسؒ

البدر پبلی کیشنز

۲۳ راحت مارکیٹ اردو بازار لاہور۔ فون: 7225030

DATA ENTERED

Marfat.com